جلد دوم

سیرت انبیائے کرام علیہم السلام

حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام تا خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم



ادارہ اسلامیات

لاہور — کراچی

تَبْصِرَۃً وَّذِکْرٰی لِکُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ

ہدایت کے چراغ

جلد ۲

یعنی

سِیرتِ انبیائے کرام علیہم السلام

ابُو البشر سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء سیّدنا محمّد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و دعوت تک تمام انبیائے کرام کے حالات و واقعات۔ قرآن کریم میں بیان کردہ قصص۔ قدیم اقوام اور سابقہ اُمّتوں کا مُستند تذکرہ۔ قرآن و حدیث کے اوراق سے سلیس زبان اور عام فہم انداز میں

حضرۃ سیدنا داؤد علیہ السلام تا خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف: مولانا محمّد عبد الرحمن صاحب
استاذ حدیث و تفسیر، ناظم مجلس علمیہ حیدر آباد دکن

ناشر
ادارۂ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور ۲

طباعت اوّل	:	ربیع الاوّل ۱۴۱۱ھ
	:	اکتوبر ۱۹۹۰ء
باہتمام	:	اشرف برادران سلّمہم الرحمان
ناشر	:	ادارہ اسلامیات، لاہور
مطبع	:	عرفان افضل پرنٹنگ پریس، لاہور
قیمت	:	

ادارہ اسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

✱ ——— دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور۔ فون ۳۲۳۳۱۰، فیکس ۹۲-۴۲-۳۲۴۷۸۵	✱ ——— ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان فون ——— ۲۴۳۹۹۰، ۲۵۳۲۵۵	✱ ——— موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی فون ۲۶۲۲۴۰۱

ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی، لاہور ۲
دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی ۱
ادارۃ المعارف۔ دارالعلوم کورنگی، کراچی
مکتبہ دارالعلوم۔ دارالعلوم کورنگی، کراچی

تصريح

وزارة الاعلام

(الاعلام الداخلي)

جدة

الرقم: ٢٩٣٦/م اج

التاريخ: ١٦/٩/١٤٠٩ھ

ادارة الاعلام الداخلي۔جدة

فہرست عناوین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ تَرٰىہُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ
ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں اور آپس میں مہربان ہیں اے
مخاطب تو ان کو دیکھے گا کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ
کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں

انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد دُنیا کے مُقدس ترین انسانوں کی سرگزشتِ حیات

سِیَرُ الصّحابہ رضی اللہ عنہم

تاریخِ اسلام، اَسماءُ الرّجال اور ذخیرۂ احادیث کی گرانقدر کتابوں سے ماخوذ
مُستند حوالہ جات پر مبنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نیز مشہور تابعین و تبع تابعین اور
آئمۂ کرام رحمہم اللہ کے مفصّل حالاتِ زندگی پر اُردو میں سب سے جامع کتاب

جلد اوّل ۱
خلفائے راشدین رضؓ

جلد دوم ۲
سِیَرِ مہاجرین کامل دو حصے

جلد سوم ۳
سِیَرِ انصار کامل دو حصے

جلد چہارم ۴
چار کبار صحابہؓ / ۵۰ اصغار صحابہؓ

جلد پنجم ۵
اُسوۂ صحابہ رضؓ کامل دو حصے

جلد ششم ۶
سیر الصحابیاتؓ / اُسوہ صحابیاتؓ / اہلِ کتاب صحابہ

جلد ہفتم ۷
تابعین کرامؒ

جلد ہشتم ۸
تبع تابعینؒ (اوّل)

جلد نہم ۹
تبع تابعینؒ (دوم)

مکمل پندرہ حصے نو جلدوں میں مجلد، ساڑھے پانچ ہزار صفحات، عمدہ کتابت و طباعت
گلیز سفید کاغذ، مضبوط ڈائی دار جلد، قیمت کامل سیٹ ۹ جلد ۸۷۰/-

طلب فرمایئے، اِدارۂ اسلامیّات ۱۹۰۔ انارکلی۔ لاہور ۲
(فون۔ ۶۳۲۵۳)

قصص القرآن

تالیف:

حضرت مولانا
قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی

ادارہ اسلامیات پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

- دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور۔ فون ۷۳۲۴۴۱۲، ۔ فیکس ۷۳۲۴۷۸۵، ۔۹۲-۴۲
- ——— ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان ۔ فون ۷۲۴۳۹۹۱ ۔ ۷۳۵۳۲۵۵
- ——— موہن روڈ، اردو بازار، کراچی ۔ فون ۷۷۲۲۴۰۱

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ

خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نہایت مفصل و مبسوط تذکرہ
حالات و سوانح، دینی و سیاسی خدمات، کارناموں اور اخلاق و مکارم پر جامع و تحقیقی کتاب

مُرتّبہ

مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم اے فاضل دیوبند
پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی

اِدارۂ اسلامیات
۱۹۰- انارکلی ○ لاہور

تذکرہ
سیدنا داؤد علیہ السلام
(ذا الاید)

تعارف تذکرہ حضرت شموئیل علیہ السلام میں حضرت داؤد علیہ السلام کا مختصراً ذکر آچکا ہے کہ وہ جالوت سے معرکہ آرائی میں اپنی بے نظیر شجاعت وصلاحیت کا مظاہرہ کر چکے تھے جس کی وجہ سے بنی اسرائیل میں اُن کی شخصیت قابل احترام ہو چکی تھی۔ پھر یہی حضرت داؤد آگے چل کر اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبوت و رسالت سے بھی سرفراز ہوئے اور "خلیفۃ اللہ" کے معزز لقب سے پکارے گئے۔ آپ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد یہودا کی نسل سے ہیں۔

ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں حضرت داؤد علیہ السلام کا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے:۔

داؤد بن ایشا بن عوید بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عویناذب بن ارم بن حصرون بن فرص بن یہودا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام۔

توراۃ میں مذکور ہے کہ ایشا کے بہت سے لڑکے تھے اور حضرت داؤد اُن میں سب سے چھوٹے تھے۔ محمد بن اسحاق نے وہب بن منبہؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نسبتاً پستہ قد، نیلگوں آنکھیں، جسم پر بال بہت کم تھے۔ چہرہ اور جسم سے نفاستِ طبع اور طہارتِ قلب ظاہر ہوتی تھی۔

قرآن حکیم اور سیدنا داؤد علیہ السلام قرآن حکیم کی ۹ نو سورتوں میں آپ کا ذکر خیر آیا ہے کہیں تفصیل کے ساتھ

اور کہیں مختصر طور پر اسم گرامی سولہ۱۶ جگہ موجود ہے۔
آیات کی تفصیل حسب ذیل ہے :۔

سورۂ بقرہ	آیت	۲۵۱
〃 نساء	〃	۱۶۳
〃 مائدہ	〃	۷۸
〃 انعام	〃	۸۴ تا ۹۰
〃 اسراء	〃	۵۵
〃 انبیاء	〃	۷۸ تا ۸۲
〃 نمل	〃	۱۵ تا ۴۴
〃 سباء	〃	۱۰ تا ۱۴
〃 ص	〃	۱۷ تا ۲۶ ۔ ۳۰ تا ۴۰

کُل آیات ۷۱

نبوت و رسالت

بنی اسرائیل میں حضرت داؤد علیہ السلام کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کی ایک یہ علامت بھی ہے کہ حضرت طالوت کی موجودگی ہی میں قوم نے انھیں اپنا حاکم اور سردار تجویز کر لیا تھا۔ اس طرح عنانِ حکومت بھی حضرت داود علیہ السلام کے ہاتھ آگئی۔ اسکے بعد اللہ تعالےٰ کا ایک خاص انعام یہ بھی ہوا کہ وہ منصب نبوت سے بھی سرفراز کر دیئے گئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل میں عرصہ دراز سے یہ سلسلہ قائم تھا کہ ایک خاندان کے ساتھ ہمیشہ حکومت وابستہ تھی اور دوسرے خاندان سے نبوت و رسالت کا سلسلہ چلتا تھا۔ اولادِ یعقوب میں سے یہودا کے گھرانے میں نبوت کا سلسلہ تھا اور افراہیم کے خاندان میں حکومت و سلطنت تھی۔

حضرت داؤد علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنکے اندر یہ دونوں نعمتیں یکجا جمع کر دی گئی تھیں وہ اللہ کے پیغمبر و رسول بھی تھے اور صاحب تخت و تاج بھی۔

علاوہ ازیں انبیاء کرام کی جماعت میں حضرت آدم علیہ السلام کے علاوہ

کسی اور نبی کو "خلیفۃ اللہ" کے لقب سے قرآن حکیم نے یاد نہیں کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام دوسرے نبی و رسول ہیں جن کو یہ لقب دیا گیا۔

حدودِ حکومت

حضرت داؤد علیہ السلام کی شجاعت و بسالت، قوتِ فکر و تدبیر یہ ایسے بلند اوصاف تھے کہ ہر موقعہ پر فتح و نصرت شاملِ حال رہتی تھی۔ دشمن خواہ کتنا ہی قوی اور لاتعداد ہو ہمیشہ کامیابی شاملِ حال رہتی تھی۔ اقتدار کے ہاتھ آنے کے تھوڑے ہی عرصہ میں شام، عراق، فلسطین، شرق اُردن کے تمام علاقوں پر غلبہ و تسلّط حاصل ہو گیا تھا۔ کثرتِ لشکر اور وسعتِ حدود مملکت کے ساتھ ساتھ وحی الٰہی کے شرف نے ان کی عظمت و شان کو اور بھی زیادہ بلند کر دیا تھا۔ رعایا کو یقین تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے کوئی معاملہ رکھدیا جائے یا کوئی پیچیدہ مسئلہ پیش آجائے جسمیں صدق و کذب کا امتیاز مشکل ہو جائے تو وحئ الٰہی کے ذریعہ اِن پر حقیقتِ حال منکشف ہو جاتی ہے اس لئے جن و انس کو کبھی یہ ہمت نہ ہوتی تھی کہ اُن کے احکام کی خلاف ورزی کریں۔

> ابن جریرؒ نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ دو آدمی ایک بیل کا قضیہ لیکر حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے اور ہر ایک دعویٰ کرتا تھا کہ یہ میرا ہے دوسرا غاصب ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس قضیہ کا فیصلہ دوسرے دن تک مؤخر کر دیا، دوسرے دن دونوں کو طلب فرماکر مدّعی سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی کے ذریعہ تیرے قتل کو واجب قرار دیا ہے۔ لہذا تو سچ سچ بات ظاہر کر دے۔ اُس نے کہا اے اللہ کے سچّے نبی اس مقدمہ میں تو میرا بیان قطعاً سچّا ہے اور یہ بیل میری ملکیت ہے۔ البتہ اس جھگڑے سے پہلے میں نے اس شخص کے باپ کو دھوکا دے کر قتل کر دیا تھا۔ یہ سُنکر حضرت داؤد علیہ السلام نے اُس کو قصاص میں قتل کرنے کا حکم دیا۔"

اس قسم کے واقعات ہوتے تھے جن کی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کے حکم کے آگے

سب فرمانبردار تھے۔
آیاتِ ذیل انہی تفصیلات سے متعلق ہیں:۔

قرآنی مضمون | وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ۔ (بقرہ آیت ۲۵۱)

اور اللہ نے اُن کو حکومت اور نبوت عطا کی اور جو علم چاہا وہ سکھایا۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ الخ

(ص آیت ۲۶)

اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ لہذا تم لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ حکومت کرنا اور خواہش نفس کی پیروی نکرنا کہ وہ تم کو اللہ کی راہ سے دور کر دیگی۔ اور بیشک جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں اُن کے لئے سخت عذاب ہے کہ وہ یوم الحساب کو بھول گئے۔

وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا الآية (انبیاء آیت ۷۹)

اور ہم نے ہر ایک (داؤد و سلیمان) کو حکومت بخشی اور علم عطا کیا۔

وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ۔

(ص آیت ۲۰)

اور ہم نے ان کی سلطنت مضبوط کر دی تھی اور ہم نے حکمت اور فیصلہ کُن بات کہنے کی صلاحیت بخشی تھی۔

کتاب اللہ زبور | بنی اسرائیل کی رُشد و ہدایت کے لئے بنیادی طور پر تورات ہی اللہ کی کتاب تھی۔ اس کے مطابق انبیاء بنی اسرائیل قوم کی رہنمائی کیا کرتے تھے لیکن حالات و واقعاتِ زمانہ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی کتاب عطا کی تھی جسمیں تورات کے مطابق احکام تھے اور

زیدچند تشریحات بھی تھیں لیکن اس کا بیشتر حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح وتقدیس پر مشتمل تھا۔ پھر اللہ تعالےٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایسا دل آویز لحن عطا فرمایا تھا کہ جب وہ زبور شریف کی تلاوت فرماتے تو جنات وانسان حتیٰ کہ پرندے اور وحشی جانور تک وجد میں آجاتے تھے۔

روایات حدیث میں یہ بھی ہے کہ یہی تلاوت جب دریا کے کنارے کی جاتی تو بہتا پانی رُک جاتا تھا۔ مصنف عبدالرزاق اور دیگر کتب حدیث میں یہ روایت موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ابوموسیٰ اشعریؓ کی تلاوتِ قرآن کو سماعت فرماتے تو یہ ارشاد فرماتے :۔ "ابوموسیٰ ؓ کو اللہ تعالیٰ نے لحن داؤدی عطا کی ہے۔"

زبُور کے معنیٰ حصّے اور ٹکڑے کے ہیں چونکہ یہ کتاب دراصل تورات کی تکمیل کے لئے نازل کی گئی تھی تو اس کا نام زبُور رکھا گیا گویا یہ بھی تورات کا ایک حصہ اور جزء ہے۔

زبُور چند ایک قصائد اور مسجع کلمات کا مجموعہ تھا جس میں اللہ تعالےٰ کی حمد وثنا، انسان کی عبدیت و عجز کا اعتراف اور پند و نصائح، نتائج و عبر کے مضامین تھے۔ مُسند احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ زبور کا نزول رمضان المبارک میں ہوا اور وہ مواعظ و حکم کا مجموعہ تھی۔

اسی کتاب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے تعلق سے بشارتیں موجود تھیں۔ قرآن حکیم میں اس کی تصدیق موجود ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ

يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔ (انبیاء آیت ۱۰۵)

اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

مفسّرین نے یہ تصریح کی ہے کہ آیت مذکورہ میں زبور کے جس واقعہ کا اظہار کیا گیا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کی بشارت سے متعلق ہے۔

بخاری شریف کتاب الانبیاء میں ایک روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام پوری زبور کو اتنے مختصر وقت میں تلاوت کر لیا کرتے کہ جب وہ گھوڑے پر زین کسنا شروع کرتے تو تلاوت بھی شروع کر دیتے اور جب کس کر فارغ ہوجاتے تو پوری زبور تلاوت

کر چکے ہوتے۔

دراصل یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا معجزۂ تلاوت تھا جو اللہ تعالےٰ نے انھیں عطا کیا تھا۔

تسخیر حیوانات، اور تسبیح جبال و طیور

یوں تو سب ہی رسول خصوصی شرف وامتیاز کے حامل ہوتے اور اللہ تعالےٰ انھیں اپنے بے شمار انعام واکرام سے ہے تاہم درجات کے لحاظ سے "فرق مراتب" بھی ہیں اور امتیازی درجات ومراتب اُن کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتے ہیں۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ الآیۃ

(بقرہ آیت ۲۵۳)

ان رسولوں میں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق بھی قرآن حکیم نے چند خصوصیات کا ذکر کیا ہے اور یہ خصوصیات نبیوں میں بہت کم نبیوں کو دیئے گئے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام اللہ تعالےٰ کی تسبیح وتقدیس میں بہت زیادہ مشغول رہتے تھے اور اس قدر خوش الحان تھے کہ جب زبور شریف کی تلاوت کرتے یا اللہ کی حمد وثنا فرماتے تو اِن کے دل نشیں لحن سے نہ صرف انسان وجن بلکہ چرند وپرند بھی بے خود ہو جاتے اور آپ کے گرد جمع ہو کر اللہ تعالےٰ کی تسبیح شروع کر دیتے۔ قرآن حکیم نے اسکی بھی تصریح کی ہے کہ پہاڑ بھی حضرت داؤد علیہ السلام کی حمد وثنا میں شریک ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ کی حمد میں گونج اُٹھتے۔

چرند وپرند اور پہاڑوں کا اپنی اپنی زبانوں سے تسبیح کرنا ایک حقیقت تھی جو بطور معجزہ حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا کی گئی تھی۔

بے زُبان مخلوقات اور جمادات کا تسبیح پڑھنا کوئی تمثیل یا مجاز نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے جسکو قرآن حکیم نے غیر مُبہم الفاظ میں ظاہر کیا ہے:-

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَ
اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ۔ الآیۃ

(بنی اسرائیل آیت ۴۴)

ساتوں آسمان اور زمین اُسکی تسبیح کرتے ہیں اور وہ سب
مخلوقات جو اِن کے درمیان ہیں اور کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں جو
اللہ کی تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم اُن کی تسبیح کا فہم و ادراک نہیں کر سکتے۔

آیتِ بالا میں خود اس شُبہ کا جواب موجود ہے کہ جب ہر چیز تسبیح کرتی ہے تو پھر ہم اُسکو کیوں نہیں سُن پاتے جبکہ سُننے کے لئے اللہ تعالےٰ نے ہمیں کان دیئے ہیں؟

شُبہ کا جواب قرآن حکیم یہ دیتا ہے کہ اِن مخلوقات کی تسبیح کا فہم انسانوں کو میسّر نہیں ہے۔ یہ ایسے ہی جیسا حیاتِ شہداء کا ادراک عام انسانوں کو نہیں ہے۔ وہ زندہ ہیں مُردہ نہیں۔

مشہور محدث ابن حزمؒ نے اپنی کتاب "الفصل" میں اس موقعہ پر ایک شبہ پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام تو یہ بیان کرتا ہے کائنات کی ہر شئے اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن ایک دہری (اللہ تعالےٰ کا منکر) انسان بھی شئے میں داخل ہے۔ حالانکہ وہ کسی لمحہ اللہ کی تسبیح نہیں کرتا لہذا آیت کا عموم کیسے باقی رہے گا۔

علامہ ابن حزمؒ کا یہ شُبہ دراصل کوئی حقیقی وزن رکھتا اور نہ اتنا اہم ہے۔ شاید شبہ بیان کرتے وقت اُن کی نظر قرآن حکیم کے اُس مطلب و مراد سے اُدجھل ہوگئی جو اس مقام پر قرآن کے پیشِ نظر ہے۔

قرآن حکیم یہ خود بیان کر رہا ہے اور اُس کا مقصدِ بیان بھی یہی ہے کہ نافرمان انسان کے علاوہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کر رہی ہے اور یہ انسان ہی ہے جو انکار اور بغاوت کر رہا ہے۔ قرآن حکیم کا سیاق و سباق خود اس کا اظہار کر رہا ہے۔

الغرض قرآن حکیم کا یہ ارشاد کہ کائنات کی ہر شئے اللہ کی حمد و ثنا کرتی ہے اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے اور زبانِ حال کے ساتھ اسکی تاویل کرنا عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ البتہ اُن کی یہ تسبیح و تحمید انسانوں کے عام فہم و ادراک سے بالاتر رکھی گئی ہے اور اللہ تعالےٰ کی مرضی و مشیت کے تحت کبھی کبھی انبیاء و رسل کو اس کا فہم و ادراک عطا ہو جاتا ہے جو اُن کے لئے بطور معجزہ و دلیل کے ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جب وہ صبح و شام اللہ کی حمد و ثنا کرتے تو چرند و پرند اور پہاڑ بھی بلند آواز سے اللہ کی تسبیح و تحمید میں اُن کی ہمنوائی

کرتے اور حضرت داؤد علیہ السلام اُن کی تسبیح کو ظاہری کانوں سے سُنتے۔ قرآن حکیم کی آیاتِ ذیل انہی حقائق کا اظہار کرتی ہیں۔

قرآنی مضمون

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فَاعِلِينَ۔ (انبیاء آیت ۷۹)

اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو داؤد کے تابع کر دیا کہ وہ داؤد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور ہم ہی ہیں ایسا کرنے کی قدرت ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ

(سبا آیت ۱۰)

اور بیشک ہم نے داؤد کو اپنی جانب سے فضیلت بخشی ہے (وہ یہ کہ ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو اور پرندو تم داؤد کے ساتھ ملکر تسبیح اور پاکی بیان کرو۔

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً كُلٌّ لَهُ أَوَّابٌ۔ (ص آیت ۱۸، ۱۹)

بیشک ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے لئے مسخر کر دیا کہ اُن کے ساتھ صبح وشام تسبیح کرتے ہیں اور پرندوں کے پرے کے پرے جمع ہوتے اور سب اُن کی تسبیح کی وجہ سے مشغول ذکر رہتے۔

علامہ عینی نے محققین کے اس مسلک کو مختصر طور پر مگر مدلل بیان کیا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی حمد وثنا کرتی ہے وہ لکھتے ہیں:۔

وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ الآیۃ کے معنی اہل تحقیق یہی بیان کرتے ہیں کہ ہر چیز اللہ کی حمد وثنا کرتی ہے اور ہر شئی کو اُسکے درجے کے مناسب زندگی حاصل ہے۔ نباتات میں زندگی اُس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک کہ وہ سبز رہے اور خشک ہوجانا اُس کی موت کا اعلان ہے۔

جمادات کی زندگی اُسکے سالم ومحفوظ رہنے سے وابستہ ہے

اور اس کا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا اسکی موت کا پیغام ہے۔ اور اہل تحقیق کا یہی مسلک ہے کہ آیت بغیر تاویل کے اپنے عموم پر ہے۔ البتہ اسمیں اختلاف ہے کہ یہ اشیاء کیا حقیقۃً تسبیح کرتی ہیں یا اپنے حال سے صانع وخالق پر دلالت کرنا ہی خود انکی تسبیح ہے؟ تو اہل تحقیق کا فیصلہ یہی ہے کہ یہ اشیاء حقیقۃً تسبیح کرتی ہیں (گو ہمارے ادراک سے بالاتر ہو) اور جبکہ عقل بھی اسکو محال نہیں سمجھتی اور نص قرآنی بھی بصراحت اس کا اظہار کرتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کا وہی مطلب لیا جائے جو اہل تحقیق نے سمجھا ہے۔ (عینی شرح بخاری ج ۱ ص[illegible])

اہل عقل کا اسپر اتفاق ہے کہ گفتگو اور قول کے لئے "نطق وزبان" شرط نہیں اگر کسی شئی میں حیات اور صوت (آواز) موجود ہیں تو اسکی جانب قول کی نسبت درست وصحیح ہے۔ لہذا جانوروں کا تسبیح کرنا کچھ بعید نہیں، جدید سائنس کے دور میں تو یہ مشاہدہ ہورہا ہے کہ نباتات کے اندر بھی حیات واحساس" دونوں موجود ہیں۔ "چھوئی موئی" کا درخت ہاتھ لگانے سے مرجھا جاتا ہے اور ہاتھ الگ ہونے سے پھر شاداب ہوجاتا ہے۔ "مردم خور درخت" انسان یا حیوان کے قریب ہونے پر اس کا احساس کرتا ہے اور فوراً اپنی شاخیں دراز کرکے اسکو اپنی گرفت میں کرلیتا ہے یہ تو رات دن کے مشاہدات ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں کنکریوں کا کلمہ پڑھنا اسطوانۂ حنانہ کا رو پڑنا حیوانات کا آپ سے کلام کرنا اس قدر مشہور ومعروف ہے کہ اس کا انکار سورج کے انکار کے مساوی ہے۔

لوہا اور فولاد

جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت وسلطنت وسیع ترتھی باوجود اسکے مملکت کے مالیہ سے ایک درہم بھی نہیں لیتے اور اپنا اور اہل وعیال کی معاش کا بار بیت المال پر نہیں ڈالتے تھے بلکہ اپنی محنت اور ہاتھ کی کمائی سے حلال روزی حاصل کرتے اور اسی کو ذریعہ معاش بنایا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے اسی وصف معاش کو حدیث شریف میں اس طرح سراہا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی انسان کا بہترین رزق اسکے اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا ہوا رزق ہے۔ اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت سے روزی کماتے تھے۔ (بخاری کتاب التجارہ)

علامہ عینیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام دُعا مانگا کرتے تھے الٰہی ایسی صورت پیدا فرمادے کہ میرے لئے ہاتھ کی کمائی آسان ہوجائے میں بیت المال پر اپنی معاش کا بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اس خواہش کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح پورا فرمادیا کہ اُن کے ہاتھ میں لوہے اور فولاد کو نرم کردیا جب وہ کوئی چیز بنانا چاہتے تو بغیر کسی آلات و اوزار کے فولاد کو جس طرح چاہتے کام میں لاتے اور وہ اُن کے ہاتھ میں آتے ہی موم کی طرح نرم ہوجاتا تھا۔

قرآن حکیم نے اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے :۔

قرآنی مضمون

وَاَلَنَّا لَہُ الْحَدِیْدَ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِی السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔

اور ہم نے داؤد کے لئے لوہا نرم کردیا کہ بنائیں زرہیں کشادہ (جنگی آہنی لباس) اور ان کے جوڑیں مناسب انداز رکھیں اور تم سب نیک کام کریں میں خوب دیکھ رہا ہوں جو کچھ تم لوگ کررہے ہو۔

وَعَلَّمْنٰہُ صَنْعَۃَ لَبُوْسٍ لَّکُمْ لِتُحْصِنَکُمْ مِّنْۢ بَاْسِکُمْ فَہَلْ اَنْتُمْ شٰکِرُوْنَ۔ (انبیاء آیت ۸۰)

اور ہم نے داؤد کو سکھائی زرہ بنانے کی صنعت تمہارے نفع کے لئے تاکہ تم لڑائی کے موقعہ پر اس سے بچاؤ حاصل کرسکو پس کیا تم شکر گزار بنتے ہو۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے لوہے کی صنعت نے اس حد تک ترقی کرلی تھی کہ فولاد کو پگھلا کر اُس کی سپاٹ تختیاں بنالی جاتی تھیں اور پھر اُن کو جوڑ کر جنگی لباس تیار کیا جاتا تھا لیکن یہ لباس بہت وزنی اور بھاری بھرکم جسم رکھتا تھا جو صرف قوی ہیکل انسانوں کے استعمال کے لئے ممکن تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام پہلے رسول ہیں جنکو اللہ تعالےٰ نے تعلیم وحی کے ذریعہ ایسی زرہیں ایجاد کرنے کی توفیق دی جو باریک زنجیروں کے حلقوں سے بنائی جاتی تھیں ہلکی اور کم وزن ہونے کی وجہ سے ہر انسان اسکو پہن کر میدانِ جنگ میں آسانی سے نقل و حرکت کرسکتا تھا۔

مَنْطِقُ الطَّیْر حضرت داود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ بھی شرف عطا فرمایا تھا کہ وہ پرندوں کی بولیاں سمجھ لیا کرتے تھے اور وہ پرندوں سے گفتگو بھی کر لیتے تھے۔ منطق طیر کی تفصیلی بحث تذکرہ سیدنا سلیمان علیہ السلام میں آرہی ہے:۔

فصلِ خصُومات قرآن حکیم نے حضرت داؤد علیہ السلام کے دورِ حکمرانی کے دو[۲] مقدمات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فہم کامل اور جھگڑا چکانے کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا (قرآن حکیم نے اس خصوصیت کو "فصل الخطاب" کے عنوان سے ظاہر کیا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں دو شخص ایک مقدمہ لیکر حاضر ہوئے ان میں سے ایک نے کہا کہ میری تیار شدہ کھیتی کو اس کے بکریوں نے چرچگ کر تباہ کر دیا ہے اور میرا پورا کھیت ختم ہوگیا ہے دوسرے نے اس کا اعتراف کیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے علم وحکمت کے پیشِ نظر یہ فیصلہ دیا کہ مدعی کی کھیتی کا نقصان چونکہ مدعیٰ علیہ کے بکریوں کی قیمت کے قریب قریب ہے لہذا یہ پورا گلہ بطور تاوان مدعی کو دیدیا جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جو ابھی کم عمر تھے اس وقت اپنے والد ماجد کے نزدیک ہی بیٹھے تھے کہنے لگے ابا جان اگرچہ آپ کا فیصلہ صحیح ہے مگر اس سے بھی زیادہ مناسب شکل یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ کا تمام ریوڑ مدعی کے سپرد کر دیا جائے تاکہ وہ اسکے دودھ اور اُون سے فائدہ اُٹھائے اور مدعیٰ علیہ سے کہا جائے کہ وہ اس مدت میں مدعی کے کھیت کی خدمت انجام دے اور جب کھیت کی پیداوار اپنی اصلی حالت پر آجائے تو کھیت مُدعی کے سپرد کر کے اپنا ریوڑ واپس لے لے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو بیٹے کا یہ فیصلہ بہت پسند آیا اور اسی کے مطابق فیصلہ دیا۔

قرآن حکیم نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس معاملہ میں صاحبزادے سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ زیادہ مناسب رہا۔

فصلِ خصومات کا دوسرا مشہور واقعہ قرآن حکیم نے قدرے تفصیل سے بیان

کیا ہے۔

یہ واقعہ دراصل حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش سے متعلق ہے۔ قرآن حکیم نے اس واقعہ کو اسی آزمائشی حیثیت سے بیان کیا ہے کہ اس آزمائش میں حضرت داؤد علیہ السلام سے کچھ لغزش سی ہوگئی تھی جس پر اُنھوں نے اپنی بندگی اور اعترافِ تقصیر کا فوری اظہار کیا اور یہ بات اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آئی اور اسی غرض کے تحت یہ واقعہ قرآن حکیم میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں سے جب کوئی نادانستہ لغزش ہو جاتی ہے تو وہ فوری متنبہ ہو جاتے ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں توبہ و استغفار کیلئے سربسجود ہو جاتے ہیں۔ انبیاء کرام کے ایسے واقعات جن میں اُن سے کچھ لغزش ہوگئی اسی غرض کے لئے قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کا ممنوعہ درخت سے کچھ کھا لینا، حضرت نوح علیہ السلام کا اپنے مشرک بیٹے کے لئے دُعا کرنا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے آپ کو بیمار ظاہر کرنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ ایک قبطی کا مارا جانا، حضرت یونس علیہ السلام کا وحی الٰہی کا انتظار کئے بغیر ہجرت کر جانا وغیرہ۔

اِن واقعات کا قرآن حکیم میں دُھرایا جانا اسی مقصد کے تحت ہے کہ اطاعت گزار بندوں سے جب بھی کوئی لغزش ہو جاتی ہے بغیر کسی تاخیر بارگاہ الٰہی میں توبہ و استغفار کرتے ہیں۔ انبیاء کرام کا یہ اُسوہ ساری انسانیت کے لئے درس اور رہنمائی کا ذریعہ قرار پاتا ہے جو ایسے واقعات میں قرآن حکیم کا بنیادی مقصد ہوتا ہے۔

الغرض حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک ایسا ہی واقعہ قرآن حکیم نے بیان کیا ہے جس میں اُن کو کسی آزمائش میں ڈال دیا گیا تھا وہ دراصل دو آدمیوں کا جھگڑا تھا جس کا جلد فیصلہ دینے میں حضرت داؤد علیہ السلام سے لغزش ہوگئی اور اسکے بعد ہی انہیں اسکا احساس ہوا تو فوری درگاہ الٰہی میں طالبِ مغفرت ہوئے اللہ تعالیٰ کو اِن کی یہ "انابت" بہت پسند آئی اُنھیں معاف کر دیا اور اُن کی رفعتِ شان کو اور زیادہ بلند کر دیا۔

قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ میں اس واقعہ کی تفصیلات موجود نہیں اور نہ مستند اسلامی تاریخ میں اس واقعہ کی تفاصیل ملتی ہیں جن جن کتب تفسیر میں اس تعلق سے جو واقعہ لکھا گیا ہے وہ خالص اور خالص اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہے۔ محققین نے اِسکی شدت سے تردید کی ہے۔

لہٰذا اسکو نظر انداز کرکے اور ان تمام تفصیلات سے الگ ہوکر اہل تحقیق نے آیات کی جو تفسیر کی ہیں وہ یا تو آثار صحابہ سے منقول ہے یا قرآن حکیم کے سیاق و سباق سے ماخوذ ہے اس لئے یہی صحیح اور قابل توجہ ہے۔

علاوہ ازیں اوپر تفصیل سے لکھا جا چکا ہے کہ کسی بھی واقعہ کے نقل کرنے میں قرآن حکیم کا مقصد اُس واقعہ کے نتائج اور عبر کا اظہار کرنا ہوتا ہے نہ کہ واقعات کی تفصیلات اور اُسکی جزئیات۔

علاّمہ ابن حزم ظاہریؒ لکھتے ہیں کہ واقعہ صرف اس قدر ہے کہ ۲ دو شخص اچانک محراب داؤد میں داخل ہو گئے جہاں حضرت داؤد علیہ السلام مشغولِ عبادت تھے اور چونکہ ان دونوں کا معاملہ ایک نازک شکل اختیار کرنے والا تھا اس لئے اُس کے طے کرانے میں دونوں کو عجلت تھی جلد بازی میں دروازہ کھُلوانے کے بجائے دیوار پھاند کر داخل ہوگئے۔

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے روزمرہ کے معمولات کو چار دنوں پر اس طرح تقسیم کر لیا تھا:۔

ایک ۱ دن خالص عبادتِ الٰہی کے لئے۔
ایک ۲ دن فصلِ مقدمات کے لئے۔
ایک ۳ دن بنی اسرائیل کی رُشد و ہدایت کے لئے۔
ایک ۴ دن خالص اپنی ذات کے لئے۔

یہ دونوں شخص عبادت الٰہی والے دن داخل ہوئے اور وہ بھی دیوار پھاند کر، حضرت داؤد علیہ السلام نے اچانک خلافِ معمول اس طرح ۲ دو انسانوں کو موجود پایا تو بتقضائے بشری گھبرا گئے۔ دونوں نے صورت حال کا اندازہ کرتے ہوئے عرض کیا کہ آپ خوف نہ کریں ہم دونوں ایک جھگڑے میں آپ سے فیصلہ لینے آئے ہیں۔ یہ کہہ کر اُن میں سے ایک نے اپنی بات شروع کر دی کہ یہ میرا بھائی ہے اسکے پاس ننانوے ۹۹ دنبیاں (بکریاں) ہیں اور میرے پاس صرف ایک ہی دُنبی (بکری) ہے۔ یہ مجھ سے اصرار کرتا ہے کہ یہ ایک دُنبی بھی میرے حوالہ کر دے اور اس نے گفتگو میں مجھے مغلوب کر دیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے جواب دیا اس شخص نے اپنی دنبیوں کے ساتھ تیری دُنبی ملا لینے کا مطالبہ کرکے یقیناً تجھ پر ظلم کیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ مل جُل کر ساتھ رہنے والے لوگ اکثر ایک دوسرے پر زیادتیاں

کرتے رہتے ہیں۔ بس وہی لوگ اس سے بچے ہوئے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔

یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہیئے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک ہی فریق کی بات سُنکر اپنا فیصلہ کیسے دے دیا؟ حقیقت یہ ہے کہ جب مدّعی کی شکایت پر مدّعا علیہ خاموش رہا اور اسکی تردید میں کچھ نہ بولا تو یہ خود اس کے اقرار کا ہم معنی سمجھا جاتا ہے اس لئے حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی یہ رائے قائم کی کہ واقعہ وہی کچھ ہے جو مدّعی بیان کر رہا ہے۔

بہر حال حضرت داؤد علیہ السلام نے یکطرفہ فیصلہ دے دیا۔ لیکن بات کے ختم ہوئے کچھ دیر بھی نہ ہوئی تھی کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو شدّت سے احساس ہوگیا کہ اللہ تعالےٰ نے دراصل اس واقعہ سے میری آزمائش کرلی ہے فوری توبہ و استغفار کرتے ہوئے سجدہ میں گر پڑے۔

چونکہ قصور کی نوعیت ایسی شدید نہ تھی کہ اُسے معاف نہ کیا جاتا۔ اللہ تعالےٰ نے اُنھیں معاف کر دیا اور دنیا و آخرت میں ان کو جو بلند مقام عطا تھا وہ بھی برقرار رہا۔

ہمارا خیال ہے کہ واقعہ کی یہ تشریح آیاتِ قرآنی سے ہٹکر نہیں ہے اور نہ اصولِ دین سے ٹکراتی ہے اور نہ عقلِ سلیم کے خلاف پڑتی ہے۔ علاوہ ازیں اقوالِ سلف کے خلاف بھی نہیں ہے۔ لہذا البعض مخالف روایات پر نہ نقد و تبصرہ کی ضرورت ہے اور نہ اُس پر سہارا کرنے کی ضرورت۔

اسکے بعد قرآن حکیم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش سے متعلق جو واقعہ نقل کیا ہے نگاہِ عبرت سے پڑھا جائے۔

قرآنی مضمون

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ الخ

(صٓ آیات ۲۱ تا ۲۶)

کیا آپ کو خبر پہنچی ہے اُن مقدمے والوں کی جو دیوار چڑھ کر اُس کے عبادت خانے میں گھُس آئے۔ جب وہ داؤد کے پاس پہنچے تو وہ اُنھیں دیکھ کر گھبرا گئے۔ اُمھوں نے کہا ڈریے نہیں ہم دو فریق مقدمہ ہیں جن میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ آپ ہمارے درمیان

ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور ہمیں راہِ راست بتائیے۔

یہ میرا بھائی ہے اسکے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک ہی دُنبی ہے۔ اِس نے کہا ہے کہ یہ ایک دُنبی بھی میرے حوالہ کر دے اور اُس نے گفتگو میں مجھے مغلوب کر دیا ہے۔

داؤد نے کہا اس شخص نے اپنی دُنبیوں کے ساتھ تیری دُنبی ملا لینے کا مطالبہ کر کے یقینا تجھ پر ظلم کیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ مِل جُل کر ساتھ رہنے والے لوگ اکثر ایک دوسرے پر زیادتیاں کرتے رہتے ہیں۔ بس وہی لوگ اس سے بچے ہوئے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں اور ایسے لوگ کم ہی ہیں، اور (یہ بات کہتے کہتے) داؤد سمجھ گئے کہ ہم نے دراصل اُن کی آزمائش کی ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنے رب سے معافی چاہی اور سجدے میں گر پڑے اور رجوع کر لیا۔

تب ہم نے (بھی) ان کا قصور معاف کیا اور یقیناً وہ ہمارے ہاں عزت کا مرتبہ ہے اور بہتر ٹھکانہ ہے۔

اے داؤد ہم نے تم کو ملک میں (اپنا) نائب مقرر کیا ہے سو لوگوں میں انصاف کے ساتھ حکومت کرنا اور نفس کی خواہش پر نہ چلنا کہ وہ تم کو اللہ کی راہ سے ہٹا دیگی۔ بیشک جو لوگ اللہ کی راہ سے ہٹ گئے ہیں اُن کے لئے سخت عذاب ہے۔

ایک اور تشریح قرآن حکیم کے سیاق وسباق اور آثار صحابہ سے استنباط پر مبنی گزشتہ توجیہہ سے جُدا اس واقعہ کی ایک اور تفسیر ہے جسکو مشہور محدث حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے نقل کی ہے اور دیگر محدثین نے اس روایت کو صحیح اور حسن تسلیم کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"ایک مرتبہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جناب الٰہی میں ازراہِ ناز

عرض کیا الٰہی دن رات میں ایک ساعت بھی ایسی نہیں گزرتی کہ داؤد یا آلِ داؤد میں سے کوئی شخص ایک لمحہ کے لئے بھی تیری تسبیح و تہلیل میں مشغول نہ رہتا ہو (حضرت داؤد علیہ السلام نے دن ورات کے تمام اوقات اپنے گھر والوں پر تقسیم کردیئے تھے کہ گھر ذکر الٰہی سے خالی نہ رہے) اللہ تعالیٰ کو اپنے اس مقرب اور مقبول بندے داؤد علیہ السلام کا یہ انداز پسند نہ آیا وحی آئی اے داؤد یہ جو کچھ بھی ہے صرف ہماری توفیق اور فضل وکرم کا نتیجہ ہے ورنہ تم میں یا تمہاری اولاد میں یہ قدرت کہاں کہ وہ اس نظم پر قائم رہ سکیں اور اب جبکہ تم نے یہ دعویٰ کرہی دیا ہے تو میں تم کو ضرور آزمائش میں ڈالوں گا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے استدعا کی الٰہی جب ایسا ہو تو پہلے مجھے اطلاع دے دی جائے۔ لیکن آزمائش کے معاملہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کی استدعا قبول نہیں ہوئی اور اُنھیں اس طرح آزمائش میں ڈال دیا گیا۔ جو قرآن حکیم میں مذکور ہے۔

یعنی حضرت داؤد علیہ السلام اس قضیے کے فیصلہ دینے میں تسبیح و تہلیل سے محروم ہوگئے اور اُس وقت آلِ داؤد میں بھی کوئی شخص عبادتِ الٰہی میں مشغول نہ تھا۔ بس یہی آزمائش تھی جس کا تذکرہ قرآن حکیم نے کیا ہے۔

وفات اور عمر شریف

مشہور محدث حاکمؒ نے اپنی کتاب مستدرک میں ایک روایت نقل کی ہے جو کتب صحاح ستہ میں بھی منقول ہے جس کا مضمون یہ ہے :۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے عالم بالا میں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے اُن کی تمام اولاد کو نکال کر اُن کے سامنے پیش کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی اِن اولاد میں ایک خوبصورت چمکتی ہوئی پیشانی والے لڑکے کو دیکھا اور دریافت کیا پروردگار یہ کون لڑکا ہے؟

جواب ملا تمہاری اولاد میں بہت بعد میں آنے والا تمہارا لڑکا داؤد ہے۔
حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا الٰہی میں اپنی عمر کے چالیس ۴۰ سال
اس لڑکے کو بخشتا ہوں۔
مگر جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو
حضرت آدم علیہ السلام نے ملک الموت سے کہا ابھی تو میری عمر میں
چالیس سال باقی ہیں۔ فرشتے نے جواب دیا آپ بھول گئے آپ نے
اپنی عمر کا یہ حصہ اپنے بیٹے داؤد کو بخش دیا تھا۔ پس آدم علیہ السلام
بھولے۔ اُنکی ذرّیت بھی بھولنے لگی۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر شریف ۱۰۰ سو سال کی ہوئی۔
تورات اور کتب تواریخ میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے پیرانہ سالی میں انتقال
کیا اور اسرائیلیوں پر چالیس سال حکومت کی۔

جعفر بن محمدؒ کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ستّر ۷۰
سال حکومت کی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام
کا انتقال یوم السبت (ہفتے کے دن) اچانک ہوا جبکہ وہ اپنے عبادت
والے دن ذکر الٰہی میں مشغول تھے اور پرندوں کی ٹکڑیاں پرے باندھے
اُن پر سایہ فگن تھیں۔ (مستدرک، فیض الباری)

نتائج و عبر

خلافت اور حکومت خلیفۃُ اللہ کی خلافت اور بادشاہ کی حکومت کے
درمیان یہ واضح فرق نظر آئے گا کہ اوّل الذکر میں ہر
قسم کی شان و شوکت کے باوجود تواضع، انکساری، خدمت خلق، عدل و انصاف
کا نمایاں حصہ ملے گا اور ثانی الذکر میں کبر و نخوت، جبر و انانیت، زعم و پندار کا غلبہ
نظر آئے گا۔ وہ مخلوق خدا کو ایک مقدس امانت کے بجائے محکوم اور آلۂ کار سمجھیگا۔

قرآن حکیم اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ
اٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔
(الحج آیت ۴۱)

جن لوگوں کو ہم زمین کی خلافت دیتے ہیں وہ نمازوں کو قائم کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور نیکی کا حکم کرتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں۔

حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام کی چالیس سالہ خلافت میں یہ سب چیزیں نظر آتی ہیں۔

قانونِ سرفرازی

زمانۂ قدیم سے اللہ تعالےٰ کا یہ قانون چلا آرہا ہے کہ جو شخص عزت وعروج پر پہنچنے کے بعد جس قدر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کے فضل وکرم کا اعتراف کرتا ہے اُسی قدر اُسکو مزید انعام واکرام سے نوازا جاتا ہے۔ خاصانِ الٰہی کی زندگی میں یہ کیفیت نمایاں نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُنکی اگلی زندگی پچھلی زندگی سے ممتاز اور کمالات سے بھرپور ہوا کرتی ہے۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی۔ (والضحیٰ آیت ۴)

حضرت داؤد علیہ السلام بایں جلالتِ قدر معمولی لغزش پر توبہ واستغفار کرتے کرتے سجدہ میں گر پڑے۔ اسکے صلہ میں اللہ تعالےٰ نے اُنھیں یہ خوشخبری دی۔

وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَحُسْنَ مَاٰبٍ۔ (ص آیت ۲۵)

اور یقیناً ہمارے ہاں اُنکا مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانہ۔

مشترکہ تجارت اور ضمانت

سیدنا داؤد علیہ السلام کے تذکرہ میں فصلِ مقدمات کے دو واقعے بیان کئے گئے ہیں جنکی تفصیل گزشتہ اوراق میں آچکی ہے۔ اِن میں ایک مقدمہ کا فیصلہ دینے کے بعد سیدنا داؤد علیہ السلام اپنا تأثر اس طرح بیان کرتے ہیں۔

وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ اِلَّا الَّذِیْنَ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِیْلٌ مَّا ھُمْ۔ (صٓ آیت ۲۴)

اور اکثر شرکار (کی عادت ہے کہ) ایک دوسرے پر (یوں ہی) زیادتی کیا کرتے ہیں مگر ہاں جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں۔ (ایسی زیادتی سے احتیاط کرتے ہیں) اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں۔

قرآن حکیم کی اس آیت میں مشترکہ کاروبار ______ کا ایک عام عیب بیان کیا گیا ہے اور آج کے دور میں اس کا عام چلن دیکھا بھی جاتا ہے۔ مشترکہ تجارت میں ہر شریک مال تجارت کا اور نفع کا مالک ہوتا ہے اور اسی ملکی تصوّر سے مالکانہ حقوق اور قوتِ اختیار کا شدید احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہی احساس کبھی کبھی ظلم و زیادتی، خُورد و بُرد، چوری وخیانت کے حدود میں داخل کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے کاروبار، قدیم مشترکہ تجارتیں، لمیٹڈ کارخانے، شرکار کی خودغرضی، ظلم وخیانت اور ایک دوسرے کی حقوق تلفی کے باعث تباہ و برباد ہوگئے ہیں۔ البتہ اس مصیبت سے وہی تجارت محفوظ رہی ہے جسکے شرکار صاحب ایمان اور اعمالِ صالحہ کے پابند رہے ہوں۔ قرآن حکیم نے جہاں یہ تجارتی عیب بیان کیا ہے وہاں اس کا علاج بھی بیان کیا ہے اور یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ ایسے نیک و صالح شرکار بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ مشترکہ کاروبار کرنے والوں کے لئے قرآن حکیم کی یہ آیت تجارت کیلئے حفاظت وضمانت کی حیثیت رکھتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی اس ضمانت کی شہادت دیتی ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَنَا ثَالِثُ الشَّرِیْکَیْنِ مَالَمْ یَخُوْنَا الخ (الحدیث)

دو شریک تجارت میں میری حیثیت تیسرے شریک کی ہے۔ جب تک دونوں خیانت کے مرتکب نہ ہوں۔ جب وہ خیانت کرتے ہیں تو میں جُدا ہو جاتا ہوں۔

گویا مشترک تجارت کا ایک شریک خود رب العالمین بھی ہے بشرطیکہ اس تجارت میں خیانت یا چوری نہ ہو۔

ذَاالْاَیْدِ سیّدنا داؤد علیہ السلام کا ایک لقب "ذَاالْاَیْدِ" بھی بیان کیا گیا ہے۔ (صٓ آیت ۱۷) اسکا لفظی ترجمہ "ہاتھوں والا" اور یہ لفظ جب صفت کے طور پر استعمال کیا جائے تو اس کے لفظی معنی مراد نہیں ہوتے اور نہ اس معنی کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ "یَد" کے معنی جہاں ہاتھ کے آتے ہیں وہاں طاقت وقوت کے بھی آتے ہیں۔ لہٰذا جب کسی کی صفت

کے طور پر یہ لفظ بولا جائے تو ان کے لازمی معنی "صاحبِ قوت" کے ہوتے ہیں۔ قرآنِ حکیم نے حضرت ابراہیم واسحاق ویعقوب علیہم السلام کا یہی لقب بیان کیا ہے۔ (ص آیت ۴۵)

سیدنا داؤد علیہ السلام کی صفت میں یہ لفظ قرآن حکیم نے استعمال کیا ہے جس کا غیر مبہم ترجمہ قوتوں والا ہوگا۔ ان قوتوں سے کونسی قوت مراد ہے؟ تفصیلات سے قرآن حکیم ساکت ہے لیکن قرآن حکیم نے مختلف عنوانات کے تحت اُن کے جو اوصاف بیان کئے ہیں اُن میں مثلاً جسمانی قوت بھی مراد ہے جس کا مظاہرہ حضرت داؤد علیہ السلام سے جنگ جالوت کے موقعہ پر ظاہر ہوا۔ قوتِ فیصلہ بھی مراد ہے کہ ہر بات کا فیصلہ نہایت خوبی سے کر دیا کرتے تھے اور جب بولتے تو نہایت فیصلہ کن تقریر ہوتی۔

فوجی وسیاسی طاقت بھی مراد ہے جس کی بدولت اُنھوں نے مشرک قوموں کو شکست دیکر ایک عظیم سلطنت کی بنیا درکھی اور اپنا آبائی وطن فلسطین بھی آزاد کر والیا۔

اخلاقی طاقت بھی مراد ہے جس کی بدولت اُنھوں نے بادشاہی میں فقیری کی اور زندگی بھر اپنے ہاتھ کی کمائی سے روزی حاصل کی۔

عبادت کی طاقت بھی مراد ہے جس کا یہ حال تھا کہ جن وانس کی حکمرانی اور جہاد فی سبیل اللہ کی بے شمار مشغولیت کے باوجود زندگی بھر ایک دن روزہ رکھتے ایک دن افطار کرتے رہے اور ہر روز ایک تہائی رات عبادت میں گزارتے تھے۔

امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں حضرت ابوالدرداءؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر آتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے:۔

كَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ۔ (الحدیث)

وہ انسانوں میں سب سے بڑے عبادت گزار بندے تھے۔

تذکرہ
سیدنا سلیمان علیہ السلام
اور
ملکۂ سبا

تعارف حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں لہذا ان کا نسب بھی یہودا (اولادِ یعقوب) کے واسطے سے حضرت یعقوب علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔

قرآن حکیم نے ان کو اولادِ ابراہیم (علیہ السلام) میں شمار کیا ہے۔ والدہ ماجدہ کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ تورات اور دیگر کتب تاریخ میں بنت سبع نام بتایا گیا ہے لیکن اہل تحقیق نے اسکی تردید کی ہے کیونکہ اسی تورات کی وضاحت کے مطابق یہ نام حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک فوجی افسر اُوریاہ کی بیوی کا تھا۔ اس لئے بھی یہ نام تاریخی حیثیت سے صحیح نہیں ہے۔

البتہ ایک حدیث میں صرف اس قدر منقول ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سلیمان بن داؤد (علیہ السلام) کی والدہ نے ایک دفعہ اپنے بیٹے سلیمان (علیہ السلام) کو یہ نصیحت فرمائی :-

> بیٹا رات بھر نہ سوتے رہا کرو اس لئے کہ رات کے اکثر حصہ کو نیند میں گزارنا انسان کو قیامت کے دن اعمالِ خیر سے محتاج بنا دیتا ہے۔ (ابن ماجہ)

قرآن حکیم نے بھی صرف اسقدر بتایا ہے کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے واسطے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں :-

> وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ۔ (انعام آیت ۸۵)

> اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق و یعقوب عطا کئے ہر ایک کو ہدایت

بخشی اور نوح کو بھی ابراہیم سے پہلے ہدایت بخشی اور اِس ابراہیم کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان کو ہدایت عطا کی۔

قرآنِ حکیم اور سیّدنا سُلیمان علیہ السّلام

قرآن حکیم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر مبارک ۱۶ سولہ جگہ آیا ہے۔ ان میں چند مقامات پر کچھ تفصیلی ذکر موجود ہے اور اکثر جگہ مختصر طور پر اُن انعامات کا ذکر ہے جو اللہ تعالےٰ کی جانب سے اُن پر اور اُن کے والد بزرگوار حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئے ہیں۔ اُن مقامات کی تفصیلات یہ ہیں:-

سورہ بقرہ — آیت ۱۰۲
〃 نساء — 〃 ۱۶۳
〃 انعام — 〃 ۸۵
〃 انبیاء — آیات ۷۸، ۷۹، ۸۱۔
〃 نمل — 〃 ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۳۰، ۳۶، ۴۴۔
〃 سبا — آیت ۱۲
〃 ص — آیات ۳۰، ۳۴۔

جملہ ۱۶ سولہ آیات۔

وارثِ داؤد علیہ السّلام

حضرت سلیمان علیہ السلام کی فطرت ہی میں اللہ تعالےٰ نے ذکاوت، فصل مقدمات اور اصابت رائے کا کمال رکھا تھا بچپن ہی میں اس کے مظاہرے پائے گئے۔ اپنے والد حضرت داؤد علیہ السلام کی معیت میں جب سنِ شعور کو پہنچے تو اس وقت حضرت داؤد علیہ السلام کا انتقال ہوا۔ اللہ تعالےٰ نے انھیں نبوت سے سرفراز کیا اور حکومت میں بھی حضرت داؤد علیہ السلام کا جانشین بنایا۔ قرآن حکیم نے اسی جانشینی کو حضرت داؤد علیہ السلام کی وراثت قرار دیا ہے۔ گویا وہ حکومت کے ساتھ ساتھ اپنے والد کی نبوت میں بھی وارث قرار پائے۔ نبوت کوئی وراثت کی چیز نہیں ہے جو لازماً اولاد کے حصے میں آئے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے

بعض انبیاء علیہم السلام پر یہ بھی فضل کیا ہے کہ اُنکی اولاد کو نبوت میں بھی اُن کا جانشین بنایا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اُن انبیاء کرام میں سے ایک ہیں۔

اسکے علاوہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی خصوصیات اور امتیازات سے نوازا تھا جسکی بدولت وہ طبقۂ انبیاء و رسل میں ممتاز حیثیت سے معروف ہیں :-

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ الآية (نمل آیت ۱۶)

اور وارث ہوئے سلیمانؑ (حضرت) داؤد (علیہ السلام) کے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا الآية (نمل آیت ۱۵)

اور ہم نے داؤد و سلیمان کو علم عطا کیا۔

مَنْطِقَ الطَّيْر

حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی امتیاز حاصل تھا کہ وہ پرندوں کی بولیاں سمجھ لیتے تھے اور اُن سے کلام بھی کر لیا کرتے تھے۔ قرآن حکیم نے اس خصوصیت کو جس اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے وہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ ایسی عظیم الشان نعمت تھی جسکو آیت اللہ کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں خود حضرت سلیمان علیہ السلام اس عظیم نعمت کو "فضل مبین" قرار دیتے تھے۔

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ۔ (نمل آیت ۱۶)

یہ منطق الطیر (پرندوں کی بات چیت) بلاشبہ ایسے ہی تھی جیسا کہ ایک انسان دوسرے سے بات کرتا ہے۔ جسمیں صوت (آواز) اور الفاظ کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عطا و بخشش تھی اس لئے اسکو اسباب دنیوی سے کوئی علاقہ نہ تھا اور نہ یہ اکتسابی طور پر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ دنیا میں لوگ آج بھی پرندوں اور چرندوں کی آواز سے اُن کا منشاء و مراد جان لیتے ہیں جیسا کہ پالتو جانوروں کی بھوک پیاس کے وقت کی آواز، مالک کو دیکھ کر خوشی و مسرت کی آواز، دشمن کو دیکھ کر خوفناک آواز وغیرہ یہ اور اس قسم کی آوازوں کو سمجھنا "منطق الطیر" نہیں ہے بلکہ قیاس و تخمین ہے جنکو زیادہ سے زیادہ علم اشارات کہا جا سکتا ہے۔ یہ علم تھوڑے سے تجربے سے ہر ایک کو حاصل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح منطق الطیر سے وہ علم بھی مراد نہیں جو موجودہ علمی دور میں علم زولوجی کی راہ سے حاصل کیا گیا ہے اس لئے کہ یہ بھی محض اٹکل کا تیر ہے جو قیاس و ظن سے حاصل

کیا گیا اسمیں قطعیت تو کُجا قیاس بھی مشکوک ہے۔ خود علم حیوانات کے ماہرین کے نزدیک بھی یہ غیر یقینی ہے۔ علاوہ ازیں یہ خود ایک اکتسابی علم ہے جو تھوڑی بہت محنت و توجہ کے بعد ہر شخص کو حاصل ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس علم کو قرآن حکیم نے جس اہتمام اور قدر فرمائی کے انداز میں بیان کیا ہے وہ ایسا معمولی اور غیر اہم نہیں ہو سکتا جسپر احسان و کرم جتلایا جائے اور حضرت سلیمان علیہ السلام اسکو ایک عظیم الشان نعمت قرار دیں۔

یقیناً یہ ایک عظیم الشان معجزہ تھا جو اسباب دُنیوی سے بالاتر قانونِ خاص کے تحت حضرت سلیمان علیہ السلام کو عنایت کیا گیا تھا وہ چرند و پرند کی بولیاں انسان ناطق کی گفتگو کی طرح سمجھتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہُدہُد کا مکالمہ جس انداز سے قرآن حکیم نے بیان کیا ہے وہ اسکی واضح شہادت ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

قرآن حکیم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس شرف خاص کا اس طرح ذکر کیا ہے:

قرآنی مضمون

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥﴾

(نمل آیت ۱۵،۱۶)

اور بیشک ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا اور ان دونوں نے کہا تعریف اللہ ہی کے لئے زیبا ہے جس نے اپنے بہت سے مومن بندوں پر ہم کو فضیلت عطا کی ہے۔

اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور انھوں نے کہا اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولیوں کا علم دیا گیا ہے اور ہم کو ہر چیز بخشی گئی ہے بیشک یہ اللہ کا کھلا ہوا فضل ہے۔

نادر الوجود حکمرانی

حضرت سلیمان علیہ السلام کے خصوصی امتیازات میں سے ایک امتیاز یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے "ہوا" کو اِنکے زیر فرمان کر دیا تھا وہ جب اور جہاں چاہتے اُس کو چلنے اور رُک جانے کا حکم دیتے تھے۔ ہوائیں اُنکے

حکم سے نرم اور سبک رفتار ہو جاتی تھیں اور جب تیز روی کا حکم دیتے تو برق رفتاری کا یہ عالم ہوتا کہ اُس کے دوش پر سوار ہو کر ایک ماہ کی مسافت صبح کے اولین ساعت میں اور ایک ماہ کی مسافت شام کے آخری لمحات میں طے کر لیتے تھے۔ اِن کا تختِ شاہی ہوا اپنے کاندھوں پر لیکر جہاں وہ چاہتے پہنچا دیتی تھی۔

تسخیرِ ریاح اور مسافتِ رفتار کی یہ کیفیت کوئی تمثیلی یا مجازی حیثیت سے نہ تھی بلکہ ایک حقیقت تھی جو ہر طرح کی تاویل و تخیل سے بالاتر ہے۔ یہ ایسے ہی جیسا کہ آجکل ہوائی جہاز پر سفر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح عام قوانینِ قدرت کے تحت کائنات کی اشیاء کو اسباب کے ساتھ مربوط کر دیا ہے۔ اسی طرح اپنے کچھ قانونِ خاص کے تحت انبیاء و رُسل کے ساتھ وہ معاملہ فرمایا ہے جسکو اسلامی زُبان میں معجزہ یا آیت کہا جاتا ہے۔ ہوا کا تابعِ امر ہونا اسی قسم سے ہے۔

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے زیرنگیں نہ صرف انسان ہی تھے بلکہ جنات اور حیوانات بھی تابع فرمان تھے اور یہ اقتدار ایسا تھا کہ کائنات میں شاید ہی کسی اور کو عطا کیا گیا ہو۔

اس عطائے خاص کے بارے میں قرآن حکیم یہ بھی اظہار کرتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ بارگاہ الٰہی میں یہ دُعا کی:-

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِي
إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ۔ (صٓ آیت ۳۵)

اے پروردگار مجھ کو بخش دے اور مجھکو ایسی حکومت عطا کر جو میرے بعد کسی کے لئے بھی میسّر نہ ہو بے شک تو بہت دینے والا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا کو قبول فرمایا اور ایک ایسی عجیب و غریب حکومت دی کہ نہ اُن سے پہلے کسی کو نصیب ہوئی اور نہ اُن کے بعد کسی کو میسّر آئی۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک صبح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا گزشتہ شب ایک سرکش جن نے اچانک یہ کوشش کی کہ میری نماز میں خلل ڈالے۔ اللہ تعالےٰ نے مجھکو اُس پر قابو دے دیا اور میں نے اسکو پکڑ لیا۔ اسکے بعد میں نے ارادہ کیا کہ اُس کو

مسجد کے ستون سے باندھ دوں تاکہ تم لوگ دن میں اُس دیکھ سکو مگر اس وقت مجھ کو اپنے بھائی سلیمان (علیہ السلام) کی یہ دُعا یاد آگئی کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا:۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ الآیۃ

یہ یاد آتے ہی میں نے اُسکو ذلیل کر کے چھوڑ دیا (بخاری کتاب الانبیاء)

یہ عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے کہ آپ نے اپنی شخصیت کو حضرت سلیمان ؑ سے بالاتر کرنا پسند نہیں کیا۔

تعمیر بیتُ المقدس

اللہ تعالیٰ نے جنّات کو ایسی مخلوق بنایا ہے جو مشکل سے مشکل اور سخت سے سخت کام انجام دے سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس تسخیر کی بدولت حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ ارادہ کیا کہ مسجد اقصیٰ کے چاروں جانب ایک بڑا شہر آباد کیا جائے اور مسجد کی ازسرنو تعمیر بھی کی جائے، اُن کی خواہش تھی کہ مسجد اور شہر کو بیش قیمت پتھروں سے بنوائیں اور اسکے لئے دور دراز علاقوں سے قیمتی اور حسین پتھر فراہم کئے جائیں۔ چنانچہ جنات سے یہ خدمت لی وہ دور دراز علاقوں سے خوبصورت اور بڑے بڑے پتھر جمع کر کے لائے اور شہر بیت المقدس کی تعمیر کا کام انجام دیتے۔

اس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے مسجد اقصیٰ اور شہر کی تعمیر جدید عمل میں آئی جو آج تک لوگوں کے لئے باعثِ حیرت ہے کہ ایسے دیو پیکر پتھر اور چٹانیں کہاں سے لائے گئے؟ کس طرح لائے گئے؟ اور اُس زمانے کے مختصر و محدود وسائل کے باوجود وہ کون سے آلات استعمال کئے گئے جن کے ذریعہ اُن پتھروں کو ایسی بلندیوں پر پہنچا کر باہم پیوست کر دیا گیا یہ سب کام حضرت سلیمان علیہ السلام کی نگرانی میں جنات کی جماعتوں نے انجام دیا تھا۔ جنات نے بیت المقدس کی تعمیر کے علاوہ اور بھی تعمیرات کیں اور بعض ایسی چیزیں بھی بنائیں جو اس زمانے کے لحاظ سے عجیب وغریب سمجھی جاتی تھیں۔

تفسیر بیضاوی میں ایک اسرائیلی روایت نقل کی گئی ہے جس سے جنات کی صنعت گری کا پتہ چلتا ہے۔ جنات نے تختِ سلیمانی کو اس کاریگری سے

بنایا تھا کہ تخت کے نیچے دو زبردست اور خونخوار شیر کھڑے کئے اور دو دو گدھ معلق تھے اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام تخت پر جلوہ افروز ہونے کے لئے تخت کے قریب تشریف لے آتے تو وہ دونوں شیر اپنے بازو پھیلا کر بیٹھ جاتے اور تخت نیچا ہو جاتا اور وہ اس پر بیٹھ جاتے تو پھر شیر کھڑے ہو جاتے اور فوراً ہیبتناک گدھ اپنے پروں کو پھیلا کر حضرت حضرت سلیمان علیہ السلام کے سر پر سایہ فگن ہو جاتے تھے۔

(بیضاوی سورہ سبا)

اسی طرح جنات نے پتھر کی بڑی اور بھاری دیگیں بنائی تھیں جو اونچے اونچے چولہوں پر قائم تھیں اور اپنی بلند و بالا قامت کی وجہ سے حرکت میں نہیں آتی تھیں۔ بڑے بڑے حوض پتھر کی چٹانوں میں تراش کر بنائے تھے اور اس طرح شہر بیت المقدس اور ہیکل (مسجد اقصیٰ) اور ان سب اشیاء کی تعمیر میں صرف سات سال صرف ہوئے۔

اللہ تعالےٰ کے منجملہ احسانات میں سے ایک عظیم احسان یہ بھی تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو پگھلے ہوئے تانبے کے چشمے فراہم کئے گئے تھے جسکو تعمیرات کے استحکام میں گارے اور چونے کے بجائے استعمال کیا جاتا تھا۔ بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا یہ انعامِ خاص تھا کہ زمین کے جن حصوں میں تانبا پانی کی طرح پگھل کر بہہ رہا تھا اُن چشموں کو حضرت سلیمان علیہ السلام پر آشکارا کر دیا تھا اور اُن سے پہلے کوئی شخص زمین کے اندر دھات کے چشموں پر آگاہ نہ تھا۔

ابن کثیرؒ نے حضرت قتادہؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ پگھلے ہوئے تانبے کے یہ چشمے ملک یمن میں تھے جن کو اللہ تعالےٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر ظاہر کر دیا تھا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۸)

قرآنی مضمون

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلٰى

الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْھَا وَکُنَّا بِکُلِّ شَیْءٍ عٰلِمِیْنَ ۔ (انبیاء آیت ۸۱)

اور مسخر کر دیا سلیمان کے لئے تیز و تند ہوا کہ اُن کے حکم سے اُس زمین پر چلتی تھی جسکو ہم نے برکت دی تھی اور ہم ہر شئے کے جاننے والے ہیں۔ (یعنی ملک یمن سے ملک شام جو اُس زمانے میں ایک ماہ کی مسافت پر تھا چند گھنٹوں میں ہوا انکو وہاں پہنچا دیا کرتی تھی)

وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّھَا شَھْرٌ وَّرَوَاحُھَا شَھْرٌ الخ

(سبأ آیت ۱۲، ۱۳)

اور سلیمان کے لئے مسخر کر دیا ہوا کو کہ صبح کو ایک ماہ کی مسافت طے کراتی تھی اور شام کو ایک ماہ کی مسافت، اور ہم نے اُن کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہا دیا اور ایسے جن اُن کے تابع کر دیئے جو اپنے رب کے حکم سے اُن کے آگے کام کرتے تھے اور اُن میں سے جو ہمارے حکم سے سرتابی کرتا اسکو ہم بھڑکتی آگ کا مزہ چکھاتے۔[۱] وہ جنات اُن کے لئے بناتے تھے جو کچھ وہ چاہتے اُونچی عمارتیں اور مجسمے اور حوض جیسے بڑے بڑے لگن اور اپنی جگہ سے نہ ہٹنے والی بھاری دیگیں، اے داؤد کے خاندان والو عمل کرو شکر گزاری کے طریقے پر اور میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہیں۔

فَسَخَّرْنَا لَہُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِہٖ رُخَاءً حَیْثُ اَصَابَ

(صٓ آیت ۳۶)

اور مسخر کر دیا ہم نے ہوا کو سلیمان کے لئے کہ وہ چلتی ہے اُن کے حکم سے نرمی کے ساتھ جہاں وہ پہنچنا چاہتے۔

وَمِنَ الشَّیٰطِیْنِ مَنْ یَّغُوْصُوْنَ لَہٗ وَیَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِکَ وَکُنَّا لَھُمْ حٰفِظِیْنَ ۔ (انبیاء آیت ۸۲)

اور شیاطین (سرکش جنوں) میں سے ہم نے ایسے بہت سوں کو سلیمان کا تابع بنا دیا تھا جو ان کے لئے سمندر میں (موتی نکالنے کے لئے) غوطے لگاتے اور اُس کے سوا دوسرے کام کرتے تھے اِن سب کے نگراں ہم ہی تھے۔

---

[۱] جنات و شیاطین صبح و شام سیدنا سلیمان علیہ السلام کے سامنے صف بستہ ادب و احترام سے کھڑے ہوتے تھے اور حکم کے منتظر رہتے تھے۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ (النمل آیت ۱۷)

اور سلیمان کے لئے جن اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے تھے اور وہ پورے ضبط میں رکھے جاتے تھے۔

وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَّغَوَّاصٍ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْأَصْفَادِ. هٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ.

(ص آیت ۳۷، ۳۸، ۳۹)

اور سرکش جنوں کو بھی اُنکے تابع کر دیا۔ ہر طرح کے معمار اور غوطہ خور اور دوسرے وہ بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے (سرکش و باغی قسم کے) ہم نے سلیمان سے کہا یہ ہماری عطا ہے تم کو اختیار ہے جسکو چاہو دو اور جس سے چاہے روک لو کوئی حساب کتاب نہیں۔

اصیل اور سُبک رفتار گھوڑے

حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعاتِ زندگی میں ایک مختصر واقعہ قرآن حکیم نے نقل کیا ہے۔ اس واقعہ کی روئیداد قرآن حکیم میں موجود ہے۔ اس لئے مفسرین نے اسکی وضاحت مختلف عنوان سے کی ہیں۔ پہلے جس حد تک قرآن حکیم نے واقعہ بیان کیا ہے اسکو مِنْ وَعَنْ نقل کیا جانا مناسب ہے پھر اہل تفسیر کی وضاحت درج کی جائے۔ قرآن حکیم نے اس واقعہ کا آغاز اس طرح فرمایا ہے:۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ نِعْمَ الْعَبْدُ الخ

(ص آیت ۳۰ تا ۳۳)

اور داؤد کو ہم نے سلیمان (جیسا بیٹا) عطا کیا وہ بہترین بندہ تھا کثرت سے اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا۔

(اِس کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے) جب اسکے سامنے شام کے وقت اصیل اور سُبک رفتار گھوڑے پیش کئے گئے تو وہ کہنے لگے (افسوس) میں اس مال کی محبت کی خاطر اپنے رب کی یاد سے غافل ہو گیا یہاں تک کہ آفتاب پردہ (مغرب) میں چھپ گیا

(غالباً کوئی نماز فوت ہوگئی پھر خادموں کو حکم دیا کہ) اِن گھوڑوں کو ذرا
میرے سامنے لاؤ (چنانچہ لائے گئے) سو انھوں نے اِن گھوڑوں کی پنڈلیوں
اور گردنوں پر (تلوار سے) ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا (یعنی اِن کو ذبح
کر دیا) (درمنثور) (یہ مالی صدقہ تھا جو بطور کفارہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں
تقسیم کر دیا گیا)

بس اسی حد تک قرآن حکیم نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ اس میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ غفلت کیوں ہوگئی؟ وہ ذکر اللہ کیا تھا جو گھوڑوں کے معائنہ میں چھوٹ گیا؟

حافظ ابن کثیرؒ نے اس واقعہ کی حقیقت اس طرح بیان کی ہے کہ ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کے معائنہ میں اسقدر منہمک ہوگئے کہ عصر کا وقت جو نماز پڑھنے کا معمول تھا فوت ہوگیا اور سورج غروب ہوگیا۔ اس انہماک پر سخت افسوس ہوا کہ مال (گھوڑوں) کی محبت نے یادِ الٰہی سے غافل کر دیا لہذا اسکی تلافی کرنی چاہیئے پھر اُنھوں نے گھوڑوں کو طلب کیا اور اُن کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے قربان کر کے مساکین میں تقسیم کر دیا۔

اس تفصیل کی تائید ایک مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے جسکو امام سیوطیؒ نے معجم طبرانی کے حوالہ سے نقل کی ہے:-

عَنْ اُبَیّ بن کعبؓ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم
فی قولہ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ الآیۃ
قال قطع سُوْقَهَا وَاَعْنَاقَهَا بالسیف (الحدیث)

حضرت اُبی بن کعبؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ۔ کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے تلوار سے اِن گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں کو کاٹنا شروع کیا۔

امام سیوطیؒ نے اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

(درمنثور ج ۵ ص۳۰۹)

اس حدیث کو امام طبرانی نے اپنی کتاب اوسط میں نقل کر کے لکھا ہے اس میں ایک راوی سعید بن بشیر ہیں جن کو امام شعبہؒ

نے ثقہ کہا ہے اور امام ابن معینؒ نے ضعیف قرار دیا ہے البتہ اس کے باقی راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۹۹)

الغرض اس حدیث کی وجہ سے ابن کثیرؒ کی تفسیر کافی مضبوط اور قابل ترجیح ہو جاتی ہے البتہ اس پر ایک ظاہری شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک نادانستہ غفلت کی وجہ سے چند ایک گھوڑوں کو قربان کر دینا کچھ عجیب سا لگتا ہے۔

لیکن یہ شبہ بالکل سطحی قسم کا ہے۔ اللہ تعالٰی کی خوشنودی کے لئے قربانی پیش کرنا ہر مذہب میں عبادت سمجھا گیا ہے اور خاص کر ملتِ اسلامی میں جس کی پیروی کرنے والوں میں ایک حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ہیں۔ جانوروں کو بلا کسی مقصدِ صحیح کے ذبح کرنا یقیناً اسراف اور گناہ کا کام ہے لیکن اللہ تعالٰی کی رضا و خوشنودی کے لئے ذبح کرنا اور اس کا گوشت تقسیم کر دینا پسندیدہ بات ہے۔ خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ مال و دولت کی مشغولیت ذکرِ الٰہی سے غفلت کا سبب بن جائے۔

اس حقیقت کی تائید احادیثِ مشہورہ سے بھی ہوتی ہے۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ابوجہمؓ صحابی نے ایک شامی چادر ہدیۃً پیش کی تھی جس پر کچھ نقش و نگار تھے آپؐ نے اُس چادر میں نماز ادا کی پھر حجرہ میں تشریف لائے اور حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ یہ چادر ابوجہمؓ کو واپس کر دو کیونکہ نماز میں قریب تھا کہ اسکے نقش و نگار مجھے فتنے میں ڈال دیتے۔ (مؤطا امام مالکؒ)

اسی طرح حضرت ابوطلحہ انصاریؓ ایک مرتبہ اپنے باغ میں نماز پڑھتے ہوئے ایک پرندے کو دیکھنے میں مشغول ہو گئے (کہ وہ درختوں کی کثرت کی وجہ سے باہر نکلنے میں دِقت محسوس کر رہا تھا) جس سے نماز کی طرف دھیان نہ رہا۔ پھر آپ نے وہ پورا باغ صدقہ کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپؐ نے خوشی کا اظہار فرمایا۔

معلوم ہوا کہ اگر مال و دولت کی محبت میں ذکر الٰہی فوت ہو جائے یا اللہ تعالٰی کی یاد سے غفلت ہو جائے تو مال و دولت کا

صدقہ وخیرات کر دینا ایک اچھا عمل ہے۔ لیکن اسمیں یہ بات ملحوظ رکھنی
ضروری ہے کہ ایسی صورت میں مال کو ضائع کرنا درست نہیں جس سے
اسراف لازم آجائے۔ صوفیائے کرام میں حضرت شبلیؒ کا ایک واقعہ نقل
کیا گیا ہے کہ انھوں نے اسی قسم کی غفلت میں بطور سزا اپنے کپڑے
جلادیئے تھے لیکن اِنہی صوفیہ میں سے ایک صوفی شیخ عبدالوہاب
شعرانیؒ نے اُن کے اس عمل کو صحیح قرار نہیں دیا۔ (روح المعانی)

القاءِ جسد

قانونِ ابتلاء (آزمائش) بھی ایک مستقل سنت اللہ ہے جو عام طور پر مجرموں کے لئے جاری ہوتا ہے لیکن خاصانِ خدا بھی اس سے دوچار ہوتے ہیں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے کہ نیکوں کی آزمائش میں جہاں درجات کی بلندی مقصود ہوتی ہے وہاں اور بھی حکمتیں پوشیدہ رہتی ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی اللہ نے ایک واقعہ میں آزمایا جسکو قرآن حکیم نے القاءِ جسد سے تعبیر کیا ہے۔ (ایک ناتمام جسم کا واقعہ) آیات قرآنی میں یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب یہ آزمائش پیش آئی تھی وہ کیا تھی؟ صرف اس قدر وضاحت ہے کہ اُن کی کرسی پر ایک ناتمام جسم ڈالا گیا اور وہ فوراً اللہ کی جناب میں رجوع ہوئے اور مغفرت چاہی۔

گزشتہ صفحات میں بھی یہ بات کہی گئی ہے کہ قرآن حکیم کا مزاج اور اُس کا اسلوب صرف واقعات نقل کرنا نہیں ہے بلکہ اُس کے نتائج اور حقائق سے آگاہ کرنا مقصود ہوتا ہے تاکہ انسانیت کو عبرت ونصیحت فراہم ہو۔ اسی اسلوب کے پیشِ نظر واقعات کا تکرار اور کہیں اجمال کہیں تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ ابتلائی واقعہ بھی اسی نوعیت سے تعلق رکھتا ہے۔ واقعہ کی پہلی آیت ہی اس مقصدِ اصلی پر روشنی ڈالتی ہے۔

"اور بیشک ہم نے سلیمانؑ کو آزمایا اور ڈال دیا ہم نے اُن کی
کرسی پر ایک ناتمام جسم پھر وہ اللہ کی جانب رجوع ہوئے۔"

(صٓ آیت ۳۴)

تاہم مفسرینِ کرام نے اس واقعہ کی تفصیل میں دو عنوان اختیار کی ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ قرآنی واقعات میں قیاس اور تخمین سے کوئی رائے قائم نہیں کرنی چاہیئے۔ صرف اسی قدر یقین رکھنا چاہیئے کہ اِن آیات میں اللہ تعالےٰ نے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اُس نے کسی آزمائش میں مبتلا کیا جس کا تعلق تختِ سلیمان اور ایک جسم کا تختِ سلیمان پر ڈالے جانے سے متعلق ہے اسکی کیفیت نامعلوم ہے کہ وہ جسد (جسم) کیا تھا؟ کیوں ڈالا گیا؟ اسمیں کس قسم کی آزمائش تھی؟ لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیگر انبیاء ورسل کی طرح فوری بارگاہِ الٰہی میں رجوع کیا، مغفرت طلب کی اور اس کے بعد ایک ایسی حکومت کی دُعا کی جو بے نظیر اور بے مثال ہو۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اُن کی دُعا قبول فرمائی اور اُن کی مقبولیت اور عظمتِ شان کو سراہا۔

آیاتِ زیرِ بحث کی تفسیر میں یہ طریقہ حافظ ابن کثیرؒ اور ابن حزمؒ اور دیگر جلیل القدر محدثین ومفسرین نے اختیار کیا ہے۔

بقیہ دیگر محدثین نے اِن آیات کی تفسیر میں یہ لکھا ہے:۔

"ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک لشکر کسی مہم سے ناکام واپس لوٹا جس پر حضرت سلیمان علیہ السلام کو سخت ناگوار گزرا اور انھوں نے شدتِ غضب میں یہ خیال ظاہر کیا کہ آج کی شب میں اپنے حرم کے ساتھ ازدواجی فریضہ ادا کروں گا تو میری ہر ایک بیوی سے لڑکا پیدا ہوگا اور وہ میدانِ جہاد کا مجاہد بنے گا۔ اس وقت حرم میں کئی ایک بیویاں تھیں۔ لیکن اپنے اس اظہارِ خیال میں اِنشاء اللہ کہنا بھول گئے۔"

اللہ تعالےٰ کو ایک اولوالعزم پیغمبر کا یہ طرز پسند نہ آیا اور اُس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس دعویٰ کو اس طرح غلط ثابت کر دیا کہ تمام ازواج مطہرات میں سے صرف ایک بیوی کے مُردہ ناتمام بچہ پیدا ہوا جس کو کسی خادم نے اِن کے سامنے ایسے وقت پیش کیا جبکہ وہ تخت پر متمکن تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو شدت سے احساس ہوا کہ یہ نتیجہ ہے اُس بات کا جسکو میں اپنے پُر اعتماد لہجہ میں انشاء اللہ کہے بغیر ادا کیا تھا۔ چنانچہ اُسی وقت وہ اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع ہوئے اور مغفرت طلب کی اور پھر وہ دُعا مانگی جس کا ذکر قرآن حکیم میں صراحتاً موجود ہے۔

محدثین کرام اپنی اس تفسیر کی دلیل میں بخاری و مسلم کی درج ذیل حدیث پیش کرتے ہیں اور اسی کو اس تفسیر کی سند قرار دیتے ہیں:۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ لَاَطُوْفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلٰى سَبْعِيْنَ اِمْرَأَةً تَحْمِلُ كُلُّ امْرَأَةٍ فَارِسًا يُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ الخ

(بخاری کتاب الانبیاء)

"حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک مرتبہ سلیمان بن داود علیہ السلام نے فرمایا کہ آج کی رات میں اپنی ستر بیویوں کے پاس جاؤں گا ہر ایک بیوی سے ایک ایک شہ زور لڑکا پیدا ہوگا جو اللہ کی راہ میں جہاد کریگا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر نے یا فرشتے نے اُن سے کہا انشاءاللہ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس جُملہ پر دھیان نہ رہا اور نتیجہ یہ نکلا کہ کوئی بیوی بھی حاملہ نہ ہوئی البتہ ایک بیوی کے ناتمام بچہ پیدا ہوا جس کا ایک بازو نہ تھا۔"

اسکے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر سلیمان (علیہ السلام) انشاءاللہ کہہ دیتے تو ہر ایک حرم کے بطن سے مجاہد فی سبیل اللہ پیدا ہوتا۔

بہر حال واقعہ کی تفصیل کچھ بھی ہو نفسِ واقعہ اپنی جگہ قائم ہے۔ قرآن حکیم یہ بتانا چاہتا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں سے جب کبھی بھی بھول یا غفلت ہوگئی وہ فوری طور پر بارگاہ الٰہی میں سر بسجود ہوئے۔ اللہ سے غفلت ایسی چیز نہیں ہے جسکو نظر انداز کر دیا جائے حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ اسوۂ حسنہ انسانوں کے لئے نصیحت و عبرت ہے۔

اِن آیات کی تفسیر میں بیان کردہ تفاسیر کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی روایات کتب تفسیر میں درج ہیں جن کا اسلامی روایات سے دُور کا بھی تعلق نہیں اور بلاشبہ وہ تمام تر یہودی روایات اور قصص ہیں جنکو روایات کہنا بھی روایات کی توہین ہے۔

محدث ابن کثیرؒ نے اور دیگر محدثین کرام نے اِن کو خرافات اور ہزلیات سے تعبیر کیا ہے ان کو لکھنا اور پڑھنا سوائے اضاعتِ وقت

کے اور کچھ نہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

قرآنی مضمون

القاء جسد کا یہ واقعہ آیاتِ ذیل میں اس طرح آیا ہے :-

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ الخ۔ (صٓ آیت ۳۴)

اور بیشک ہم نے سلیمان کو آزمایا اور ڈال دیا ہم نے اُسکی کرسی پر ایک (بے روح) جسم پھر وہ اللہ کی طرف رجوع ہوئے۔ کہا اے پروردگار مجھے بخش دے اور مجھ کو ایسی حکومت عطا کر جو میرے بعد کسی کو میسر نہ آئے بیشک تو ہی بخشنے والا ہے۔ تب ہم نے اُن کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا کہ وہ اُن کے حکم سے نرم رفتار سے چلتی تھی جہاں وہ پہنچنا چاہتے۔

وادیٔ نملہ

گزشتہ صفحات میں یہ وضاحت آچکی ہے کہ حیوانات کی بُولیاں سمجھنا اُن علوم سے متعلق نہیں جسکو اہل دُنیا جانتے یا سمجھتے ہیں۔ یہ علم خاص اللہ کی طرف سے اُن انبیاء ورسل کو دیا جاتا ہے جن کے تحت رشد و ہدایتِ انسانی کی ذمہ داری سُپرد کی جاتی ہے۔ طبقۂ انبیاء میں حضرت داؤد علیہ السلام وحضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ علم خاص عطا و بخشش اور معجزہ کے طور پر دیا گیا تھا۔ جس طرح ایک انسان دوسرے انسان کی گفتگو بے تکلف سن لیتا ہے اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولیاں سُن لیا کرتے تھے اور اُن کی مراد اور مفہوم سے آگاہ ہو جاتے تھے۔

اللہ کی اس عطا پر حضرت سلیمان علیہ السلام اظہار تشکر کے طور پر اس کو "فضلِ مبین" قرار دیتے تھے۔ اس حقیقت کی اہمیت کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ جس سورہ میں اس "فضل مبین" کا ذکر آیا ہے اُس کا نام ہی "سورہ نمل" رکھا گیا ہے۔ (چیونٹی کے قصے والی سورت)۔

بعض روایاتِ حدیث میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں بارش نہیں ہوئی قحط کی حالت پیدا ہوگئی حضرت سلیمان علیہ السلام

اپنی جماعت کے ساتھ صلوٰۃ استسقاء کے لئے میدان میں نکلے راہ میں دیکھا کہ ایک چیونٹی اپنے اگلے پیر اُٹھائے آسمان کی جانب نظر کئے یہ دُعا کر رہی ہے:۔

خدایا ہم بھی تیری مخلوق ہیں اور تیرے فضل و کرم کے محتاج، ہم کو بارش سے محروم رکھ کر ہلاک نہ فرما۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب انکی مناجات ختم ہوئی تو قوم سے فرمایا واپس چلو ایک حیوان کی دُعا نے ہمارا کام پورا کر دیا۔ اب بارش ضرور ہوگی۔

(تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۲۔ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۵۹)

وادیٔ نملہ (چیونٹیوں کی وادی) کا ایک واقعہ قرآن حکیم نے نقل کیا ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں پیش آیا تھا۔ مؤرخ ابن بطوطہ اور بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ وادی عسقلان کے قریب تھی لیکن مفسرین کی ایک بڑی تعداد نے اس کا مقام ملک شام بتایا ہے۔

قصہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام جن و انس اور حیوانات کے ایک عظیم لشکر کے جلو میں کسی جگہ تشریف لے جا رہے تھے لشکر کی کثرت اور ہجوم کے باوجود کسی طبقہ کے افراد کی مجال نہ تھی کہ وہ اپنے درجہ اور رُتبہ کے خلاف آگے پیچھے ہو جائے۔ سب فرمانبردار غلاموں کی طرح فوج در فوج چل رہے تھے چلتے چلتے لشکر ایک ایسی وادی میں پہنچا جہاں چیونٹیاں بے شمار تھیں اور پوری وادی اِن کا مسکن بنی ہوئی تھی چیونٹیوں کے سردار نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس عظیم لشکر کو دیکھ کر اپنی قوم سے کہا اے چیونٹیوں تم فوراً اپنے اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ کہیں سلیمان اور اُن کا لشکر تمہیں بے خبری میں روند نہ ڈالے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹیوں کے سردار کی جب یہ بات سُنی تو انھیں ہنسی آگئی۔ اس عظیم انکشاف پر اللہ عزوجل کا شکر ادا کیا اور مزید نیکی و پرہیزگاری کی دُعا کی۔

وادیٔ نملہ کا یہ واقعہ قرآن حکیم کی آیات ذیل میں اس طرح آیا ہے:۔

قرآنی مضمون

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ الخ

(النمل آیات ۱۵ تا ۱۹)

اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا اور اُنھوں نے کہا کہ شکر ہے اس خُدا کا جس نے ہم کو اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا کی۔
اور داؤد کے وارث سلیمان ہوئے اور اُس نے کہا اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی ہیں اور ہمیں ہر طرح کی چیزیں دی گئی ہیں بیشک یہ (اللہ کا) کُھلا فضل ہے۔
اور سلیمان کے لئے جن اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے تھے اور وہ پورے ضبط میں رکھے جاتے تھے۔
یہاں تک کہ جب یہ سب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیوں اپنے بِلوں میں گُھس جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں اور اُنھیں خبر بھی نہ ہو۔
سلیمان اس کی بات پر مسکراتے ہوئے ہنس پڑے اور کہنے لگے:۔
اے میرے رب مجھے یہ توفیق دے کہ میں تیرا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام کیا ہے اور یہ کہ میں وہ نیک عمل کروں جو تجھ کو پسند آئے اور مجھکو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔"

ہُدہُد اور ملکۂ سبا

قرآن حکیم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک اور عجیب و غریب تاریخی واقعہ قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے جو نہایت دلچسپ ہونے کے باوجود نتائج وعبر کے پیش نظر بصیرت افروز ہے۔ یہ حقیقت تو اوپر آچکی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکمرانی جہان انسان اور جنات پر تھی وہاں چرند و پرندوں پر بھی حاوی تھی۔
ایک مرتبہ دربار سلیمانی اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ منعقد تھا۔ انسان، جنات، حیوانات بھی صف در صف کھڑے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام ان کا معائنہ فرما رہے تھے کہ پرندوں کی صف میں ہُدہُد پرندہ موجود نہ تھا اُسکی اس غیر حاضری

کو محسوس کر کے دریافت کیا، کیا بات ہے میں ہُد ہُد کو موجود نہیں پاتا؟ اگر وہ واقعی غیر حاضری کا مرتکب ہوا ہو تو میں اسکو سخت سزادوں گا یا پھر ذبح کرڈالونگا۔ اِلّا یہ کہ وہ اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان کردے

یہ عتابِ سلیمانی ہو ہی رہا تھا کہ ہُد ہُد حاضر ہو گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی باز پرس پر کہنے لگا:-

"میں ایک ایسی یقینی اطلاع لایا ہوں جسکی خبر آپ کو اس سے پہلے حاصل نہیں"۔

وہ یہ کہ یمن کے علاقے میں ملک سبا کی ایک ملکہ رہتی ہے جو ملک پر حکمرانی کرتی ہے اور اللہ نے اسکو سب کچھ دے رکھا ہے اور اُس کا تخت اپنی خاص خوبیوں کے اعتبار سے نہایت عظیم الشان ہے۔ ملکہ اور اسکی قوم آفتاب پرست ہے اور شیطان نے انھیں گمراہ کر رکھا ہے اور وہ خدائے واحد کی عبادت نہیں کرتے اور شیطان نے اُن کی آفتاب پرستی کو اُنکے لئے خوشنما بنا دیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ سُنکر فرمایا کہ اچھا تیری بات کی صداقت کا ابھی علم ہو جائے گا اگر تو سچا ہے تو میرا یہ خط لیجا اور اسکو اُن تک پہنچا دے اور انتظار کر کہ وہ اس کے متعلق کیا گفتگو کرتے ہیں۔

ہُد ہُد خط لیکر اُڑا اور ایسے وقت وہ خط گرایا جب ملکۂ سبا دربار کر رہی تھی۔ خط ملکہ کی گود میں گرا۔ ملکہ خط پڑھکر اہل دربار سے کہنے لگی کہ ابھی ابھی میرے پاس ایک معزز مکتوب آیا ہے جس کی عبارت یہ ہے:-

"یہ خط سلیمان کی جانب سے اور اللہ کے نام سے شروع ہے جو بڑا مہربان رحم والا ہے۔
تم کو ہم پر سرکشی اور سربلندی کا اظہار نہیں کرنا چاہیئے اور تم میرے پاس اللہ کے فرمانبردار (مسلم) ہو کر آؤ۔"

تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ قدیم زمانے میں خطوط رسانی کا کام پرندوں سے بھی لیا جاتا تھا۔ پرندوں کو اس حد تک سُدھایا جاتا تھا کہ جس کسی کو خط پہنچانا ہوتا تھا اُس سمت پرندے کو اُڑا دیا جاتا تھا اور وہ ٹھیک ٹھیک اُسی سمت اُڑتا ہوا مُرسل الیہ تک پہنچ جاتا تھا۔

ملکہ سبا نے خط کی عبارت پڑھکر کہا اے ارکانِ دولت تم جانتے ہو کہ میں نے

اہم معاملات میں تمہارے مشورے کے بغیر کبھی کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے اس لئے اب میں تم سے مشورہ طلب کرتی ہوں مجھے کیا کرنا چاہئیے؟

ارکانِ دولت نے کہا جہاں تک مرعوب ہونے کا تعلق ہے تو اسکی قطعاً ضرورت نہیں کیونکہ ہم زبردست طاقت اور جنگی قوت کے مالک ہیں۔ رہا آخری فیصلہ وہ آپ کے ہاتھ میں ہے جو مناسب ہو اسکے لئے حکم کی ضرورت ہے۔

ملکہ نے کہا بیشک ہم طاقتور اور صاحب اقتدار ہیں لیکن سلیمان کے معاملے میں ہم کو عجلت نہیں کرنی چاہیئے۔ پہلے ہم کو اُن کی قوت وطاقت کا اندازہ کر لینا چاہیئے۔ کیونکہ جس عنوان کے ساتھ یہ خط لکھا گیا ہے وہ ایسا نہیں کہ اسکو نظرانداز کر دیا جائے۔ اس لئے میرا اپنا خیال یہ ہے کہ پہلے اپنے چند قاصد روانہ کروں اور وہ سلیمان کے لئے عمدہ اور قیمتی تحفے لیجائیں اس بہانہ سے وہ اُن کی شان وشوکت کا اندازہ لگا سکیں گے اور یہ بھی معلوم ہوجائیگا کہ وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ اگر واقعی وہ زبردست قوت وشوکت کے مالک ہیں تو پھر اُن سے لڑنا فضول ہے اس لئے کہ صاحب شوکت بادشاہوں کا یہ دستور رہا ہے کہ جب وہ کسی شہر میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں تو اس شہر کو برباد اور باعزت شہریوں کو ذلیل وخوار کر دیتے ہیں۔ اس لئے بلاوجہ بربادی مول لینی مناسب نہیں ہے۔

اہل دربار نے ملکہ کی دانشمندانہ بات پر اتفاق کیا، کیونکہ یہ خط کئی ایک وجوہ سے اہم تھا۔

ایک۱ یہ کہ وہ عجیب غیر معمولی طریقے سے آیا تھا بجائے اسکے کہ کوئی سفارت اُسے لاکر دیتی ایک پرندے نے لاکر ٹپکایا۔

دوسرے۲ یہ کہ وہ فلسطین وشام کے فرمانروا سلیمان علیہ السلام کی جانب سے ہے۔

تیسرے۳ یہ کہ اُس خط کو اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع کیا گیا ہے حالانکہ اُس وقت دنیا میں کہیں کسی سلطنت کے مراسلوں میں یہ طریقہ رائج نہ تھا۔

پھر ان سب باتوں سے ہٹکر جس اختصار اور صاف صاف باتوں کا اظہار کیا گیا ہے وہ اسکی اہمیت اور زیادہ بڑھا دیتا ہے کہ اسمیں واضح طور پر یہ دعوت دی گئی ہے کہ مخالفت چھوڑ کر اطاعت اختیار کریں اور تابع فرمان بنکر یا مسلمان ہوکر حاضر ہوجائیں۔ خط کی عبارت میں (وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ) مسلم ہوکر حاضر ہونے کا حکم تھا۔

مسلم ہو کر حاضر ہونے کے ۲ دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ مطیع بن کر حاضر ہو جائیں دوسرے یہ کہ دین اسلام قبول کر کے حاضر ہوں۔

پہلا مفہوم حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان فرماں روائی سے مطابقت رکھتا ہے جبکہ دوسرا مفہوم شانِ پیغمبری کے شایانِ شان ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ جامع لفظ ہر ۲ دو مفہوم کی ادائی کے لئے لکھا گیا ہو۔ الغرض قاصدوں کا انتخاب کیا گیا اور تحفہ وتحائف میں قیمتی اشیاء رکھے گئے۔ تاریخی روایات میں جہاں بیشمار تفصیلات ہیں وہاں چند خصوصی چیزیں یہ تھیں:-

کچھ سونے کی اینٹیں، کچھ جواہرات اور ایک سو غلام،
اور ایک سو کنیزیں اور ساتھ ہی ملکہ کا ایک خصوصی خط جس میں
چند اہم سوالات تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اسکے تحفوں کی تفصیلات اُن کے پہنچنے سے پہلے بتلادی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنّات کو حکم دیا کہ دربار سے تیس ۳۰ میل کی مسافت میں سونے چاندی کا فرش کر دیا جائے اور راستہ میں دو طرفہ مختلف نوع کے جانوروں کو کھڑا کر دیا جائے، اسی طرح اپنے دربار کو خاص اہتمام سے مزین کیا اور اس کے دائیں بائیں چار چار ہزار سونے کی کرسیاں ایک طرف اہل علم کے لئے دوسری طرف اہل دربار وزراء و اعیان سلطنت کے لئے رکھدی گئیں، جواہرات سے پورا دربار مزیّن کیا گیا۔

ملکہ سبأ کے قاصدوں نے راہ میں سونے کی اینٹوں پر جانوروں کو کھڑا دیکھا تو اپنے تحفے سے شرما گئے۔ جُوں جُوں آگے بڑھے دو طرفہ چرند و پرند کی صفیں دیکھیں پھر جنات کی صفیں دیکھیں تو مرعوب ہو گئے۔ لیکن جب دربار میں پہنچے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی تواضع واکرام سے مانوس ہوئے۔ اور وہ خوف جاتا رہا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے حشم وخدم کو دیکھ کر پیدا ہوا تھا۔

ملکۂ سبا کے تحائف پیش کیے گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تم نے اور تمہاری ملکہ نے میرے پیغام کو غلط سمجھا شاید تم نے یہ سمجھ لیا کہ میں اِن قیمتی اشیاء سے خوش و راضی ہو جاؤں گا، حالانکہ تم دیکھ رہے ہو کہ اللہ تعالٰے نے مجھ کو کیا کچھ عنایت

کیا ہے۔

لہٰذا تم اپنے ہدایا واپس لیجاؤ اور اپنی ملکہ سے کہنا کہ اگر تم نے میری اطاعت نہ کی تو میں ایسے عظیم لشکر کے ساتھ ملک سبا تک پہنچ جاؤں گا پھر تم اُسکی مدافعت اور مقابلہ سے عاجز ہو رہو گے۔ انجام کار سب کے سب ذلیل و خوار ہوکر شہر بدر ہو جاؤ گے۔

قاصدوں نے واپس ہوکر ملکۂ سبا کو پوری روئداد سُنائی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان و شوکت کا جو مشاہدہ کیا تھا وہ تفصیلاً سنایا اور خاص طور پر یہ بات کہی کہ اُن کی حکومت نہ صرف انسانوں پر ہے بلکہ جن اور چرند و پرند بھی اُن کے زیر فرمان ہیں۔

ملکہ اور ارکانِ دولت نے جب یہ تفصیل سُنی تو سب نے طے کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے لڑنا اپنی موت کو دعوت دینے کے برابر ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوکر اطاعت قبول کرلی جائے۔ چنانچہ ملکۂ سبا اپنے ارکان دولت اور حشم و خدم کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پایۂ تخت فلسطین کی جانب روانہ ہوگئی۔ مُلکِ سبا سے فلسطین کی یہ مسافت تقریباً ڈیڑھ ہزار میل سے زائد بتائی جاتی ہے۔ ملکہ سبا جب بیت المقدس کے قریب پہنچ گئی اور دو ایک دن کی مسافت باقی رہ گئی تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو وحیٔ الٰہی کے ذریعہ معلوم ہوگیا کہ ملکہ سبا اطاعت اختیار کرنے کے لئے آرہی ہے۔

عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے اہل دربار کو جمع کیا اور اُن سے مخاطب ہوکر فرمایا، میں چاہتا ہوں کہ ملکۂ سبا کے یہاں پہنچنے سے پہلے پہلے اُس کا شاہی تخت اُٹھا کر یہاں لے آیا جائے اور غالباً منشا اس کا یہ تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ ملکہ اور اُسکے درباریوں کو ایک معجزہ دکھانا چاہتے تھے تاکہ اُنھیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء و مرسلین کو کیسی کیسی غیر معمولی قدرتیں عطا فرماتا ہے اور یہ یقین بھی ہو جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام واقعی اللہ کے نبی و رسول ہیں۔

یہ سُنکر ایک دیو پیکر جن اُٹھا اور کہنے لگا جناب عالی یہ کام میں انجام دوں ؟ آپ کے دربار برخاست کرنے سے پہلے پہلے اس تخت کو لے آؤں گا مجھکو یہ طاقت حاصل ہے اور میں ایک امانتدار جن ہوں۔ دیو پیکر جن کا یہ دعویٰ سُنکر اُسی دربار کے ایک اہل علم نے کہا

اور میں آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے اُس تخت کو آپکی خدمت میں پیش کرسکتا ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بس رُخ پھیر کر دیکھا ہی تھا کہ ملکۂ سبا کا شاہی تخت سامنے موجود تھا۔ فرمانے لگے یہ میرے پروردگار کا فضل و کرم ہے وہ مجھ کو آزماتا ہے کہ میں اُسکا شکرگزار بنتا ہوں یا نافرمان اور حقیقت تو یہ ہے کہ جو شخص اللہ کا شکر گزار ہوتا ہے دراصل اپنی ذات ہی کو نفع پہونچاتا ہے اور جو نافرمانی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی نافرمانی سے بے نیاز ہے اور اُس کا وبال خود نافرمانی کرنے والے ہی پر پڑتا ہے۔

اس اہل علم کے بارے میں قطعی طور پر یہ معلوم نہیں کہ وہ کون تھے۔ اُن کے پاس کس قسم کا علم تھا اور کتاب سے مراد کونسی کتاب مراد ہے؟ قرآن حکیم نے اُن کا تعارف صرف اس حد تک کیا ہے :-

وَقَالَ الَّذِیْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتَابِ ۔الخ (النمل آیت ۴۰)

اور جس شخص کے پاس کتاب کا ایک علم تھا وہ بولا میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اُس تخت کو لے آتا ہوں۔

لہذا اِن امور کی کوئی وضاحت نہیں۔ نہ ہی احادیث صحیحہ میں اس کا پتہ چلتا ہے۔

بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے کوئی مصاحب تھے جسکو اللہ کی "الکتاب" کا کوئی غیر معمولی علم حاصل تھا اس علم خاص کی طاقت سے وہ تخت اُٹھا لائے بعض کہتے ہیں کہ وہ کوئی بزرگ جن تھا جسکے پاس اسماءِ الٰہیہ کا علم تھا اسم اعظم کی طاقت سے اسکو اُٹھا لیا۔ بعض لکھتے ہیں کہ وہ کوئی فرشتہ تھا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔

اسی طرح بعض مفسرین نے آصف بن برخیاہ کا نام لکھا ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے مُشیر تھے۔ بعض نے حضرت خضر علیہ السلام کا نام بتایا ہے۔ الغرض بیت المقدس سے ملک سبا کے پایۂ تخت مآرب کا فاصلہ پرندے کی اُڑان کے لحاظ سے بھی کم از کم ڈیڑھ ہزار میل کا تھا اتنے فاصلے سے ایک ملک کا عظیم الشان تخت اتنی مختصر بلکہ پلک جھپکنے کی مدت میں اُٹھا لے آنا کسی انسان کا کام نہیں ہوسکتا خواہ قوم عمالقہ ہی میں سے کوئی طاقتور آدمی کیوں نہ ہو (قدیم زمانے میں قوم عمالقہ بہت بلند و بالا اور حیرت انگیز قوت و طاقت والی گزری ہے) بقول ایک جدید مفسر یہ کام تو آج کل کا جٹ طیارہ بھی انجام دینے پر قادر نہیں ہے (بلکہ

راکٹ بھی) مسئلہ صرف اتنا ہی نہ تھا کہ ایک شاہی تخت ملکہ کے محل سے اُٹھا لائے یقیناً اُس محل پر پہرہ دار مقرر ہوں گے اور وہ ملکہ کی غیر موجودگی میں ضرور محفوظ جگہ رکھا گیا ہوگا۔ انسان جاکر اُٹھا لانا چاہے تو اس کے ساتھ ایک چھاپہ مار دستہ ہونا چاہیئے کہ لڑ بھڑ کر اُسے پہرداروں سے چھین لائے اور یہ سب کچھ صرف اور صرف چند لمحات میں طے پا جائے۔ اس چیز کا اگر تصور کیا جاسکتا ہے تو ایک حقیقی جن ہی کے بارے میں کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے قرآن حکیم کے الفاظ سے جو بات مترشح ہوتی ہے غالباً وہ اسی مضمون کی تائید کرتی ہے۔

بہرحال حضرت سلیمان علیہ السلام نے ادائے شکر کے بعد اپنے مصاحبین کو حکم دیا کہ اس تخت کی شکل میں کچھ تبدیلی کر دی جائے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ ملکہ سبا یہ یہ دیکھ کر حقیقت کی طرف راہ یاب ہوتی ہے یا نہیں؟ یعنی وہ اس حیرت انگیز معجزے کو دیکھ کر ہدایت پاتی ہے یا اپنی گمراہی پر قائم رہتی ہے۔

کچھ عرصہ بعد ملکہ سبا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ گئی اور جب وہ دربار میں حاضر ہوئی تو اُس سے دریافت کیا گیا کیا آپ کا تخت ایسا ہی ہے؟

عقلمند ملکہ نے جواب دیا یہ تو گویا وہی ہے۔ یعنی تخت کی ساخت اور مجموعی حیثیت تو یہ بتا رہی ہے کہ یہ میرا ہی تخت ہے لیکن معمولی سی تبدیلی اس یقین میں شک پیدا کر رہی ہے اسکے ساتھ ہی ملکہ حقیقتِ حال تک پہنچ گئی اور کہنے لگی ہم لوگوں کو تو اس واقعہ سے پہلے ہی آپ کی نبوت کی تحقیق ہو چکی ہے اور ہم اُسی وقت سے دل سے مطیع ہو چکے ہیں جبکہ قاصد سے آپ کے احوال معلوم ہوئے تھے۔

قرآن حکیم نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ واقعی سمجھدار خاتون تھی مگر چندروز جو ایمان نہیں لائی تو اسکی وجہ یہ تھی کہ اُس کو ایمان لانے سے غیر اللہ کی عبادت نے جسکو اُسکی عادت تھی روک رکھا تھا اور وہ عادت اس لئے پڑ گئی تھی کہ اُس کی قوم کافر تھی لہذا جو سب کو دیکھا وہی آپ کرنے لگی۔ قومی عادات اکثر اوقات انسان کے سوچنے سمجھنے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں اور انسان اُسی دھارے میں بہنے لگتا ہے۔

شیش محل

حضرت سلیمان علیہ السلام نے چاہا کہ نبوت کا اعجاز دیکھنے کے بعد ملکہ سبا کو ظاہری شانِ سلطنت بھی دکھلا دی جائے تاکہ وہ اپنے

کو دنیا کے لحاظ سے بھی عظیم نہ سمجھے اس کے لئے شیش محل بنوا کر اُسکے صحن میں ایک بڑا حوض بنوایا اور اُس میں پانی اور پانی کے جانور چھوڑ کر اسکو شیشہ سے پاٹ دیا۔ شفاف آبگینوں اور بلور کے ٹکڑوں سے ایسا نفیس فرش بنا دیا کہ دیکھنے والے کی نگاہ دھوکہ کھا جاتی کہ صحن میں صاف وشفاف پانی بہہ رہا ہے اور یہ حوض ایسے موقع پر تھا کہ اُس محل میں جانے والے کو لامحالہ اُس پر سے عبور کرنا پڑتا تھا۔ جنوں کی مدد سے یہ عالیشان شیش محل آناً فاناً تیار ہوگیا جو اپنی صنعت کاری کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ تھا۔

ملکۂ سبا سے کہا گیا کہ قصرِ شاہی میں قیام کرے۔ ملکہ محل کے سامنے پہنچی تو شفاف پانی بہتا ہوا پایا۔ یہ دیکھ کر ملکہ نے اپنے کپڑوں کو پنڈلی تک اُٹھا لیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اسکی ضرورت نہیں یہ پانی نہیں ہے سارے کا سارا محل اور اس کا خوبصورت صحن چمکتے ہوئے آبگینہ کا ہے۔

یہ آخری چیز تھی جس نے ملکہ کی آنکھیں کھول دیں۔

پہلی چیز حضرت سلیمان علیہ السلام کا وہ خط تھا جو عام بادشاہوں کے طریقے سے ہٹکر اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع کیا گیا تھا۔

دوسری چیز اُسکے بیش بہا ہدیوں کو رد کرنا تھا جس سے ملکہ کو اندازہ ہوا کہ یہ بادشاہ مال ومتاع کا حریص نہیں۔

تیسری چیز قاصدوں کا وہ بیان تھا جس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی شخصی وخانگی زندگی اور ان کی اتقا اور نیاز مندانہ زندگی کا حال معلوم ہوا۔

چوتھی چیز اُسکے اپنے عظیم الشان تخت کا مُلکِ سبا سے آناً فاناً بیت المقدس پہنچ جانا تھا جس سے ملکہ کو یقین ہوگیا کہ اس شخص کی پشت پر اللہ تعالیٰ کی طاقت کارفرما ہے۔

پانچویں اور آخر چیز یہ تھی کہ اُس نے دیکھا جو شخص یہ سامانِ عیش وتنعم رکھتا ہو اور ایسے ایسے شاندار محلات میں رہتا ہے وہ کس قدر غرورِ نفس سے پاک ہے۔ کتنا خدا ترس اور نیک نفس ہے؟ کس طرح

بات بات پر اس کا سر اللہ واحد کے آگے شکر گزاری میں جھکا جاتا ہے
یہی وہ چیزیں تھیں جسکی وجہ سے وہ یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوگئی کہ :-
اے میرے رب آج تک میں اپنے نفس پر بڑا ظلم کرتی رہی
اور اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی اطاعت قبول کرلی
(النمل آیت ۴۴)

اس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کا پیغام (وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ) پورا ہوا اور ملکۂ سبا مسلمان ہوگئی۔

قرآن حکیم نے ملکۂ سبا کے اس واقعہ کو ایسے معجزانہ اختصار کے ساتھ بیان کیا کہ نفس واقعہ کے ساتھ قرآن حکیم کا حقیقی مقصد "تذکیر" بھی نمایاں رہے اور واقعہ کے اہم اجزاء بھی بیان ہوجائیں۔

یہ ساری تفصیلات اس طرح مذکور ہیں :-

قرآنی مضمون

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ. الخ (النمل آیات ۲۰ تا ۴۴)

(ایک موقع پر) سلیمان نے پرندوں کا جائزہ لیا اور کہا کیا بات ہے کہ میں فلاں ہُدہُد کو نہیں دیکھ رہا ہوں کیا واقعی وہ غائب ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں ضرور اس کو سخت سزا میں ڈالوں گا یا اسکو پھر ذبح ہی کردوں گا یا وہ پھر میرے پاس غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان کرے۔

کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اُس نے آکر کہا میں نے وہ معلومات حاصل کی ہیں جو آپ کے علم میں نہیں ہیں میں ملک سبا کی ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔

میں نے ایک عورت وہاں دیکھی ہے جو اُس قوم پر حکمرانی کرتی ہے اسکو ہر طرح کا ساز و سامان مہیا کیا گیا ہے اور اُس کا تخت بڑا عظیم الشان ہے۔

میں نے اُسکو اِس حال میں پایا ہے کہ وہ اور اُسکی قوم اللہ کو چھوڑ کر آفتاب کی پرستش کرتی ہے اور اُسکے سامنے سربسجود ہوتی ہے

اور شیطان نے اُن کے اعمال اُن کے لئے خوشنما بنا دیئے ہیں اور انہیں راہِ مستقیم سے ہٹا رکھا ہے اس وجہ سے وہ سیدھا راستہ نہیں پاتے۔

(تعجب ہے) کہ وہ کیوں اس اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو نکالتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو۔

(وہ) اللہ کہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں جو عرش عظیم کا مالک ہے۔

سلیمان نے کہا ابھی ہم دیکھ لیتے ہیں کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔

میرا یہ خط لیجا اور اُن لوگوں کی طرف اسکو ڈال دے پھر الگ ہٹکر دیکھ کہ وہ کیا ردِعمل ظاہر کرتے ہیں۔

ملکہ بولی اے اہل دربار میری طرف ایک معزز خط ڈالا گیا ہے۔

وہ سلیمان کی جانب سے ہے اور یہ کہ وہ اللہ رحمٰن رحیم کے نام سے شروع کیا گیا ہے۔

(مضمون یہ ہے کہ) میرے مقابلہ میں سرکشی نکرو اور مسلم ہوکر میرے پاس آجاؤ۔

(خط سنا کر) ملکہ نے کہا اے سردارانِ قوم میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو میں کسی معاملے میں فیصلہ تمہارے بغیر نہیں کرتی ہوں۔

اُنھوں نے جواب دیا ہم طاقتور اور لڑنے والے ہیں آگے فیصلہ آپ کے ہاتھ ہے آپ خود دیکھ لیں کہ آپکو کیا حکم دینا ہے۔

ملکہ نے کہا کہ عام طور پر بادشاہ جب کسی ملک میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں تو اُسے خراب اور اُسکے عزت والوں کو ذلیل و خوار کردیتے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ سلاطین ایسا ہی کرتے ہیں۔

اور میں ان کی جانب ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لیکر آتے ہیں۔

جب ملکہ کا سفیر سلیمان کے ہاں پہنچا تو سلیمان نے کہا کیا تم میری مالی اعانت کرنا چاہتے ہو؟ جو کچھ اللہ نے مجھے دے رکھا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے جو تمہیں دیا ہے تمہارا ہدیہ تم ہی کو مبارک رہے۔

اے سفیر واپس جا اپنے بھیجنے والوں کی طرف ہم اُن پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کا وہ مقابلہ نہ کرسکیں گے اور ہم انہیں ایسی ذلت کے ساتھ وہاں سے نکالیں گے کہ وہ خوار ہوکر رہ جائیں گے۔

(پھر) سلیمان نے کہا اے اہل دربار تم میں سے کون اُس کا تخت میرے پاس لے آئے گا؟ قبل اسکے کہ وہ لوگ مطیع ہوکر میرے پاس حاضر ہوں گے؟

جنّوں میں سے ایک قوی ہیکل جن نے کہا میں اُسے حاضر کردوں گا قبل اسکے کہ آپ اپنی مجلس برخاست کریں اور میں اس کی طاقت رکھتا ہوں اور امانتدار ہوں۔

جس شخص کے پاس الکتاب کا علم تھا وہ بولا میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اُس تخت کو لائے دیتا ہوں۔

پھر جب سلیمان نے (پلک جھپکتے ہی) اسکو اپنے پاس موجود پایا تو کہا یہ میرے پروردگار کا فضل ہے میری آزمائش کے لئے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو شکر کرتا ہے وہ اپنے نفس کے لئے کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا پروردگار بے نیاز ہے اور اپنی ذات میں آپ بزرگ ہے۔

سلیمان نے کہا اس تخت کی ہیئت کچھ بدل کر اسکو ملکہ کے سامنے پیش کرو دیکھیں کہ وہ صحیح بات تک پہنچتی ہے یا اُن لوگوں میں سے ہے جو راہِ راست نہیں پاتے ہیں (تاکہ اس لطیف پیرایہ سے ملکہ کا ذہین و فہیم ہونا معلوم ہوسکے۔)

ملکہ جب حاضر ہوئی تو اُس سے کہا گیا کیا آپ کا تخت ایسا ہی ہے؟ وہ بولی یہ تو گویا وہی ہے اور ہم تو پہلے ہی جان گئے تھے اور ہم نے

سر اطاعت جھکا دیا تھا۔

اُس کو ایمان لانے سے جس چیز نے روک رکھا تھا وہ ان معبودوں کی عبادت تھی جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتی تھی کیونکہ وہ ایک کافر قوم سے تھی۔

اُس سے کہا گیا کہ محل میں داخل ہو اُس نے جو دیکھا تو سمجھی کہ گہرا پانی بہہ رہا ہے اور پار ہونے کے لئے پائنچے اوپر اُٹھالئے (کسی نے کہا) یہ تو ایک محل ہے جس میں آبگینے جڑے گئے ہیں۔

کہنے لگی پروردگار میں نے ابتک اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور میں اب سلیمان کے ساتھ ایمان لاتی ہوں اُس اللہ پر جو تمام عالموں کا پروردگار ہے۔

نکاحِ ملکہ آیاتِ مذکورہ میں ملکۂ سبا کا واقعہ اسی پر ختم ہوگیا کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے اسلام کا اعلان کیا۔

اسکے بعد کیا حالات پیش آئے قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ اس بارے میں ساکت ہیں۔ کسی شخص نے مشہور محدث ابن عُیَیْنَہؒ سے پوچھا کہ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکۂ سبا سے نکاح کرلیا؟

اُنھوں نے جواب دیا اِس کا معاملہ اسپر ختم ہوگیا اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ مطلب یہ کہ قرآن حکیم نے یہیں تک اس کا حال بیان کیا ہے۔ ہم کو بھی اسکی تفتیش میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ یعنی وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ پر ایمان لائی۔

مگر محدث ابن عساکر نے حضرت عکرمہؒ سے روایت نقل کی ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکۂ سبا سے نکاح کرلیا پھر اسکو اُسکے ملک پر والی و حاکم کی حیثیت سے واپس روانہ کردیا اور گاہے گاہے حضرت سلیمان علیہ السلام یمن تشریف لے جاتے تھے اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کیلئے یمن میں تین ایسے عمدہ محل تیار کروائے جو اپنی نظیر آپ تھے۔

واللہ اعلم۔

ہارُوت وماروت

ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کے زمانے میں بنی اسرائیل کے اندر یہ گمراہی شروع ہوگئی تھی کہ جنات علم غیب جانتے ہیں اور شیاطین نے یہ بات بھی مشہور کر دی تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام علم سحر کے ذریعہ جنّات اور حیوانات پر حکومت کرتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب اسکی خبر ہوئی تو انھوں نے شیاطین کے تمام نوشتوں کو حاصل کر کے اپنے تخت کے نیچے دفن کر دیا تاکہ جن وانس کو کسی طرح وہاں پہنچنے کی جرأت نہ ہوسکے اور ساتھ ہی یہ فرمان بھی جاری کر دیا کہ جو شخص سحر کرے گا یا جنّات کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے گا کہ وہ علم غیب کا علم جانتے ہیں اسکو قتل کی سزا دی جائیگی لیکن جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا انتقال ہوگیا تو شیاطین نے اُس مدفون ذخیرہ کو نکال کر بنی اسرائیل میں یہ عقیدہ پیدا کر دیا کہ جادو کا یہ علم حضرت سلیمان علیہ السلام کا علم ہے وہ اسی قوت سے جن وانس اور چرند و پرند پر حکومت کرتے تھے اس طرح جادو پھر رائج ہوگیا۔

جب بنی اسرائیل کو شیاطین نے سحر سکھا کر گمراہ کیا اور وہ لوگ شیاطین کو غیب داں یقین کرنے لگے یہ وہ زمانہ تھا کہ اُس وقت اُن کے درمیان کوئی نبی یا رسول موجود نہ تھا تو بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے دوؔ فرشتے ہاروت و ماروت نامی نازل کئے اُنھوں نے بنی اسرائیل کو تورات سے ماخوذ اسماء وصفات الٰہی کے اسرار کا ایسا علم سکھایا جو سحر کے مقابلہ میں ممتاز اور سحر کے ناپاک اثرات سے پاک تھا۔ اسکی وجہ سے ایک اسرائیلی بآسانی یہ سمجھ سکتا تھا کہ یہ سحر ہے اور یہ پاکیزہ علم ہے۔ اور جب فرشتے بنی اسرائیل کو یہ علم سکھاتے تو ساتھ ساتھ یہ بھی نصیحت کرتے تھے کہ اب جبکہ تم پر حقیقت منکشف ہوگئی ہے اور تم کو حق وباطل کے درمیان امتیاز حاصل ہوگیا ہے تو اب کتاب اللہ کے اس علم کو پس پشت ڈال کر پھر بھی سحر کی جانب رجوع کرو گے تو تم بلاشبہ کفر میں گر پڑو گے۔ کیونکہ اب اللہ تعالیٰ کی حجت تم پر پوری ہوچکی ہے اب تمہارے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہا اس طرح گویا ہمارا وجود تمہارے لئے ایک آزمائش ہے کہ تم ہماری تعلیم کے بعد شیاطین کے تابع ہوکر سحر ہی کے شیدائی رہتے ہو یا کتاب اللہ کے علم کی پیروی کرتے ہو جسمیں سحر کا علاج اور اُس کا رَد بیان کیا گیا ہے۔ لیکن بنی اسرائیل کی کج فطرت نے اس پاک علم کو بھی ناجائز اور حرام خواہشات کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔

قرآن حکیم نے سحر کی اس نسبت کو جو شیاطین نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانب کر دی تھی اس طرح رد کیا ہے اور ضمناً ہاروت و ماروت کی حقیقت بھی بیان کر دی ہے۔

البتہ ہاروت و ماروت کے سلسلہ میں جو مشہور و معروف زُہرہ کا قصہ نقل ہوتا چلا آرہا ہے اس سے قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ ساکت ہیں۔ اس قصے کے تعلق سے ابن کثیرؒ اور دوسرے اہل علم نے یہ فیصلہ دیا ہے :۔

"اس بارے میں جو مرفوع روایات نقل کی جاتی ہیں در اصل وہ کعب احبار کا اسرائیلی قصہ ہے جسکو وہ مسلمانوں میں بیان کر دیا کرتے تھے اور جس کو بعض جلیل القدر صحابہ نے بھی نقل کر دیا اور وہ مسلمانوں میں پھیل گیا۔ اس بارے میں کوئی صحیح روایت ذخیرۂ حدیث میں موجود نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۱۴۱)

ہاروت و ماروت کا یہ قصہ قرآن حکیم کی آیات میں اس طرح بیان کیا گیا ہے :۔

قرآنی مضمون

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ الخ (بقرہ آیات ۱۰۱ تا ۱۰۳)

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی رسول اس کتاب کی تصدیق و تائید کرتا ہوا آیا جو ان کے ہاں پہلے سے موجود تھی تو اِن اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پسِ پشت ڈال دیا گویا کہ وہ کچھ جانتے ہی نہیں۔

اور لگے اُن چیزوں کی پیروی کرنے جو شیاطین سلیمان کی سلطنت کا نام لیکر پڑھا کرتے تھے۔ حالانکہ سلیمان نے کبھی کفر نہیں کیا کفر کے مرتکب تو وہ شیاطین تھے جو لوگوں کو جادوگری کی تعلیم دیتے تھے، وہ پیچھے پڑے اُس چیز کے جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل کی گئی تھی، حالانکہ وہ فرشتے جب بھی کسی کو اسکی تعلیم دیتے تھے تو پہلے صاف طور پر خبردار کر دیتے تھے کہ دیکھو ہم محض ایک آزمائش

ہیں پس کفر میں مبتلا نہ ہونا۔ پھر بھی یہ لوگ اُن سے وہ چیز سیکھتے تھے جس سے شوہر اور بیوی میں جدائی ڈال دیں، ظاہر تھا کہ اذنِ الٰہی کے بغیر وہ اس ذریعے سے کسی کو بھی ضرر نہ پہنچا سکتے تھے مگر اسکے باوجود وہ ایسی چیز سیکھتے تھے جو خود اُن کے لئے منفع بخش نہ تھی بلکہ نقصان دہ تھی اور انھیں خوب معلوم تھا کہ جو اس چیز کا خریدار بنا اُس کے لئے آخرت میں کوئی حصّہ نہیں اور کتنی بُری متاع تھی جس کے بدلے انھوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا کاش انھیں معلوم ہوتا۔

اور اگر وہ ایمان اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کے ہاں اس کا جو بدلہ ملتا وہ اِن کے لئے زیادہ بہتر تھا کاش انھیں خبر ہوتی۔"

الغرض قرآن حکیم نے اس واقعہ کو جس غرض سے بیان کیا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ بنی اسرائیل کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانب جادو (کفر) کی نسبت کرنا بہتان اور افترا ہے۔ یہ کام شیاطین کا تھا حضرت سلیمان علیہ السلام کا دامن اس سے پاک تھا اور یہ کہ بنی اسرائیل نے شیاطین کی پیروی اختیار کرلی اور اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور شہر بابل میں ہاروت و ماروت پر جو کچھ نازل کیا گیا تھا وہ بنی اسرائیل کے لئے بطور آزمائش تھا اور اُنھوں نے اس کا غلط استعمال کیا۔

وفات سیدنا سُلیمانؑ علیہ السلام

بیت المقدس کی تعمیر جس کا آغاز حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا تھا اپنی وفات کی وجہ سے مکمل نہ کرسکے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی تکمیل کی۔ امام سُدّی کی روایت کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی خوشی میں بطور شکرانہ بارہ۱۲ ہزار گائے اور بیس ہزار بکریوں کی قربانی کرکے لوگوں کو دعوتِ عام دی اور اللہ کا شکر ادا کیا جو اُس نے اسکی توفیق بخشی۔

اس اصل تعمیر کے مکمل ہونے کے باوجود بھی کچھ ذیلی کام باقی تھا اور یہ کام جنات کے سپرد تھا جنکی طبیعت میں سرکشی غالب تھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے خوف سے کام کیا کرتے تھے۔ اس درمیان حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا وقت قریب

آگیا جیسا کہ انبیاء کرام کو اُنکی موت سے قبل اطلاع دے دی جاتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی جب موت کی اطلاع دی گئی تو اُنھوں نے سوچا کہ اگر جنات کو معلوم ہو گیا تو کام چھوڑ دینگے اور تعمیر رہ جائیگی۔ اس کا انتظام حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ کیا کہ موت سے کچھ قبل اپنی محراب میں داخل ہو گئے جو شفاف شیشے سے بنی ہوئی تھی باہر سے اندر کی سب چیزیں نظر آتی تھیں پھر اپنے معمول کے مطابق عبادت میں مشغول ہو گئے اور ایک عصا کے سہارے کھڑے ہو گئے کہ روح پرواز کرنے کے بعد بھی جسم اس عصا کے سہارے اپنی جگہ جما رہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی روح وقت مقررہ پر قبض کر لی گئی مگر وہ اپنے عصا کے سہارے اپنی جگہ باہر سے ایسے نظر آتے تھے کہ عبادت میں مشغول ہیں۔ جنات اِنکو زندہ سمجھ کر کام میں ہمہ تن مشغول رہے یہاں تک سال بھر گذر گیا اور لکڑی کمزور ہو گئی عصا کا سہارا ختم ہوا تو حضرت سلیمان علیہ السلام گر پڑے۔ اس وقت جنات کو ان کے موت کی خبر ہوئی اور انھیں افسوس ہوا کہ اگر یہ بات پہلے ہی معلوم ہو جاتی تو اس مشقت کے کام میں ہرگز نہ پڑتے۔

جنات کو اللہ تعالےٰ نے کچھ ایسی قوتیں عطا کی ہیں کہ وہ دور دراز کی مسافت کو چند لمحات میں طے کر لینے اور بہت سے ایسے حوادث و واقعات کو جن سے انسان واقف نہیں وقت سے قبل معلوم کر لیتے ہیں اور جب انسانوں کو یہ اُن واقعات کی خبر دیتے ہیں تو نادان انسان سمجھتا ہے کہ جنات غیب کی خبریں جانتے ہیں حالانکہ غیب سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ جنات کو بھی یہ خیال ہو گیا تھا کہ وہ غیب کی خبریں جانتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کے اس عجیب واقعہ نے اس حقیقت کو ظاہر کر دیا کہ جنات عالم الغیب نہیں ہیں کیونکہ اگر اُنھیں غیب کا علم ہوتا تو انھیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا ایک سال قبل علم ہو جاتا اور یہ سال بھر کی محنت و مشقت جو ان کو زندہ سمجھ کر برداشت کر رہے تھے چھوڑ بیٹھے۔

امام بغوی ؒ نے علماء تاریخ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر شریف ترپین سال کی ہوئی اور انکی سلطنت و حکومت چالیس سال رہی۔ تیرہ سال کی عمر میں سلطنت کا کام سنبھال لیا تھا اور بیت المقدس کی تعمیر اپنی حکومت کے چوتھے سال میں شروع کی تھی۔
(مظہری و قرطبی)

آپکی موت کا تذکرہ اس طرح موجود ہے۔

قرآنی مضمون

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ الخ (سبا آیت ۱۴)

پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا فیصلہ کیا تو جنات کو اُن کی موت کا پتہ دینے والی کوئی چیز سوائے اس زمین کے کیڑے (دیمک) کے نہ تھی جو اُن کے عصا کو کھا رہا تھا، پھر جب سلیمانؑ گر پڑے تو جنوں پر یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر وہ غیب کے جاننے والے ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔

کہا جاتا ہے کہ جنات پر یہ راز جب کھُلا کہ تعمیر مکمل ہو چکی تھی اس لئے جنوں کو یہ بھی احساس ہوا کہ اگر وہ غیب داں ہوتے تو اس سے بہت پہلے آزاد ہو گئے ہوتے اور انھیں اپنی نادانی کا اعتراف کرنا پڑا۔

اسکے علاوہ اُن گمراہ انسانوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ جنات اور شیاطین غیب کی خبریں نہیں جانتے ہیں اور غیب سے ایسے ہی بے خبر ہیں جیسا عام انسان ہوا کرتا ہے۔ زمانے قدیم کی یہ جہالت ہر دور میں دہرائی جاتی رہی کہ جنات غیب کی خبریں دیا کرتے ہیں خاص طور پر عاملوں کی دوکانیں اسی مکر و فریب سے چل رہی ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ قرآن حکیم نے جس نظریہ کی تردید کے لئے یہ واقعہ بیان کیا ہے مسلمانوں کی ایک جماعت نے اسی کو اپنی تائید و نصرت خیال کیا، إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

نتائج و عبر

ایک علمی خیانت حقیقت یا مجاز

حضرت سلیمان علیہ السلام طبقۂ انبیاء میں پہلے اور آخر نبی ہیں جن کی فوج میں انسانوں کے علاوہ جنات اور چرند و پرند شامل تھے اور یہ سب کے سب اطاعت گزار غلاموں کی طرح خدمت انجام دیتے تھے۔

سورہ النمل میں اس کی وضاحت آئی ہے :-

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۔ (النمل آیت ۱۷)

اور سلیمان کے لئے جنات اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے تھے اور وہ پورے ضبط میں رکھے جاتے تھے۔

موجودہ زمانے کے بعض لوگوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ جنّ اور طیر سے مراد جنّات اور پرندے نہیں ہیں بلکہ انسان ہی ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں مختلف کام کیا کرتے تھے۔ اُن کا خیال ہے کہ جنّ سے مراد پہاڑی قبائل کے وہ لوگ ہیں جنہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسخر و تابع کر لیا تھا اور یہ لوگ ان کے ہاں نہایت حیرت انگیز کام کرتے تھے اور طیر سے مراد گھوڑا سواروں کے دستے ہیں جو پیدل دستوں کی بہ نسبت بہت زیادہ تیزی سے نقل و حرکت کرتے تھے۔

اسی طرح تختِ بلقیس کو یمن سے اُٹھا کر فلسطین لے آنے والا بھی ایک قوی ہیکل اور طاقتور انسان ہی تھا۔ اسی طرح ہُدہُد پرندہ بھی ایک فوجی خبر رساں افسر تھا وغیرہ وغیرہ۔

لیکن یہ قرآن حکیم میں بے جا تاویل کی بدترین مثالیں ہیں۔ قرآن حکیم یہاں جنّ، انس، طیر تین الگ الگ اقسام کے لشکر بیان کر رہا ہے اور ہر ایک جنس کو مستقل طور پر واو (اور) کے لفظ کے ساتھ لایا گیا ہے۔ لہٰذا جن اور طیر انسان نہیں ہو سکتے بلکہ وہ دو مستقل مخلوق ہیں۔ علاوہ ازیں کوئی شخص جو عربی زبان سے ذرا بھی واقفیت رکھتا ہو یہ تصور نہیں کر سکتا کہ عربی زبان میں محض لفظ الجنّ بول کر انسانوں کا کوئی گروہ یا الطّیر بول کر سواروں کا دستہ مراد لیا جاتا ہو اور نہ کوئی عرب اِن الفاظ کو سن کر ان کے یہ معنی سمجھ سکتا ہے۔ محاورے میں کسی طاقتور کو جنّ یا کسی تیز رفتار کو طیر (پرندہ) کہہ لینا اور بات ہے زبان اور لغت میں اس کے یہ معنی لینا کسی قرینہ اور دلیل ہی کے بغیر ممکن نہیں آخر یہاں کونسا قرینہ ہے کہ الفاظ کے حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی مراد ہوں؟

کسی کلام میں کسی لفظ کے حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی کو صرف اُسی وقت استعمال کیا جاتا ہے اور سننے والے بھی اِن کو مجازی معنوں میں صرف اُسی وقت لے سکتے ہیں جبکہ آس پاس کوئی واضح علامت ایسی موجود ہو جو اُسکے مجاز ہونے پر تقاضہ کرتی ہو۔ اور آیت مذکورہ میں ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔ پھر اِنس کا لفظ جنّ اور طیر کے درمیان

آیا ہے۔ اگر جنّ اور طیر انسان کی جنس سے ہوتے تو اس طرح کہا جاتا :۔

وَحُشِرَ لِسُلَیْمَانَ جُنُوْدُہٗ الْجِنُّ وَالطَّیْرُ مِنَ الْاِنْسِ۔

اور سلیمان کے لئے جن اور پرندے انسانوں میں سے جمع کئے گئے۔

یعنی انسانوں کے پہاڑی اور قبائلی لشکر اور تیز رفتار گھوڑا سواروں کی فوج جمع کی گئی۔

اگر اللہ تعالےٰ کو یہی مضمون بیان کرنا ہوتا تو کیا اسکے لئے عربی مُبین میں الفاظ موجود نہ تھے کہ اس ہیر پھیر کے ساتھ اس مضمون کو بیان کیا جاتا ؟ یہ پہلیوں کی زبان آخر قرآن حکیم میں کہاں استعمال کی گئی ہے ؟

اگر کسی شخص میں تعصب اور ہٹ دھرمی نہو بلکہ وہ اخلاص کے ساتھ حقیقت کا جُویا ہو تو اُسکو صرف ایک اشارہ بھی کافی ہے۔ البتہ اگر کسی کا دل قرآن حکیم کی بات پر یقین نہ کرنا چاہتا ہو تو اُسے صاف کہنا چاہیئے کہ میں اس بات کو نہیں مانتا۔ لیکن یہ بڑی بداخلاقی بزدلی اور علمی خیانت ہے کہ آدمی قرآن کے صاف صاف الفاظ کو توڑ مروڑ کر اپنے مَن مانے معنی مراد لے اور پھر یہ ظاہر کرے کہ وہ قرآن حکیم کے بیان کو مانتا ہے۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

ہُدہُد ہُدہُد کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ پرندہ نہیں تھا بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا کوئی فوجی افسر تھا جو شعبۂ خبر رسانی کا ذمّہ دار تھا۔ اس دعوی کی بنیاد یہ نہیں کہ تاریخ کی کسی معتبر کتاب میں ہُدہُد نامی کوئی شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کی فوجی فہرست میں معروف تھا بلکہ یہ عمارت صرف اس دلیل پر کھڑی کی گئی ہے کہ قدیم زمانے میں جانوروں کے نام پر انسانوں کے نام رکھ دیئے جاتے تھے اسی طرح اس خبر رساں انسان کا نام بھی ہُدہُد رکھ دیا گیا ہوگا نیز اُس کا گفتگو کرنا اور وہ کام انجام دینا جو صرف انسان ہی کر سکتا پرندہ کیوں کر ہو سکتا ہے ؟

عقل کے ان مفلسوں کی یہ مجبوریاں ہیں جس کی وجہ سے وہ ہُدہُد کو پرندہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ قرآن حکیم کے سیدھے سادھے مفہوم کی تفسیر نہیں بلکہ اسکی تحریف اور تغلیط ہے۔

قرآن حکیم کو اگر یہ ہی کہنا تھا تو آخر اسکو کیا مجبوری تھی کہ وہ اس کو پردے میں

رکھ کر بیان کرے ؟

آخر یہ کہنا کیا مشکل تھا کہ سلیمان نے محکمہ خبر رسانی کا جائزہ لیا اور ایک ذمہ دار افسر کو نہ پایا۔ الخ

بجائے اسکے یہ فرمانا کہ پرندوں کا جائزہ لیا اور اسمیں ہُدہُد کو نہ پایا۔ صاف و واضح بات ہے کہ ہُدہُد پرندہ ہی تھا انسان نہ تھا۔

پھر حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہُدہُد یا تو اپنے غیر حاضر ہونے کی کوئی معقول وجہ بیان کرے ورنہ میں اُسے سخت سزا دوں گا یا ذبح کر دوں گا۔

انسان کو قتل کیا جاتا ہے یا پھانسی دی جاتی ہے یا سزائے موت دی جاتی ہے؟ ذبح کون کرتا ہے؟ بڑے سے بڑے مجرموں کو بھی ذبح کرنے کا طریقہ نہ اب ہے نہ پہلے تھا کوئی بڑا ہی سنگدل اور بے درد آدمی جوشِ انتقام میں اندھا ہو چکا ہو تو شاید کسی آدمی کو ذبح بھی کر دے مگر کیا پیغمبر اور رسول سے ہم یہ توقع کریں کہ وہ اپنی فوج کے ایک آدمی کو محض غیر حاضری کے جرم میں ذبح کر دینے کا اعلان کر دیں گے؟ اور اللہ تعالیٰ بھی اس سنگین اعلان پر کوئی ایک مذمت کا لفظ بھی نہ فرمائیں۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی۔

دوسری بات یہ بھی قابل توجہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اُس ہُدہُد کو خط دیکر یہ فرماتے ہیں:۔

(فَاَلْقِہْ اِلَیْہِمْ) یہ خط اُن کی طرف ڈال دے یا پھینک دے۔

ظاہر ہے کہ یہ ہدایت صرف پرندے کو دی جاسکتی ہے لیکن کسی آدمی کو اپنا سفیر یا قاصد بناکر بھیجنے کی صورت میں یہ انتہائی غیر موزوں اور ناشائستہ عنوان ہوگا کہ یہ خط اُسکے آگے ڈال دے یا اسکی طرف پھینک دے۔ خاص طور پر جبکہ ایک بادشاہ دوسرے ملک کے بادشاہ کو کوئی اہم خط روانہ کر رہا ہو۔ ہم جیسے معمولی لوگ بھی اپنے کسی ہمسائے کے پاس اپنے ملازم کو بھیجتے ہوئے یہ عنوان اختیار نہیں کرتے کہ یہ میرا خط لیجا کر فلاں صاحب کے آگے پھینک آ۔

اگر کسی کی عقل ہی خبط ہوگئی ہو تو اور بات ہے۔ اب بھی اگر کوئی شخص یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہے کہ ہُدہُد کوئی پرندہ تھا تو ایسے شخص کو صاف وصریح الفاظ میں یہ اعلان

کہ دینا چاہیئے کہ میں قرآن حکیم کے اِن غیر معقول باتوں کو تسلیم نہیں کرتا، بھلا کوئی جانور بھی بات چیت کیا ہے جو ہُدہُد کرے گا؟
(اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا)

ملکۂ سباؑ قبیلہ قحطانی کی ایک مشہور شاخ سباؑ ہے۔ یہ اپنے قبیلہ کا جد اعلیٰ تھا اور اس کا نام عبد شمس تھا اور سباؑ اس کا لقب۔ یہ عرب مؤرخین کی رائے ہے۔
تورات کا بیان ہے کہ اس کا نام خود سباؑ تھا۔ یہ شخص بہت بہادر اور صاحب جرأت تھا۔ اس نے زبردست فتوحات کے بعد حکومت سباؑ کی بنیاد ڈالی۔ سباؑ کا زمانۂ عروج تقریباً ۱۱۰۰ء قبل مسیح کہا جاتا ہے۔ سباؑ کی حکومت کا اصل مرکز عرب کے جنوبی حصہ یمن کے مشرقی علاقہ میں تھا اور دارالحکومت کا نام مآرب تھا۔ موجودہ یمن دارالسلطنت صنعاء سے تقریباً ۵۵ میل بجانب شمال مشرق واقع تھا اس کا زمانۂ عروج مَعین کی سلطنت کے زوال کے بعد شروع ہوا۔
اس شہر کو سباؑ بھی کہتے تھے اور پھر اس کا دائرہ وسیع ہو کر مغرب میں حضر موت تک پھیل گیا تھا اور دوسری جانب حبشہ افریقہ تک بھی اسکی حکومت قائم تھی۔ سباؑ نے یمن اور اطرافِ یمن میں اپنے مشہور زمانہ قلعے تعمیر کئے تھے۔ ملوکِ سباؑ کا آخری دورِ حکومت ۵۵۰ء قبل مسیح بیان کیا جاتا ہے۔
انہی ملوک سباؑ میں شہرۂ آفاق ملکہ (بلقیس) بھی ہے جو حضرت سلیمان علیہ السّلام کے عہد میں اپنے ملک پر حکمران تھی۔ قرآن حکیم نے اس ملکہ کا نام ظاہر نہیں کیا ہے صرف خاتون کے لفظ سے تعبیر کی ہے۔ البتہ اسرائیلی روایات میں اِس کا نام بلقیس بیان کیا گیا ہے اور اسی نام سے اسلامی کتب میں وہ معروف ہے۔ اہل حبشہ جن کو یہ دعویٰ ہے کہ وہ ملکۂ سبا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اپنی زبان میں ملکہ کا نام "ماکدہ" بیان کرتے ہیں۔
ملکِ سباؑ کا سرکاری مذہب سورج کی پرستش تھا۔ یہ لوگ سورج کو سب سے بڑا خدا سمجھتے تھے اور اسکی پوجا کرتے تھے۔ ملکۂ سباؑ کا ایمان لانا تو قرآن حکیم سے ثابت ہے البتہ کیا اس کا نکاح بھی حضرت سلیمان علیہ السلام سے ہوا؟ قرآن حکیم اس صراحت

سے ساکت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مشہور محدث ابن عینیہؒ سے کسی نے پوچھا کہ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکۂ سباؑ سے نکاح کرلیا تھا؟ تو انھوں نے فرمایا اس کا معاملہ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ پر ختم ہوگیا۔

یعنی قرآن حکیم نے اسی حد تک اُس کا حال بیان کیا ہے اسکے بعد کا حال بتلانا قرآن حکیم نے چھوڑ دیا ہے تو ہمیں بھی اسکی تفتیش نہ کرنی چاہیئے۔ مگر ابن عساکر نے حضرت عکرمہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا سے نکاح کرلیا تھا اور اُسکو اپنے ملک پر حاکم برقرار رکھ کر واپس کردیا۔ واللہ اعلم۔

تصویر اور تصویر سازی

حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے تابع جنّات سے جو کام لیا کرتے تھے اُن کی کچھ تفصیل قرآن حکیم نے اس طرح نقل کی ہے :- يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ۔ (سبأ آیت ۱۳)

"وہ جنات سلیمان کے لئے بناتے تھے جو کچھ وہ چاہتے تھے اونچی عمارتیں اور تصویریں اور حوض جیسے بڑے بڑے لگن اور اپنی جگہ سے نہ ہٹنے والی بھاری دیگیں۔"

اس آیت میں اُن کاموں کی کچھ تفصیل ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام جنّات سے لیا کرتے تھے۔

محاریبؑ۔ محراب کی جمع ہے جو بلند و بالا جگہ کے لئے بولا جاتا ہے جس سے بلند عمارتیں اور قلعے بھی مراد لئے جاتے ہیں۔ اگر اسکو حرب سے مشتق مانا جائے تو اسکے معنی فوجی قلعے کے ہوتے ہیں اور چونکہ مسجد میں امام کی جگہ معزز و محترم ہوتی ہے اس لئے مُصلّے کو محراب کہا جاتا ہے۔ بعض ائمہ تفسیر نے محاریب سے مراد مساجد لی ہیں الغرض لفظ محاریب سب کو شامل ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ سب کام جنات سے لیا ہے۔ اپنی مرضی کے مطابق بڑے بڑے قلعے، اونچی عمارتیں، بلند و بالا مساجد تعمیر کروائیں۔

تماثیلؑ۔ تمثال کی جمع ہے۔ تمثال تصویر کو کہا جاتا ہے خواہ وہ جاندار چیزوں کی تصویریں

ہوں یا بے جان اشیاء کی، پھر بے جان تصاویر خواہ پتھر و مٹی کے ہوں یا درخت و پھل پھول کے ہوں، لفظ تماثیل عام ہے اس سے ہر قسم کی تصویر مراد لی جاتی ہے۔ ابن عربیؒ کی احکام القرآن میں یہ ساری تفصیل موجود ہے۔ بعض تاریخی روایات میں تخت سلیمان پر پرندوں کی تصاویر کا ہونا بیان کیا گیا ہے۔ الغرض حضرت سلیمان علیہ السلام جنات سے یہ کام بھی لیا کرتے تھے۔

جِفَان[۳]۔ جفنہ کی جمع ہے ایسے بڑے برتن کو کہا جاتا ہے جو پانی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے تسلہ یا ٹب وغیرہ۔

الجَوَاب[۴]۔ جابیہ کی جمع ہے۔ چھوٹے حوض اور تالاب کو کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ پانی بھرنے کے بڑے بڑے برتن ایسے بناتے تھے جس میں چھوٹے حوض کے برابر پانی آتا ہو۔

قدور[۵]۔ قِدر کی جمع ہے ہنڈیا کو کہا جاتا ہے۔

راسیات[۶]۔ اپنی جگہ ٹھیری ہوئی جمی ہوئی۔ مراد یہ ہے کہ اتنی وزنی اور بڑی دیگیں بناتے تھے جو ہلائے نہ ہلیں۔ ممکن ہے کہ یہ دیگیں پتھر تراش کر پتھر ہی کے چولہوں پر رکھی رہتی ہوں جو ناقابل حمل و نقل ہوتی ہوں۔ امام تفسیر ضحاکؒ نے یہی معنی لکھے ہیں۔ غالباً حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں بہت بڑے پیمانے پر مہمان نوازی ہوتی تھی حوض جیسے برتن اس لئے بنائے جاتے تھے کہ ان میں کھانا رکھا جائے اور بھاری بھاری دیگیں اس لئے بنائی جاتی تھیں کہ ان میں بیک وقت ہزاروں مہمانوں کا کھانا پکایا جاسکے۔

اس آیت میں لفظ تماثیل (تصویریں) سے بعض مغرب پرست ذہنوں کو یہ تقویت پہنچی کہ تصویر بنانا ممنوع نہیں کیونکہ اللہ تعالٰے کے ایک جلیل القدر نبی حضرت سلیمان علیہ السلام تصویریں بنواتے تھے۔ اور قرآن حکیم نے اس عمل کو اُن کی خصوصیات میں ذکر کیا ہے اور اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا ہے لہذا یہ عمل حلال ہوگا۔

یہ استدلال دو وجوہ سے غلط ہوگا

اوّل یہ کہ تمثال ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو کسی قدرتی شئے کے مشابہ بنائی جائے قطع نظر اس سے کہ وہ کوئی انسان ہو یا حیوان یا کوئی درخت ہو یا پھول و دریا وغیرہ۔

بے جان شئ جو خدا کی بنائی ہوئی کسی چیز کے مانند بنائی گئی ہو۔
لغت کی مشہور کتاب لسان العرب میں یہ تعریف کی گئی ہے۔
اَلتِّمْثَالُ اِسْمٌ لِلشَّئِ الْمَصْنُوْعِ مُشَبَّهًا بِخَلْقٍ مِّنْ خَلْقِ اللّٰہِ
ہر اُس مصنوعی چیز کو تمثال کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی
کسی چیز کے مانند بنائی گئی ہو۔
تفسیر کشاف میں یہ معنی لکھے ہیں:۔
التمثَالُ کُلُّ مَا صُوِّرَ عَلٰی صُوْرَۃِ غَیْرِہٖ مِنْ حَیَوَانٍ وَ
غَیْرِ حَیَوَانٍ۔
"تمثال ہر اُس تصویر کو کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کی صورت کے
مماثل بنائی گئی ہو خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان"۔
لہذا قرآن حکیم کے اس بیان کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے جنّات جو تماثیل بنائے تھے وہ ضرور انسانوں اور حیوانوں کی تصویریں یا مجسمے ہی ہوں؟ ممکن ہے وہ نقش و نگار پھول پتیاں اور قدرتی مناظر ہوں جن سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی عمارتوں کو آراستہ کیا ہو؟

علاوہ ازیں محض اس لفظ کے سہارے یہ حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ قرآن حکیم نے انسانی اور حیوانی تصاویر کو حلال قرار دیا ہے۔ جبکہ تماثیل کا لفظ جاندار اور بے جان دونوں کے لئے آتا ہو۔

دوسرے یہ کہ نہایت کثیر تعداد میں احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی روح اشیاء کی تصویریں بنانے اور اسکو رکھنے کی قطعاً اجازت نہیں دی اور اسکے بنانے والے پر شدید عذاب کی اطلاع دی ہے اور لعنت اور رحمت الٰہی سے دوری کی بھی خبر دی ہے۔

چند مشہور احادیث ملاحظہ ہوں:۔
عَنْ اَبِیْ جُحَیْفَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
لَعَنَ الْمُصَوِّرَ۔ (بخاری کتاب البیوع)
حضرت ابوجحیفہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصوّر

پر لعنت فرمائی ہے۔

عن ابن عباسؓ فقال سمعت محمدًا صلے اللہ علیہ وسلم یقول من صوّر صورۃً فی الدنیا کلّف یوم القیامۃ أن ینفخ فیھا الرّوح ولیس بنافخ۔ (بخاری باب التصاویر)

"ابن عباس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا جس نے دنیا میں کوئی تصویر بنائی قیامت میں اسکو مجبور کیا جائے گا کہ اسمیں روح ڈالے اور وہ ڈال نہ سکے گا۔"

عن ابن مسعودؓ قال سمعت النبی صلے اللہ علیہ وسلم یقول انّ أشدّ النّاس عذابًا عند اللہ یوم القیامۃ المصوّرون۔

(بخاری کتاب اللباس باب التصاویر)

"ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔"

عن ابن عمرؓ انّ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال انّ الذین یصنعون ھذہ الصور یعذبون یوم القیامۃ یقال لھم احیوا ما خلقتم (بخاری کتاب اللباس باب التصاویر)

"ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو لوگ یہ تصویریں بناتے ہیں انھیں قیامت کے دن عذاب دیا جائیگا اور اُن سے کہا جائیگا جو تم نے پیدا کیا ہے اُسے زندہ بھی کرو۔"

ابو زُرعۃ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ مدینہ کے ایک مکان میں داخل ہوا۔ دیکھا کہ مکان کے اوپر ایک مصوّر تصویر بنا رہا ہے اسپر حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو میری تخلیق کے مانند تخلیق کی کوشش کرے یہ لوگ ایک دانہ یا ایک چیونٹی تو بنا کر دکھائیں۔ (بخاری کتاب اللباس باب التصاویر)

(مسند احمد اور مسلم شریف کی روایت میں یہ وضاحت ہے کہ یہ مکان مردان کا تھا جو مدینہ منورہ کا گورنر تھا)

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی کہ ایک روز اُم حبیبہؓ اور اُم سلمہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملک حبشہ کے گرجا گھروں کا ذکر کیا جمیں تصاویر تھیں، اسپر آپؐ نے ارشاد فرمایا:-

ان لوگوں کا یہ حال تھا کہ جب کبھی اُن میں کوئی نیک انسان مرجاتا تو اسکی قبر کو عبادت گاہ بنا لیتے اور اُس میں یہ تصویریں بنالیا کرتے تھے یہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے۔

(بخاری کتاب الصلوٰۃ، مسلم کتاب المساجد)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے میں شریک تھے آپؐ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی ایسا آدمی ہے جو مدینہ جاکر کوئی بُت نہ چھوڑے جسے توڑ نہ دے اور کوئی قبر نہ چھوڑے جسے زمین کے برابر نہ کر دے اور کوئی تصویر نہ چھوڑے جسے مٹا نہ دے؟

ایک شخص اس کے لئے تیار ہوا چنانچہ وہ گیا مگر ہمت ہار بیٹھا اہل مدینہ کے خوف سے کام کئے بغیر واپس آگیا۔ پھر حضرت علیؓ نے عرض کیا یارسول اللہ میں جاتا ہوں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا اچھا جاؤ۔ حضرت علیؓ نے واپس آکر عرض کیا یارسول اللہ میں نے کوئی بُت نہیں چھوڑا جسے توڑ نہ دیا ہو اور کوئی قبر نہیں چھوڑی جسے زمین کے برابر نہ کر دیا ہو اور کوئی تصویر نہیں چھوڑی جسے مٹا نہ دیا ہو۔ اسپر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اب اگر کسی شخص نے اِن چیزوں میں سے کوئی چیز بنائی تو اُس نے اس تعلیم سے کفر کیا جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پہ نازل ہوئی ہے۔

(مسند احمد، مسلم کتاب الجنائز، نسائی کتاب الجنائز)

سعید بن ابی الحسن کہتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر تھا ایک شخص آیا اُس نے کہا اے ابو عباسؓ میں اپنے ہاتھ سے تصویریں بنا کر اپنی روزی کماتا ہوں میرا یہ عمل کیسا ہے؟

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہیں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی ہے کہ جو شخص تصویر بنائے گا اللہ اُسے عذاب دے گا جب تک کہ وہ اسمیں روح نہ پھونک ڈالے۔ یہ بات سنکر وہ مصوّر سخت برافروختہ ہوا اور اُسکے چہرے کا رنگ زرد ہوگیا۔ اسپر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگر تیری یہی مجبوری ہے تو کسی درخت یا کسی بے جان چیز کی تصویر بنا کر اپنی روزی پیدا کر۔ (بخاری کتاب البیوع، مسلم کتاب اللباس)

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک تکیہ خریدا جسمیں تصویریں بنی ہوئی تھیں پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے اور دروازے ہی میں کھڑے ہوگئے اندر داخل نہ ہوئے۔ میں نے آپؐ کی اس ناراضی پر عرض کیا اے اللہ میں ہر اُس گناہ سے توبہ کرتی ہوں جو میں نے کیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا یہ تکیہ کیسا ہے؟

میں نے عرض کیا یہ آپؐ ہی کے لئے ہے جب بیٹھیں تو اِسپر ٹیک لگا لیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ان تصویروں کے بنانے والوں کو قیامت کے روز عذاب دیا جائے گا اور اِن سے کہا جائیگا جو کچھ تم نے بنایا ہے اسکو زندہ کرو (اَحْیُوْا مَا خَلَقْتُمْ) اور (رحمت کے) فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جسمیں تصویریں ہوں۔ (بخاری ومسلم کتاب اللباس)

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ اپنے دروازے پر ایک پردہ لٹکا دیا تھا جسمیں تصویریں تھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا پھر آپ نے اُس پردے کو پھاڑ دیا اور فرمایا قیامت کے دن سخت ترین عذاب جن لوگوں کو دیا جائے گا اُن میں وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ کی تخلیق کے مانند تخلیق کرتے ہیں۔ (بخاری ومسلم کتاب اللباس)

دوسری روایت میں ہے کہ اُس پردے پر گھوڑوں کی تصویریں تھیں۔
(نسائی کتاب الزینہ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبرئیل امین نے نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کا وعدہ کیا تھا مگر بہت دیر لگ گئی وہ نہ آئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے پریشانی ہوئی اور آپ گھر سے نکلے تو وہ مل گئے آپ نے ان سے شکایت کی تو جبرئیل امین نے کہا ہم کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو (تلاش کرنے پر معلوم ہوا کہ کتے کا ایک چھوٹا بچہ چارپائی کے نیچے آبیٹھا تھا) (بخاری کتاب اللباس)

اس مضمون کی اور کئی روایات حدیث کی مستند ترین کتابوں بخاری و مسلم کے علاوہ مسند احمد، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، موطا وغیرہ میں موجود ہیں۔ یہ تو آپ کے ارشادات تھے۔ رہا اصحاب رسول کا عمل وہ بھی قابل توجہ ہے:۔

حضرت عمرؓ نے عیسائیوں سے کہا تھا کہ ہم تمہارے عبادتگاہوں میں اس لئے داخل نہیں ہوتے کہ اُن میں تصویریں ہیں۔

(بخاری کتاب الصلوٰۃ)

حضرت ابن عباسؓ گرجا (چرچ) میں نماز پڑھ لیتے تھے مگر کسی ایسے چرچ میں نہیں جس میں تصویریں ہوں۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ)

حضرت علیؓ نے اپنے ایک شاگرد ابوالہیاج اسدی سے فرمایا کہ میں تم کو اُس مہم پر روانہ نہ کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے روانہ کیا تھا؟

وہ یہ کہ تم کسی مجسمہ کو نہ چھوڑو جسے توڑ نہ دو اور کوئی اونچی قبر نہ چھوڑو جسے زمین کے برابر نہ کر دو اور کوئی تصویر نہ چھوڑو جسے مٹا نہ دو۔

(مسلم، نسائی، کتاب الجنائز)

اس لئے امت کے علماء و فقہاء نے کسی بھی جاندار چیز کی تصویر کو نہ صرف حرام بلکہ سخت گناہ قرار دیا ہے۔ ہر حالت میں تصویر کشی حرام ہے کیونکہ اسمیں اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت ہے جس پر اللہ کا غضب بیان کیا گیا ہے۔

امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، ابن سیرینؒ، سعید بن جبیرؒ، سالم بن عبداللہؒ، عکرمہ بن خالدؒ وغیرہم کی یہی رائے ہے۔

مزید تفصیل فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۰۰ اور عینی شرح بخاری اور نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۴۱

میں موجود ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوتی ہے کہ تصویر کا مسئلہ کوئی مختلف فیہ یا قیاس ورائے کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ایک واضح اور فیصلہ کن بات ہے۔ اس کو محض چند اقوال یا تاویلات کے ذریعہ بدلا نہیں جا سکتا۔

بعض شکوک کے جوابات

بعض لوگ فوٹو گرافی اور ہاتھ سے بنائی ہوئی تصویر میں فرق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہتے ہیں کہ فوٹو گرافی تصویر بنانے کے حکم میں نہیں آتی کیونکہ یہ انسان کا عکس ہے جو کاغذ پر چسپاں ہو جاتا ہے یہ ایسے ہی جیسے آئینہ یا دھوپ میں انسان کا عکس آجاتا ہے۔

حالانکہ یہ ایک فریب خوردہ فکر اور حقیقت سے پہلو تہی ہے۔ شریعتِ اسلامی نے تصویر کو حرام قرار دیا ہے نہ کہ تصویر سازی کے کسی خاص طریقے کو۔ فوٹو گرافی اور ہاتھ سے بنی ہوئی تصویر میں تصویر کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں دونوں ہی تصویریں ہیں۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو فوٹو گرافی کی تصویر دستی تصویر سے کچھ زیادہ ہی تصویر کہلانے کا حق رکھتی ہے۔

اگر دونوں میں کچھ فرق ہے تو وہ طریق تصویر سازی کے لحاظ سے ہے۔ تصویر یا غیر تصویر کے طور پر نہیں۔ اس لحاظ سے شریعت اسلامی کے احکام میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پھر فوٹو گرافی کو دھوپ یا آئینہ کے عکس سے تشبیہ دینا انتہائی غیر معقول بات ہے۔ کوئی بھی اس منطق کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ عکس کی حقیقت تو عکس ہی ہے اسکو فوٹو یا تصویر نہ عرفاً کہا جاتا ہے نہ شرعاً اور نہ ہی لغت کے اعتبار سے تصویر کہنا درست ہے۔ پھر خواہ مخواہ ایک فرضی خیال سے قرآن وحدیث کی واضح ہدایات کو بدل دینا دین و دانش کا کون سا تقاضہ ہے؟

بعض لوگوں کا یہ خیال کہ اسلام نے تصویر سازی کو شرک و بت پرستی کے اندیشہ کے طور پر منع کیا تھا اور اب ایسا کوئی خطرہ نہیں لہذا یہ حکم باقی نہ رہنا چاہیئے۔

یہ بھی ایک خود ساختہ علت ہے قرآن واحادیث میں کہیں یہ بات بیان نہیں کی گئی کہ تصویر کو شرک یا بت پرستی کے خطرے سے بچانے کے لئے حرام قرار دیا ہے۔ یہ تو ایسے ہی جیسے مدعی سُست گواہ چُست والی بات ہے۔ پھر دوسرے یہ کہ اگر اس اندیشہ

کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو سوال یہ ہے کیا اب دنیا میں شرک و بت پرستی کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ حالانکہ آج خود برصغیر ہند و پاک میں کروڑوں بت پرست اور مشرک موجود ہیں۔ دنیا کے ہر خطہ میں شرک ہو رہا ہے۔ عیسائی دنیا کا تو مذہب ہی بت پرستی اور شرک ہے۔ حضرت عیسیٰ و مریم علیہم السلام کے مجسمے اِن کی عبادت گاہوں کی علامت ہیں۔

حتیٰ کہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی مخلوق پرستی کی لعنت سے محفوظ نہیں۔ پھر یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے کہ اسلام نے شرک و بت پرستی کے خطرے کی وجہ سے تصویر کو منع کیا ہے اور اب وہ خطرہ باقی نہ رہا۔

بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ وہ تصویریں ممنوع ہونی چاہئیں جو مشرکانہ نوعیت کی ہیں جنکو معبود بنا لیا گیا ہو۔ رہی وہ تصویریں جو بغرض یادگار یا تفریح طبع کے طور پر لی جاتی ہیں انھیں حرام کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔

لیکن شاید اس طرح کی باتیں بنانے والے یہ سمجھتے ہیں کہ حلال و حرام کی اصطلاحیں دراصل اللہ و رسول کی نہیں بلکہ انسانوں کی ذہنی پیداوار ہیں۔ انسانی عقل جس چیز کو چاہے حرام کہدے اور جس کو چاہے حلال۔ یہ وہ تباہ کن نظریہ ہے جو اسلام کی بنیاد ہی کو اکھیڑ پھینکتا ہے۔

اللہ و رسول پر ایمان لانے کے بعد ایک مؤمن پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ و رسول کی ہدایات سے احکام اور قانون اخذ کرے نہ یہ کہ کسی مفروضہ فکر کے تحت بعض چیزوں کو حلال قرار دے اور بعض کو حرام۔ پھر اس طرح سوچنے والوں کو یہ بھی جاننا چاہیئے کہ تصویر نہ صرف شرک و بُت پرستی کی موجب رہی ہے بلکہ ہر دور میں مختلف فتنوں کا سبب بھی رہی ہے اور آج بھی اِن فتنوں سے پاک نہیں۔

تصویر کی مضرتیں

تصویر کو دنیا میں شہوانیت پھیلانے کا بہت بڑا ذریعہ سمجھا گیا ہے اور آج یہ فتنہ ہر دور سے زیادہ برسرِعروج ہے۔ عُریانیت کی تشہیر اسی کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ عورت کی ناموس کو سر بازار اسی فتنے کے ذریعہ پامال کیا گیا۔ تصویروں کے ذریعہ بے دین اور آخرت فراموش انسانوں کی عظمت عوام الناس کے ذہنوں میں پیوست کی جاتی ہے اور آج سب سے زیادہ استعمال کی جارہی ہے۔

تصاویر قوموں میں نفرت اور عداوت کے بیج بونے، فساد ڈلوانے اور عام لوگوں کو طرح طرح سے گمراہ کرنے کے لئے بھی بکثرت استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لئے یہ خیال کرنا کہ شریعت اسلامیہ نے تصویر کو صرف بُت پرستی کے اندیشے کے تحت حرام قرار دیا بالکل غلط نظریہ ہے۔

بعض لوگ بظاہر چند بے ضرر قسم کی جاندار تصویروں کی طرف اشارہ کرکے تصویر سازی کی پوری ثقافت کا جواز پیدا کر لیتے ہیں اور مسلمانوں میں رواج دینا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ یہ بھول جاتے ہیں یا اوروں کو بھلادینے کے فریب میں مبتلا ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں امت کے لئے جو قانون یا ضابطہ چھوڑا ہے وہ کوئی مؤقتی یا سرسری نہیں بلکہ مکمل و واضح ہدایت ہے جسکی مضرت کو صاف صاف عنوان سے ظاہر فرمایا ہے۔

ہم قانون ساز نہیں قانون کی پیروی کرنے والے ہیں ہمیں جب صریح حکم مل جائے تو اس سے رُک جانا چاہیئے۔ یہی دین و دانش کا تقاضہ بھی ہے۔

تصویر سازی کے ممنوع ہونے کی ایک اور بھی وجہ ہے اور وہ یہ کہ صورت گری اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت ہے جیسا کہ خَلق اور اَمر اللہ کی خصوصی صفات ہیں۔ اللہ کے اسماء میں المصوّر بیان کیا گیا ہے وہ ہی ماؤں کے پیٹ میں صورت گری کرتا ہے اور یہ اُسی کی قدرت میں ہے کہ مخلوقات کی ہزارہا انواع میں کروڑوں افراد ہوتے ہیں ایک کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی۔

انسان ہی کو لیجئے مرد اور عورت کی صورت میں نمایاں امتیاز ہے پھر عورتوں اور مردوں کے کروڑوں افراد میں دو فرد بالکل یکساں نہیں ہوئے۔ اسی طرح حیوانات، نباتات، جمادات پر غور کریں کوئی دو فرد ایک جیسے نہیں ہوتے اِن میں ایسا واضح فرق رہتا ہے کہ دیکھنے والوں کو بغیر کسی غور و فکر کے ہر دو میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ یہ صورت گری اللہ ربّ العزت کے سوا کس کی قدرت میں ہے؟ اب اگر کوئی انسان کسی جاندار کا مجسمہ یا تصویر بناتا ہے وہ گویا عملی طور پر اس کا مدعی قرار پاتا ہے کہ وہ بھی صورت گری کر سکتا ہے اس لئے صحیح بخاری وغیرہ کی احادیث میں ہے کہ قیامت کے روز تصویر بنانے والوں کو کہا جائیگا کہ جب تم نے ہماری نقل اُتاری ہے تو اسکو مکمل کر کے دکھلاؤ اسمیں روح بھی ڈالو، اور یہ کام مخلوقات میں کسی کے بس کا نہیں۔

اس لئے شریعتِ اسلامی نے تصویر سازی کی قطعاً اجازت نہیں دی اور اسپر شدید وعیدیں بیان کی ہیں۔

رہے وہ امور جو موجودہ دُنیا کے عارضی تقاضے ہیں اس کے بارے میں علماء کرام سے مراجعت کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

ایک عقلمند جانور

سیدنا سلیمان علیہ السلام کے واقعات میں وادیٔ نملہ (چیونٹیوں کی وادی) کا ایک حیرت انگیز واقعہ گزشتہ صفحات میں درج کیا گیا ہے۔ اس واقعہ نے انسانوں کو پہلی مرتبہ اس کا احساس دلایا کہ جانوروں کو بھی عقل وشعور کسی نہ کسی درجے میں دیا گیا ہے۔

حیوانات سے عقل کی بالکلیہ نفی کرنا بے دلیل بات ہے۔ خاص طور پر چیونٹی کے بارے میں موجودہ زمانے میں ماہرینِ علم حیوانات نے بہت کچھ انکشافات کئے ہیں۔ ذہانت، ذکاوت، تنظیم، تقسیم کار کے لحاظ سے چیونٹی کی زندگی ہر طرح کامل اور مکمل ہوتی ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کبوتر سب پرندوں میں زیادہ عقلمند ہے۔

ابن عطیہؒ کہتے ہیں کہ چیونٹی نہایت ذہین اور عقلمند جانور ہے۔ اسکی قوتِ شامہ (سونگھنے کی قوت) بڑی تیز ہوتی ہے۔ زمین کے اندر سے زمین کے اوپر والی شئ کا ادراک کرلیتی ہے۔ اسکے قبضہ میں جو دانہ آجاتا ہے پہلے اُس کے دو ٹکڑے کردیتی ہے تاکہ وہ اُگے نہیں۔ سردی کے زمانے میں اپنے لئے غذا کا ذخیرہ جمع کرلیتی ہے۔ (قرطبی)

چیونٹی بڑی حقیر اور معمولی سی نظر آتی ہے لیکن محنت اور ذہانت میں ایک ایسا نادر نمونہ ہے جسکی مثال جانوروں میں مشکل سے ملیگی۔ یہ نہ کبھی بیکار بیٹھتی ہے اور نہ آرام کرتی ہے ہر وقت مشغول رہتی ہے۔

علم حیوانات کے ماہرین کا خیال ہے کہ چیونٹی حضرتِ انسان سے بہت کچھ مشابہت رکھتی ہے۔ ذہانت و ذکاوت کے علاوہ انسانوں کی طرح اپنے لئے خادم بھی رکھتی ہے، جانور پالتی ہے ان کو اپنے فائدے کے لئے استعمال کرتی ہے، فوج رکھتی ہے دشمن پر حملہ کرتی ہے، سکو کھیتی باڑی کا بھی سلیقہ آتا ہے۔ کھیتوں میں ناگر چلاتی ہے بیج بوتی ہے، کاشت تیار ہوتی ہے

تو اسکو نہایت احتیاط سے تہہ خانوں میں محفوظ اور منتقل کر دیتی ہے. اس مخلوق میں جاگیردارانہ نظام بھی پایا جاتا ہے۔ اِن کے جاگیر دار ہمارے جاگیرداروں کی طرح مطلبی، آرام پسند، قومی فرائض سے غافل، بطن پرور، تن آسان ہوتے ہیں، ان کو کسی کام سے کوئی غرض نہیں ہوتی دن بھر کھاتے پڑے رہتے ہیں۔

چیونٹی کی گائے بھینس ایک قسم کے کیڑے ہوتے ہیں جنکے شکم میں شہد بھرا رہتا ہے چیونٹی اپنے باریک ڈنکوں کی مدد سے ان کیڑوں کا شہد حاصل کرلیتی ہیں۔ ان کیڑوں کے انڈے، بچوّں کی بڑی سختی سے حفاظت بھی کرتی ہیں۔ چیونٹی کی ایک قسم ایسی بھی ہے جو اپنے ہمجنس کو دودھ دیتی ہے۔ براعظم آسٹریلیا کے بعض حصوں میں یہ قسم کثرت سے پائی جاتی ہے۔ ان کی زندگی کا مقصد اپنے ہمجنسوں کو آرام اور غذا پہنچانا ہوتا ہے۔ یہ زمین کے اندر دیواروں سے اسطرح چمٹی لٹکتی رہتی ہیں جیسے انگور کے خوشے لٹک رہے ہوں۔ یہ چیونٹیاں عموماً چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوتیں ان کے پیٹ شہد سے بھرے رہتے ہیں. شہد کم ہوجائے تو انھیں چلتا پھرتا دیکھا گیا ہے۔ مزدور اور رضاکار چیونٹیاں جب بھوکی ہوجاتی ہیں تو ان کے پاس آکر اپنی غذا حاصل کرلیتی ہیں اور پھر کام میں مشغول ہو جاتی ہیں. چیونٹیوں کے گودام بڑے سلیقے کے بنے ہوئے ہوتے ہیں ان میں ان کے سال بھر کا غلّہ محفوظ طریقے پر جمع رہتا ہے۔ اگر گودام میں غلہ، نمی و رطوبت کی وجہ سے خراب ہونے لگے تو ساری چیونٹیاں پورے غلّے کو باہر نکال کر دھوپ میں خشک کر لیتی ہیں اور پھر اسکے گودام میں محفوظ کر دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی ان کا نظام زندگی بیان کیا گیا ہے جو خالقِ کائنات کی عظمت و کبریائی اور قدرتِ مطلقہ کے تصور میں غیر معمولی اضافہ کر دیتا ہے۔

فتبارک اللہ احسنُ الخالقین۔

تذکرہ
سیدنا ایوب علیہ السلام
(نِعمَ العَبدُ)

قرآن حکیم اور سیدنا ایوب علیہ السلام

حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر مبارک قرآن حکیم کی چار سورتوں میں آیا ہے۔

سورۃ النسأ ـــــ آیت ۱۶۳
" الانعام ـــــ " ۸۴
" الانبیاء ـــــ " ۸۳، ۸۴
" ص ـــــ " ۴۱ تا ۴۴

سورۂ نساء اور سورۂ انعام میں صرف اسم گرامی ملتا ہے بقیہ دو سورتیں الانبیاء و رص میں مختصر طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ اُن پر امتحان و آزمائش کا ایک سخت مرحلہ پیش آیا تھا اور مصائب و آلام نے اُنھیں ہر چار سمت گھیر لیا تھا مگر وہ صبر و شکر کے سوا حرف شکایت تک زبان پر نہیں لائے، اللہ کی جناب میں اپنا وہی عبدیت کا تعلق برقرار رکھا بلکہ کچھ اور ہی زیادہ رجوع ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت میں اُنھیں ڈھانک لیا اور مصائب و آلام کے بادل دور کر کے اُن کو اپنے فضل و عطا سے مالا مال کر دیا اور انکی تعریف فرمائی کہ :-

"وہ بہت ہی اچھا بندہ تھا ہماری طرف کثرت سے رجوع ہونیوالا"۔

(ص آیت ۴۴)

تعارف

حضرت ایوب علیہ السلام کے زمانۂ بعثت اور اُن کی قومیت کے بارے میں دو ماخذ اہم جانے گئے ہیں۔

اول تورات۔ دوم۔ تاریخ قدیم کے بعض اقتباسات۔

ان ہی دو حوالوں سے حضرت ایوب علیہ السلام کا کچھ تعارف مل سکتا ہے قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ میں ان کی قومیت، زمانۂ بعثت اور سلسلۂ نسب کے تعلق سے کوئی وضاحت نہیں ملتی اور جیسا کہ پہلے بھی لکھا گیا قرآن حکیم کے مقاصد میں یہ بات شامل نہیں کہ وہ تاریخی حیثیت اور اُس کے موضوع سے بحث کرے۔ اُس کا اوّل و آخر مقصد تذکیر، دعوت و تبلیغ، عبرت و نصیحت ہے۔ ان ہی مقاصد کے تحت وہ انبیاء و رسل کے تذکرے اور اُسکے نتائج و عواقب بیان کرتا ہے تاہم بطور تعارف تاریخ قدیم کے بعض اقتباسات کا نقل کر دینا فائدے سے خالی نہیں۔

کتب تاریخ میں ایک نام یوباب ملتا ہے۔ اہل تحقیق کا خیال ہے کہ ایوبؑ اور یوبابؑ ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ عبرانی زبان میں یوباب کو اوب کہا گیا اور یہی عربی ادب میں ایوبؑ ہو گیا۔ (علیہ السلام)

مولانا آزادؒ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام بنی یقطان کی نسل سے ہیں اور عربی نژاد ہیں۔ اس لئے وہ یا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم زمانہ ہیں یا پھر حضرت اسحٰق و حضرت یعقوب علیہم السلام کے معاصر ہیں، لکھتے ہیں :۔

> اولاً محققین تورات اکثر اس طرف گئے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام عرب تھے۔ عرب میں ظاہر ہوئے اور سفر ایوب اصلاً قدیم عربی میں لکھی گئی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُسے قدیم عربی سے عبرانی میں منتقل کیا، سفر ایوب میں ہے کہ وہ شہر عوص (مشرقی فلسطین) میں رہے تھے اور آگے چلکر تصریح کی ہے کہ اُن کے مویشی پر شیبا (سبا) کے لوگوں نے حملہ کیا تھا۔
>
> ان دونوں تصریحوں سے بھی اسکی تصدیق ہو جاتی ہے کیونکہ کتاب پیدائش (تورات) اور تواریخ اوّل میں عوص کو آرام بن سام بن نوح (علیہ السلام) کا بیٹا کہا ہے اور آرامی بالاتفاق عرب عاربہ کی ابتدائی جماعتوں میں سے ہے۔
>
> (ترجمان القرآن ج ۲ ص ۴۸۶)

عرب مؤرخ ابن عساکر بھی حضرت ایوب علیہ السلام کو ابراہیمی عہد کے قریب تسلیم کرتے ہیں اور اِن کو حضرت لوط علیہ السلام کا ہمعصر اور دین ابراہیمی کا پیرو خیال کرتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۲۶)

مؤلف قصص الانبیاء نجار مصری نے حضرت ایوب علیہ السلام کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایک سو سال پہلے لکھا ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن عساکر نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ بنت لوط (علیہ السلام) کے صاحبزادے ہیں اور قاضی بیضاوی لکھتے ہیں کہ وہ لیا بنت یعقوب (علیہ السلام) یا رحمت بنت افرائیم بن یوسف (علیہ السلام) کے صاحبزادے ہیں۔

امام بخاری کی بھی غالباً یہی رائے ہے کیونکہ انھوں نے کتاب الانبیاء میں انبیاء کرام کی جو ترتیب قائم کی ہے اس میں حضرت ایوبؑ کا ذکر حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل کیا ہے۔

الغرض حضرت ایوب علیہ السلام عربی ہیں کیونکہ تمام مختلف اقوال میں بھی اُنکے عرب ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ اور آپ کا عہد حضرت یعقوب و حضرت موسیٰ علیہم السلام کا درمیانی عہد ہے۔

صبرِ ایوبؑ

قرآن حکیم نے اگرچہ حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن واقعہ کی روح اور ان کا اُسوہ آیاتِ قرآنی میں نہایت واضح طور پر نقل کیا گیا ہے وہ ایک پاک اور مقدس انسان تھے جو اللہ تعالےٰ کے یہاں انبیاء و رسل کی جماعت میں شامل ہیں۔ وہ دولت و ثروت اور کثرت اہل و عیال کی وجہ سے بہت خوش بخت اور فیروزمند تھے مگر ایک امتحان و آزمائش میں آگئے۔ مال و متاع، اہل و عیال، جسم و جان سب پر آفت آئی۔ مال و متاع ختم ہوا، اہل و عیال فوت ہوئے، جسم و جان کو سخت بیماری نے گھیر لیا، تب بھی اُنھوں نے نہ شکوہ کیا نہ شکایت بلکہ صبر و شکر کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں سوائے عرضِ حال کے اور کوئی حرف زبان پر نہ لائے۔

اللہ تعالیٰ کی جناب میں مختصر ترین الفاظ میں اپنی تکلیف کا اس طرح ذکر کیا:-

أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ـ

(الانبیاء آیت ۸۳)

(مجھکو بیماری لگ گئی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے)

دُعا کا انداز کس قدر لطیف اور باادب ہے صرف اپنی تکلیف کا اجمالی ذکر کرتے ہیں اور اسکے بعد یہ کہکر رُک جاتے ہیں "تو ارحم الراحمین ہے" آگے نہ شکوہ نہ شکایت، کوئی مدّعا نہیں کسی چیز کا مطالبہ نہیں۔ پاس ادب کا یہ عالم ہے کہ یہ نہیں کہا "تو نے مصیبت میں ڈال دیا" بلکہ شرّ کو شیطان کی جانب منسوب کیا اور فرمایا: "شیطان نے مجھے ایذا اور تکلیف کے ساتھ ہاتھ لگایا ہے۔"

اُن کی پکار کو اللہ نے سُنا اور قبول کیا جو مال ومتاع ختم ہوا تھا اور جو اہل وعیال فوت ہو گئے تھے اللہ نے اپنے فضل وکرم سے دوچند اور زیادہ بخش دیئے اور صحت وتندرستی کے لئے زیر قدم ایک ٹھنڈے پانی کا چشمہ پیدا فرما دیا۔ جس کے پانی میں یہ خاصیت تھی کہ اُس سے غسل کرنے اور اُسکے پینے سے اُن کی بیماری دور ہو گئی۔

اس قصے میں حضرت ایوب علیہ السلام کا کردار سراپا صبر تسلیم ورضا اور انکی زندگی عبادت گزاروں کے لئے "ابدی نمونہ" اور بلا وآزمائش میں مبتلا انسانوں کے لئے نصیحت ودرس کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس واقعہ کے بعد اللہ تعالےٰ نے اُنھیں جہاں ان کا مال ومتاع دوچند کر دیا وہاں اہل وعیال کی عطا کا بھی ذکر کیا ہے یعنی ان کی فوت شدہ اولاد اور اہل خانہ کو دوبارہ عطا کیا گیا۔ مفسرین میں ابن کثیرؒ، امام حسنؒ، امام قتادہؒ کی رائے یہی ہے کہ فوت شدگان کو حیاتِ نو بخشی گئی۔

امام رازیؒ اور ابن حیانؒ اندلسی کی رائے یہ ہے کہ فوت شدگان کی جگہ دوچند اہل وعیال عطا کئے گئے۔ آیت میں ہر دو مفہوم کی گنجائش ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا۔

(ص الایہ ۴۳)

"اور ہم نے ان کو اُن کے اہل وعیال عطا کئے اور اُن کے ساتھ اُتنے ہی اور اپنی طرف سے رحمت کے طور پر۔"

اور آخر میں اُن کے انجام پر بطور سند یہ توثیق فرما دی۔

"بلاشبہ ہم نے اُنھیں صبر کرنے والا پایا اور وہ اچھا بندہ ہے بیشک وہ اپنے رب کی طرف بہت رجوع ہونے والا بندہ تھا۔"

حضرت ایوب علیہ السلام کی بلا و آزمائش اور اُن کی فریاد اور صبر و استقامت اور اللہ تعالیٰ کی عطا و بخشش کا ذکر آیات ذیل میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

قرآنی مضمون وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ. الخ (انبیاء آیت ۸۳، ۸۴)

"اور ایوبؑ کا حال بھی یاد کرو جب اُس نے اپنے رب کو پکارا تھا (الٰہی) مجھکو تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔ پھر ہم نے اُن کی دُعا قبول کرلی اور اُن کا دُکھ دور کر دیا اور ہم نے اُن کو اُن کا کُنبہ عطا کیا اور اُن کے برابر اور بھی اپنی رحمتِ خاص کے سبب دیا۔ اور عبادت گزار بندوں کی نصیحت کے لئے (یہ فضل وکرم فرمایا)"

وَاذْکُرْ عَبْدَنَآ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ. الخ (صٓ آیات ۴۱ تا ۴۳)

"اور ہمارے بندے ایوبؑ کا ذکر کرو جب اُس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھکو شیطان نے ایذا اور تکلیف کے ساتھ ہاتھ لگایا ہے۔

تب ہم نے اُن سے کہا اپنے پاؤں سے ٹھوکر مار (اُنھوں نے ایسا ہی کیا اور چشمہ زمین سے اُبل پڑا تو ہم نے کہا) یہ نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا۔

اور ہم نے اُس کو اُس کے اہل وعیال عطا کئے اور اُن کے مانند اور زیادہ اپنی مہربانی سے اور بطور یادگار عقلمندوں کے لئے۔"

ایفائے عہد حضرت ایوب علیہ السلام کے زمانۂ علالت میں سب نے اُنکا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ عزیز و اقارب، دوست احباب نے بھی منہ پھیر لیا تھا صرف ایک بیوی نے اس تمام بیماری میں ساتھ دیا وہ ہر روز ان کی خدمت انجام دیا کرتی تھی اور اُن کے دُکھ درد میں برابر کی شریک تھیں۔ ایک مرتبہ بیوی نے حضرت ایوب علیہ السلام کی انتہائی تکلیف سے بیقرار ہوکر کچھ ایسے کلمات کہہ دیئے جو صبر

وشکر کے خلاف تھے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں شکوہ کا پہلو لئے ہوئے تھا حضرت ایوب علیہ السلام کو یہ شکایت پسند نہ آئی اور آپؑ کی زبان سے اس قسم کا عہد نکل گیا:۔

"اگر میں شفایاب ہوگیا تو واللہ تجھ کو ۱۰۰ کوڑے ماروں گا۔"

امام احمدؒ نے کتاب الزہد (مسند احمد میں) حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

"حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کے زمانے میں ایک بار شیطان طبیب کی شکل میں آپؑ کی بیوی کے پاس آیا نیک بیوی نے علاج کرنے کی گذارش کی اُسپر اس نے آمادگی ظاہر کی اور اسکے لئے یہ شرط رکھی کہ اگر تمہارے شوہر صحت یاب ہوجائیں تو تم میرا اس طرح شکریہ ادا کرنا: آپ نے میرے شوہر کو شفا عنایت کی۔" میرے علاج کا یہی نذرانہ ہے۔ نیک بیوی نے وعدہ کرلیا اور اس کا ذکر حضرت ایوب علیہ السلام سے کیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو اس سے سخت دکھ ہوا فرمایا کہ وہ شیطان تھا جو ایسے شرکیہ کلمات تم سے کہلوانا چاہتا تھا اور تم نے وعدہ بھی کرلیا تمہاری غفلت یہاں تک پہنچ چکی ہے؟

پھر آپ بے قابو ہوگئے اور قسم کھالیا کہ جب میں صحت یاب ہوجاؤں گا تو تم کو ۱۰۰ کوڑے ماروں گا۔

بہرحال جب حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے شفا دی تو قسم (ایفائے عہد) کا سوال پیش آیا ایک جانب نہایت وفادار، غم خوار رفیقۂ حیات ہے دوسری طرف قسم کو پوری کرنے کا مسئلہ؟

حضرت ایوب علیہ السلام سخت تردد اور فکر میں تھے لیکن بہت جلد اللہ تعالیٰ نے نیک بیوی کو شوہر کے ساتھ وفاداری کا یہ صلہ دیا کہ ایک خاص طریقہ سے اِس قسم کو پورا کرنے کا حکم نازل کیا اور ارشاد فرمایا کہ آپ اپنی قسم نہ توڑیں بلکہ ۱۰۰ تنکوں کا ایک گٹھا بنائیں اور اُس سے اپنی بیوی کو ایک ضرب لگا دیں۔ بس قسم پوری ہوجائیگی۔ چنانچہ حضرت

ایوب علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور اپنی قسم کو پورا کر دیا۔"
اس واقعہ کو قرآن حکیم نے اس اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے:۔

قرآنی مضمون

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ (ص آیت ۴۴)

"اور (ہم نے انھیں حکم دیا) کہ بس اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مُٹھا اور اُس سے مار دے اور اپنی قسم نہ توڑیئے۔ بیشک ہم نے انھیں صبر کرنے والا پایا، بہت ہی عمدہ بندہ۔ یقیناً وہ اپنے رب کی طرف بہت رجوع ہونے والا تھا۔"

حاکم اور ابن حبان نے حضرت انسؓ کا ایک اثر نقل کیا ہے کہ:۔

حضرت ایوب علیہ السلام تیرہ سال تک مصائب کے امتحان میں مبتلا رہے حتیٰ کہ اُن کے تمام عزیز و اقارب نے اُن سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ البتہ عزیزوں میں سے صرف دو آدمی صبح و شام اُن کے پاس آتے اور خیر خیریت معلوم کرتے۔ ایک مرتبہ اُن میں سے ایک نے دوسرے سے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایوبؑ نے کوئی بڑا گناہ کیا ہے جسکی پاداش میں ان کو ایسی سخت سزا دی گئی ہے۔

یہ بات دوسرے نے حضرت ایوب علیہ السلام سے کہدی۔ حضرت ایوب علیہ السلام یہ طعنہ سنکر بہت ہی بے قرار ہوگئے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں نہایت آہ و زاری سے اس طرح پکارا کہ (شاید کبھی کسی نے ایسا پکارا ہو)

اللہ نے وحی نازل کی اور انھیں یہ ہدایت کی کہ اپنا پیر زمین پر ماریں۔ جب انھوں نے ٹھوکر ماری تو معًا پانی کا ایک ٹھنڈا چشمہ اُبل پڑا۔ پھر ہدایت کی گئی کہ اسمیں غسل کریں۔ جب غسل کرکے باہر نکلے تو پہلے سے زیادہ صحیح و تندرست نظر آنے لگے۔

پھر جب بیوی نے دیکھا تو انھیں قطعاً پہچان نہ سکیں۔ خود حضرت

ایوب علیہ السلام سے دریافت کرنے لگیں کہ یہاں میرے بیمار شوہر رہا کرتے تھے آج کہاں چلے گئے؟

حضرت ایوب علیہ السلام نے انھیں اطمینان دلایا کہ میں ہی ایوبؑ ہوں اور اللہ کے فضل وکرم کا واقعہ سنایا، روزمرہ کے کھانے کیلئے حضرت ایوب علیہ السلام کے ہاں جو گٹھری گیہوں اور جَو کی تھی اللہ تعالےٰ نے اُنکی دولت میں اضافہ کرنے کے لئے گیہوں کو سونے اور جَو کو چاندی میں بدل دیا۔ (فتح الباری ج ۶ ص۳۲۶)

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب حضرت ایوب علیہ السلام غسل فرما رہے تھے اللہ تعالیٰ نے سونے کی چند ٹڈیاں اُن پر برسائیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو اُنھیں پکڑ پکڑ کر کپڑے میں رکھنے لگے۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف وحی نازل کی اور پوچھا ایوب! کیا ہم نے تم کو سب کچھ دیکر غنی نہیں بنا دیا؟

حضرت ایّوب علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار یہ صحیح ہے لیکن آپ کی نعمتوں سے کون بے نیاز ہوسکتا ہے؟"

وَلٰکِنْ لَا غِنیٰ عَنْ بَرَکَتِكَ۔ (بخاری کتاب الانبیاء)

اسی طرح کا واقعہ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے بھی نقل کیا ہے۔

"وہب بن منبہ نے اس بیماری کی مدت تین ۳ سال بیان کی ہے اور حسن بصریؒ سے سات ۷ سال منقول ہیں۔"

(تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص۱۸۸)

"توراۃ کے باب سفر ایوبؑ میں مذکور ہے کہ ابتلاء سے نجات پانے کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام ایک سو چالیس ۱۴۰ تک بقیدِ حیات رہے اور اپنی اولاد کے چار پشت دیکھے۔"

نتائج وعبر

اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً قدیم زمانے سے اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ جسکو اللہ تعا کے ساتھ جتنا قرب ومنزلت حاصل ہے انھیں بلا اور آزمائش بھی سخت رہی ہے۔ اور جب اُس بلا کے پیش آنے پر ایسے لوگ صبر و استقامت سے کام لیتے ہیں تو وہی آلام ومصائب اُن کے دنیاوی و اخروی درجات کے بلندی کا ذریعہ بنا دیئے جاتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو اسطرح ظاہر فرمایا ہے:-

اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الصَّالِحُوْنَ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ۔ الحدیث (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۸۸)

مصائب میں سب سے زیادہ سخت امتحان انبیاء علیہم السلام کا ہوتا ہے۔ اسکے بعد صلحاء کا نمبر ہے اور پھر حسب مراتب و درجات۔

يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى قَدْرِ دِيْنِهٖ فَاِنْ كَانَ فِيْ دِيْنِهٖ صَلَابَةٌ زِيْدَ فِيْ بَلَائِهٖ۔ الحدیث (ابن کثیر ج ص ۱۸۸)

انسان اپنے دین کے درجات کے مناسب آزمایا جاتا ہے، اگر اُس کے دین میں پختگی اور مضبوطی ہے تو وہ مصیبت کی آزمائش میں بھی دوسروں سے زیادہ ہوگا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا یہ واقعہ اسکی بہترین مثال ہے۔

ضبط واستقلال دولت و ثروت، عزت و وجاہت اور خوشحالی کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان کچھ زیادہ مشکل نہیں آسان ہے لیکن بلا و مصیبت، عسرت و تنگدستی میں حرف شکایت تک زبان پر نہ لانا اور صبر و استقلا

کا ثبوت دینا بہت مشکل اور بڑا کٹھن کام ہے اور اسی منزل پر انسان کے ایمان باللہ کا وزن معلوم ہوجاتا ہے۔ لیکن جب کوئی بندہ اس زبون حالت میں بھی ضبط و استقلال کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتا اور صبر و شکر کی زندگی اختیار کرلیتا ہے تو بہت جلد اللہ کی دستگیری شامل حال ہوجاتی ہے اور اس پر فضل و کرم کی بارش ہونے لگتی ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی زندگی اس کی روشن مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی صبر و استقلال کی وجہ سے انھیں دوچند عطا کیا۔

وفا کی قدر و قیمت

ازدواجی زندگی میں بیوی کی وفاداری اور استقامت سب سے زیادہ محبوب شئے ہے۔ احادیث میں اس عورت کو جنت کی بشارت دی گئی جو اپنے شوہر کے حق میں وفادار ثابت ہو۔ اور اس وفا و محبت کی قدر و قیمت اس وقت قیاس و اندازے سے کہیں زیادہ قیمتی ہوجاتی ہے جب اس کا شوہر مصائب و آلام میں گرفتار ہو اور اس کے عزیز و اقربا تک اس سے کنارہ کش ہوچکے ہوں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ نے آپ کے زمانۂ مصیبت میں جس حسن وفا، اطاعت و غمخواری کا ثبوت دیا اللہ نے اس احترام میں حضرت ایوب علیہ السلام کی قسم کو پورا کرنے کے لئے عام احکام سے بالکل مختلف ایک ایسا حکم دیا جس سے اس نیک بی بی کی قدر و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حیلۂ شرعی

حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری کی حالت میں ناراض ہوکر اپنی بیوی کو سَو کوڑے مارنے کی قسم کھائی تھی اور جب صحت ہوگئی تو یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ اگر قسم کو پورا کیا جائے تو خواہ مخواہ ایک وفادار بیوی کو مارنا پڑے گا۔ اور اگر قسم توڑ دی جائے تو یہ بھی ایک گناہ کا ارتکاب ہوگا۔ اس مشکل سے اللہ تعالےٰ نے انھیں اس طرح نکالا کہ انھیں حکم دیا ایک گٹھا لو جس میں اتنے ہی تنکے ہوں جتنے کوڑے مارنے کی قسم کھائی تھی۔ پھر اس گٹھے سے بیوی کو بس ایک ضرب لگادیں تاکہ قسم بھی پوری ہوجائے اور بے گناہ بیوی کو تکلیف بھی نہ پہنچے۔ یقیناً یہ ایک حیلہ (تدبیر) ہی تھا جو حضرت ایوب علیہ السلام کو بتایا گیا لیکن اس قسم کے شرعی حیلہ

کی پہلے حقیقت سمجھ لینی چاہیئے ورنہ حیلہ سازی کے حدود کفر سے جا ملتے ہیں. کیونکہ جو شخص ناپاک اغراض کے لئے حیلہ کرتا ہے وہ گویا اللہ کو اپنے زعم میں دھوکہ دینا چاہتا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کو جو حیلہ بتایا گیا تھا وہ کسی فرض سے بچنے کے لئے نہیں بلکہ ایک بُرائی سے بچنے کے لئے بتایا گیا تھا۔ لہذا شریعت اسلامی میں صرف وہی حیلے جائز ہوں گے جو آدمی کو اپنی ذات سے یا کسی دوسرے شخص سے ظلم و گناہ اور بُرائی کو دفع کرنے کے لئے اختیار کئے جائیں، ورنہ حرام کو حلال کرنے یا فرائض کو ساقط کرنے یا نیکی سے بچنے کے لئے حیلہ سازی گناہ ہی نہیں گناہ در گناہ ہوگا۔

مثلاً ایک شخص زکوٰۃ سے بچنے کے لئے سال ختم ہونے سے پہلے اپنا مال اپنی بیوی کی ملکیت میں منتقل کر دیا اور جب اگلا سال ختم ہونے کو قریب ہوا بیوی نے شوہر کو ہبہ کر دیا۔ اس طرح دونوں پر زکوٰۃ واجب نہ ٹھیری، کیونکہ ہر ایک کی ملکیت میں سال بھر تک مال قائم نہ رہا اور ادائی زکوٰۃ سے معاف سمجھ بیٹھا۔ ایسا شخص نہ صرف ایک فرض سے فرار اختیار کرتا ہے بلکہ وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کے اس ظاہری فعل سے دھوکہ کھا جائے گا اور اُسکو فرض سے سبکدوش سمجھ لے گا۔ (استغفر اللہ ربّی)

فقہائے کرام نے اپنی کتابوں میں "کتاب الحیل" کے عنوان سے جو بھی مثالیں دی ہیں اُن کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کسی حیلہ کے ذریعہ سے فرض سے سبکدوشی یا نیکی سے فرار اختیار کیا جا سکتا ہے بلکہ اِس کا وہی مطلب ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے کہ کسی نامناسب یا مکروہ بات سے بچنے کے لئے کوئی شرعی حیلہ اختیار کیا جائے تو وہ جائز ہے جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو تلقین کیا گیا تھا۔ واللہ اعلم۔

تنگ دلی یا صبر مندی

قرآن حکیم نے حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ نقل کر کے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے نیک بندے جب مصائب اور شدائد میں مبتلا ہوتے ہیں تو اپنے رب سے بدگمان نہیں ہوتے

اور نہ تنگ دل ہوتے ہیں بلکہ صبر و استقامت کے ساتھ اُس کی نازل کی ہوئی آزمائشوں کو برداشت کرتے ہیں اور اُسی سے مدد مانگتے ہیں، اُسی پر بھروسہ کرتے ہیں، اور اُسی سے آس لگائے رہتے ہیں۔ اُن کا یہ طریقہ نہیں ہوتا کہ اگر کچھ مدت تک اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتے رہنے پر بلا نہ ٹلے تو پھر اُس سے مایوس ہوکر دوسروں کے آستانوں پر ہاتھ پھیلانا شروع کردیں۔ اِن کے قلوب پر اس بات کا پورا اطمینان رہتا ہے کہ جو کچھ بھی ملنا ہے اللہ ہی کے ہاں سے ملنا ہے اس لئے مصیبتوں کا سلسلہ چاہے کتنا ہی دراز ہو وہ اللہ تعالیٰ کے پرستار اور اُسی کے آستانے پر ہاتھ پھیلانے والے ہیں۔

مصائب و شدائد میں حضرت ایوب علیہ السلام کی یہ سیرت قرآن حکیم اس طرح بیان کرتا ہے:-

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ۔

(ص آیت ۴۴)

بلاشبہ ہم نے ایوب کو صابر پایا، بہترین بندہ، اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا"

ذِکرای انسان کو نہ اچھے حالات میں اللہ تعالیٰ کو بھولنا چاہیئے نہ بُرے حالات میں اُس سے مایوس ہونا چاہیئے! اچھا اور بُرا سب اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ کے قبضہ و اختیار میں ہے۔

انسان تقدیر کی گرفت میں ہے اور اُس کا پابند، لیکن اللہ تعالیٰ تقدیر کا نہ پابند ہے اور نہ مجبور، وہ چاہے تو انسان کے بُرے حالات کو بہترین حالات میں بدل دے اور چاہے تو بہترین حالات کو بُرے حالات میں بدل دے۔

اس لئے مسلمان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور توکل کرنا چاہیئے۔

سیدنا ایوب علیہ السلام نے اپنے ناموافق حالات میں نہ صرف اپنا تعلق برقرار رکھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف بار بار کثرت سے رجوع ہوتے

رہے اُسکے صلہ میں اُن کے اہل وعیال کو نہ صرف واپس دیا گیا بلکہ دُوچند اور دیا گیا۔ اور اس عطا کے بعد قرآن حکیم نے یہ درس دیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دوچند فضل وکرم ہر عقل والے کے لئے نصیحت ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ۔ (صٓ آیت ۴۳)

ہُم نے ایوب کو ان کے اہل وعیال عطا کئے اور اُن کے ساتھ اُتنے ہی اور دیئے اپنی طرف سے رحمت کے طور پر اور نصیحت (یادگار) کے طور پر عقل والوں کے لئے۔"

تذکرہ
سیدنا یونس علیہ السلام
(صاحب الحوت)

سیدنا یونس علیہ السلام اور قرآن حکیم

قرآن حکیم کی چھ سورتوں میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر آیا ہے۔ چار سورتوں میں نام مذکور ہے اور دو سورتوں میں لقب ذالنون اور صاحب الحوت، کہکر صفت کا اظہار کیا گیا ہے:-

سورۂ نساء	آیت	۱۶۳
” انعام	”	۸۶
” یونس	”	۹۸
” انبیاء	”	۸۷، ۸۸
” الصافات	”	۱۳۹ تا ۱۴۸
” القلم	”	۴۸ تا ۵۰

سورۂ نساء اور سورۂ انعام میں انبیاء کرام کی فہرست میں صرف نام مذکور ہے۔ بقیہ چار سورتوں میں واقعات پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے اور حضرت یونس علیہ السلام کی حیات طیبہ کے صرف اُسی پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے جو اُن کی پیغمبرانہ زندگی سے وابستہ ہے اور جس میں اُن کے رُشد و ہدایت کے مختلف گوشے دعوتِ بصیرت ہیں۔

تعارف

مورخین اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام کے والد کا نام متّیٰ ہے۔ بخاری کی ایک روایت میں بھی یہی نام آیا ہے۔

(۲) ایک اور مؤرخین ان کے والد کا نام گوناہ لکھتے ہیں اور زمانہ بعثت ۸۶۰ء تا ۷۸۴ء قبل

مسیح کے درمیان بتاتے ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام اسرائیلی نبی تھے مگر انھیں آشور (اسیریا) والوں کی ہدایت کے لئے عراق بھیجا گیا تھا اسی بنار پر آشوریوں کو قوم یونس کہا جاتا ہے۔ اس قوم کا مرکز اُس زمانے میں نینویٰ کا مشہور شہر تھا جس کے وسیع کھنڈرات آج بھی دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے موجودہ شہر موصل کے عین مقابل پائے جاتے ہیں اور اسی علاقے میں "یونس نبی" کے نام سے آج بھی ایک مقام موجود ہے۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ یونس علیہ السلام کے زمانے کا تعین تاریخی روشنی میں مشکل ہے البتہ بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ جب ایران (فارس) میں طوائف الملوکی کا دور تھا اُس وقت نینوٰی میں حضرت یونس علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔ قرآن حکیم نے اس شہر کی مردم شماری ایک لاکھ سے زائد بتائی ہے۔ ترمذی کی ایک روایت میں یہ تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بیان کی گئی ہے۔

سیدنا یونس علیہ السلام قرآن وحدیث وتاریخ کی روشنی میں

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ جس کا کچھ حصہ تو قرآن حکیم میں موجود ہے اور بقیہ روایات حدیث اور تاریخ سے ثابت ہے۔

جیسا کہ بیان کیا گیا حضرت یونس علیہ السلام عراق میں شہر موصل کے مشہور مقام نینوی کی طرف مبعوث کئے گئے تھے۔ اس قوم میں شرک و کفر کی کثرت تھی حضرت یونس علیہ السلام کو ان کی ہدایت کے لئے مامور کیا گیا۔ وہ ایک طویل عرصہ تک قوم کو توحید کی دعوت دیتے رہے لیکن قوم نے ان کی دعوت پر کوئی توجہ نہ دی بلکہ اپنے کفر وشرک پر اصرار کرتے رہے اور گزشتہ قوموں کی طرح اِن کا بھی مذاق اُڑانے لگے، اور ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ جب اجتماعی طور پر قوم نے ایسا فیصلہ کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو حکم دیا کہ اِن لوگوں کو آگاہ کر دو کہ تین دن کے اندر اندر تم پر سخت عذاب آنے والا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام نے قوم میں یہ اعلان کر دیا، عذاب کے اس اعلان پر

قوم کے بعض سرداروں کو احساس ہوا کہ یونس علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہیں کہا اور نہ یہ بات اُن سے سُنی گئی لہٰذا اُن کا یہ اعلان نظرانداز کردینے کے قابل نہیں اسپر غور کرنا چاہیئے چنانچہ آپس میں مشورہ کیا گیا اور یہ طے پایا کہ یہ دیکھا جائے کہ یونس (علیہ السلام) رات کو ہمارے شہر میں اپنی جگہ مقیم رہتے ہیں یا نہیں

اگر وہ اپنی جگہ مقیم ہیں تو سمجھ لو کہ کچھ نہیں ہوگا اور اگر وہ یہاں سے چلے گئے تو یقین کر لیا جائے کہ صبح کو ہم پر عذاب آئے گا تیسرا دن آنے سے پہلے آدھی رات کو۔

حضرت یونس علیہ السلام وحی الٰہی کے اُس اشارہ پر شہر سے نکل گئے اور بہت دور چلے گئے صبح ہوئی تو عذاب الٰہی ایک سیاہ بادل کی شکل میں ان کے شہر پر منڈلانے لگا اور رفضار آسمانی سے نیچے ان کے قریب ہونے لگا۔ یہ اچانک اور وحشت ناک صورت دیکھ کر قوم کو یقین ہو گیا کہ اب ہم سب ہلاک ہونے والے ہیں۔ پھر حضرت یونس علیہ السلام کی تلاش میں نکل گئے اور طے کر لیا کہ اُن پر ایمان لے آئیں گے اور پچھلے انکار سے توبہ کرلینگے۔ لیکن حضرت یونس علیہ السلام کو نہ پایا تو خود ہی پورے اخلاص کے ساتھ توبہ واستغفار کرتے ہوئے بستی سے ایک میدان میں نکل آئے۔ عورتیں بچے، مرد بوڑھے سب اس میدان میں جمع ہو گئے اور نہایت آہ وزاری سے توبہ اور عذاب سے پناہ مانگنے میں اسطرح مشغول ہوئے کہ پورا میدان آہ وبکا سے گونجنے لگا۔ اِن کی اس سچی حالت پر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور اُترنے والا عذاب اُن سے دور کر دیا جیسا کہ قرآن حکیم نے بیان کیا ہے۔ روایات میں یہ وضاحت بھی ہے کہ یہ عاشورا یعنی دسویں محرم کا دن تھا۔

اِدھر حضرت یونس علیہ السلام بستی سے باہر اس انتظار میں تھے کہ اب اس قوم پر عذاب نازل ہوگا اور اِنھیں قوم کی توبہ واستغفار کا حال معلوم نہ تھا۔ جب عذاب ٹل گیا تو فکر ہوئی کہ قوم میں مجھے جھوٹا قرار دیا جائے گا اور اس قوم کا یہ قانون تھا کہ جس شخص کا جھوٹ واضح ہو جائے اسکو قتل کر دیا جائے۔ حضرت یونس علیہ السلام کو یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ میں اب اپنی صفائی بھی پیش نہ کر سکوں گا اور قانون کی رو سے قتل کر دیا جاؤں گا۔ انبیاء کرام اگرچہ ہر گناہ ومعصیت سے پاک ہوتے ہیں مگر انسانی فطرت اور طبیعت سے جدا نہیں ہوتے۔ اس وقت طبعی طور پر یہ پریشانی اور خوف لاحق ہوا کہ اگر میں قوم میں واپس جاؤں تو قانون کی رو سے قتل کر دیا جاؤں گا۔ اس غم وپریشانی میں شہر چھوڑ ہجرت کے ارادے سے نکل پڑے

یہاں تک کہ بحر فرات کے کنارے پہنچ گئے وہاں ایک کشتی دیکھی جو لوگوں سے بھری ہوئی تیار کھڑی تھی لوگوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو دیکھا تو سوار کر لیا کشتی روانہ ہوئی جب وسط دریا میں پہنچی اچانک ٹھیر گئی نہ آگے بڑھتی نہ پیچھے چلتی کشتی والوں نے اپنی کوشش پوری کرنے کے بعد اعلان کیا کہ ہماری کشتی میں کوئی بھاگا ہوا غلام ہے ایسے آدمی کو ظاہر ہو جانا چاہیئے تاکہ ایک آدمی کی وجہ سے سب پر مصیبت نہ آجائے۔ ہماری یہ کشتی منجانب اللہ چلتی بھی ہے اور رکتی بھی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کہنے لگے اگر ایسا ہی اس کا دستور ہے تو وہ بھاگا ہوا غلام میں ہوں۔ کیونکہ میں نے اپنے شہر کو بغیر اذنِ الٰہی چھوڑا ہے مجھے اپنے رب کی اجازت کا انتظار کرنا چاہیئے تھا۔ لہذا مجھے دریا میں ڈال دو تاکہ اہلِ کشتی نجات پا جائیں۔ کشتی والے حضرت یونس علیہ السلام کی راست بازی اور نیک صورت دیکھ کر اس پر تیار نہ ہوئے انھیں یقین نہیں آتا تھا کہ ایسا شخص مجرم بھی ہو سکتا ہے؟

آخر بعد مشورہ طے پایا کہ قرعہ اندازی کر لی جائے جس کا نام نکل آئے اُس کو دریا میں پھینک دیا جائے۔

اتفاقاً قرعہ میں حضرت یونس علیہ السلام ہی کا نام نکل آیا لوگوں کو اسپر تعجب ہوا دو بار سہ بار قرعہ اندازی کی ہر بار انہی کا نام نکلا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ حضرت یونس علیہ السلام کے خصوصی مقام کی وجہ سے تھا اگرچہ انھوں نے کوئی ایسی خلاف ورزی نہیں کی تھی جسکو گناہ یا معصیت کہا جاتا لیکن پیغمبر کے بلند مقام کے یہ مناسب نہ تھا کہ وہ محض طبعی خوف کی وجہ سے بغیر اذن خداوندی ہجرت کر جائیں شاید اسی قصور کی وجہ سے ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا۔

الغرض جب بار بار حضرت یونس علیہ السلام ہی کا نام آتا رہا تو سب نے انھیں دریا میں ڈال دیا شاید کنارہ قریب تھا تیر کر کنارے تک پہنچ جانے کا ارادہ کیا لیکن اللہ کا فیصلہ کچھ اور تھا رکی ہوئی کشتی چلنے لگی۔ اِدھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک بہت بڑی مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو اپنا لقمہ بنا لیا اور حضرت یونس علیہ السلام سیدھے اس کے پیٹ میں چلے گئے۔

حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت یونس علیہ السلام

اس مچھلی کے پیٹ میں چالیس یوم تک رہے۔ یہ اِن کو پانی کی تہ تک لی جاتی اور دور دراز مسافتوں میں پھیراتی رہی۔ بعض مفسرین نے سات اور بعض نے تین دن اور بعض نے چند ساعات مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی مدت لکھی ہے۔ حقیقت حال اللہ ہی کو معلوم۔ (مظہری)

حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں اپنے آپ کو زندہ محسوس کیا، سجدہ میں جاکر اپنی اس ندامت کا اظہار کیا اور عفو و درگزر کی اس طرح مناجات کی :-

لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔

"الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہی یکتا ہے میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں بلا شبہ میں اپنے نفس پر خود ہی ظلم کرنے والا ہوں۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی درد بھری پکار کو سُنا اور قبول فرمایا، مچھلی کو حکم ہوا کہ یونس کو جو تیرے پاس ہماری امانت ہے اُگل دے۔ مچھلی نے ساحل پر حضرت یونس علیہ السلام کو اُگل دیا۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے اُن کا جسم ایسا ہوگیا تھا جیسا کہ کسی پرندے کا پیدا شدہ بچہ (جس کا جسم بیحد نرم ہوتا ہے) الغرض حضرت یونس علیہ السلام نہایت نحیف و ناتوان حالت میں خشکی پر ڈال دیئے گئے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے اُن پر ایک بیلدار درخت اُگا دیا جس کے پتوں کا سایہ حضرت یونس علیہ السلام پر سائبان کا کام دینے لگا اور ایک جنگلی بکری کو اللہ تعالیٰ نے مامور کردیا وہ صبح وشام ان کے پاس آکھڑی ہوتی اور حضرت یونس علیہ السلام اس کا دودھ پی لیتے۔

چند دن بعد جب قوت وطاقت لوٹ آئی تو حکم دیا گیا کہ دوبارہ اپنے شہر نینوٰی جائیں اور قوم میں رہ کر اُنکی رہنمائی کریں۔ چنانچہ شہر واپس آئے قوم نے جب اُن کو دیکھا تو بے حد مسرت وخوشی کا اظہار کیا اور اُن کی رہنمائی میں دنیا و آخرت کی کامرانی حاصل کی۔ آخر کار پوری قوم حضرت

یونس علیہ السلام کے ہاتھ پر ایمان لے آئی۔

ابن کثیرؒ نے واقعہ کی جو ترتیب قائم کی ہے وہ کچھ اسی طرح ہے جو درج کر دی گئی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر سورہ الصافات)

اس واقعہ کے مختلف اجزاء جن جن سورتوں میں موجود ہیں وہ یہ ہیں :-

قرآنی مضمون فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ الخ۔ (یونس آیت ۹۸)

"پھر کیوں ایسا ہوا کہ قوم یونسؑ کی بستی کے سوا اور کوئی بستی نہ نکلی کہ نزول عذاب سے پہلے یقین کر لیتی اور ایمان کی برکتوں سے فائدہ اُٹھاتی؟ یونس کی قوم جب ایمان لے آئی تو ہم نے رسوائی کا وہ عذاب اُن پر سے ٹال دیا جو دنیا کی زندگی میں پیش آنے والا تھا اور انھیں ایک خاص مدت تک زندگی سے بہرہ مند ہونیکی مہلت دی۔"

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (الانبیاء آیت ۸۷، ۸۸)

"اور ذوالنون (مچھلی والے کا واقعہ یاد کرو) جب ایسا ہوا تھا کہ وہ (راہِ حق میں) غضبناک ہو کر چلا گیا۔ پھر اُس نے خیال کیا کہ ہم اس کو تنگی (آزمائش) میں نہیں ڈالیں گے پھر (جب اُسکو آزمائش کی تنگی نے آگھیرا تو) اُس نے (مچھلی کے پیٹ میں اور دریا کی گہرائی کی) تاریکیوں میں پکارا، الٰہی! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہر عیب سے پاک ہے حقیقت یہ ہے کہ میں نے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا ہے۔ تب ہم نے اُسکی دُعا قبول کی اور اُسکو غم سے نجات دیدی۔ اور اسی طرح ہم ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔"

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۔ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۔ الخ (الصافات آیات ۱۳۹ تا ۱۴۸)

"اور بیشک یونس پیغمبروں میں سے تھے۔
(اور وہ واقعہ یاد کرو) جبکہ وہ بھری ہوئی کشتی کی جانب بھاگے۔
(اور جب کشتی والوں نے غرق ہونے کے خوف سے قرعہ ڈالا) سو یونسؑ بھی شریک قرعہ ہوئے تو قرعہ میں ملزم ٹھیرے۔
پھر نگل گئی اُن کو ایک مچھلی اور وہ (قوم کے پاس سے بھاگ آنے پر) اپنے آپ پر ملامت کر رہے تھے۔ پس اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو روزِ قیامت تک مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتے۔
آخر کار ہم نے اُن کو (مچھلی کے پیٹ سے نکال کر) چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ ناتواں اور بے حال تھے۔
اور ہم نے اُن پر (سایہ کے لئے) ایک بیلدار درخت اُگا دیا۔
اور ہم نے انھیں ایک لاکھ سے زائد انسانوں کی جانب پیغمبر بنا کر بھیجا۔ پس وہ ایمان لے آئے پھر ہم نے اُن کو ایک مدت (موت) تک سامان زندگی سے نفع اُٹھانے کا موقعہ دیا۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ الخ (القلم آیت ۴۸ تا ۵۰)

پس (اے نبی) اپنے پروردگار کے حکم کی وجہ سے صبر کو کام میں لاؤ اور مچھلی والے (یونسؑ) کی طرح (بے سکون) نہ ہو جاؤ جبکہ اُنھوں نے اللہ کو پکارا اور وہ غم سے گھُٹ رہے تھے۔ اگر خداوندی احسان اُن کی دستگیری نہ کرتا تو وہ اُس میدان میں بدحالی کے ساتھ ڈالے جاتے۔
پھر اُن کے رب نے اُن کو (اور زیادہ رتبہ کے) صالحین میں شمار کر دیا۔"

وفات حضرت یونس علیہ السلام کے مقام وفات کے بارے میں مفسرین کے دو قول مشہور ہیں:-
اوّل شہر نینوٰی جسمیں وہ مبعوث کیے گئے تھے۔

دوم علاقہ فلسطین کے شہر الخلیل میں وفات پائی جو اکثر انبیاء کرام کا مدفن رہا ہے۔

اہل تحقیق نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے نجات پاکر نینوی واپس تشریف لے گئے اور انھوں نے اپنی بقیہ زندگی قوم کی ہدایت و رشد کے لئے وقف کر دی تھی۔ لہٰذا قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی وفات بھی شہر نینوی میں ہوئی ہو۔ واللہ اعلم۔

نتائج و عبر

تذکیر بایام اللہ

تذکرہ سیدنا یونس علیہ السلام میں یہ بات خصوصیت کیساتھ ذکر کی گئی ہے کہ زندگی کی فرصت ایک قیمتی شئی ہے اسکی قدر نہ کرنا یا اس سے غفلت برتنا ایک ایسا نقصان ہے جسکی تلافی ممکن نہیں۔ اس تذکرہ میں غفلت شعار انسانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ زندگی کی فرصت کو غنیمت جانو انکار و سرکشی سے باز آجاؤ، ورنہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب توبہ کرو گے تو توبہ قبول نہ ہوگی ایمان لاؤ گے تو ایمان مقبول نہ ہوگا اور وہ دو وقت ہیں:۔

۱ آخرت کا عذاب آنکھوں سے نظر آجائے یا ۲ موت آجائے۔

قوم یونسؑ نے اپنی زندگی کی فرصت کو غنیمت جانا آخر لمحہ میں جب عذاب کے آثار شروع ہو رہے تھے توبہ و استغفار کر کے ایمان قبول کر لیا تو اللہ تعالٰے نے انکو رسواکن عذاب سے بچالیا۔ نازل ہونے والا عذاب روک لیا، اس طرح وہ ایک ہولناک عذاب سے بچ گئے

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ الخ (یونس آیت ۹۸)

اس آیت میں ارشاد ہے کہ منکر قومیں ایسے وقت ایمان لے آئیں جب اُن کا

ایمان ان کو نفع دے سکتا تھا لیکن یہ معذب قومیں عذاب نازل ہونے کے بعد ایمان لائیں جیساکہ فرعون نے عذاب دیکھنے کے بعد ایمان کا اقرار کیا تھا۔ اگر ایسا ہوتا کہ عذاب سے قبل ایمان لے آتے تو انھیں عذاب سے بچا لیا جاتا جیساکہ قوم یونس نے ایمان قبول کر کے اپنے آپ کو عذاب سے محفوظ کر لیا۔

اے کاش کہ معذب قومیں قوم یونس کی تقلید کرتیں ؟ قرآن حکیم کی خیر خواہی نصیحت کے عنوان میں تذکیر بایام اللہ (حوادث و واقعات سے عبرت لینا) ایک مستقل عنوان ہے جو اقوام و ملل کے واقعات میں پایا جاتا ہے۔

ازالۂ غلط فہمی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر خیر کر کے یہ تنبیہ فرمائی :-

"تم میں سے کوئی شخص ہرگز یہ نہ کہے کہ میں (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) یونس بن متیٰ (علیہ السلام) سے افضل ہوں۔" (بخاری کتاب الانبیاء)

آپؐ کا منشا یہ تھا کہ جو شخص حضرت یونس علیہ السلام کے واقعات کا مطالعہ کرے اُس کے دل میں آپ کی ذاتِ اقدس کے تعلق سے کوئی تنقیص کا پہلو ہرگز پیدا نہ ہونے پائے۔ اسی اندیشہ کے پیشِ نظر آپؐ نے اُن کی عظمتِ شان کو اس طرح نمایاں کرنا ضروری سمجھا۔ مقصود تنقیص و تحقیر کی نفی کرنی تھی۔ رہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل الانبیاء ہونا وہ ایک علیحدہ حقیقتِ مسلّمہ ہے جس کا اس تنبیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

قوموں کی قسمت انبیاء کرام کی موجودگی میں

جن جن قوموں میں انبیاءؑ بقیدِ حیات رہے ہیں

قوموں کی قسمت نبی کی دعوت و تبلیغ سے وابستہ رہی ہے۔ جب وہ نبی کی دعوت سے منہ موڑ کر انکار و بغاوت پر اصرار کرنے لگیں اور نبی آخر لمحہ مایوس ہو کر اُن کو عذاب کی اطلاع دے دیتا ہے تو پھر اُس قوم کے لئے صرف دو راہیں باقی رہ جاتی ہیں :-

۱۔ یا عذاب آنے سے قبل ایمان لے آئے اور عذاب سے محفوظ ہو جائے۔

۲۔ یا انکار پر اصرار کر کے عذاب الٰہی کا شکار ہو جائے۔

تیسری کوئی صورت نہیں کہ انھیں معاف کر دیا جائے۔ قوم نوحؑ، قوم صالحؑ، قوم لوطؑ، قوم عادؑ و ثمود وغیرہ کا عذاب الٰہی سے بے نام و نشان ہو جانا سنت اللہ کی اس حقیقت کو آشکارا کرتی ہے۔

گزشتہ اقوام میں قوم یونسؑ کی ایک مثال ایسی ہے جس نے نزولِ عذاب سے کچھ قبل ایمان قبول کر لیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو کر عذابِ الٰہی سے محفوظ ہو گئی۔

کاش کہ بعد میں آنے والی نسلیں اور قومیں قوم یونس کے نقش قدم پر چل کر اسی طرح عذاب الٰہی سے محفوظ ہو سکتیں تھیں مگر افسوس ایسا نہ ہوا۔

ایک نازک ترین عنوان

انبیاء کرام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ عام انسانوں سے کچھ مختلف رہا ہے اور یہ اس لئے کہ یہ حضرات براہِ راست اللہ تعالیٰ سے شرفِ تخاطب و تکلم رکھتے ہیں۔ ان پر اللہ کی مرضی اور نامرضی براہِ راست نازل ہوتی ہے۔ لہٰذا اِن کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ جو کام بھی انجام دیں وحی الٰہی کی روشنی و ہدایت میں ہو۔ خصوصاً تبلیغ دین اور پیغامِ حق میں وہ وحی الٰہی کے مطابق کام انجام دیتے ہیں۔

لیکن اگر وہ کسی کام یا فیصلہ میں عجلت کر جاتے ہیں خواہ وہ بات کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اُن سے مواخذہ فرماتا ہے اور اس صورتِ حال کے لئے ایسی سخت تعبیر روا رکھتا ہے کہ سننے والا یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ انھوں نے کوئی بڑا قصور کر دیا ہے اور اس سخت تعبیر کے ساتھ ہی یہ حضرات فوراً متنبّہ ہو کر اعترافِ ندامت کے ساتھ معافی اور درگزر کے لئے دست بدعا بھی ہو جاتے ہیں جو بہت جلد اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جاتی ہے اور ان کی مزید عزت و احترام کا باعث بن جاتی ہے۔

قرآن حکیم کا یہ اسلوبِ بیان بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے

اور جو لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں ایسے مواقع پر سخت خلجان میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ انبیاء ورسل سے بھی بڑے بڑے قصور ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

"حضرت یونس علیہ السلام نے آثارِ عذاب دیکھ کر ہجرت کا ارادہ کیا اور وحیٔ الٰہی کا انتظار نہ فرمایا تو ایک بڑے حادثے سے دوچار ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اس حادثے کے لئے ایسا عتاب آمیز عنوان اختیار فرمایا جو کسی بڑے قصور یا غفلت پر استعمال کیا جاتا ہے۔"

(القلم آیت ۴۸ تا ۵۰)

تذکرہ
سیدنا ذوالکفل علیہ السلام

ذکرِ مبارک قرآن حکیم میں حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا ذکر دو سورتوں میں آیا ہے اور دونوں میں صرف نام مذکور ہے۔ یعنی انبیاء کرام کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔ کوئی تفصیل یا واقعہ موجود نہیں۔ البتہ تفسیری روایات میں مختصر تفصیل ملتی ہے جو اُن کے تعارف اور شخصیت کے لئے کافی ہے۔

سورۂ انبیاء میں اس طرح مذکور ہے:۔

وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَذَا الْکِفْلِ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ۔
وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ۔

(انبیاء آیت ۸۵، ۸۶)

"اور اسمٰعیل وادریس اور ذوالکفل سب (راہِ حق میں) صبر کرنے والے تھے۔ ہم نے اُنھیں اپنی رحمت کے سایہ میں لے لیا۔ یقیناً وہ نیک بندوں میں سے تھے۔"

سورہ صٓ میں اس طرح مذکور ہے:۔

وَاذْكُرْ اِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْیَارِ۔ (صٓ آیت ۴۸)

اور یاد کرو اسمٰعیل اور الیسع اور ذوالکفل (کے واقعات) اور یہ سب نیکوکاروں میں سے تھے۔

ایک تفصیلی روایت چونکہ قرآن حکیم نے حضرت ذوالکفل علیہ السلام کے

بارے میں سوائے اسم گرامی اور کوئی واقعہ بیان نہیں کیا ہے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی روایاتِ صحیحہ میں کچھ منقول نہیں ہے۔ لہٰذا قرآن اور احادیث کی روشنی میں اس سے زیادہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت ذوالکفل علیہ السلام اللہ واحد کے برگزیدہ نبی اور پیغمبر تھے اور کسی قوم کی طرف مبعوث کئے گئے اور دیگر انبیاء کی طرح انھوں نے بھی راہِ حق میں مشقت و مصائب برداشت کئے اور کارِ نبوت کو کامل طور پر ادا کیا۔ اسکے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی خاص رحمت میں داخل کر لیا جیسا کہ دیگر انبیاء کرام کے ساتھ معاملہ فرمایا ہے۔

البتہ ابن جریر نے مشہور مفسر تابعی امام مجاہدؒ سے ایک تفصیلی روایت نقل کی ہے جس سے اُن کی شخصیت پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ اسی طرح ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے بعض آثار نقل کئے ہیں اگرچہ ان کی سند میں انقطاع ہے تاہم نفسِ واقعہ میں دونوں مشترک ہیں۔

ذُوالکفل کا لفظی ترجمہ "صاحب نصیب" ہے۔ یعنی عادات و اخلاق و بزرگی میں بہت بڑا حصہ پانے والا۔ قرآن حکیم نے اُن کو اسی لقب سے یاد کیا ہے اور یہ لقب انکے نام کی طرح استعمال کیا گیا ہے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں جو انکے بعد نبوت سے سرفراز ہوئے اور ان کا اصل نام بِشر تھا۔

علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ اہلِ کتاب انکا نام "حزقی ایل" بتاتے ہیں جو بنی اسرائیل کی اسیری (۵۹۷ قبل مسیح) کے زمانے میں نبوت سے سرفراز ہوئے۔ بُخت نصر بادشاہ نے عراق میں اسرائیلی قیدیوں کی ایک نو آبادی دریائے خابُور کے کنارے قائم کر دی تھی جس کا نام تَل اَبیب تھا۔ اسی مقام پر ہدایت پر مامور رہے اور طرح طرح کی تکالیف اُٹھاتے رہے اور دوسری طرف یروشلم کے حکمرانوں کو بھی توحید کی دعوت دیتے رہے جسکی وجہ سے ان کے مصائب میں دو چند اضافہ ہوتا رہا۔ ممکن ہے ان کے اسی صبر و ضبط کی وجہ سے انھیں ذُوالکفل کا لقب دیا گیا ہو۔ (ضبط و تحمل کا حصہ پانے والا۔) امام مجاہدؒ کی روایت حسب ذیل ہے:۔

"جب اسرائیلی نبی حضرت الیسع علیہ السلام بہت بوڑھے ہو گئے تو انھیں یہ بار بار خیال آیا کہ کاش میری زندگی ہی میں کوئی شخص ایسا

قابل ہو جاتا جو میرے بعد میری دعوت و تبلیغ کو صحیح طریقہ سے انجام دے سکے اور دین کا کام جاری رہ سکے۔

ایک دن اُنھوں نے بنی اسرائیل کا ایک بڑا اجتماع کیا اور اُن کے سامنے یہ بات رکھی اور اس کے بعد اعلان کیا کہ میں تم میں سے ایک شخص کو اپنا خلیفہ نامزد کرنا چاہتا ہوں بشرطیکہ وہ مجھ سے تین باتوں کا عہد کرے۔

(۱) دن بھر روزہ رکھے (۲) شب کو یادِ الٰہی میں مشغول رہے۔

(۳) کبھی غصّے میں نہ آئے۔

یہ سنکر ایک شخص کھڑا ہوا جو عام نگاہوں میں گمنام قسم کا تھا کہنے لگا میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ حضرت اَلیَسع علیہ السّلام نے اپنی تینوں شرطیں دوبارہ بیان کیں اور دریافت کیا کہ کیا ان کی پابندی کروگے؟ اُس شخص نے جواب دیا ہاں! لیکن حضرت الیسع علیہ السّلام نے اسکو قبول نہ کیا۔

دوسرے دن پھر اجتماع کیا اور کل کی بات دُہرائی، سب خاموش رہے لیکن وہی شخص آگے بڑھا اور خود کو اس خدمت کے لئے پیش کیا اور تینوں شرطیں پوری کرنے کا عہد کیا۔ تب حضرت الیسع علیہ السّلام نے اُسکو اپنا خلیفہ نامزد کیا۔ شیطان مردود یہ ساری کاروائی دیکھ رہا تھا اسکو برداشت نہ ہوسکا اُس نے اپنی ذُرّیت کو جمع کیا اور کہا کہ ایسی صورتیں اختیار کرو جن سے یہ شخص بہک جائے اور اپنی شرطوں پر قائم نہ رہ سکے۔ شیاطین نے بہت کوششیں کیں لیکن سب ناکام رہے وہ شخص دن بھر روزہ رکھتا، شب بھر عبادت کرتا اور کبھی کسی پر غصّہ نہ کرتا تھا۔

آخر ابلیس لعین نے کہا کہ میں ہی اس کام کو انجام دوں گا تم مجھ پر چھوڑ دو۔

اَلیَسع علیہ السّلام کے اس خلیفہ کا یہ دستور تھا کہ وہ دن رات میں صرف دوپہر کو تھوڑی دیر سو جاتے تھے تاکہ تھکان دُور ہو جائے۔

چنانچہ ایک دن ابلیس ملعون پراگندہ حال بوڑھے کی شکل میں اُسی وقت اُن کے دروازے پر پہنچا اور کھٹکھٹایا۔ خلیفہ آرام چھوڑ کر باہر آیا پوچھا کہ کون ہو؟ ابلیس نے جواب دیا میں ایک مظلوم اور ناتواں بوڑھا ہوں میرے اور میری قوم کے درمیان ایک دیرینہ خصومت ہے اُن لوگوں نے مجھ پر ظلم کر رکھا ہے اور مجھے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے پریشان کرتے ہیں اور پھر طویل داستان شروع کر دی یہاں تک کہ دوپہر کے سونے کا وقت ختم ہوگیا۔ خلیفہ نے کہا اب تم جاؤ شام کو جو مجلس ہوگی تب آنا میں تمہاری دادرسی کر دوں گا۔ بوڑھا چلا گیا شام کو جب مجلس منعقد ہوئی تو خلیفہ نے دیکھا کہ وہ بوڑھا مظلوم موجود نہیں ہے یہاں تک کہ مجلس برخاست ہوگئی مگر وہ نہیں آیا۔

صبح کی مجلس میں انتظار کیا اس وقت بھی غیر موجود تھا خلیفہ نے خیال کیا شاید کوئی عذر پیش آگیا ہو۔ جب دوپہر کا وقت ہوا تو معمول کے مطابق لیٹے ہی تھے کہ دروازے پر کسی نے دستک دی، اُٹھ کر دیکھا تو وہی بوڑھا تھا پوچھا کہ کیا بات ہوئی جو تم عدالت کے وقت نہیں آئے؟ کہنے لگا اے ہمارے عزیز خلیفہ میرے مخالف بڑے خبیث قسم کے لوگ ہیں جب آپ کو مجلس میں دیکھتے ہیں تو آہستہ سے مجھ سے اقرار کر لیتے ہیں کہ مرافعہ نکرو ہم تمہارا حق دیدیں گے، لیکن جب آپ مجلس برخاست کر دیتے ہیں تو پھر انکار کر دیتے ہیں اور پھر ان کی شرارتیں سنانے لگا یہاں تک کہ آرام کا وقت ختم ہوگیا۔ خلیفہ نے کہا آج شام کو ضرور آجانا میں تیری موجودگی میں فیصلہ کر دوں گا اور اس جھگڑے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دوں گا۔ بوڑھا معذرت کرتا ہوا دُعائیں دیتا ہوا رخصت ہوا لیکن خلیفہ کو نیند نے بہت تھکا دیا تھا مسلسل دو دن آرام نہ کرنے پر مزاج میں تغیر پیدا ہونے لگا مگر شام کی مجلس حسب وعدہ منعقد کی اور دادرسی کے لئے بیٹھ گئے چاروں طرف نگاہ ڈالی بوڑھے کو نہ پایا، خیال کیا شاید پھر کوئی عذر پیدا ہو گیا ہو۔

تیسرا دن ہوا تو صبح کی مجلس اپنے وقت پر قائم کی سب لوگ آئے جنکے مقدمات تھے لیکن وہ بوڑھا آج بھی نہ آیا، خلیفہ نے سمجھا کہ ممکن ہے قوم کے ساتھ مصالحت ہوگئی ہو۔ عدالت سے فارغ ہوکر دوپہر کو آرام کے لئے گھر آئے اور اہلِ خانہ کو حکم دیا کہ آج دروازے پر کوئی شخص بھی آئے دروازہ نہ کھولا جائے۔ نیند نے مجھے بےبس اور عاجز کر دیا ہے۔ خلیفہ ابھی لیٹا ہی تھا کہ بوڑھے نے دروازے پر دستک دینی شروع کی، اندر سے جواب ملا کہ آج خلیفہ کا حکم ہے کہ کسی کے لئے بھی دروازہ نہ کھولا جائے۔

بوڑھے نے کہا کہ میں دُور دراز سے اپنے ایک اہم معاملہ میں حاضر ہورہا ہوں اور خلیفہ نے مجھے اس وقت بلایا ہے اس لئے دروازہ کھول دیا جائے مگر دروازہ نہ کُھلا۔ کچھ دیر بعد گھر والوں نے دیکھا کہ باہر کا دروازہ بند ہونے کے باوجود وہ شخص اندر موجود ہے اور خلیفہ کے کمرہ کے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ خلیفہ نے اس غیر معمولی صورت پر دروازہ کھُولا اور گھر والوں سے کہا کیا میں نے تم کو منع نہ کیا تھا کہ آج دروازہ نہ کھولنا۔ پھر یہ شخص کیسے داخل ہو؟ پھر معاً دروازہ پر نظر ڈالی تو اسکو بند پایا اور بوڑھے کو اپنے قریب دیکھا۔ خلیفہ کو یقین ہوگیا کہ یہ ابلیس ہے ڈانٹ کر پوچھا اللہ کے دشمن کیا تو ابلیس ہے؟ کہا ہاں! میں ابلیس ہی ہوں۔ اے خلیفہ تو نے مجھے ہر طرح تھکا دیا اور میری ذریت بھی تجھ پر کسی طرح قابو نہ پاسکی تب میں نے یہ آخری صورت اختیار کی تاکہ کم ازکم تجھ کو غضبناک ہی کردوں مگر افسوس کہ میں خود ہی ناکام رہا اور تو اپنے عہد میں پورا ثابت ہوا“

چنانچہ اس واقعہ کی بنار پر اللہ تعالیٰ نے انھیں ذُوالکفل کے نام سے مشہور کردیا۔ یعنی حضرت الیسع علیہ السلام سے جو انھوں نے عہد کیا تھا اُسکو پورا کرنیوالا۔

تنقید | امام مجاہدؒ کی یہ روایت چونکہ سند کے اعتبار سے محلِ نظر ہے اس لئے

اسکی حیثیت ایک قصہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ نہ اسکو قرآن حکیم کی تفسیر قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی حضرت ذوالکفل علیہ السلام کی ذاتی سیرت کے لئے دلیل وحجت کہا جا سکتا ہے۔ نیز اسی روایت میں یہ بھی صراحت ہے کہ ذوالکفل نبی نہیں مرد صالح تھے۔ چونکہ قرآن حکیم نے انھیں انبیاء کی فہرست میں شمار کیا ہے اس لئے یہ بات تو قطعی ہے کہ وہ یقیناً نبی تھے۔ رہی ان کی ذاتی سیرت اور واقعاتِ زندگی قرآن حکیم ان تفاصیل سے ساکت ہے۔ اس لئے اس روایت کو صرف ایک تاریخی روایت سے زائد حیثیت حاصل نہ ہوگی۔

شاہ عبد القادر محدثؒ نے لکھا ہے کہ ذوالکفل حضرت ایوب علیہ السلام کے صاحبزادے تھے اور انھوں نے حسبۃً للہ کسی شخص کی ضمانت قبول کرلی تھی جس کی پاداش میں ان کو کئی سال قید کی تکالیف برداشت کرنی پڑیں۔ واللہ اعلم۔

نتائج وعبر

سیدنا ذُوالکفل علیہ السلام یا گوتم بُدھ

بعض حضرات کا یہ خیال کہ ذُوالکفل حضرت حزقیل علیہ السلام کا لقب ہے اور ایک دوسرے معاصر کی عجیب رائے یہ ہے کہ ذوالکفل "گوتم بدھ" کا لقب ہے۔ اور یہ تحقیق صرف اس لئے کہ گوتم کے دار السلطنت کا نام کپل تھا جس کو عربی میں کفل کر دیا گیا اور عربی زبان میں ذُو کا لفظ مالک یا صاحب کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ صاحبِ مال کے لئے ذو مالٍ اور شہر کے مالک کے لئے ذُو بَلَدٍ بکثرت استعمال ہے اس لئے یہاں بھی کپل کے مالک اور بادشاہ کو ذوالکفل کہا گیا۔ پھر یہ حاشیہ بھی زیب قرطاس کیا گیا کہ گوتم بدھ کی اصل تعلیم توحید اور اسلام ہی تھی۔ موجودہ شکل وصورت دیگر ادیان کی طرح مسخ اور محرّف ہوگئی ہے۔

مگر یہ اقوال تخمین وظن سے زیادہ وزن نہیں رکھتے۔ تاریخی حیثیت سے بھی کوئی

وقعت نہیں رکھتے۔ یہ صحیح ہے کہ اگر تاریخ سے یہ ثابت ہو جائے کہ قرآن حکیم نے جن انبیاء کرام کے صرف نام ہی ذکر کئے ہیں اُن سے مراد فلاں برگزیدہ ہستی ہے تو صرف اس لئے انکار کر دیا جائے کہ اس سے قبل ایسی بات چونکہ کسی نے نہیں کہی اس لئے قابل رد ہے۔

بلاشبہ حقائق کی جستجو کا باب بند نہیں ہر دن نئی تحقیقات سامنے آتی ہیں جنکے ذریعہ قرآن وحدیث کے بیان کردہ واقعات کی تصدیق بھی ہو رہی ہے جس کا بعض لوگ اس لئے انکار کرتے ہیں کہ قرآن حکیم کے بعض واقعات کا تاریخ اور فلسفہ تاریخ ساتھ نہیں دیتے۔ الغرض اگر قرآن حکیم کے بیان کردہ کسی ہستی کے بارے میں مزید انکشافات سامنے آجائیں تو ہمارے لئے باعثِ انکار نہیں، لیکن اس اقرار حقیقت کے باوجود اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی واقعہ کے متعلق محض قیاس ورائے اور ظن وتخمین سے کوئی دعوے کردے تو ضرور اُسکو مان ہی لیا جائے، چنانچہ حضرت ذوالکفل علیہ السلام کو گوتم بدھ قرار دینا ابھی تک اس سے زیادہ اور کوئی حیثیت نہیں رکھتا کہ وہ صرف اور صرف تخمین ہی ہے۔

اللہ کے فرستادہ نبیوں پر ایمان لانے کے لئے قرآن حکیم کی تین دفعات نہایت اہمیت رکھتی ہیں۔

وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ۔ (فاطر آیت ۲۴)

اور کوئی قوم ایسی نہیں جس میں اللہ کی جانب سے ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ۔ (المؤمن آیت ۷۸)

بعض نبیوں کا ہم نے تم کو (نام لیکر) ذکر سنایا اور بعض کے واقعات تم کو نہیں سنائے۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (بقرہ آیت ۲۸۵)

ہم اللہ کے نبیوں میں سے کسی نبی کے درمیان تفریق نہیں کرتے یعنی سب نبیوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

ان ہدایات کے بعد ایک صاف اور مستقیم عقیدہ ہمارے سامنے آجاتا ہے کہ کسی ملک

یا کسی خطہ کے انبیاء و رسل کے واقعات اگر ہمارے سامنے نہ آئے ہوں تو اسکے وجوہ اور اسباب دوسرے ہیں لیکن جہاں تک اُن پر ایمان لانے کا تعلق ہے وہ اجمالی طور پر کافی ہے۔ البتہ انکی تفصیلات پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ ممکن ہے ہندوستان میں بھی اللہ تعالےٰ کے سچے نبی اور رسول مبعوث ہوئے ہوں جیسا کہ تاریخ کی روایات کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام اسی ہندوستان کے کسی گوشے میں اُتارے گئے، لیکن جب تک قرآن و حدیث کی صراحت یا پھر تاریخ کے دلائل و شواہد سے یہ ثابت نہ ہوجائے کہ ذُوالکفل علیہ السلام گوتم بدھ ہی کا لقب ہے۔ محض ظن و تخمین ہے اسکو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ جس طرح کسی نبی کو نبی نہ ماننا کفر ہے اسی طرح غیر نبی کو نبی تسلیم کرنا بھی کفر ہے۔ (وَالنَّاسُ عَنْهَا غَافِلُوْنَ)

حَدِیْثُ الْکِفْل

امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں حضرت ابن عمرؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ :-

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص کِفل نامی تھا انتہا درجے کا بدکار ایک مرتبہ اُسکے پاس ایک حسین و جمیل عورت آئی کِفل نے اُسکو ساٹھ دینار دے کر بدکاری کیلئے راضی کرلیا لیکن جب اُس عورت سے مباشرت کا ارادہ کرلیا تو وہ کانپنے لگی اور زار و قطار رونے لگی۔ کِفل نے تعجب سے دریافت کیا کیوں روتی ہو؟ کیا میں نے جبر کیا ہے؟ عورت نے جواب دیا یہ بات نہیں۔ البتہ میں نے ساری عمر یہ کام نہیں کیا ہے۔ پوچھا کہ تو پھر کیوں آمادہ ہوئی؟ عورت نے جواب دیا معصوم بچوں کی بھوک پیاس نے یہاں تک کھینچ لایا ہے۔ کِفل نے یہ جو سنا تو فوراً اس سے الگ ہوگیا اور کہنے لگا کہ ایک عورت مجبور ہو کر اس حالت کو پہنچ گئی اور پھر بھی اللہ کے خوف سے کانپ رہی ہے اور میں سب کچھ ہوتے ہوئے اتنا بے خوف ہوں۔ یہ کہہ کر عورت کو رخصت کیا کہ اپنے گھر جا اور یہ دینار اپنے کام میں لا، پھر توبہ کیا کہ زندگی بھر کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ ساری رات بیقراری

میں گزار دی۔ اور اسی بیقراری میں اُسی رات انتقال ہوگیا۔ صبح کو لوگوں نے دیکھا کہ نورانی حروف میں اُسکے دروازے پر یہ عبارت کندہ تھی۔

اِنَّ اللّٰہَ قَدْ غَفَرَ لِلْکِفْلَ۔

اللہ نے کِفل کو بخش دیا۔

ابن کثیر نے یہ روایت مسند احمد سے نقل کی ہے اسکے راوی حضرت ابن عمرؓ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دو مرتبہ نہیں سات مرتبہ سنا ہے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ روایت سند کے لحاظ سے غریب ہے (اور صحاح ستہ میں بھی موجود نہیں) تاہم حدیث غریب ہونے کی وجہ سے واقعہ کی نفی نہیں ہوتی زیادہ سے زیادہ اس کی تائید کسی دوسرے ثقہ راوی سے ثابت نہ ہوگی اور اسکی چنداں ضرورت بھی نہیں خاص طور پر جب حدیث کا تعلق احکام شریعت سے نہ ہو۔ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف تک نقل کی جاتی ہے۔

بہر حال یہاں اس واقعہ کو نقل کرنے کا یہ مقصد تھا کہ بعض حضرات نے اس کِفل نامی شخص سے مراد حضرت ذوالکفل علیہ السلام سمجھا ہے اور یہ واقعہ ان کے ابتدائی زندگی کا بیان کیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اِن حضرات کو نام کی مشابہت سے اشتباہ ہوگیا اور دونوں کو ایک شخص سمجھ لیا گیا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ کِفل اور ذوالکفل ایک نام نہیں ہیں دو مستقل نام ہیں اس لئے وہ واقعہ ذوالکفل علیہ السلام کا نہیں۔

دوسری وجہ یہ کہ قرآن حکیم نے حضرت ذُوالکفل علیہ السلام کو انبیار کی فہرست میں بیان کیا ہے جیسا کہ سورہ انبیار اور سورۂ صٓ میں واضح طور پر موجود ہے۔ اور یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ انبیار کرام نبوت سے پہلے بھی ہر قسم کی معصیت اور فسق سے ایسے ہی پاک وصاف رہتے ہیں جیسا کہ نبوت کے بعد معصوم رہا کرتے ہیں۔ اِن کا

ماضی اور حال اور مستقبل یکساں حالت کا حامل ہوتا ہے۔

مسند احمد کی مذکورہ روایت میں یہ تصریح بھی ملتی ہے کہ کِفل ایک بد کردار آدمی تھا جو کسی گناہ سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔

ظاہر ہے یہ انبیاء کرام کی سیرت سے بالکل مختلف زندگی ہے۔

اس لحاظ سے مذکورہ واقعہ حضرت ذوالکفل علیہ السلام سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ یقیناً کِفل کوئی دوسرا شخص ہی ہے جس نے گناہ کا ارادہ کیا تھا جس کا قصہ مسند احمد میں نقل کیا گیا ہے۔

(اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ)

تذکرہ
سیدنا عزیر علیہ السلام

قرآن حکیم اور سیدنا عزیر علیہ السلام

قرآن حکیم میں حضرت عزیر علیہ السلام کا صرف اسم گرامی ملتا ہے اور وہ بھی اس ضمن میں کہ یہودیوں نے اُن کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دے لیا ہے جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا ہے۔

اس ایک جگہ کے علاوہ قرآن حکیم میں کسی اور مقام پر بھی اُن کا نام لیکر اُن کے حالات و واقعات کا کوئی تذکرہ نہیں ہے:-

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ الخ (توبہ آیت ۳۰)

"اور یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ اِن کی باتیں ہیں محض اِن کی زبانوں سے نکالی ہوئی۔ اِن لوگوں نے بھی اُن ہی کی سی بات کہی جو اس سے پہلے کفر کی راہ اختیار کر چکے ہیں۔ اِن پر اللہ کی لعنت یہ کدھر بھٹکے جا رہے ہیں"۔

سلسلۂ نسب

مؤرخ اسلام ابن عساکر نے حضرت عزیر علیہ السلام کے والد کا نام جروہ لکھا ہے۔ اور صحیفہ عزرا میں ان کا نام خلقیاہ بتایا گیا ہے۔ سلسلۂ نسب کے بعض ناموں میں مؤرخین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

تاریخی تعارف

ساتویں صدی قبل مسیح کے وسط شہر بابل میں بخت نصر کا ظہور ہوا اُس نے

اپنی قاہرانہ اور جابرانہ طاقت سے قرب وجوار کی تمام حکومتوں کو مسخر اور زیر کر لیا اور پھر فلسطین پر مسلسل حملہ کر کے یروشلم اور فلسطین کے تمام علاقے کو تباہ و تاراج کر دیا اور بنی اسرائیل کو قید کر کے بڑی ذلت کے ساتھ بابل لے گیا، تورات کے تمام نسخوں کو جلا دیا۔ اس طرح کہ ایک نسخہ بھی یہودیوں کے ہاتھ میں باقی نہ رہا۔

اسرائیلی روایات کے مطابق بنی اسرائیل کا یہ دورِ ابتلار حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد کے بعد کا ہے۔ بابل کی اسیری تقریباً ستر سال قائم رہی۔ اس طویل عرصہ میں بنی اسرائیل نے اپنی شریعت، روایات، تہذیب و تمدن حتیٰ کہ اپنی قومی زبان عبرانی تک سے ناآشنا ہوگئے تھے۔ اس زمانے میں حضرت عزیر صغیرسن تھے اور اسرائیلیوں کے ساتھ بابل ہی میں رہتے تھے۔ چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو فقیہ (مذہبی عہدہ) تسلیم کر لئے گئے اور اسکے بعد اُن کو منصبِ نبوت عطا ہوا۔ بنی اسرائیل کی اسیریٔ بابل سے لے کر رہائی اور تعمیر بیت المقدس کی درمیانی مدت تک وہ بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت میں مشغول رہے ہیں۔

گزشتہ سطور میں یہ ذکر آچکا ہے کہ جب بخت نصر نے بیت المقدس کو تباہ و برباد کر دیا اور بنی اسرائیل کے مرد، عورتوں اور بچوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہنکا کر لے چلا تو توراۃ کے تمام نسخوں کو بھی جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ بنی اسرائیل کے پاس نہ توراۃ کا کوئی نسخہ باقی بچا تھا اور نہ کوئی توراۃ کا حافظ تھا جسکو اوّل سے آخر تک توراۃ حفظ ہو۔ چنانچہ اسیری کے پورے دور میں وہ توراۃ سے محروم ہو چکے تھے۔ لیکن جب عرصۂ دراز کے بعد اِن کو بابل کی اسیری سے نجات ملی اور وہ بیت المقدس میں دوبارہ آباد ہوئے تو اب انھیں فکر ہوئی کہ اللہ تعالےٰ کی کتاب توراۃ کو کسی طرح حاصل کریں تب حضرت عزیر علیہ السلام نے سب اسرائیلیوں کو جمع کیا اور اُن کے سامنے توراۃ کو اوّل سے آخر تک پڑھا اور تحریر کروا دیا۔ بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ جس وقت اُنھوں نے بنی اسرائیل کو جمع کیا تو سب کی موجودگی میں آسمان سے دو چمکتے ہوئے شہاب اُترے اور حضرت عزیر علیہ السلام کے سینے میں سما گئے تب حضرت عزیر علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو از سر نو توراۃ مرتب کر کے عطا کی۔ قوم میں اس خدمت سے حضرت عزیر علیہ السلام کی قدر و منزلت سوگنا بڑھ گئی اور پھر آہستہ آہستہ یہی محبت نے گمراہی کی شکل اختیار کر لی آخر انجام قوم نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اُسی طرح اللہ تعالےٰ کا بیٹا کہنا شروع کیا جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہا ہے اور بنی اسرائیل کی ایک جماعت نے اپنے اس عقیدے کے لئے یہ دلیل قائم کرلی کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب ہم کو توراۃ لاکر دی تھی تو الواح (تختیوں) پر لکھی ہوئی تھی مگر عُزیر علیہ السلام نے تو کسی لوح یا قرطاس پر مکتوب لاکر دینے کے بجائے حرف بحرف اپنے سینے کی لوح سے اسکو ہمارے سامنے نقل کر دیا۔ اور عُزیر علیہ السلام میں یہ قوت جب ہی ممکن ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہوں۔ العیاذ باللہ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعات کے ضمن میں ایک صحیح روایت اس طرح نقل کی گئی ہے کہ کسی نبی کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا تھا انھوں نے غصہ میں چیونٹی کے سوراخ میں آگ ڈال کر تمام چیونٹیوں کو جلوادیا۔ اس عمل پر اللہ تعالےٰ نے اُن پر وحی بھیجی کہ ایک چیونٹی کی خطا پر تمام چیونٹوں کو جلا دینا کس طرح جائز تھا؟ اس واقعہ کے متعلق ابن کثیر نے اسحٰق بن بشیر کی سند سے یہ نقل کیا ہے کہ امام مجاہد، ابن عباس رضؓ اور حسن بصریؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ نبی حضرت عزیر علیہ السلام تھے۔ واللہ اعلم

(البدایہ والنہایہ، تاریخ طبری)

سیّدنا عُزیر علیہ السلام اور آغوشِ موت

سورہ بقرہ میں ایک برگزیدہ ہستی کا یہ واقعہ درج ہے کہ وہ اپنے خچر پر سوار ایک ایسی بستی سے گزر رہے تھے جو بالکل تباہ و برباد اور کھنڈر ہوچکی تھی وہاں نہ کوئی مکین تھا نہ مکان، مٹے ہوئے چند نقوش باقی تھے۔ ان بزرگ نے جب یہ منظر دیکھا تو ان کے دل میں خواہش ہوئی کہ کاش اللہ تعالےٰ مجھے یہ دکھادیتے کہ یہ مردہ بستی کس طرح دوبارہ زندگی اختیار کریگی اور یہ تباہ حال ویرانہ پھر کیسے آباد ہوگا؟

اس پر اللہ تعالےٰ نے اُسی جگہ اُن کی روح قبض کرلی اور سَو برس تک اُسی حال میں رکھا۔ یہ مدت گزر جانے کے بعد اِن کو دوبارہ زندگی بخشی اور پوچھا بتاؤ کتنے عرصہ اس حالت میں رہے ہو؟

(وہ جس وقت موت کی آغوش میں سوئے تھے تو دن چڑھے

کا وقت تھا اور جب دوبارہ زندگی پائی تو آفتاب غروب ہو رہا تھا) جواب دیا ایک دن یا اس سے بھی کم۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ تم سو برس تک اسی حالت میں رہے ہو اب تم ذرا اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو (جو توشہ ان کے ساتھ تھا) اسمیں ذرّہ برابر بھی تغیر نہیں آیا ہے اور دوسری جانب اپنی سواری کے خچر کو دیکھو کہ اس کا جسم گل سڑ کر صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے اور پھر ہماری قدرت کا اندازہ کرو کہ جس چیز کو ہم نے چاہا کہ محفوظ رہے تو سو برس کے اس طویل عرصہ میں کسی قسم کے تغیر کے بغیر صحیح و سالم رہی اور جس چیز کے تعلق کا ارادہ کیا کہ اُس کا جسم گل سڑ جائے تو وہ گل سڑ گیا۔ پھر اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن بزرگ سے فرمایا اسی طرح ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندگی عطا کرتے ہیں اور یہ سب کچھ اس لئے کیا تاکہ ہم تم کو اور تمہارے واقعہ کو لوگوں کے لئے "نشان" بنا دیں اور تاکہ تم یقین کے ساتھ مشاہدہ کرلو کہ اللہ تعالیٰ اس طرح مُردوں کو زندگی بخشے گا اور تباہ شدہ شئ کو دوبارہ آباد کرے گا۔ اِن بزرگ نے قدرتِ الٰہی کے یہ "نشانات" دیکھنے کے بعد شہر کی جانب نظر کی تو اسکو پہلے سے زیادہ آباد اور بارونق پایا۔ پھر وہ پکار اُٹھے کہ بلاشبہ تیری قدرت کاملہ کے لئے یہ سب کچھ آسان ہے۔ اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

واقعہ زیر بحث قرآن حکیم میں اس طرح موجود ہے۔

قرآنی مضمون

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ؕ الخ (بقرہ آیت ۲۵۹)

اور کیا تم نے اُس شخص کا حال نہ دیکھا جس کا ایک ایسی بستی پر گزر ہوا جو اپنی چھتوں سمیت زمین پر ڈھیر تھی۔ تو وہ کہنے لگا (معلوم نہیں) اللہ تعالیٰ اس بستی کو (یعنی اسکے مردوں کو) اُس کے مرے پیچھے کس کیفیت سے (قیامت میں) زندہ کریگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُس شخص (کی جان قبض

کر کے اُس اکو سو برس تک مردہ رکھا پھر (سو برس کے بعد) اسکو زندہ اٹھایا اور پوچھا کہ تو کتنی مدت تک اس حالت میں رہا؟ اُس شخص نے جواب دیا ایک دن یا دن کا بعض حصہ۔ اللہ نے فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ تم سو برس تک اس حالت میں رہے۔ پس تم اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ وہ بگڑی تک نہیں ہیں اور پھر اپنی سواری کے خچر کو دیکھو کہ وہ گل سڑ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا تاکہ ہم آپ کو لوگوں کے لئے ایک دلیل و نشانی بنائیں (کہ مرنے کے بعد دوبارہ کس طرح زندہ کیا جاتا ہے) اور اب تم دیکھو کہ کس طرح ہم خچر کی ہڈیوں کو ایک دوسرے پر چڑھاتے ہیں اور آپس میں جوڑتے ہیں اور پھر اُن پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ پس جب اُن صاحب کو ہماری قدرت کا مشاہدہ ہو گیا تو اُنھوں نے کہا میں یقین کرتا ہوں بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔"

تحقیقِ واقعہ

مذکورہ واقعہ میں قرآن حکیم نے اُن بزرگ کا نام ظاہر نہیں کیا جن کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا اور نہ یہ بتایا کہ وہ کون سی بستی تھی جس پر اُن کا گزر ہوا۔

علاوہ ازیں یہ ایک غیر ضروری بحث بھی ہے کہ وہ شخص کون تھا اور وہ بستی کہاں تھی؟

گزشتہ اوراق میں یہ حقیقت بار بار دہرائی گئی ہے کہ نقلِ واقعات میں قرآن حکیم کا اسلوب کتب تاریخ و جغرافیہ کی نوعیت کا نہیں ہے کہ واقعہ براہِ واقعہ بیان کیا جائے۔ قرآن حکیم نقلِ حکایات میں اپنا بنیادی مقصد وعظ و نصیحت، تذکیر و عبرت کا عنوان پیشِ نظر رکھتا ہے تاکہ غافل انسانوں کے لئے رُشد و ہدایت کا سامان فراہم ہو۔

الغرض جس مقصد کے تحت یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ نہایت واضح ہے۔ البتہ اسکی وضاحت کے لئے اس واقعہ سے اوپر والی آیات کا مطالعہ ضروری ہے۔

اس ویران بستی کے واقعہ سے پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ مومن و مسلم کا

حامی و مددگار اللہ تعالیٰ ہوتا ہے وہ اُسکو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے اور کافر و نافرمان کے مددگار شیاطین و طاغوت ہوتے ہیں اور وہ اُن کو روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔

اب اس حقیقت کے اظہار کے بعد بطور دلیل و مثال تین واقعات بیان کئے گئے ہیں جن میں دو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے متعلق ہیں اور درمیان میں ایک واقعہ اسی ویران بستی کا ہے جسپر اُن بزرگ کا گزر ہوا تھا۔

پہلی مثال ظالم بادشاہ نمرود کے مناظرے کی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا تھا اور جس کے سامنے حقیقت پیش کی گئی اور وہ اسکے سامنے لاجواب بھی ہوگیا لیکن چونکہ اُس نے طاغوت (شیطان) کے ہاتھ میں اپنی نکیل دے دی تھی اس لئے حق واضح ہونے کے بعد بھی وہ روشنی میں نہ آسکا۔ (بقرہ آیت ۲۵۸)

بعد کی دو مثالیں (جن میں ایک اسی ویران بستی کا واقعہ شامل ہے) ایسے دو بزرگوں کا واقعہ ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کا سہارا پکڑا تھا اور اُسی کو اپنا دوست بنایا تھا سو اللہ تعالیٰ نے انھیں اسی دنیا کی تاریکیوں سے اس طرح روشنی میں نکال لایا کہ پردۂ غیب میں چھپی ہوئی حقیقتوں تک کا اُنھیں عینی مشاہدہ ہوگیا اور اللہ تعالیٰ کی وہ بات پوری ہوگئی کہ اللہ ایمان والوں کا دوست ہے جنہیں وہ تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔ (بقرہ آیت ۲۵۷)

اس وضاحت کے بعد ویران بستی پر گزرنے والے بزرگ کا واقعہ بھی اسی مقصد کے تحت بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے بھی اللہ تعالیٰ کا سہارا پکڑا تھا اور اُسی سے اپنی زندگی وابستہ کر رکھی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی خواہش پر عالم غیب کا پردہ اُٹھا دیا اور دنیا کی ظلمت و تاریکی میں عالم آخرت کی روشنی اُن پر ظاہر کر دی اور حیات بعد الموت کا عینی مشاہدہ کروا دیا۔

بہرحال قرآن حکیم کے بیان کردہ عنوان کے تحت یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جن بزرگ کا یہ واقعہ ہے وہ کوئی نبی تھے۔ کیونکہ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کا کلام ۱۰۰ر

سوال اور اُن بزرگ کا جواب نقل کیا گیا ہے اور یہ طرزِ تخاطب عموماً نبیوں کے ساتھ ہی ہوا کرتا ہے لہٰذا یہ بزرگ یقیناً اپنے زمانے کے کوئی نبی اللہ ضرور تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہاں ایک خفیف سا شبہ بھی دُور کر دینا ضروری ہے وہ یہ کہ
اِن بزرگ نے ویران وتباہ حال بستی کے مُردہ انسانوں کی دوبارہ زندگی
پر تعجب کا اظہار کیا تھا کہ اللہ تعالےٰ اس خستہ وپستہ آبادی کو دوبارہ
کس طرح زندگی بخشے گا؟ (بقرہ آیت ۲۵۹)

اِن بزرگ کے اس سوال کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ حیات بعد الموت کے مُنکر تھے یا انھیں اس میں شک تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی کوئی بھی بات نہ تھی دراصل وہ حیات بعد الموت کا عینی مشاہدہ چاہتے تھے جیسا کہ انبیاء کرام کو کرایا جاتا رہا ہے اور اس قسم کا سوال انبیاء کرام کے لئے مناسب ہوا کرتا ہے تاکہ وہ غیبی حقیقتوں کو پورے اعتماد وبصیرت کے ساتھ انسانوں کے سامنے بیان کر سکیں۔

ان بزرگ کے نام کے سلسلے میں تفسیر روح المعانی کے مصنف نے مسند حاکم کی ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ یہ بزرگ حضرت عزیر علیہ السلام ہیں۔

اور ایک دوسری روایت کے مطابق اِن بزرگ کا نام حضرت ارمیاہ علیہ السلام بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اِنھیں حکم فرمایا تھا کہ تم یروشلم (فلسطین) جاؤ ہم اس کو دوبارہ آباد کریں گے۔ جب یہ وہاں پہنچے اور شہر کو تباہ وکھنڈر پایا تو بشری تقاضہ کے تحت اُن کی زبان مبارک پر یہ جملہ آیا کہ اللہ تعالیٰ اس مُردہ بستی کو دوبارہ کیسے زندگی عطا کرے گا؟

پھر اِن کے ساتھ وہ معاملہ پیش آیا جس کا ذکر آیات میں ہے اور جب وہ سَو سال بعد زندہ کئے گئے تو یروشلم (بیت المقدس) آباد ہو چکا تھا اور ایک نئی نسل آباد تھی۔ جب یہ منظر دیکھا تو بے اختیار بول پڑے کہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یقین رکھتا ہوں۔

یہ ایک طبعی واضطراری حالت ہے کہ نئی بات کو دیکھ کر اقرارِ قدرت کو تازہ کیا جاتا ہے جیسے سُبحان اللہ یا لاالٰہ الا اللہ یا اللہ اکبر، ایسے موقع پر ہمارے محاورات

میں بھی عادت ہے۔
حالانکہ اِن کے معنی و مطلب کا پہلے سے بھی عقیدہ رہتا ہے۔

ایک شُبہ کا جواب قرآن حکیم کے اس اعلان پر کہ عُزیر علیہ السلام کو یہودی اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں۔ آج کے بعض یہودی عالم یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ہم نے تو عُزیر کو اللہ کا بیٹا کبھی نہیں مانا ہے۔ اس لئے قرآن کا دعویٰ غلط ہے۔

علماء یہود کا یہ اعتراض بھی اپنے آباء و اجداد کی طرح تلبیس اور حق پوشی پر مبنی ہے ورنہ تو وہ جانتے ہیں اور اُن کے علاوہ ہر وہ شخص جانتا ہے جس نے ممالکِ اسلامیہ کی سیر و سیاحت کی اور اُس کو اقوام عالم کے مذاہب کی تحقیق سے دلچسپی رہی ہو آج بھی نواح فلسطین میں یہودیوں کا وہ فرقہ موجود ہے جو حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتا ہے اور رومن کیتھولک عیسائیوں کی طرح اُن کا مجسمہ بنا کر اُن کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونا چاہیئے تھا۔

وفات ابن کثیر نے وہب بن منبہؒ، کعب احبارؓ اور عبد اللہ بن سلامؓ سے عزیر علیہ السلام کے متعلق جو طویل روایت نقل کی ہے اسمیں یہ تصریح موجود ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے لئے توراۃ کی تجدید عراق میں کی تھی اور اُس کے نواح کے ایک قریہ سائر آباد میں اُن کی وفات ہوئی۔ اور ایک جگہ اور لکھتے ہیں کہ بعض آثار سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کی قبر دمشق (ملک شام) میں ہے۔ واللہ اعلم۔

نتائج و عِبَر

اَلْعَبْدُ عَبْدٌ اِنْ تَرَقّٰی انسان کتنا ہی بلند و بالا مقام پر پہنچ جائے اور اللہ کے ساتھ

اُس کو زیادہ سے زیادہ بھی قُرب حاصل ہو جائے تب بھی وہ "خدا کا بندہ" ہی رہتا ہے اور کسی بھی بلندی پر پہنچکر وہ خدا یا خدا کا بیٹا یا شریکِ خدا نہیں ہوسکتا۔ اللہ کی ذات پاک وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے اور باپ بیٹے کی نسبتوں سے پاک اور وراءُ الوراء ہے۔ لہٰذا انسان کی سب سے بڑی گمراہی ہے کہ وہ جب کسی برگزیدہ انسان سے ایسے امور صادر ہوتے دیکھتا ہے جو عام طور پر عقل کے نزدیک حیرت زدہ اور ناقابلِ فہم ہوں تو وہ رُعب یا عقیدت کی بنا پر پکار اُٹھتا ہے کہ یہ ہستی تو خدا کا اوتار (خدا بشکل انسان) یا اُس کا بیٹا یا شریکِ خدا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور وہ یہ نہیں سوچتا کہ بلاشبہ اِن واقعات کا جاری ہونا اللہ تعالیٰ کی طاقت کے ذریعہ ہے جو بطور "نشان" اس برگزیدہ انسان کے ہاتھوں جاری ہوا ہے۔ لیکن اسکے باوجود وہ انسان نہ خُدا ہے نہ خدا کا بیٹا بلکہ اُس کا ایک پسندیدہ بندہ ہوتا ہے اور یہ امور اللہ تعالیٰ کے خاص قوانین کے تحت محض اسکی تائید اور اسکی صداقت کے لئے ظاہر ہوتے ہیں ورنہ تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے آگے اسی طرح مجبور ہے جس طرح دوسری مخلوق۔

قرآن حکیم نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام (جو بغیر باپ پاک مریم کے بطن سے پیدا ہوئے) کی حقیقت اس طرح بیان کی ہے:۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ
ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنَ۔ الایہ (آل عمران آیت ۵۹)

اللہ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال آدم کی سی ہے کہ اللہ نے اُنھیں مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ ہو جا اور وہ ہو گئے۔

یعنی اگر محض اعجازی پیدائش ہی کسی کو خُدا یا خُدا کا بیٹا بنانے کی دلیل ہو تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ بدرجۂ اولیٰ رکھنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ حضرت مسیحؑ تو صرف بے باپ ہی کے پیدا ہوئے مگر حضرت آدم علیہ السلام ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے۔

یہ ایک قدیم گمراہی ہے کہ انسان کسی میں فوق الفطرۃ واقعات کو دیکھ کر اس میں خدائی اقتدار کا نظریہ قائم کرلیتا ہے اور اُس کو بشریت سے ماوراء خیال کرنے لگتا ہے۔

اہلِ تحقیق نے عبد و رب کے اس فلسفہ کو کس خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اَلْعَبْدُ عَبْدٌ اِنْ تَرَقّٰی
وَالرَّبُّ رَبٌّ اِنْ تَنَزَّلْ
بندہ بندہ ہی ہے اگرچہ بلند تر ہو جائے
اللہ اللہ ہی ہے اگرچہ وہ نزول کرے
تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔

تذکرہ
سَیّدنا زَکریّاَ علیہ السّلام

قرآن حکیم اور سیّد زکریَا علیہ السّلام

قرآن حکیم میں حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر خیر چار سورتوں میں آیا ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے :-

سورۂ آل عمران ــــــ آیات ۳۷ تا ۴۱
〃 انعام ــــــ 〃 ۸۵
〃 مریم ــــــ 〃 ۲ تا ۱۱
〃 انبیاء ــــــ 〃 ۸۹، ۹۰

سورۂ انعام کی آیت میں تو صرف فہرستِ انبیاء میں نام مذکور ہے اور باقی تین سورتوں میں مختصر تذکرہ موجود ہے۔

سلسلۂ نسب

قرآن حکیم میں جہاں جہاں بھی حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر آیا ہے اِن سے مراد وہ زکریا نہیں ہیں جن کا ذکر تورات کے صحیفۂ زکریا میں آیا ہے. اس لئے کہ تورات میں جن زکریا کا تذکرہ ہے ان کا وجود داریوس (دارا) کے زمانے میں رہا ہے. چنانچہ زکریا نبی کی کتاب میں ہے :-

"دارا کے دوسرے برس کے آٹھویں مہینے میں خداوند کا کلام زکریا بن برخیا بن عدد کو پہنچا"

اور دارا کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پانچ سو برس قبل ہے کیونکہ وہ کیقباد بن کیخسرو کے انتقال کے بعد ۵۲۱ء قبل مسیح میں تخت نشین ہوا اور قرآن حکیم

نے جن زکریا علیہ السلام کا ذکر کیا ہے وہ حضرت مریمؑ کے سرپرست اور مربی اور عیسےٰ علیہ السلام کے ہم زمانہ ہیں۔ لہذا تورات میں جن زکریا کا ذکر ہے وہ کوئی اور شخصیت ہیں۔ نام میں اشتراک کی وجہ سے بعض لوگوں کو اشتباہ ہو گیا۔ علاوہ ازیں حضرت زکریا علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والد بزرگوار بھی ہیں۔

مؤرخین حضرت زکریا علیہ السلام کے والد کے مختلف نام لکھتے ہیں ان میں سے کوئی ایک نام وثوق کے ساتھ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اور ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر اور تاریخ میں مؤرخ ابن عساکر کے حوالہ سے وہ تمام اقوال نقل کر دیئے ہیں لیکن یہ بات سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

حالاتِ زندگی

حضرت زکریا علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کے واقعات کچھ تو قرآن حکیم میں موجود ہیں اور کچھ سیر و تاریخ کی قابل اعتماد روایات سے ثابت ہیں تاہم تفصیلات کا کوئی قابل اعتماد ماخذ نہیں ہے۔

گزشتہ اوراق میں آ چکا ہے کہ بنی اسرائیل میں "کاہن[1]" ایک معزز مذہبی عہدہ تھا اور اسکے ذمہ یہ خدمت تھی کہ وہ ہیکل (صخرۂ بیت المقدس) کی مقدس رسومات ادا کرے اس کے لئے مختلف قبائل میں سے الگ الگ کاہن منتخب ہوا کرتے تھے اور اپنی اپنی باری پر اس خدمت کو انجام دیا کرتے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل میں معزز کاہن بھی تھے اور جلیل القدر پیغمبر بھی۔ چنانچہ قرآن حکیم نے فہرستِ انبیاء میں شمار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ.

(انعام آیت ۸۵)

زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس یہ سب نکوکاروں میں سے ہیں۔

اور لوقا کی انجیل میں اُن کو کاہن کہا گیا ہے۔

ضروری نوٹ[1]: اسلام کے دور اول میں عرب کے اندر جو کاہن (جوتشی) مستقبل کے حالات بتایا کرتے تھے اور جنکی باتوں پر یقین کرنا اسلام کیساتھ کفر کرنا بتایا گیا ہے وہ بنی اسرائیل کے اس منصب سے الگ شئے ہے۔

یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کے زمانے میں ابیاہ کے فریق
میں زکریا نام ایک کاہن تھا اور اس کی بیوی ہارون کی اولاد میں سے
تھی اور اس کا نام ایشع تھا اور وہ دونوں خدا کے حضور راستباز اور
خداوند کے سارے حکموں اور قانون پر بے عیب چلنے والے تھے۔"

مگر انجیل برنابا میں بصراحت مذکور ہے کہ وہ خدا کے برگزیدہ پیغمبر تھے چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام یہود کو مخاطب کر کے ارشاد فرما رہے ہیں :-

"وہ وقت قریب ہے جب تم پر اُن انبیاء (علیہم السلام) کا وبال
پڑنے والا ہے جن کو تم نے زکریا (علیہ السلام) کے زمانے تک قتل
کیا ہے اور جبکہ زکریا (علیہ السلام) کو ہیکل اور قربان گاہ کے درمیان
قتل کیا۔"

ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام ذریت داؤد سے تھے اور اُن کی زوجہ مطہرہ ایشاع حضرت ہارون علیہ السلام کی ذریت میں سے تھیں۔

انبیاء کرام کی عام سیرت یہی تھی کہ وہ خواہ صاحب حکومت ہی کیوں نہ ہوں اپنی روزی ہاتھ کی محنت سے پیدا کرتے اور قوم کے بار دوش نہیں ہوتے تھے۔ قرآن حکیم نے نبیوں کی دعوت و تبلیغ کا جہاں بھی تذکرہ کیا ہے خاص طور پر انبیاء کرام کا یہ قول دہرایا ہے کہ :-

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ۔ (الشعراء آیت ۱۰۹)

میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی اُجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو رب العالمین
کے پاس ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام بھی اپنی روزی کے لئے نجاری کا پیشہ کرتے تھے جیسا کہ کتب احادیث میں صراحت موجود ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ كَانَ زَكَرِيَّا نَجَّارًا۔ (مسلم کتاب الانبیاء)

حضرت ابو ہریرہ رض فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا زکریا (علیہ السلام) نجاری کا پیشہ کرتے تھے۔"

الغرض حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی نسل میں عمران بن ناشی اور ان کی بیوی حنّہ بنت فاقود ایک نیک نفس انسان تھے۔ پارسائی کی زندگی بسر کرتے تھے مگر لاولد تھے۔ حنّہ کی دُعا سے اِن کے گھر ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام انھوں نے مریم رکھا اور حنہ نے اپنی منت کے مطابق سیدہ مریمؑ کو ہیکل (بیت المقدس) کی خدمت کے لئے نذر کر دیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ سیدہ مریمؑ کی کفالت اور پرورش کون کرے؟ کاہنوں کے درمیان اس "مقبول نذر" کے بارے میں اختلاف ہوا اور بات قرعہ اور فال پر آکر ٹھہری تو قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا اور وہی سیدہ مریمؑ کے کفیل قرار پائے۔ یہ اس لئے کہ عمران کا انتقال سیدہ مریم کی پیدائش سے قبل ہو چکا تھا۔

علماء تاریخ کہتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام ویسے بھی سیدہ مریمؑ کی کفالت کے حقدار تھے کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی ایشاع اور سیدہ مریمؑ کی والدہ حنّہ دونوں حقیقی بہنیں تھیں۔ اس لحاظ سے حضرت زکریا علیہ السلام رشتے میں مریمؑ کے خالو ہوے (سیدہ مریم کا تفصیلی ذکر تذکرہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام میں آرہا ہے) جب سیدہ مریمؑ سمجھدار ہوگئیں تو حضرت زکریا علیہ السلام نے اُن کے لئے ہیکل کے قریب ایک حجرہ (خلوت خانہ) مخصوص کر دیا جہاں وہ دن رات عبادت الٰہی میں مشغول رہتی اور رات اپنی خالہ ایشاع کے ہاں گزارتی تھیں۔ جب کبھی حضرت زکریا علیہ السلام حجرۂ مریم میں آتے اُن کے پاس بے موسم پھل رکھے ہوئے دیکھتے۔ ایک مرتبہ تعجب سے پوچھا مریمؑ یہ تیرے پاس کہاں سے آتے ہیں؟ سیدہ مریمؑ نے جواب دیا یہ اللہ کی جانب سے ہیں اور اللہ جسکو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے (یعنی بے موسم پھل دیتا ہے)

امام مجاہدؒ، عکرمہ، سعید بن جبیر، ضحاک، قتادہ، ابراہیم نخعی (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا آیت کی تفسیر میں رزق سے غیر موسمی پھل مراد لیا ہے (یعنی مریم علیہا السلام کے حجرے میں بے موسم پھل دیکھتے تھے)

قرآن حکیم میں حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت کا ذکر اس طرح آیا ہے :-

قرآنی مضمون | ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ

إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ
إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۔ (آل عمران آیت ۴۴)

یہ واقعات غیب کی خبروں میں سے ہیں (اے نبی) ہم آپ کے اوپر اُن کی وحی کر رہے ہیں اور آپ تو ان لوگوں کے پاس تھے نہیں جب وہ اپنے اپنے قلم (قرعہ کے لئے) ڈال رہے تھے کہ اُن میں سے کون شخص مریم کی کفالت کرے اور نہ تم اُن کے پاس تھے جب وہ مریم کی کفالت کے معاملہ میں جھگڑ رہے تھے۔

وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ
عِنْدَهَا رِزْقًا الخ (آل عمران آیت ۳۷)

اور زکریا (علیہ السلام) نے مریم کی کفالت کا بوجھ اپنے ذمہ رکھا۔ جب بھی زکریاؑ مریمؑ کے پاس محراب (حجرے) میں داخل ہوتے تو اُس کے پاس کھانے پینے کا سامان رکھا دیکھتے۔ زکریا نے دریافت کیا، مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آتا ہے؟ مریم نے کہا یہ اللہ کے پاس سے ہے وہ بلاشبہ جس کو چاہتا ہے بے گمان رزق عطا کر دیتا ہے۔"

اولاد کے لئے دُعا

حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ اپنے بعد بنی اسرائیل کی رُشد و ہدایت کے لئے کوئی وارثِ نبوت ہونا چاہیئے انھیں اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ میرے گھر والے اس مقدس سلسلہ کو باقی نہ رکھ سکیں گے۔ مگر چونکہ اُن کی عمر بقول ابن کثیرؒ ستر سال اور بقول ثعلبی نوّے یا نوے سال ہو چکی تھی اور اُن کی بیوی بانجھ بھی تھیں اس لئے وہ اِن ظاہری اسباب کی وجہ سے شکستہ دل تھے کہ اب اولاد ہونے کی بظاہر کوئی صورت نہیں ہے۔

لیکن جب اُنھوں نے حضرت مریم کے پاس بے موسم پھل پائے اور اللہ کا یہ فضل و انعام آنکھوں سے دیکھا تو خیال آیا کہ جو ذات بے موسم پھل مریمؑ کو عطا کرتی ہے تو کیا وہ موجودہ ناموافق حالات میں ثمرِ حیات (بیٹا) نہ بخشے گی؟ چنانچہ اسی وقت انھوں

نے بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اُٹھایا:-

"پروردگار بڑھاپے میں میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں، سر میں بالوں کی سفیدی پھیل گئی ہے۔ الٰہی! میں تنہا ہوں، وارث کا محتاج ہوں، حقیقی وارث صرف تیری ہی ذات ہے۔ ایسا وارث عطا فرما جو خاندانِ نبوت کا وارث بنے۔ الٰہی! مجھ کو نیک اولاد عطا فرما۔ میں تجھ سے مانگ کر کبھی ناکام نہیں ہوا۔ تو حاجت مند کی دُعا کو ضرور سُنتا ہے۔" (مریم آیت ع۲)

نبی کی دُعا اور دُعا بھی اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ قوم کی رُشد و ہدایت کے لئے تھی مستجاب ہوئی اور اسکی یہ صورت نمودار ہوئی کہ جب آپ ہیکل میں مشغول عبادت تھے خدا کا فرشتہ ظاہر ہوا اور اُس نے بشارت دی کہ تمہارے یہاں بیٹا پیدا ہوگا اور اُس کا نام یحییٰ رکھنا۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے مسرت اور تعجب سے دریافت کیا یہ بشارت کسطرح پوری ہوگی؟ یعنی کیا مجھ کو جوانی عطا ہوگی یا میری بیوی کا مرض (بانجھ پن) دور کر دیا جائیگا؟ فرشتے نے جواب دیا میں صرف اسی قدر کہہ سکتا ہوں کہ حالات کچھ بھی ہوں تمہارے یہاں ضرور بیٹا ہوگا۔ کیونکہ اللہ کا فیصلہ ہے اور تیرا رب کہتا ہے کہ میرے لئے یہ بہت آسان ہے۔

اب حضرت زکریا علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا پروردگار ایسا کوئی نشان عطا فرمائیے جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ بشارت نے وجود کی شکل اختیار کرلی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا علامت یہ ہے کہ جب تم تین یوم تک بات نہ کرسکو صرف اشاروں سے ہی اپنا مطلب ادا کرسکو تو سمجھ لینا کہ بشارت نے وجود اختیار کر لیا ہے۔ لیکن اِن ایام میں تم اللہ کی تسبیح و تقدیس میں زیادہ مشغول رہنا۔

چنانچہ جب وہ وقت آپہنچا تو زکریا علیہ السلام تسبیح و ذکر الٰہی تو اپنی جگہ بدستور کرتے رہے البتہ لوگوں سے بات چیت کی قوت تین دن تک حاصل نہ رہی۔ گویا یہ بات چیت نکرنے کا روزہ تھا جو قدیم مذاہب و ادیان میں جزرِ عبادت رہ چکا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام اِن دنوں اور زیادہ منہمکِ عبادت ہوگئے اور اُمت کو بھی اشاروں سے حکم دیا کہ وہ زیادہ سے زیادہ یادِ الٰہی میں مشغول رہیں۔ غالباً یہ اسلئے تھا کہ جہاں ولادت کی بشارت حضرت زکریا علیہ السلام کے لئے باعث صد ہزار مسرت تھی اسی طرح بنی اسرائیل کے لئے بھی کم خوشی کا باعث نہ تھی۔ کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام

کا ایک جانشین، حکومت و نبوّت کا وارث، قوم کا رہنما عالم دُنیا میں آنے والا ہے۔

یہی وہ واقعات ہیں جو قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں اور جن پر قطعی طور پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ رہی وہ اسرائیلی روایات جو اکثر و بیشتر تو اس مسئلہ میں قرآن و حدیث کے بیان کردہ واقعات سے مطابقت نہیں رکھتی ہیں اور بعض ساقط الاعتبار ہیں اس لئے ہم نے بھی اسکو نقل کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

سیدنا زکریا علیہ السلام کا یہ تذکرہ قرآن حکیم کی آیات ذیل میں اسطرح آیا ہے:۔

قرآنی مضمون

كٓهيٰعٓصٓ ۔ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّآ ۔ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا الخ (مریم آیات ۱ تا ۱۱)

(اے پیغمبر) تیرے رب نے اپنے بندے زکریا پر جو مہربانی کی تھی یہ اس کا بیان ہے جب ایسا ہوا تھا کہ زکریا نے چپکے چپکے اپنے رب کو پکارا عرض کیا پروردگار میرا جسم کمزور پڑ گیا ہے اور میرے سر کے بال بڑھاپے سے بالکل سفید ہوگئے ہیں۔ اے میرے رب کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تیری جناب میں دُعا کی ہو اور محروم رہا ہوں۔ مجھے میرے مرنے کے بعد اپنے بھائی بندوں سے اندیشہ ہے (نہ معلوم وہ کیا خرابی پھیلائیں) اور میری بیوی بانجھ ہے پس تو اپنے فضل خاص سے مجھے ایک وارث بخش دے ایسا وارث جو میرا بھی وارث ہو اور خاندانِ یعقوب کا بھی، اور اے رب اسے اپنا پسندیدہ بنالے۔ (اس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا) اے زکریا ہم تجھے ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ اس سے پہلے ہم نے کسی کے لئے یہ نام تجویز نہیں کیا ہے (زکریا نے تعجب سے پوچھا) پروردگار میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا میری بیوی بانجھ ہو چکی ہے اور میرا بڑھاپا دور تک پہنچ چکا ہے۔ ارشاد ہوا ایسا ہی ہوگا تیرا پروردگار فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لئے مشکل نہیں۔ میں نے اس سے پہلے خود تجھ کو پیدا

کیا ہے۔ حالانکہ تیری ہستی کا نام و نشان نہ تھا، اس پر زکریا نے عرض کیا، الٰہی! میرے لئے اس بارے میں کوئی علامت مقرر فرما دیجئے! فرمایا تمہاری علامت یہ ہے کہ صحیح و تندرست ہونے کے باوجود تم تین (دن) رات لوگوں سے بات نہ کر سکو گے۔ پھر وہ حجرے سے باہر اپنی قوم کے پاس آتے اور ان کو اشارہ سے کہا صبح و شام اللہ کی پاکی و ثنا بیان کرتے رہو۔

وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ الخ (انبیاء آیت ۸۹، ۹۰)

اور اسی طرح اے نبی زکریا کا معاملہ یاد کرو جب انھوں نے اپنے رب کو پکارا تھا۔

پروردگار مجھے (اس دنیا میں) اکیلا نہ چھوڑ اور ویسے تو تو ہی ہم سب کا بہتر وارث ہے۔

ہم نے ان کی پکار سن لی، اُن کو ایک فرزند یحییٰ عطا فرمایا اور انکی بیوی کو اُن کے لئے تندرست کر دیا۔ یہ سب نیکی کی راہوں میں سرگرم تھے اور ہمارے فضل سے امید لگائے ہوئے اور ہمارے جلال سے ڈرتے ہوئے دُعائیں مانگتے تھے

اور ہمارے آگے عجز و نیاز سے جھکے ہوئے تھے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ الخ (آل عمران آیات ۳۸ تا ۴۱)

اس وقت (جب حجرۂ مریم میں بے موسم پھل دیکھے) زکریاؑ نے اپنے رب سے دُعا کی، کہا اے میرے پروردگار مجھکو اپنے فضل و کرم سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بلاشبہ تو دُعا کا سننے والا ہے۔ پھر جب زکریا حجرہ کے اندر نماز میں مشغول تھے تو فرشتوں نے ان کو آواز دی۔ اللہ تم کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے جو شہادت دیتا ہے اللہ کے ایک کلمہ (عیسیٰ علیہ السلام) کی اور صاحب مرتبہ ہوگا اور اپنے نفس کو بہت روکنے والا اور نبی اور اعلیٰ درجے کا شائستہ ہوگا۔

زکریا نے عرض کیا پروردگار میرے لڑکا کس طرح ہوگا جب کہ میں بہت بوڑھا ہوگیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ فرمایا اللہ جو چاہے اسی طرح کرتا ہے۔ زکریا نے کہا پروردگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے۔ فرمایا یہ نشانی ہے کہ تو تین دن لوگوں سے اشارہ کے سوا (زبان) سے بات نہ کرے گا۔ اور اپنے رب کی یاد بہت کرنا اور صبح وشام اُسکی تسبیح کرنا۔"

نتائج و عبر

اور میں ہی تمہارا رب ہوں

سورۂ انبیاء میں پے در پے بہت سے انبیاء کی زندگی کے مفصل اور مختصر واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ تذکرۂ انبیاء کا یہ سلسلہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوکر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوتا ہے۔ درمیان میں مندرجۂ ذیل انبیاء کرام کے واقعات آئے ہیں:-

سیدنا ابراہیم، سیدنا لوط، سیدنا اسحٰق، سیدنا یعقوب، سیدنا نوح
سیدنا داؤد، سیدنا سلیمان، سیدنا ایوب، سیدنا اسمٰعیل، سیدنا ادریس،
سیدنا ذوالکفل، سیدنا یونس (ذوالنون) سیدنا زکریا، سیدنا یحییٰ،
سیدنا عیسیٰ (علیہم السلام)

اِن عظیم تذکروں کا اختتام آیت "وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنَ" پر کر دیا گیا۔

یعنی ان پاکیزہ تذکروں سے یہ بات ذہن نشین کرنا مقصود ہے کہ یہ سارے نبی اللہ تعالیٰ کے بندے اور انسان تھے اُلوہیت کا اِن میں شائبہ تک نہ تھا دوسروں کو اولاد بخشنے والے نہ تھے بلکہ خود اللہ تعالیٰ کے آگے اولاد کے لئے ہاتھ پھیلانے والے تھے۔ اِن پر مصیبتیں بھی آتی تھیں تو وہ اُسی کے آگے ہی جھکتے تھے اُسی سے اپنا دُکھ درد بیان کرتے تھے اُسی کے فضل و کرم کے محتاج بھی تھے، وہ بیمار بھی ہوتے تھے تو اللہ تم

ہی کے آگے شفا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے تھے وہ دوسروں کو شفا دینے والے نہیں تھے اللہ ہی سے شفا مانگنے والے ہوتے تھے۔ بڑے بڑے مصائب سے بھی گزرے ہیں سالہا سال آزمائشوں اور خطرات میں بھی مبتلا رہے ہیں، جانی اور مالی مصائب میں بھی اور اپنے مخالفوں کے ڈالے ہوئے مصائب میں بھی۔ مگر انجام کار اللہ کی نصرت و تائید انکو حاصل رہی اُس نے اپنے فضل و کرم سے اُنھیں نوازا، اُن کی دُعائیں قبول کیں، اُن کی تکلیفوں کو دور کیا، ان کے مخالفوں کو نیچا دکھایا اور معجزانہ طریقوں پر اُن کی مدد کی۔ یہ پاکیزہ نفوس اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقبول بارگاہ ہونے اور بڑی بڑی حیرت انگیز طاقتیں پانے کے باوجود بندے اور بشر ہی تھے اُلوہیت اِن میں کسی کو حاصل نہ تھی، یہ سارے کے سارے توحید ہی کے قائل تھے اسکی بندگی کرتے تھے۔

واقعات کے تسلسل کا اختتام اسی حقیقت پر ہو رہا ہے:۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۔

(انبیاء آیت ۹۲)

اے لوگو! یہ تمہارا دین ہے کہ وہ ایک ہی دین ہے (جس کا خلاصہ یہ کہ) میں تمہارا رب ہوں سو تم سب میری عبادت کیا کرو۔

سُنّتِ انبیاء

سورۂ آل عمران کی آیت ۳۷ میں یہ تذکرہ ملتا ہے کہ جب کبھی سیدنا زکریا علیہ السلام سیدہ مریم کے حجرۂ عبادت میں داخل ہوتے قسم قسم کے بے موسم پھل ملاحظہ کرتے ایک دن پوچھا اے مریم یہ پھل کہاں سے آتے ہیں؟ سیدہ مریم نے جواب دیا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ یہ سب اللہ کی جانب سے آیا کرتے ہیں۔ اسی وقت سیدنا زکریا علیہ السلام نے دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیئے اور اللہ تعالیٰ سے نیک اولاد کی خواہش ظاہر کی۔ دُعا قبول ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ صاحبزادے یحییٰ (علیہ السلام) کی بشارت پہنچا دی۔ سیدنا زکریا علیہ السلام زندگی کے آخری دور میں تھے بیوی صاحبہ بھی عقیم تھیں۔ سیدہ مریم کے حُجرے میں بے موسم پھل دیکھ کر دل و دماغ معاً اس زور و شور کے ساتھ اس جانب منتقل ہوا کہ جو اللہ اس پر قادر ہے کہ بلا اسباب ظاہری حجرہ میں یہ تر و تازہ پھل پہنچا دے وہ یقیناً اس پر بھی قادر ہے کہ مجھے عمر کے اس

آخری حصے میں نعمتِ اولاد سے سرفراز کرے۔

دعا کرنے والے سیدنا زکریا علیہ السلام کی نظر اس عالم اسباب میں اسباب سے کہیں زیادہ مسبب الاسباب پر ہے۔ اولاد کی خواہش ایک فطری خواہش ہے جو ہر بشر کی فطرت میں رکھی گئی ہے یہاں عام انسانوں کا ذکر نہیں ہے انبیاء کرام بھی اس فطری خواہش سے دور نہیں۔ انبیاء و رسل جہاں زہد و قناعت کے مینار ہوتے ہیں وہاں طلبِ اولاد کے لئے بھی بے چین رہتے ہیں۔ انبیاء کرام کی زندگی میں ایسے بکثرت واقعات ملتے ہیں جنھوں نے اولاد کی نہ صرف خواہش کی ہے بلکہ کئی کئی نکاح بھی اس غرض کیلئے کئے ہیں صحیح بخاری میں طلبِ اولاد کے مستقل عنوانات موجود ہیں جن میں احادیث رسول نقل کئے گئے ہیں۔

اولاد کی طلب زاہدانہ زندگی کے خلاف تو کیا ہوتی کمالِ زہد کے بھی خلاف نہیں ہے۔ البتہ صرف اولاد ہی مطلوب نہیں ہونی چاہیئے نیک اولاد طلب کرنی چاہیئے۔

سیدنا زکریا علیہ السلام کی دعا میں ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً (نیک اولاد) کی خواہش نقل کی گئی ہے جو اسلام کے تقاضوں کو پورا کرنے والی ہو۔ وہ مذاہب حقیقت سے کتنی دُور ہیں جنھوں نے بیوی بچوں والی زندگی کو زُہد وتقویٰ کے خلاف کہا ہے اور ترکِ دنیا و مجردانہ زندگی کو پاکیزہ تر زندگی قرار دیا ہے۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

مذہب اسلام نے طلبِ اولاد کو سنتِ انبیاء وسنت صدیقین قرار دیا ہے۔ (قرطبی)

ایک باریک نکتہ

سیدنا زکریا علیہ السلام اور سیدہ مریم بنت عمران رضہ کے واقعات میں غور کرنے سے یہ بات ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی مانگنے اور سوال کرنے پر عطا کرتے ہیں جیسا کہ سیدنا زکریا علیہ السلام کے سوال اور درخواست پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا یحییٰ علیہ السلام جیسا جلیل القدر فرزند عطا کیا۔

اِن دونوں واقعات سے اللہ تعالیٰ کی ایک مخفی سنت معلوم ہوتی ہے جو مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں کی طلب اور عدم طلب کی حیثیت کو واضح کرتی ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کی عطا وبخشش مانگنے پر ہی دی جاتی تو معلوم نہیں یہ دنیا کسقدر تنگ ہوجاتی اور انسان کس قدر مصائب ومشاکل سے دوچار ہوجاتا۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا

نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا الآیۃ۔

سیدنا زکریا علیہ السلام اولاد کے لئے دُعا کرتے وقت عمر کے آخری حصے میں تھے اور زوجہ محترمہ بھی آخری عمر میں تھیں اور بانجھ بھی تھیں۔ ان حالات میں اولاد کا طلب کرنا عموماً خلاف توقع بات سمجھی جاتی ہے لیکن جن اہلِ بصیرت کی نگاہ اللہ عزوجل کے اقتدار اعلیٰ پر ہوا کرتی ہے وہ اسباب و وسائل پر نظر نہیں ڈالتے ہیں بلکہ قادر مطلق کی قدرت و طاقت غیر متناہی پر سب کچھ آسان جانتے ہیں۔

تذکرہ
سیّدنا یحییٰ علیہ السّلام

قرآن حکیم اور سیّدنا یحییٰ علیہ السّلام

جن سورتوں میں حضرت زکریا علیہ السلام کا تذکرہ موجود ہے اُنہی میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ذکرِ خیر ملتا ہے۔ یعنی سورۂ آل عمران، انعام، مریم، انبیار۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت زکریا علیہ السلام کے صاحبزادے اور ان کی پیغمبرانہ دعاؤں کا ثمرہ ہیں۔ جس عمر میں سلسلۂ توالُد منقطع ہوجاتا ہے "بطورِ معجزہ و نشانی" حضرت یحییٰ عطا کئے گئے اور نام بھی اللہ تعالےٰ کی طرف سے تجویز ہوا اور یہ ایسا نام تھا کہ اس سے پہلے کسی شخص کا نہ تھا۔ اور بعض خاص صفات بھی ایسے دیئے گئے جو گزشتہ انبیار میں تھے۔ نام کی یکتائی اور صفات کی یہ خصوصیت حضرت یحییٰ علیہ السّلام کا امتیاز رہاہے۔ وہ خصوصی صفات یہ ہیں:-

(۱) "حُکم" یعنی قوتِ فیصلہ، قوتِ اجتہاد، تفقہ فی الدین، معاملات میں صحیح رائے قائم کرنا، اللہ کی طرف سے معاملات میں فیصلہ دینے کا اختیار۔

(۲) "حنان" دل کی نرمی اور شفقت یعنی انتہائی درجے کی شفقت و عنایت جو ماں کو اپنے بچے پر ہوتی ہے جسکی بنا پر وہ بچے کی تکلیف پر تڑپ اُٹھتی ہے اس سے کہیں زیادہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے دل میں بندگانِ خدا کے لئے پیدا کی گئی تھی۔

(۳) "حصور" یعنی لذات و شہوات پر قابو پانے والا، نہایت درجہ محتاط و متقی جسکو زندگی بھر بُرا خیال نہ آیا ہو، جو ہر قسم کی معصیت سے محفوظ ہو۔

حالاتِ زندگی

تاریخی روایات کے مطابق حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام

سے چھ ماہ بڑے تھے۔ ان کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ آپس میں حقیقی بہن اور ایک روایت کے مطابق خالہ زاد بہنیں تھیں۔ تقریباً تیس سال کی عمر میں منصب نبوت پر فائز کئے گئے۔ شرق اُردن کے علاقہ میں دعوت الی اللہ کا کام شروع ہوگیا۔ لوگوں کو گناہوں سے توبہ کراتے تھے اور توبہ کرنے والوں کو روحانی تسکین دیتے تھے، اونٹ کے بالوں کی پوشاک پہنتے تھے، اُن کی خوراک جنگل کے پرندے اور شہد تھا۔ وہ اس فقیرانہ زندگی کیساتھ یہ منادی کرتے پھرتے تھے کہ توبہ کرو کیونکہ آسمانی بادشاہت قریب آگئی ہے۔ یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوتِ نبوت کا آغاز ہونے والا ہے اور لوگوں کو نماز وروزے کی تلقین کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو بچپن میں ہی حکم وحکمت سے معمور کر دیا تھا۔ ان کی زندگی کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی بشارت دیتے تھے اور اُن کی آمد سے قبل رشد وہدایت کے لئے زمین ہموار کرتے تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنے والد حضرت زکریا علیہ السلام کی طرح اولوالعزم نبی تھے تورات کی شریعت کے پابند تھے اللہ نے انھیں بچپن ہی میں نبوت کی صفات سے ممتاز فرمایا تھا۔ انکے بچپن کی زندگی عام بچوں سے جُدا تھی۔ جب بچے اُن سے کھیلنے پر اصرار کرتے تو وہ جواب دیتے: اللہ تعالیٰ نے مجھے لہو ولعب کے لئے نہیں پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو تین اہم ونازک اوقات میں سلامتی کی دُعا دی ہے:

۱۔ وقتِ ولادت
۲۔ وقتِ موت
۳۔ وقتِ حشر ونشر

یہ حقیقت ہے کہ انسان کے لئے یہی تینوں اوقات سب سے زیادہ نازک اور اہم ہیں۔ کیونکہ ہر انسان وقتِ ولادت جس میں بطنِ مادر سے جُدا ہو کر عالمِ دُنیا میں آتا ہے۔ وقتِ موت جس میں عالم دنیا سے رخصت ہو کر عالم برزخ میں پہنچتا ہے۔ وقت حشر ونشر، جس میں عالمِ برزخ (قبر) سے عالمِ آخرت میں اعمال کی جزاء وسزا کے لئے پیش ہوتا ہے۔

لہذا جس شخص کو اللہ کی جانب سے اِن تینوں اوقات کے لئے سلامتی کی بشارت مل گئی اسکو دارین کا کل ذخیرہ مل گیا۔

قرآن حکیم کی مختلف آیات میں اِن حالات کی طرف اشارے ملتے ہیں۔

قرآنی مضمون

يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا۔ (مریم آیت ۷)

اے زکریا ہم تم کو بشارت دیتے ہیں ایک فرزند کی اُس کا نام یحییٰ ہوگا کہ اُس سے پہلے ہم نے کسی کے لئے یہ نام تجویز نہیں کیا۔

فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ الخ

(آل عمران آیت ۳۹)

فرشتوں نے زکریا کو آواز دی جب کہ وہ محراب میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تمہیں یحییٰؑ کی خوشخبری دیتا ہے۔ وہ اللہ کی طرف سے ایک فرمان کی تصدیق کرنے والا بن کر آئے گا (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کریں گے) اُس میں سرداری اور بزرگی کی شان ہوگی، کمال درجے کا ضابط ہوگا، نبوت سے سرفراز صالحین میں شمار کیا جائے گا۔

يَا يَحْيَىٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا وَحَنَانًا مِنْ لَدُنَّا وَزَكَاةً وَكَانَ تَقِيًّا۔ الخ (مریم آیت ۱۲ تا ۱۵)

اے یحییٰ کتاب الٰہی کو مضبوط تھام۔

ہم نے بچپن ہی میں اُسے "حکم" سے نوازا اور اپنی طرف سے اُس کو نرم دلی اور پاکیزگی عطا کی۔ وہ بڑا پرہیزگار تھا، اور اپنے والدین کا حق شناس تھا، وہ سرکش اور نافرمان نہ تھا۔

سلام اُس پر جس روز کہ وہ پیدا ہوا اور جس دن کے وہ مرے اور جس روز زندہ کر کے اُٹھایا جائے۔

وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ۔ الخ (انبیاء آیت ۸۹، ۹۰)

اور اسی طرح زکریا کا واقعہ یاد کرو جب اُس نے اپنے رب کو پکارا کہ پروردگار مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور بہترین وارث تو تُو ہی ہے۔ پس ہم نے اُس کی دُعا قبول کر لی اور اُسے یحییٰ عطا کیا اور اُس کی بیوی کو اس کے لئے تندرست کر دیا۔ یہ لوگ نیکی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتے تھے اور ہمیں

رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے اور ہمارے آگے جھکے ہوئے تھے۔

دعوت و تبلیغ

حضرت حارث اشعریؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ بن زکریا (علیہما السلام) کو پانچ باتوں کا خصوصیت سے حکم فرمایا تھا کہ خود بھی اِن پر عمل کریں اور بنی اسرائیل کو بھی اِن کی تلقین کرتے رہیں، مگر یحییٰ علیہ السلام کو اِن امورِ خمسہ کی تلقین میں کچھ تاخیر ہوگئی تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میرے بھائی اگر تم مناسب سمجھو تو میں بنی اسرائیل کو اِن کلمات کی تلقین کر دوں جن کیلئے آپ کسی وجہ سے تاخیر کر رہے ہو؟

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا بھائی اگر میں تم کو اجازت دیدوں اور خود تعمیل حکم نہ کروں تو مجھے خوف ہے کہ کہیں مجھ پر کوئی عذاب نہ آجائے یا میں زمین میں دھنسا نہ دیا جاؤں، اس لئے میں ہی پیش قدمی کرتا ہوں، پھر انھوں نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں جمع کیا اور جب مسجد بھر گئی تو وعظ بیان کیا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو (۵) باتوں کا حکم کیا ہے کہ میں خود بھی اُن پر عمل کروں اور تم کو بھی عمل کی تلقین کروں۔

(۱) پہلا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو اور نہ کسی کو اُس کا شریک وسہیم ٹھہراؤ۔ کیونکہ مشرک کی مثال اُس غلام کی سی ہے جس کو اُس کے مالک نے اپنے روپے سے خرید اگر غلام نے یہ وطیرہ اختیار کرلیا کہ جو کچھ کماتا ہے وہ مالک کے سوا دوسرے شخص کو دے دیتا ہو تو اب بتاؤ کہ تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرے گا کہ اُس کا غلام ایسا ہو؟ لہٰذا سمجھ لو کہ جب اللہ تعالیٰ ہی نے تم کو پیدا کیا ہے اور وہی تم کو رزق دیتا ہے تو تم بھی صرف اُسی کی پرستش کرو کسی کو اُس کا شریک نہ ٹھیراؤ۔

(۲) دُوسرا حکم یہ ہے کہ تم خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کرو۔ کیونکہ جب تک تم نماز میں کسی دوسری جانب متوجہ نہ ہوگے اللہ تعالیٰ تمہاری جانب رضا ورحمت کے ساتھ برابر متوجہ رہے گا۔

(۳) تیسرا حکم یہ ہے کہ روزہ رکھو اس لئے کہ روزہ دار کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو ایک

جماعت میں بیٹھا ہو اور اُس کے پاس مُشک کی تھیلی ہو چنانچہ مشک اُس کو بھی اور اُس کے رفقاء کو بھی اپنی خوشبو سے شاد کام کرتا رہے گا اور روزہ دار کی منہ کی بُو کا خیال نہ کرو کیونکہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک روزہ دار کی بُو (جو خالی معدے سے اُٹھتی ہے) مشک کی خوشبو سے زیادہ پاک ہے۔

(۴) چوتھا حکم یہ کہ مال میں سے صدقہ و زکوٰۃ نکالا کرو کیونکہ صدقہ کرنے والے کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس کو اُس کے دشمنوں نے اچانک آپکڑا ہو اور اُس کے ہاتھوں کو گردن سے باندھ کر مقتل کی جانب لے چلے ہوں اور وہ اس نا امیدی کی حالت میں یہ کہے، کیا یہ ممکن ہے کہ میں اپنا مال دے کر اپنی جان چھڑالوں؟ دشمن اُس کی اِس پیشکش کو قبول کر کے اُسکی جان بخش دیتے ہوں۔

(۵) پانچواں حکم یہ کہ دن رات میں اللہ تعالےٰ کو کثرت سے یاد کرتے رہو کیونکہ ایسے شخص کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو دشمن سے بھاگ رہا ہو اور دشمن تیزی کے ساتھ اُس کا تعاقب کر رہا ہو اور وہ شخص بھاگ کر کسی مضبوط قلعہ میں پناہ لیکر دشمن سے محفوظ ہو جائے۔ بلاشبہ انسان کے دشمن شیطان کے مقابلہ میں ذکر اللہ کے ساتھ مشغول ہو جانا مضبوط قلعہ میں محفوظ ہو جانا ہے۔

اسکے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا میں بھی تم کو ایسی پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں جن کا اللہ تعالےٰ نے مجھے حکم دیا ہے:-

لزومِ جماعت، سمعؔ (حق بات سننا)، طاعتؔ، ہجرتؔ، جہادؔ فی سبیل اللہ۔

پس جو شخص جماعت (مسلمین) سے ایک بالشت بھی باہر نکل گیا اُس نے بلاشبہ اپنی گردن سے اسلام کی رسّی کو نکال دیا مگر یہ کہ جماعت کا لزوم اختیار کرے اور جس شخص نے دورِ جاہلیت کے باتوں کی دعوت دی اُس نے اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنالیا۔ حضرت حارث اشعریؓ (راوی حدیث) کہتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یارسول اللہ اگرچہ وہ شخص نماز روزہ کا پابند ہی کیوں نہ ہو؟

آپؐ نے ارشاد فرمایا ہاں اگرچہ وہ نماز اور روزہ کا پابند بھی ہو

اور یہ بھی سمجھتا ہو کہ میں مسلمان ہوں۔ تب بھی جہنم کا سزاوار ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۲ ص۵۲ منقول مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

اسلامی مؤرخین نے اسرائیلی روایات سے نقل کیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی زندگی کا بہت بڑا حصہ صحرا میں بسر ہوا ہے وہ جنگلوں میں خلوت نشین رہتے، درختوں کے پتے اور جنگلی پرندے اُن کی خوراک تھی اور وہیں اُن پر اللہ کا کلام نازل ہوا تب انھوں نے دریائے یردن کے نواحی علاقوں میں دین الٰہی کی تبلیغ شروع فرمائی اور حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ کے ظہور کی بشارت دینے لگے۔ موجودہ انجیل سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔

مؤرخ ابن عساکر نے وہب بن منبہ رح سے جو روایات نقل کی ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی خشیت اتنی غالب تھی کہ وہ اکثر روتے رہتے تھے جسکی وجہ سے اُن کے رخساروں پر آنسوؤں کے نشان پڑ گئے۔

ایک مرتبہ اُن کے والد حضرت زکریا علیہ السلام نے اُنھیں جنگل میں تلاش کر کے پالیا تو فرمایا بیٹا! ہم تو تمہاری یاد میں مضطرب تم کو تلاش کر رہے ہیں اور تم یہاں آہ و گریہ میں مشغول ہو؟

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے جواب دیا، ابا جان آپ نے مجھ کو بتایا کہ جنت اور جہنم کے درمیان ایک ایسا لق و دق میدان ہے جو اللہ تعالےٰ کی خشیت میں آنسو بہائے بغیر طے نہیں ہوتا اور جنت تک رسائی نہیں ہوتی۔ یہ سنکر حضرت زکریا علیہ السلام بھی رو پڑے۔

ذکرِ شہادت

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی وفات کا تذکرہ مؤرخ ابن عساکر اور حافظ ابن کثیر رح نے اپنی اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے لیکن اہلِ تحقیق نے اِن ہر دو کی روایت پر تنقید کی ہے۔ درج شدہ روایت میں بعض باتیں ایسی بھی ہیں جس کی وجہ سے روایت ناقابلِ اعتبار ہو جاتی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اس قصہ کی اصل حاکم کی وہ روایت ہے جو اُنھوں نے اپنی کتاب مستدرک میں نقل کی ہے تاہم حاکم کی یہ روایت روایتہً اور درایتہً محل نظر ہے۔ البتہ مؤرخ ابن طبریؒ نے اسی واقعہ کو جس طرح نقل کیا ہے وہ قابل ذکر ہے:۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں عام طور پر بنی اسرائیل کے قلوب مسخر ہوتے جارہے تھے اور جہاں بھی اُن کا وعظ ہوتا ہزاروں انسان پروانہ وار جمع ہوجاتے تھے۔ ان کے اس دور میں ارض یہود کا بادشاہ ہیرودیس نہایت بدکار اور ظالم قسم کا تھا اسکو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی یہ مقبولیت سخت ناپسند آرہی تھی اس کو یہ بھی اندیشہ پیدا ہوگیا تھا کہ کہیں ملک کی یہ بادشاہت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی جانب منتقل نہ ہوجائے۔ اسی زمانے میں اُسکے ایک سوتیلے بھائی کا انتقال ہوگیا اسکی بیوی بیحد حسین وجمیل تھی یہ اسپر عاشق ہوگیا اور اس سے عقد کرلیا۔ چونکہ یہ نکاح ملّتِ اسرائیلی کے قانون کے خلاف تھا اس لئے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اسکو سرِ دربار اس حرکت سے باز رہنے کی تلقین کی اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ ہیرودیس کی محبوبہ نے یہ سُنا تو غم وغصہ سے پاگل ہوگئی اور ہیرودیس کو آمادہ کیا کہ وہ کسی طرح حضرت یحییٰ (علیہ السلام) کو قتل کردے۔ ہیرودیس اگرچہ خود بھی چاہتا تھا مگر حضرت یحییٰ علیہ السلام کی عوام میں غیر معمولی مقبولیت کے باعث اقدام کرنے میں متردّد تھا۔

بادشاہ کی محبوبہ موقع کی تاک میں تھی آخر ہیرودیس کی سالگرہ کے جشن میں اُس نے یہ موقع پالیا جشن کے دربار میں اُس کی بیٹی نے خوب رقص کیا جسپر خوش ہوکر ہیرودیس نے کہا مانگ کیا مانگتی ہے!! بیٹی نے اپنی فاحشہ ماں سے پوچھا کیا مانگوں؟ ماں نے کہا کہ (حضرت) یحییٰ (علیہ السلام) کا سر مانگ لے۔ چنانچہ اُس نے ہیرودیس کے آگے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا مجھے یوحنا (یحییٰ) کا سر ایک تھال میں رکھواکر ابھی دے دیا جائے۔ ہیرودیس یہ سنکر کچھ غمگین سا ہوا مگر محبوبہ کی بیٹی کا تقاضہ رد نہ کرسکا اور حضرت یحییٰ ع

کا سر کٹوا کر منگوایا اور ایک تھال میں رکھوا کر رقاصہ کی نذر کر دیا۔

(تاریخ طبری ج ۲ ص ۴۵)

سخت حیرت کا مقام ہے کہ بنی اسرائیل میں کسی کی یہ جرأت نہ ہوئی کہ ہیرودیس کی اس ملعون حرکت پر کوئی آواز بلند کرتا۔ سب کے سب خاموش تماشائی بنے رہے۔ یہ واقعہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانیکے ایک سال قبل پیش آیا ۳۰ء میں۔ انجام کار حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اظہارِ حق کے سلسلے میں شہادت کا مقام حاصل ہوا۔

علماء تاریخ کا اسمیں اختلاف ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا واقعۂ شہادت کس جگہ پیش آیا؟

ایک قول یہ ہے کہ بیت المقدس میں ہیکل اور قربان گاہ کے درمیان ہوا۔ سفیان ثوری نے ثمر بن عطیہ سے نقل کیا ہے کہ اس جگہ ستر انبیاء شہید کیئے گئے۔ (تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۵۵)

قاسم بن سلام نے سعید بن مسیبؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ دمشق میں شہید کیئے گئے۔ جامع اُموی دمشق (شام) میں ایک قبر کے بارے میں عام شہرت ہے کہ وہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ہے جسکی زیارت اس راقم نے بھی کی ہے۔ واللہ اعلم۔

حافظ ابن عساکر نے ولید بن مسلم کی سند سے نقل کیا ہے کہ زید بن واقد کہتے ہیں کہ دمشق میں عمود سکاسکہ کے نیچے ایک مسجد کو دوبارہ تعمیر کیا جا رہا تھا تو میں نے خود اپنی آنکھوں سے یہ دیکھا کہ شرقی جانب محراب کے قریب ایک ستون کی کھدائی میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر برآمد ہوا۔ چہرہ مبارک اور بالوں میں تک کوئی تغیر نہیں آیا تھا اور خون آلود ایسا تھا کہ گویا ابھی ابھی کاٹا گیا ہو۔ (تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۵۵)

الحاصل اس بارے میں کوئی فیصلہ کن بات مہیا نہیں ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا مقتل کون سا مقام ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہود نے ان کو شہید کیا اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُن کی شہادت کا علم ہوا

تو پھر اُنھوں نے اپنی دعوت و تبلیغ علی الاعلان شروع کر دی۔

قرآن حکیم نے متعدد جگہ اس بات کو دُہرایا ہے کہ یہود نے اپنی فتنہ پردازیوں میں جہاں بغاوت و سرکشی کو اپنا شعار بنالیا تھا وہاں اپنے نبیوں کو بھی قتل کئے بغیر نہیں چھوڑا۔ (آل عمران آیت ۲۱)

ابن ابی حاتم نے بسلسلۂ سند حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رض نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بنی اسرائیل نے ایک دن میں تینتالیس نبیوں اور ایک سو ستر نیک لوگوں کو قتل کر دیا جو اِن کو امر بالمعروف (نیکی کی دعوت اور بُرائی سے روکنے کا کام) کیا کرتے تھے)

وہب بن منبہ کی ایک روایت ہے کہ جب یہودیوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا تو آپ کے والد بزرگوار حضرت زکریا علیہ السلام کی جانب متوجہ ہوئے تاکہ اُن کو بھی قتل کر دیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو وہ دوڑے تاکہ اُن کے ہاتھ نہ لگ سکیں۔ سامنے ایک درخت آگیا اور وہ اس کے شگاف میں گھُس گئے۔ یہودی تعاقب کر رہے تھے شیطان نے مقام کی رہبری کی۔ لوگوں نے بجائے باہر نکلنے پر مجبور کرنے کے درخت پر آرہ چلا دیا۔ درخت کے ساتھ حضرت زکریا علیہ السلام کے بھی دو ٹکڑے ہو گئے (علیہ السلام)

شب معراج اور حضرت یحییٰؑ

امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح البخاری میں حدیث اِسرا کے تحت حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ذکر میں صرف اُسی جملہ کو بیان کیا ہے جسمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرے آسمان پر اُن کے ساتھ ملاقات کرنا مذکور ہے:۔

روایت یہ ہے:۔

فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا يَحْيٰى وَعِيْسٰى وَهُمَا ابْنَا خَالَةٍ قَالَ هٰذَا يَحْيٰى وَعِيْسٰى فَسَلِّمْ عَلَيْهِمَا فَسَلَّمْتُ فَرَدَّا ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ. (بخاری کتاب الانبیاء)

پُس میں جب دوسرے آسمان پر پہنچا تو دیکھا کہ یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام
موجود ہیں اور یہ دونوں خالہ زاد بھائی ہیں۔ جبرئیل نے کہا یہ یحییٰ اور عیسیٰ ہیں۔
انکو سلام کیجئے میں نے ان کو سلام کیا دونوں نے سلام کا جواب دیا اور پھر
دونوں نے کہا آپ کا آنا مبارک ہو اے ہمارے نیک بھائی اور نیک پیغمبر!"

حضرت زکریا علیہ السلام کے تذکرے میں یہ آچکا ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کی والدہ ایشع اور مریم علیہا السلام کی والدہ حنہ حقیقی بہنیں تھیں اس لئے حدیث معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام خالہ زاد بھائی ہیں اسی رشتے کی طرف اشارہ ہے۔

نتائج و عِبَر

شقی تر دنیا میں اُس شخص سے زیادہ شقی اور بدبخت دوسرا کوئی نہیں ہوسکتا جو ایسی مقدس ہستی کو قتل کردے جو نہ کسی کو ستاتی ہو اور نہ کسی کے مال و دولت پر نظر رکھتی ہو بلکہ اسکے برعکس بغیر کسی عوض و اجرت اسکی زندگی قوم کی اصلاح اور خیر خواہی کے لئے وقف ہوچکی ہو۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بنا پر حضرت ابوعبیدہ رض کے اس سوال پر کہ قیامت میں سب سے زیادہ مستحق عذاب کون ہوگا؟

یہ ارشاد فرمایا:۔

رَجُلٌ قَتَلَ نَبِيًّا أَوْ مَنْ أَمَرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ۔

(الحدیث)

وہ شخص جو نبی کو یا ایسے شخص کو قتل کرے جو بھلائی کا حکم کرتا ہو
اور بُرائی سے باز رکھتا ہو۔

اقوامِ عالم میں صرف یہود ہی ایک ایسی قوم ہے جنھوں نے ایسے پاکیزہ نفوس کو بے تحاشا قتل کیا ہے۔

قرآن حکیم شہادت دیتا ہے :-
وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۔ (بقرہ آیت ۶۱)
اور مار ڈالتے تھے پیغمبروں کو ناحق۔

حُسنِ ظن

انسان کو اللہ کے فضل و کرم سے کسی بھی وقت اور کسی بھی حالت میں ناامید اور مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ بعض حالات میں خلوص کے ساتھ مسلسل دعائیں کرنے کے باوجود بھی مقصد حاصل نہ ہوتا ہو اسکے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ اللہ کی نگاہ کرم نے رُخ پھیر لیا ہے۔ اس قسم کی مایوسی کُفر قرار دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گزشتہ اقوام و ملل کے سنگین حالات کے ضمن میں یہ بیان کیا ہے کہ اُن کی جان و مال میں ایسے حوادث اور پے در پے مصائب آئے کہ اہل ایمان اور اُن کے نبی نے بے اختیار پکارا :-

مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ   اللہ کی مدد کب آئیگی

ایسی سخت اور انتہائی گھڑیاں خوش انجامی کا پیش خیمہ ہوتی ہیں اور ابتلاء و آزمائش کا یہ دور اسپر ختم ہو جاتا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں وہ ایسے لمحہ مصائب و آلام کے دلدل سے نکل جاتے ہیں اور انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نئی زندگی عطا کی جاتی ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام زندگی بھر "وارثِ نبوت" کے لئے بے چین رہے اور اللہ تعالیٰ سے یہی حُسن ظن رکھا۔

وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۔ (مریم آیت ۴)
اے پروردگار! میں تجھ سے مانگ کر نامراد نہیں رہا۔

عمر کے آخری حصے میں اسبابِ ولادت کے معدوم ہونے کے باوجود حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسا نامور، پاکباز لڑکا عطا ہوا

ایک فطری خواہش

سیدنا زکریا علیہ السلام (جو سیدہ مریم کے سرپرست اور نگراں تھے) جب کبھی حجرہ مریم میں آتے تو وہاں بے موسم پھل دیکھا کرتے تھے

ایک دن تعجب سے پوچھا اے مریم یہ پھل کہاں سے آتے ہیں ؟ سیدہ مریم نے جواب دیا:۔
هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اللہ کی جانب سے۔

حضرت زکریا علیہ السلام قدرتِ الٰہی کے تازہ مشاہدہ سے متأثر ہوکر اسی جگہ ہاتھ اٹھائے اور دعا کی:۔

"اے میرے پروردگار مجھکو نیک اولاد عطا فرما۔"

حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر شریف آخری منزل میں آچکی تھی اور بیوی صاحبہ بانجھ تھیں۔ ساری زندگی اولاد سے گود خالی رہا لیکن حجرۂ مریم میں جب ایک خارق عادت (کرامت) دیکھی تو آپ کا ذہن معاً اس طرف منتقل ہوا کہ جو اللہ اس بات پر قادر ہے کہ بلا اسباب ظاہری ہر روز تازہ تازہ پھل حجرے میں پہنچادے وہ یقیناً اس پر بھی قادر ہے کہ میری اس آخری عمر میں مجھکو اولاد سے سرفراز کردے۔

حقیقت یہ ہے کہ دعا کرنے والے کی نظر اس عالم اسباب میں بھی اسباب و وسائل سے کہیں زیادہ مسبب الاسباب پر ہو تو درِ اجابت فوری کھل جاتا ہے۔ سیدنا زکریا علیہ السلام کو دوسرے لمحے فرشتوں نے عظیم الصفات بیٹے کی بشارت دی۔

اولاد کی خواہش ایک فطری خواہش ہے زہد و قناعت تو کیا کمالِ زہد کے بھی خلاف نہیں، قرآن حکیم نے پیغمبروں کی زبان سے اس قسم کی دعائیں اور پکار نقل کرکے یہ حقیقت ظاہر کردی کہ انبیاء و رسل جو زہد و قناعت کے مینار ہوتے ہیں ازدواجی زندگی سے دور نہیں رہے۔

اسلام میں اولاد کی خواہش کو فطری خواہش قرار دیا گیا ہے۔ البتہ یہ نکتہ بھی پیشِ نظر رہنا چاہیئے حضرت زکریا علیہ السلام صرف اولاد ہی نہیں چاہتے تھے اولادِ صالح چاہتے تھے جو ان کے بعد انکی دعوت و تبلیغ کو جاری رکھے اس لئے اپنی دعا میں ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً (نیک اولاد) کا اضافہ کیا۔

اللہ والوں کی نگاہ میں اخلاقی اور روحانی مقاصد بہر صورت مقدم رہتے ہیں۔ قرآن حکیم کا بھی یہی منشا ہے کہ

ازدواجی تعلقات صرف قضائے حاجت کا ذریعہ نہ بنے بلکہ ایک بامقصد زندگی کا ذریعہ ہونا چاہیئے۔ (بقرہ آیت ۲۲۳)

تذکرہ
اَصحابُ الجنّہ (باغ والے)

باغ والے سورۃ القلم میں قریش مکہ کی نافرمانیوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرنے والوں میں خصوصیت کے ساتھ انہی کے ایک سردار ولید بن مغیرہ کی بداعمالیوں کا تذکرہ موجود ہے۔ اس ضمن میں گزشتہ اقوام سے ایک واقعہ "اصحابُ الجنہ" باغ والوں کا بیان کیا گیا ہے کہ اُن لوگوں نے اپنی قوت وشوکت پر اتراتے اور گھمنڈ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حق ادا نہ کیا جسکی پاداش میں اُن سے نعمتیں چھین لی گئیں اور انھیں ابدی ذلت وخسران کے سوا کچھ نہ ملا۔ اُن کے اندر جو شخص سب سے بہتر تھا اُسکی نصیحت بروقت نہ مانی گئی۔ آخران کی آنکھیں اس وقت کھلیں جب ان کا سب کچھ برباد ہوچکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ بیان کرکے اہل مکہ کو متنبہ کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تم بھی تقریباً اُسی آزمائش میں پڑ گئے ہو جس میں وہ باغ والے پڑے تھے لہذا اگر تم نے اپنے اِن نبی کی بات نہ مانی تو دنیا کے علاوہ آخرت کے عذاب کا بھی مزہ چکھو گے۔

سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ یمن کی ایک بستی ہروان میں پیش آیا جو شہر صنعار سے چھ میل پر واقع تھی۔ اہل کتاب میں سے ایک شخص بہت مالدار، صاحبِ املاک اور نیک اور سخاوت پسند تھا۔ اپنی زمین اور باغات کی پیداوار میں سے فقرار ومساکین پر کافی خرچ کرتا تھا بلکہ فصل کا کچھ حصہ فقرار کے لئے مختص کردیا تھا (یہی وجہ تھی کہ جب اسکی کھیتی کٹنے یا پھل توڑنے کا وقت آتا تو بہت سے فقرار اور مساکین جمع ہوجاتے تھے)

اس نیک مرد کا جب انتقال ہوا تو اسکے تین بیٹے باغ اور زمین کے وارث ہوئے اُنھوں نے آپسمیں گفتگو کی کہ اب ہمارا کُنبہ بڑا ہوگیا ہے اور پیداوار ان کی ضرورت سے کم ہے اسلئے اب اِن فقرار کے لئے اتنا غلّہ اور پھل چھوڑ دینا مناسب نہیں۔ ہمارا باپ تو ایک ناعاقبت اندیش

آدمی تھا اپنی کثیر دولت کو فقراء میں تقسیم کر کے ہمارے لئے کوئی ذخیرہ نہیں چھوڑا۔ اگر ہم بھی یہی حرکت کریں تو ہماری اولاد ہم سے زیادہ مفلس اور پریشان حال ہو جائیگی۔ لہٰذا فقراء کو روکنے کے لئے یہ ترکیب کی جائے کہ پھل توڑنے اور کھیتی کاٹنے کا اعلان نہ کیا جائے اور جس روز کاٹنا ہو صبح سویرے اندھیرے میں اس کام سے فراغت کر لیں تاکہ فقراء کو معلوم نہ ہو اور ہم اسطرح پورا غلّہ جمع کر لیں۔ اور آپس میں حلف و قسم کر کے یہ عہد کیا کہ آج سویرے جا کر کھیتی کاٹ لینگے اور اپنے اس منصوبے پر انھیں اتنا یقین تھا کہ انشاء اللہ کہنے کی بھی توفیق نہ ہوئی۔ وَلَا یَسْتَثْنُوْنَ کے معنی عدم استثناء کے ہیں یعنی اُنھوں نے یہ طے کر لیا کہ فقراء کا کوئی حصّہ مستثنیٰ نہیں ہوگا اور بعض مفسرین نے عدم استثناء کے معنی انشاء اللہ نہ کہنا مراد لیا ہے۔

اِدھر انھوں نے یہ فیصلہ کیا دوسری طرف اللہ تعالےٰ نے اس باغ کی بربادی کا فیصلہ فرمادیا۔ بعض روایات میں صراحت ہے کہ رات کو ایک گرم ہوا چلا دی گئی جس نے تمام باغ کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ صبح سویرے جلدی جلدی اس طرح وہاں گئے جیسے کہ وہ پھل توڑنے پر قادر ہیں مگر جب باغ دیکھا تو کہنے لگا ہم راستہ بھول گئے ہیں نہیں بلکہ ہم محروم رہ گئے ہیں۔ یعنی پہلے تو انھیں اپنا باغ دیکھ کر یقین نہ آیا کہ یہ انہی کا باغ ہے کہنے لگے شاید ہم راستہ بھول کر کسی اور جگہ نکل آئے ہیں۔ پھر جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ ان کا اپنا ہی باغ ہے تو چیخ اُٹھے کہ اے افسوس ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی ہے۔ اُن میں ایک بھلا انسان بھی تھا اُس نے ان لوگوں کو آگاہ کیا کہ تم اللہ تعالیٰ کو بھول گئے تھے اِنشاء اللہ کیوں نہیں کہا اسپر سب پکار اُٹھے پاک ہے ہمارا پروردگار واقعی ہم ہی اپنے پر ظلم کرنے والے ہیں۔ آخرکار ہر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگا اور افسوس کرنے لگا۔

مکّہ کے بڑے بڑے سردار مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہم کو یہ نعمتیں جو دنیا میں مل رہی ہیں یہ اللہ کے ہاں ہمارے مقبول ہونے کی علامت ہیں اور تم لوگ جس بدحالی و تنگ معاشی میں مبتلا ہو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تم اللہ کے مغضوب بندے ہو۔ اس کا جواب اِن آیات میں دیا گیا۔

قرآنی مضمون

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۔ الخ (القلم آیات ۱۷ تا ۳۳)

بلاشبہ ہم نے ان (کفار مکہ) کو اسی طرح آزمائش میں ڈال دیا
جس طرح باغ والوں کو آزمایا جبکہ انھوں نے یہ قسم کھائی کہ ہم صبح ہوتے ہی
ان پھلوں کو کاٹ لیں گے اور وہ انشاء اللہ بھی نہ کہتے تھے پس ابھی وہ
سو ہی رہے تھے کہ اُن کے باغ پر تیرے پروردگار کی طرف سے ایک بلا
پھر گئی (یعنی عذاب الٰہی سے وہ باغ برباد ہوگیا) پس صبح کو ایسا ہوگیا گویا
جڑ سے کاٹ کر پھینک دیا گیا ہو۔

پھر جب صبح ہوئی تو انھوں نے ایک دوسرے کو پکارا کہ اگر
کھیتی کاٹنا چاہتے ہو تو سویرے چلے چلو اور وہ چلتے ہوئے آپس میں
چپکے چپکے باتیں کرتے جاتے تھے کہ جلدی کرو ایسا نہ ہو کہ کاٹتے وقت تم کو
فقیر آگھیر لیں اور وہ اپنے بخل کی وجہ سے بہت سویرے کھیت پر پہونچے اندازہ
لگا کر کہ اس وقت تک فقیر نہ پہنچ سکیں گے پس جب اُس باغ کو اس حال
میں دیکھا تو کہنے لگے یقیناً ہم راہ بھول گئے ہیں (یہ وہ مقام نہیں ہے مگر
ہم باغ کے نفع سے محروم رہ گئے ہیں۔

اِن میں سے ایک بھلے آدمی نے کہا: کیا میں نے تم سے پہلے ہی
نہیں کہا تھا کہ (اس نعمت الٰہی پر) کیوں اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان نہیں کرتے
(اب انجام بد دیکھ کر) کہنے لگے ہمارے پروردگار کے لئے پاکی ہے بیشک
ہم نے خود ہی اپنے نفس پر ظلم کیا ہے۔

پھر آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے (یہ کہ تو نے ہی
ہم کو پہلے سے کیوں نہ سمجھایا)

اور کہنے لگے ہائے بدقسمتی بلاشبہ ہم سرکش تھے جلد توقع
ہے کہ ہمارا پروردگار ہم کو اس سے بہتر بدل عطا فرمائے۔ بلاشبہ اب
ہم اپنے پروردگار ہی کی جانب متوجہ ہیں۔ (اے مکہ والو) خدا کا عذاب
اس طرح اچانک آجاتا ہے اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی ہولناک ہے
کاش کہ وہ جان لیتے۔

نتائج و عبر

عبرت ہی عبرت

جو لوگ قرآن حکیم کی عطا کردہ تعلیمات حقوق اللہ اور حق العباد سے گریز کرکے اپنی قوت وشوکت پر اتراتے اور گھمنڈ کرتے ہیں اُن کا انجام وہی ہونے والا ہے جو "باغ والوں" کا ہوا اور یہ اس لئے کہ اوّل اللہ تعالیٰ کی جانب سے قانون اِمہال (مہلت دینے کا خدائی قانون) متکبّروں کو ڈھیل دیتا اور اصلاح حال کے لئے موقعہ عطا کرتا ہے مگر جب کوئی قوم اس قانون سے فائدہ نہیں اُٹھاتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی اس مہلت کو اپنی باطل پرستی کے لئے صداقت کی دلیل ٹھہرا کر اہل صداقت کی تحقیر و تذلیل پر آمادہ ہوجاتی ہے تو پھر اچانک "قانون گرفت" اُن کو ہلاک اور برباد کرکے دوسروں کو عبرت وبصیرت کا سامان مہیا کردیتا ہے۔ پھر اس وقت نہ حسرت کام آتی ہے نہ ندامت۔ اور اس گھڑی نہ ایمان لانا مفید ہوتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی انقیاد و اطاعت کا اعلان نجات دیتا ہے۔

حق معیشت

اس عالم میں ایک جاندار بھی ایسا نہیں رہنا چاہیئے جو حق معیشت سے محروم ہو۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ سب کو برابر برابر روزی ملے۔ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ۔ لیکن درجاتِ معیشت کا یہ مطلب نہیں کہ اُس سے جو کچھ کمایا ہے وہ سب اس کا انفرادی حق ہے۔ بلکہ جو جس قدر زیادہ کمائے گا اُسی قدر اُسکی دولت میں اجتماعی حق زیادہ ہوگا۔ اور پھر یہ اجتماعی حق دو قسم پر تقسیم ہوجاتا ہے ایک حق اللہ دوسرا حق العباد۔ پس جو شخص اپنی دولت و ثروت کو صرف انفرادی ملک سمجھتا ہے اور اسمیں حق اللہ اور حق العباد دونوں کا انکار کرتا ہے۔ اس کا انجام کبھی بھی بخیر نہیں ہوتا اور وہ کسی بھی وقت اللہ تعالےٰ کے غضب کا شکار ہوجاتا ہے جیسا کہ باغ والوں کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔

تذکرہ
مَثَلاً رَّجُلَیْنِ
(دو دوستوں کا قصہ)

دو دوستوں کا قصہ

اصحاب کہف کے واقعہ کے بعد قرآن حکیم نے زمانہ قدیم کے دو دوستوں کا ایک واقعہ بیان کیا ہے اور ساتھ ہی اس کا نتیجہ اور ثمرہ بھی مذکور ہے۔ یعنی ایک کی زندگی کامیاب رہی اور دوسرے کو ندامت وحسرت کا منہ دیکھنا پڑا۔

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ قرآن حکیم نے ان دو دوستوں کا یہ واقعہ مثال کے طور پر بیان کیا ہے یعنی زمانۂ ماضی میں ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا بلکہ اہل مکہ کا مسلمانوں کے ساتھ تحقیر واستہزار کا جو معاملہ تھا اسکو سامنے رکھ کر بطور تذکیر ونصیحت ایک مثال بیان کی جارہی ہے۔

لیکن ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ جس طرح اصحاب کہف کا واقعہ پیش آیا ہے اسی طرح نزول قرآن سے قبل دو دوستوں کے درمیان یہ واقعہ بھی پیش آیا۔ ان میں ایک مومن تھا دوسرا کافر۔

اِن دونوں واقعات کو مشرکین مکہ کی تذکیر وتنذیر کے لئے بیان کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں جسقدر بھی یہ واقعہ موجود ہے اس سے زیادہ نہ کتب احادیث میں ہے نہ سیر وتاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے۔ اس لئے قرآن حکیم کی وضاحت ہی اسکی اصل ہے۔

اس واقعہ سے قبل یہ ذکر ہورہا ہے کہ جو لوگ آخرت کے منکر ہیں ان کے لئے جہنم کی آگ مہیا کی گئی ہے۔ اور جو مؤمن اور مخلص ہیں اُن کے لئے ہمہ قسم کی خوش عیشیاں اور ابدی زندگی ہے۔ اسکے بعد آیات متعلقہ میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے انھیں نہ صرف آخرت کی محرومیاں ہیں بلکہ دنیا کی زندگی میں بھی

ناکامی اور نقصان سے دوچار ہونا ہے۔ اِن کا یہ خیال کہ انھیں خوشحالی اور ہر قسم کی رفاہیت نصیب ہے۔ وہ مال و دولت کے مالک ہیں اِن کا جتھا اور خاندان بھی بڑا ہے۔ یہ سب چیزیں بہت جلد خاک میں مل جانے والی ہیں۔ اور اہل ایمان اپنی موجودہ تنگ حالی پر بددل نہ ہوں کیونکہ انکے لئے بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جس میں اُن کی بے چارگی و بے بسی، ہر قسم کی عزت و طاقت سے بدل جائیگی۔ نیز یہ کہ دنیا کی یہ خوش عیشی چڑھتی گھٹتی چھاؤں ہے جسپر کوئی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ آخرت فراموشوں کو جب کبھی کچھ شان و شوکت حاصل ہوجاتی ہے تو ہمیشہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ انھیں دُنیا ہی میں جنت نصیب ہوچکی ہے اب اور کون سی جنت ہے جیسے حاصل کرنے کی وہ فکر کریں۔

چنانچہ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے دو دوستوں کا یہ واقعہ بیان کیا کہ دو دوست تھے ایک کو اللہ تعالےٰ دنیوی عیش و عشرت کے کل سامان دے رکھے تھے اور دوسرا تنگدست اور پریشان حال تھا۔ دولت مند اللہ تعالیٰ کا منکر اور متکبر قسم کا آدمی تھا۔ وہ اپنے نادار دوست سے غرور و نخوت کے ساتھ یہ کہتا تھا کہ میری یہ دولت اور حشمت پائیدار ہے کوئی طاقت نہیں کہ اسکو مجھ سے چھین لے اور قیامت کے بارے میں سمجھتا ہوں کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی گیا تو یقیناً اس سے کہیں شاندار زندگی پاؤں گا۔

اُسکے مؤمن دوست نے اُسکو تنبیہ کرتے ہوئے جواب دیا:۔

"تُو اپنی دولت کے نشہ میں اس درجہ مغرور نہ ہو کون جانتا ہے کہ لمحوں میں کیا سے کیا ہوجائے۔ تیرا یہ تکبر اور فخر کرنا اور آخرت کا انکار کرنا اللہ تعالیٰ سے کفر کرنے کے مرادف ہے۔ اگر آج تجھے خوشحالی میسر ہے تو اس غرّے میں نہ رہے کہ یہ حالت لازوال ہے جس ذات کے حکم سے یہ جو کچھ ملا ہے اُسی کے حکم سے سب کچھ چھن بھی سکتا ہے۔"

آخر کار یہی ہوا کہ اس کے وہ تمام باغ جن کی شادابیوں پر اُسکو زعم تھا ایک آسمانی عذاب کے گھیرے میں آگئے اور وہ ہاتھ مَل مَل کر افسوس کرنے لگا۔

ایک روایت میں ہے کہ رات کو ایک گرم ہوا چلی اور اُس سے اس کا سارا باغ جلکر خاک ہوگیا۔

اِن دو دوستوں کا یہ واقعہ سورۂ کہف میں اسطرح مذکور ہے :۔

قرآنی مضمون | وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ الخ۔

(کہف آیات ۳۲ تا ۴۴)

اور اے نبی لوگوں کو ایک مثال سنادو، دو آدمی تھے اِن میں سے ایک کے لئے ہم نے انگور کے دو باغ مہیا کر دیئے تھے اور اطراف کھجور کے درختوں کا احاطہ تھا اور بیچ کی زمین میں کھیتی تھی۔

پس ایسا ہوا کہ دونوں باغ پھلوں سے لَد گئے اور پیداوار میں کسی طرح کی کمی نہ ہوئی اور ہم نے اُن کے درمیان (آب پاشی کے لئے) ایک نہر جاری کر دی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ آدمی دولتمند ہوگیا، تب ایک دن گھمنڈ میں آکر اپنے دوست سے (جس کو خوشحالی میسّر نہ تھی) باتیں کرتے کرتے بول پڑا دیکھو میں تم سے زیادہ مالدار ہوں اور میرا جتھا بھی بڑا طاقتور جتھا ہے۔

پھر وہ (یہ باتیں کرتے کرتے) اپنے باغ میں گیا اور وہ اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر رہا تھا کہنے لگا میں نہیں سمجھتا کہ ایسا شاداب باغ کبھی ویران ہوسکتا ہے، اور مجھے یہ بھی توقع نہیں کہ قیامت برپا ہوگی۔ اور اگر ایسا ہوا بھی کہ میں اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو (میرے لئے کیا اندیشہ ہے)، مجھے وہاں ضرور اس سے بہتر ٹھکانہ ملے گا۔

یہ سُنکر اُس کے دوست نے کہا اور باہم گفتگو کا سلسلہ جاری تھا کیا تو اُس ہستی کا انکار کرتا ہے جس نے تجھکو پہلے مٹی سے اور پھر نطفہ سے پیدا کیا اور پھر آدمی بنا کر نمودار کر دیا۔

لیکن میں تو یقین رکھتا ہوں کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا اُس وقت تیری زبان سے

یہ کیوں نہ نکلا کہ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ. اگر تو مجھے مال واولاد میں اپنے سے کمتر پا رہا ہے تو بعید نہیں کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا کردے اور تیرے باغ پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے جس سے وہ صاف میدان بن کر رہ جائے۔ یا اس کا پانی زمین میں اُتر جائے اور پھر تو اسے کسی طرح نہ نکال سکے۔

آخرکار ہوا یہ کہ اِس کا سارا ثمر مارا گیا اور وہ ہاتھ مل مل کر افسوس کرنے لگا کہ اِن باغوں کی درستگی پر میں نے کیا کچھ خرچ کیا تھا (وہ سب برباد ہوگیا) اور باغوں کا یہ حال ہوا کہ ٹٹیاں گر کے زمین کے برابر ہوگئیں اور وہ کہنے لگا کہ اے کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا۔ نہ ہوا اللہ کو چھوڑ کر اُس کے پاس کوئی جتھا کہ اُسکی مدد کرتا، اور نہ کرسکا وہ آپ ہی اس آفت کا مقابلہ۔

یہاں سے معلوم ہوگیا کہ فی الحقیقت سارا اختیار اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہی ہے جو بہتر ثواب دینے والا ہے اور اُسی کے ہاتھ بہتر انجام ہے۔

نتائج و عبر

تذکیر اور تنبیہ واقعہ مذکورہ جس مقصد کے لئے بیان کیا گیا ہے اسکے پیش نظر مشرکینِ مکہ اور مسلمانوں کے باہمی تقابل کا نہایت ہی جامع اور کامل نقشہ ہے۔ قریشِ مکہ کے غرور ونخوت کا یہ حال تھا کہ پہلے تو وہ پیغامِ ہدایت پر توجہ ہی نکرتے تھے اور اگر کبھی سُننے پر آمادہ ہوتے تو یہ شرط لگاتے کہ جب تک ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بیٹھیں اُس وقت اِن خستہ حال مسلمانوں میں سے کوئی ہمارے برابر آکر نہ بیٹھے کیونکہ ان کے ساتھ بیٹھنا ہماری توہین ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہماری یہ دولت وحشمت غیر فانی ہے اور ہمارا یہ کرّ و فر ابدی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو تنگدست دیکھ کر ان کا مذاق اُڑاتے اور اُنھیں حقیر و ذلیل سمجھتے تھے۔ قرآن حکیم نے اپنے معجزانہ اسلوب بیان کے ساتھ

مسلمانوں کے حق میں ایسے ناسازگار حالات میں اُن کی کامیابی اور مشرکین کی ناکامی کی خبر دی ہے جو کچھ عرصہ بعد ہونے والی تھی۔ چنانچہ بدر کی فتح اور مکّہ مکرمہ کا اقتدار کفارِ مکّہ کے لئے دائمی ذلّت کا باعث ہوگیا۔

اعترافِ نعمت

مومن کی یہ شان ہے اگر اللہ تعالیٰ اسکو دنیا کی نعمتوں سے نوازتا ہے تو غرور وتکبر کے بجائے درگاہِ الٰہی میں سر جھکا کر اعترافِ نعمت کرتا ہے اور دل وزبان سے یہ اقرار کرتا ہے کہ الٰہی اگر تو یہ عطا نہ کرتا تو اسکا حصول میری اپنی قوت وطاقت سے باہر تھا۔ یہ سب تیرے ہی عطا ونوال کا حصہ ہے۔ مومن دوست نے اپنے کافر ساتھی سے اسی حقیقت کو دُہرایا تھا۔ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ تونے اپنے باغ میں داخل ہوتے وقت یہ کیوں نہ کہا مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ جنّت کے پوشیدہ خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

یعنی بندہ اعتراف کرے کہ بھلائی کرنے کی طاقت اور بُرائی سے بچنے کی قوت اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ جوشخص اس حقیقت کو اپنے قلب میں جاگزیں کرلے اُس نے جنّت کے پوشیدہ خزانوں کی کنجی حاصل کرلی۔

تذکرہ
اَصْحَابُ القَریَۃ
(بستی والے)

اَصْحَابُ القَریَۃ اور قرآن حکیم

قرآن حکیم میں ایک مختصر واقعہ "بستی والوں" کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔ گزشتہ زمانہ میں ایک بستی میں کفر و شرک کو دور کرنے اور رُشد و ہدایت کا سبق دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دو پیغمبر مامور کئے۔ اُنھوں نے اہل بستی کو حق کی تلقین کی اور صراط مستقیم کی جانب دعوت دی لیکن بستی والوں نے اِن دونوں پیغمبروں کو جھٹلایا اسپر اللہ تعالیٰ نے ایک ہادی کا اور اضافہ کیا۔ یہ تینوں ملکر ایک جماعت ہوگئے پھر انھوں نے بستی والوں کو یقین دلایا کہ بلاشبہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہیں مگر اہل بستی نے ان سب کا بھی انکار کیا اور مذاق اُڑایا کہ تم بھی آدمی (بشر) ہو اور ہم بھی آدمی (بشر) ہیں۔ پھر تمہارے اندر وہ کونسی عجیب بات ہے کہ تم پیغمبر بنا دیئے گئے ہو۔ یہ سب تمہاری جھوٹ اور سازش ہے۔ اسپر اُن تینوں نے اللہ تعالیٰ کے نام پر حلف لیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ اس کا شاہد ہے ہم جھوٹے نہیں وہ دانا و بینا اسکو خوب جانتا ہے مگر پھر بھی تم نہیں مانتے تو ہمارا کام اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچادیں اور حق کی راہ دکھادیں۔ بستی والوں نے کہا کہ ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں کہ تم نے خواہ مخواہ ہمارے ہاں آکر انتشار پیدا کردیا ہے اگر تم لوگ اس سے باز نہ آئے تو ہم تم تینوں کو ہلاک کردیں گے یا سخت تکلیف میں مبتلا کردیں گے۔ پیغمبروں نے جواب دیا اللہ کی نافرمانی کرکے نحوست تو تم خود اپنے اوپر لاد چکے ہو اس سے زیادہ نحوست اور کیا ہوسکتی ہے کہ تم نصیحت اور خیر خواہی تک کو قبول نہیں کرتے بلکہ حد سے گزر جاتے ہو۔ یہ تمہاری انتہائی نادانی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ہماری خیر خواہی قبول کرو۔ اُسی بستی کے آخری کنارے پر ایک نیک مرد رہتا تھا اُس نے جب سُنا کہ بستی والوں نے

اللہ کے رسولوں کا انکار کر دیا ہے اور انکو جھوٹا قرار دیا ہے اور طرح طرح کی دھمکیاں دے رہے ہیں تو عجلت کے ساتھ وہاں پہنچا اور کہنے لگا :۔

"اے قوم اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی پیروی کرو، ایسے نیک لوگوں کی پیروی سے کیوں منہ موڑتے ہو جو تم سے اس خدمت کا کوئی معاوضہ تک طلب نہیں کرتے اور خود نہایت نیک اور بزرگ ہیں۔ آخر تم ہی بتاؤ کہ میں کیوں نہ صرف اللہ واحد کی پرستش کروں جس نے مجھ کو عدم سے وجود میں لایا اور مرنے کے بعد ہم سب کو اسی کی جانب لوٹ جانا بھی ہے۔

تم لوگ جو ان برگزیدہ انسانوں کی تکذیب کر رہے ہو تو میں دریافت کرتا ہوں کہ کیا مجھ کو اللہ واحد کے سوا معبودان باطل کو اپنے لئے الٰہ تجویز کر لینا چاہیئے ؟ وہ ذاتِ واحد جو نہایت ہی مہربان اور کریم ہے اگر مجھے کسی قسم کا نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے تو ان معبودانِ باطل کی نہ سفارش مفید ہو سکتی ہے نہ وہ اس نقصان سے مجھے بچا سکیں گے۔ ایسی صورت میں بلاشبہ میں سخت گمراہی میں پھنس جاؤں گا۔ لہٰذا کان کھول کر سن لو کہ میں تو اُس ذاتِ واحد پر ایمان لے آیا جو میرا اور تمہارا بھی پروردگار ہے۔"

قوم جب اس مرد نیک کی باتیں سن چکی تو غیض وغضب میں آگئی اور اُسکو شہید کر دیا۔

واقعہ کا اس حد تک بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :۔

"ہم نے جرأتِ حق کی جزا میں اُس مردِ مجاہد کو جنت عطا کی اور جب اُس نے اپنا باعزت مقام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو وجد آفریں انداز میں کہنے لگا :۔

"اے کاش میری قوم کے لوگ یہ جان سکتے کہ میرے پروردگار نے مجھ کو مغفرت کا کیسا بیش بہا تحفہ عطا فرمایا اور میرا کس درجہ اعزاز و اکرام کیا ہے۔"

اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :۔

اس مردِ نیک کی قوم کے افراد کو ان کی بدکرداری پر ہلاک کرنے یا عذاب دینے کے لئے ہمیں کسی لشکر بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی فقط ایک

ہولناک چیخ نے ان سب کا کام تمام کر دیا اور وہ جہاں کہیں تھے وہیں ڈھیر ہوکر رہ گئے "

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان ظالموں نے اللہ تعالیٰ کے اُن تینوں رسولوں کو بھی شہید کر دیا جیساکہ انھوں نے دھمکی میں کہا تھا اگرچہ قرآن حکیم میں یہ صراحت نہیں ملتی مگر اُس مردِ شہید کے ذکر کے بعد چونکہ ان رسولوں کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا اس لئے قرینہ یہی شہادت دیتا ہے۔

اصحاب القریہ کا یہ واقعہ قرآن حکیم میں اس طرح موجود ہے :-

قرآنی مضمون

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ ؕ (یٰسین آیات ۱۳ تا ۲۲)

اور اے نبی آپ ان کفار مکہ سے ایک بستی والوں کا قصہ بیان کیجئے جبکہ اُس بستی میں کئی رسول آئے۔ جبکہ ہم نے اُن کے پاس پہلے دو کو بھیجا سو اُن لوگوں نے دونوں کو جھوٹا قرار دیا۔ پھر تیسرے رسول سے اُن دونوں کی تائید کی (یعنی تائید کے لئے پھر تیسرے رسول کو وہاں جانے کا حکم دیا) سو اُن تینوں نے ان بستی والوں سے کہا کہ ہم تمہارے پاس اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں (تاکہ تم کو ہدایت کریں کہ توحید اختیار کرو اور بُت پرستی چھوڑ دو)

اُن لوگوں نے کہا تم تو ہماری طرح بشر ہو (تم کو رسول ہونے کا امتیاز نہیں) اور اللہ رحمٰن نے تو کوئی چیز آسمان سے نازل ہی نہیں کی ہے تم لوگ خالص جھوٹ بولتے ہو۔

اُن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار خوب جاننے والا ہے کہ بلاشبہ ہم تمہارے پاس بطور رسول بھیجے گئے ہیں۔

اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر حکم کا پہنچا دینا ہے۔

وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تم کو منحوس سمجھتے ہیں (یہ اس لئے کہا کہ اس وقت ملک پر قحط پڑا ہوا تھا) اگر تم اپنے اس دعوٰی سے باز نہ آئے تو یاد رکھو ہم سنگساری سے تمہارا کام تمام کر دیں گے اور تم کو ہماری

طرف سے سخت تکلیف پہونچے گی۔

اُن رسولوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہی لگی ہوئی ہے کیا اسکو نحوست سمجھتے ہو کہ تم کو نصیحت کی جائے بلکہ تم لوگ خود حد سے نکل جانے والے ہو۔

(اس گفتگو کی جب شہرت ہوئی تو) ایک شخص جو مسلمان تھا اُس شہر کے کسی دور مقام سے دوڑتا ہوا آیا (اور اُن لوگوں سے کہنے لگا) اے میری قوم اِن رسولوں کی راہ چلو ضرور ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ خود راہِ راست پر بھی ہیں۔

اور میرے پاس کونسا عذر ہے کہ میں اُس معبود کی عبادت نہ کروں جس نے مجھ کو پیدا کیا اور تم سب کو اُسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

کیا میں اللہ کو چھوڑ کر ایسے ایسے معبود قرار دے لوں کہ اگر اللہ رحمٰن مجھکو کچھ تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ ان معبودوں کی سفارش میرے کچھ کام آئے اور نہ وہ مجھکو چھڑا سکیں۔ اگر میں ایسا کروں تو صریح گمراہی میں جا پڑا۔ میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لاچکا سو تم بھی میری بات سن لو۔

(مگر اُن لوگوں پر اس وعظ کا کچھ اثر نہ ہوا بلکہ انھوں نے اس مردِ نیک کو پتھروں سے مار مار کر ہلاک کر ڈالا پھر اُس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ارشاد ہوا کہ جا جنت میں داخل ہو جا کہنے لگا کہ کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھ کو بخش دیا اور مجھ کو عزّت داروں میں شامل کر دیا۔ اور ہم نے اُس شہید کی قوم پر اسکے بعد کوئی لشکر (فرشتوں کا) آسمان سے نہیں اُتارا اور نہ ہم کو اُتارنے کی ضرورت تھی۔

(بلکہ) وہ سزا ایک سخت آواز تھی اور وہ سب اُسی دم اُس سے بُجھ کر یعنی مر کر رہ گئے۔

افسوس (ایسے) بندوں کے حال پر کبھی اُن کے پاس کوئی رسول نہیں آیا جسکی انھوں نے ہنسی نہ اُڑائی ہو۔ کیا اِن لوگوں نے اسپر نظر نہیں کی کہ ہم اِن سے پہلے بہت سی امتیں غارت کر چکے ہیں کہ وہ اِن کی طرف

لوٹ کر نہیں آتے۔

اور اِن سب میں کوئی ایسا نہیں ہے جو اجتماعی طور پر ہمارے روبرو حاضر نہ کیا جائے۔

واقعہ کی دیگر تفصیلات قرآن حکیم نے اپنے مقصد تذکیر کے پیش نظر جسقدر بیان کیا ہے وہ ایک صاحبِ بصیرت کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس وسیع زمین پر حق و باطل کے جہاں سینکڑوں واقعات گزرے ہیں اور اس پیرِ فلک نے اس سلسلہ میں جتنے ورق بھی اُلٹے ہیں اِن میں ایک یہ واقعہ بھی اسی آسمان کے نیچے اور اسی زمین پر گزرا ہے۔ بستی کی تعین، مردِ صالح کا نام، مقدس رسولوں کے اسمارِ گرامی معلوم ہوں یا نہ ہوں نفس واقعہ پر اِن باتوں کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ واقعہ کا حاصل یہی تو ہے کہ چند مقدس پیغمبروں نے ایک بے راہ رو مخلوق کو سیدھا راستہ دکھانے کی کوشش کی اور اُس نے ازراہِ عناد وگمراہی اِن کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ ایسے ہادیوں کو قتل کر دینے سے بھی باز نہ آئے۔

ابنِ اسحاق نے بروایت کعب احبارؒ اور وہب بن منبہؒ اور عبد اللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ شہر انطاکیہ (ملک شام) کا ہے۔ اس شہر کے لوگ بُت پرست تھے اور اِن کے بادشاہ کا نام انطخیس تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اِن کی ہدایت کے لئے تین پیغمبروں صادق، صدوق، شلوم (علیہم السلام) نامی بھیجے تھے اور[1] شہر کے کنارے عبادت میں مشغول رہتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ ریشمی یا سوتی کپڑا بُننے کا کام کرتا تھا اور صاحبِ صدقات وخیرات تھا۔ اور یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے کا ہے۔

قتادہؒ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا ہے اور شہر انطاکیہ ہی کا واقعہ ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے تین حواری شمعون، یوحنا، پولس کو وہاں بھیجا تھا کہ جاکر اُن لوگوں کو حق کی دعوت دیں اور پیغامِ الٰہی سنائیں مگر اہل شہر نے اُنھیں قبول نہ کیا اور اُن کی بستی کے ایک مرد نیک نے جب اُن کی دعوت کو قبول کیا اور ترغیب دی تو اُنھوں نے اُسکو قتل کر ڈالا اور پیروں سے کچل کر اُس کی نعش کی توہین کی۔ اس شخص کا نام حبیب نجار تھا یہ بڑھی کا کام کرتے تھے۔

---

[1] اور شہر کے آخری حصے سے جو مرد صالح اُنکی تائید کیلئے آیا تھا اسکا نام حبیب تھا۔ یہ عابد و زاہد انسان تھا۔

تب اللہ تعالیٰ نے اس بستی پر چیخ کا عذاب مسلط کر دیا۔ کہتے ہیں کہ جبرئیل امین نے ایسی ہولناک چیخ ماری کہ شہر والے اسکو سُنکر جس حالت میں تھے اُسی حالت میں مُردہ ہوگئے۔

تنقید و تبصرہ ابن اسحاق کی یہ روایت اسرائیلیات میں شمار کی جاتی ہے اسکی مکمل و مستند سند کا بھی پتہ نہیں۔ خود ابن اسحاق بَلَغَنِیْ یعنی مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہہ کر بیان کرتے ہیں۔ مشہور محدث اور مؤرخ حافظ ابن کثیرؒ نے پہلے اور دوسرے واقعہ پر تو یہ مشترک اعتراض کیا ہے کہ شہر انطاکیہ اُن چار مسیحی شہروں میں سے ایک ہے جن کے متعلق یہ ثابت ہے کہ وہ دعوتِ مسیح کے مراکز شمار کئے جاتے ہیں اسلئے باختلاف زمانہ ان شہروں میں جس وقت دعوتِ مسیح پہنچی ہے انھوں نے برضا و رغبت اس پر لبیک کہا ہے اور وہ مسیحی پیغام کے لئے معاون ثابت ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ مسیحیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ چار مقامات "مقدس" ہیں۔ القدس، انطاکیہ، اسکندریہ، روما۔

القدس (بیت المقدس) اس لئے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وطن ہے۔

انطاکیہ۔ اس لئے کہ یہ پہلا شہر ہے جس کی کل آبادی بیک وقت حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لائی تھی۔

اسکندریہ۔ یہ اس لئے کہ یہ پہلا شہر ہے جسکے باشندوں نے صلح و آشتی کے ساتھ یہ منظور کیا کہ مسیحی مقدسین پوپ، مطران، اسقف، قسیس، شماس، راہب (پادریوں کے اعلیٰ مناصب و عہدے) اپنے اپنے اختیارات کے ساتھ یہاں قیام کریں گے۔

روما (اٹلی)، اس لئے کہ قسطنطین اعظم کا دار السلطنت تھا جس نے عیسائی مذہب کو نئے سانچے میں ڈھال کر فروغ دیا اور دعوتِ مسیحؑ سے قبل بھی کسی تاریخی شہادت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ انطاکیہ کسی زمانہ میں غضب الٰہی سے برباد و تباہ کر دیا گیا تھا اور بعد میں پھر بارونق شہر بن گیا۔

لہذا ہر دو اقوال کے مطابق اس واقعہ کو شہر انطاکیہ سے وابستہ کرنا بعید معلوم ہوتا ہے اور قتادہؒ کی روایت پر مذکورہ بالا اعتراض کے علاوہ دوسرا اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کا ظاہر سیاق یہ بتا رہا ہے کہ معذب بستی کی ہدایت کے لئے جو برگزیدہ انسان بھیجے گئے تھے وہ حضرت مسیح علیہ السلام یا کسی دوسرے نبی کے فرستادہ نہ تھے بلکہ براہِ راست

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور نبی تھے۔ اس لئے کہ اگر وہ حضرات حضرت مسیح علیہ السّلام کے فرستادہ ہوتے تو قرآن حکیم کا کوئی اشارہ اس جانب ہوتا مگر ایسا نہیں ہے بلکہ تمام آیات میں ان حضرات کے لئے اَرْسَلْنَا (ہم نے اُن کو بھیجا) استعمال کیا گیا ہے۔

اسی طرح فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ (ہم نے قوت دی دونوں کو تیسرے کے ذریعہ)

فَقَالُوْآ اِنَّآ اِلَیْکُمْ مُّرْسَلُوْنَ (بلاشبہ ہم تمہاری جانب بھیجے گئے ہیں)

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (انھوں نے کہا کہ تم کچھ نہیں ہو مگر ہم جیسے بشر)

یہ اعتراض جا بجا رسولوں کے حق میں کیا گیا ہے۔ بہرحال قرآن حکیم کا سیاق وسباق یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ حضرات مستقل نبی تھے کسی نبی یا رسول کے فرستادہ نہ تھے۔

طبرانی نے معجم میں ایک روایت حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

"تین ہستیاں ہیں جو انبیاء کرام کی نقیب کہلاتی ہیں۔ ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نقیب یوشع علیہ السّلام، دوسرے اصحاب یٰسین (اصحاب القریہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نقیب۔ تیسرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقیب حضرت علیؓ۔

اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے ہی وابستہ ہے۔ مگر محدثین کے نزدیک یہ حدیث ضعیف بلکہ ناقابل اعتماد ہے۔ کیونکہ اسکی سند میں ایک راوی حسین الاشقر ہے جو متروک الحدیث ہے۔ (فتح الباری)

امام بخاری نے اگرچہ اس واقعہ سے متعلق کوئی روایت نقل نہیں کی مگر انبیاء علیہم السلام کے تذکروں میں اس واقعہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرے سے مقدم رکھا اور آیت کو نقل کر کے صرف حل لغات پر اکتفا کیا ہے۔ اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ ابن کثیر اور امام بخاری کا رجحان یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔

الحاصل واقعہ کی جزئی تفصیلات کچھ بھی ہوں قرآن حکیم نے اس سلسلے میں جو حصہ نقل کیا ہے وہ اسکے مقصد ومنشاء کو پورا کرتا ہے اور اہل مکہ اور ارباب بصیرت کو عبرت ودعوت دیتا ہے کہ اس سے فائدہ اُٹھائیں۔

نتائج و عبر

رحمٰن عزوجل:-

اصحاب القریہ کے پاس جب رسولوں کی یہ جماعت آئی اور انھوں نے اپنا پیغام دیا تو بستی والوں نے یہ کہہ کر انھیں جھٹلا دیا کہ تم لوگ تو ہم جیسے ہی بشر ہو اور رحمٰن نے تو ہرگز تم پر کچھ بھی نازل نہیں کیا اس لئے تم لوگ جھوٹے ہو۔

اصحاب القریہ اگرچہ مشرک وبت پرست تھے مگر ان میں حق کی کچھ جھلک موجود تھی۔ ان کے ہاں رحمٰن کا تصور پایا جاتا تھا جو اللہ واحد کے اسماء میں خصوصیت رکھتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر آیت ۲۴) کوئی قوم ایسی نہیں گزری کہ جہاں ہمارا کوئی نذیر نہ پہنچا ہو۔

وہ اس دعوت سے قبل عرصہ تک کسی پیغمبر کے پیرو رہے ہوں اور آہستہ آہستہ زمانۂ دراز کے بعد شرک میں مبتلا ہو گئے جیسا کہ اکثر آسمانی مذاہب کے پیرو اس گمراہی میں پڑ گئے ہیں۔

قدیم جاہلانہ تصوّر:-

ماضی کی اقوام میں ہمیشہ سے یہ باطل عقیدہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر انسان نہیں ہونا چاہیئے بلکہ کسی مافوق الفطرۃ ہستی کو "رسول اللہ" ہونا چاہیئے۔ اس لئے قومِ نوح سے لیکر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی امتِ دعوت تک ہر گروہ نے سب سے پہلے اسی پر تعجب کیا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہماری ہی طرح کا انسان اور لوازمات بشری کا محتاج اللہ کا پیغمبر ہو۔

چنانچہ اصحاب القریہ نے بھی رسولوں کی اس جماعت پر یہی اعتراض دُہرایا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مشرکینِ مکہ نے یہی کہا:-

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ۔ (الفرقان آیت ۷)

یہ کیسا رسول ہے کہ ہماری طرح ہی کھاتا پیتا اور ہماری طرح
بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا (تغابن آیت ۶)

کیا بشر ہماری ہدایت کریں گے؟

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا
أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا۔ (بنی اسرائیل آیت ۹۴)

اور حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی اللہ کی ہدایت دنیا میں ظاہر ہوئی
تو صرف اسی بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا کہ متعجب ہو کر کہنے
لگے کیا اللہ نے ہماری طرح کا ایک بشر پیغمبر بنا کر بھیج دیا ہے۔

مگر اِن جاہلانہ سوالات کا قرآن حکیم نے یہ فیصلہ کُن جواب دے کر ہمیشہ کے لئے
اس بحث کا خاتمہ کر دیا:۔

قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا
عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا (بنی اسرائیل آیت ۹۵)

اے پیغمبر کہہ دو کہ ایسا ہوتا کہ زمین میں انسانوں کی جگہ فرشتے
بسے ہوتے اور اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ضرور آسمان سے
ایک فرشتہ پیغمبر بنا کر اُتار دیتے۔

یعنی اس سوال کی بنیاد ہی جہالت پر مبنی ہے۔ اس لئے جب دنیا میں انسان بس رہے ہیں اور فرشتوں کی آبادی نہیں ہے تو پھر اُن کی ہدایت کے لئے رسول اور پیغمبر کو بھی انسان ہی ہونا چاہیئے۔ نہ کہ فرشتہ یا اور کوئی مخلوق۔ لہذا یقیناً ہر نبی و رسول بشر ہی ہوتے ہیں۔

اندھیرے میں نُور:۔

جہاں شر و فساد اور فتنہ و گمراہی کی گرم بازاری رہتی ہے وہاں خیر و سعادت کی بھی کوئی کرن ضرور پوشیدہ رہتی ہے اور وہ حق کی تائید کے لئے جان کی بازی لگانے سے بھی گریز نہیں کرتی۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قیام مصر کے دوران شہر کے دور دراز حصہ سے ایک نیک مرد بھاگ کر آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظتِ جان کے لئے ایک نیک مشورہ دے کر اپنا فرض ادا کیا تھا۔ اسی طرح اصحاب القریہ کے رسولوں کی حمایت کے لئے شہر کے آخری حصے سے ایک مرد نیک نکل آیا اور اُس نے اپنی قوم کو نصیحت کی اور اس صلہ میں جامِ شہادت نوش کیا۔ اس لئے اہلِ تبلیغ کو کم ہمت نہ ہونا چاہیئے۔ ہر اندھیرے میں نور چھپا ہوا رہتا ہے۔

ایک حقیقت :۔

حق و باطل کے معرکہ میں ایک کھُلا مظاہرہ یہ ہوتا ہے کہ حق جوں جوں اپنی صداقت کو جلوہ گر کرتا جاتا ہے باطل اُسی درجہ مشتعل ہو کر دلائل کی جگہ جنگ و جدل پر آمادہ ہو جاتا ہے مگر حق کے پرستار اسکی مطلق پروا نہیں کرتے اور شوق کے ساتھ حق پر جان قربان کر دیتے ہیں۔ اصحاب القریہ کا یہ واقعہ اسکی ایک اور شہادت ہے۔

نبوّت کی ایک کسوٹی :۔

مذکورہ واقعہ میں شہر کے دور دراز گوشے کا ایک مرد نیک دوڑتا ہوا آکر اصحٰبِ القریہ کو یہ فہمائش کرتا ہے :۔

اِتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔ (یٰس آیت ۲۱)

(اے میری قوم کے لوگو) پیروی کرو اُن لوگوں کی جو تم سے کوئی صلہ نہیں چاہتے اور وہ خود بھی ٹھیک راہ پر ہیں۔

نبی کی صداقت اِن دو باتوں سے بھی جانچی جا سکتی ہے ایک اُس کا بے غرض ہونا، دوسرے اس کا قول و عمل سچا ہونا۔

اُس مرد نیک کا یہ استدلال تھا کہ یہ لوگ سراسر معقول بات کہہ رہے ہیں اور انکی اپنی سیرت بالکل بے داغ ہے۔

کوئی شخص اس بات کی نشان دہی نہیں کر سکتا کہ اس دین کی دعوت یہ اپنے کسی ذاتی مفاد کی خاطر دے رہے ہوں اسکے بعد کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اِن کی بات کیوں نہ مانی جائے؟

کمالِ خیر خواہی :-

مردِ نیک کی خیر خواہی کو برداشت نہ کرتے ہوئے اہل قریہ نے اُن کو شہید کر دیا۔ جونہی وہ موت کے دروازے سے گزر کر دوسرے عالم میں پہنچے فرشتے ان کے استقبال کو موجود تھے اور انھوں نے یہ خوشخبری سنائی کہ فردوسِ بریں آپ کی منتظر ہے۔ اسکے جواب میں وہ شہید کہتا ہے :-

یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ۔ بِمَا غَفَرَلِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ۔ (یٰسین آیت ۲۷)

اے کاش میری قوم کو معلوم ہوتا کہ میرے رب نے کس چیز کی بدولت میری مغفرت فرما دی اور مجھے باعزت لوگوں میں داخل فرمایا۔

اس مردِ مومن کے کمالِ خیر خواہی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ جن لوگوں نے اُسے ابھی ابھی ظلماً قتل کیا تھا اُن کے خلاف کوئی غصہ یا جذبۂ انتقام اُس کے دل میں نہ تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اُن کے حق میں بددعا کرتا۔ اسکے بجائے وہ اب بھی انکی خیر خواہی کئے جا رہا ہے۔ مرنے کے بعد اسکے دل میں اگر کوئی تمنا پیدا ہوئی تو وہ بس یہ تھی کہ کاش میری قوم میرے اس انجامِ نیک سے باخبر ہو جائے اور میری زندگی سے نہیں تو میری موت ہی سے سبق لے اور راہِ رہلت اختیار کر لے۔ وہ نیک نفس انسان اپنے قاتلوں کے لئے بھی جہنم نہ چاہتا تھا بلکہ یہ چاہتا تھا کہ وہ ایمان لا کر جنت کے مستحق بنیں۔ اسی شخص کی تعریف کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

نَصَحَ قَوْمَہٗ حَیًّا وَّمَیِّتًا۔ (الحدیث)

جیتے جی بھی اپنی قوم کی خیر خواہی کی اور مر کر بھی۔

اَللّٰھُمَّ ارْفَعْ دَرَجَتَہٗ۔

حیاتِ برزخی کا ثبوت :-

قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّۃَ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ۔ بِمَا غَفَرَلِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ۔ (یٰسین آیت ۲۷)

یہ آیت بھی اُن آیات میں سے ایک ہے جن سے حیاتِ برزخی کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد سے قیامت تک کا زمانہ "خالص عدم" یا "کامل نیستی"

کا زمانہ نہیں ہے بلکہ اس محدود زمانے میں جسم کے بغیر روح زندہ رہتی ہے کلام کرتی اور کلام سنتی ہے اور جذبات اور احساسات بھی رکھتی ہے۔ خوشی اور غم بھی محسوس کرتی ہے، اہلِ دنیا کے ساتھ تعلقِ خاطر بھی باقی رہتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو مرنے کے بعد اُس مردِ مومن کو جنت کی بشارت کیسے دی جاتی اور وہ اپنی قوم کے لئے یہ تمنا کیسے کرتا کہ کاش وہ اسکے انجامِ خیر سے باخبر ہو جائے۔

اہلِ تبلیغ کے لئے:۔

بستی والوں کی طرف جو تینؑ رسول بھیجے گئے اُنھوں نے جس طرح خطاب کیا اور اُن کی سخت و تلخ باتوں اور دھمکیوں کا جس طرح جواب دیا اسی طرح ان رسولوں کی تائید کرنے والے مسلمان حبیب نجارؒ نے اپنی قوم سے جس طرح خطاب کیا ان سب باتوں کو مکرر پڑھیے۔ اسمیں دین کی تبلیغ اور خلق کی اصلاح کرنے والوں کے لئے عظیم درس ہے۔

ان رسولوں کی مخلصانہ تبلیغ کے جواب میں بستی والے کہتے ہیں:۔

(۱) تم تو ہم جیسے ہی بشر ہو ہم تمہاری بات کیوں مانیں

(۲) اللہ رحمٰن نے تو کسی پر کوئی پیغام اور کتاب نہیں اتاری

(۳) تم خالص جھوٹ بولتے ہو۔

بے غرض ناصحانہ کلام کے جواب میں یہ اشتعال انگیز غیر مہذب گفتگو کیا جواب چاہتی ہے؟

مگر ان رسولوں نے صرف یہ جواب دیا۔

رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّآ إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ۔ (یٰسین آیت ۱۶)

ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے آئے ہیں۔

اور وَمَا عَلَيْنَآ إِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (یٰسین آیت ۱۷)

ہمارا جو کام تھا وہ کر چکے آگے تمہیں اختیار ہے مانو یا نہ مانو۔

کیسا مشفقانہ جواب ہے۔

تینؑ خوش نصیب | تاریخی روایات میں امام مجاہدؒ اور امام مقاتلؒ سے منقول ہے

کہ وہ تین خوش نصیب جو بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آپ پر ایمان لائے یہ ہیں:۔

پہلے یہی مردِ نیک حبیب نجارؓ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے چھ سو سال پہلے آپؐ پر ایمان لائے تھے۔

دوسرے تُبّع اکبرؒ جو آپکی بشارت کتب سابقہ میں پڑھکر آپؐ کی ولادت سے بہت پہلے آپ پر ایمان لائے۔

تیسرے ورقہ بن نوفلؓ (حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کے چچازاد بھائی) جن کا ذکر صحیح بخاری کی حدیث ابتدائے وحی کے واقعات میں آیا ہے۔ جنھوں نے آپکی دعوت سے پہلے تصدیق کی اور تعاون کا وعدہ فرمایا تھا۔

نوٹ: یمن کے حمیری بادشاہوں کا لقب تُبّع رہا ہے۔ جنھوں نے ایک عرصہ دراز تک یمن کے مغربی حصہ پر حکمرانی کی ہے۔ انہی میں ایک کا نام تُبّع اکبر تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سات سو سال پہلے گزرا ہے۔ اور حمیری بادشاہوں میں اسکی مدّتِ سلطنت سب سے زیادہ رہی ہے۔

مسند احمد کی ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے:۔

لَا تَسُبُّوْا تُبَّعًا فَاِنَّہٗ قَدْ کَانَ اَسْلَمَ۔ الحدیث

تُبّع کو بُرا بھلا نہ کہو کیونکہ وہ اسلام لے آیا تھا۔

تذکرہ
سیدنا لقمان الحکیم
(رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ذاتی تعارف لقمان الحکیم کی شہرت جیسے عرب میں پائی جاتی ہے ویسے ہی عجم میں بھی معروف ہے۔ جو شخصیات نبی یا غیر نبی ہونے کا احتمال رکھتے ہیں اُن میں حضرت لقمانؓ کا بھی نام شامل ہے۔ اِن کے خاندان اور حسب ونسب کے متعلق مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس بارے میں کہ وہ ایک بڑے دانا (حکیم) تھے کسی کا اختلاف نہیں۔ اِن کے حکیمانہ اقوال "صحیفہ لقمان" کے نام سے مشہور ومعروف تھے۔

حضرت لقمان کے خاندانی حالات کا یہ اختلاف جو مؤرخین نقل کرتے ہیں اس وجہ سے ہے کہ تاریخ قدیم میں لقمان نامی ایک اور شخصیت کا پتہ چلتا ہے جو عاد ثانیہ (قوم ہود علیہ السّلام) میں ایک نیک دل بادشاہ گزرا ہے اور وہ خالص عرب نژاد تھا۔ ابن جریرؒ، ابن کثیرؒ، سہیلیؒ جیسے مؤرخین کی یہ رائے ہے کہ لقمان حکیم افریقی النسل تھے اور عرب میں ایک غلام کی حیثیت سے آئے۔ نسب نامہ اسطرح بیان کیا جاتا ہے :-

لقمان بن عنقا بن سندون (یا) لقمان بن ثار بن سندول۔

اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ وہ سوڈان کے نوبی قبیلہ سے تھے اور پستہ قد، بھاری بدن، سیاہ رنگ، ہونٹ موٹے، ہاتھ پیر بھدّے تھے مگر نہایت نیک، زاہد و عابد، صاحب حکمت آدمی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں علم وحکمت کا ذخیرہ عطا فرمایا تھا اور بعض مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ وہ حضرت داؤد علیہ السّلام کے زمانے میں عدالت کے قاضی تھے۔

"حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے فرماتے ہیں لقمان حبشی غلام تھے اور نجاری کا پیشہ کرتے تھے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے تھے کہ لقمان پستہ قد،

موٹے ہونٹ والے، نُوبہ کے قبیلے سے تھے۔

حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ لُقمان مصری سوڈانی تھے اور اُن کے ہونٹ بہت موٹے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ ان کو نبوّت عطا نہیں کی مگر حکمت و دانائی کا بہت بڑا حصہ عطا فرمایا تھا۔

حضرت عبد الرحمٰن بن حرملہؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک حبشی حضرت سعید بن مسیبؒ کے پاس آیا اور کچھ سوال کئے تو آپ نے فرمایا اس بات سے دل گیر نہ ہونا کہ تم کالے حبشی ہو، اس لئے کہ سوڈانیوں میں تین آدمی دنیا کے بہترین انسان ہوئے ہیں:۔

بلال حبشیؓ، حضرت عمرؓ کا غلام مہجعؓ، لقمان الحکیم جو سوڈانی نُوبی تھے اور ان کے لب بہت موٹے اور بھدّے تھے۔"

(روض الانف ج ۱ تفسیر ابن کثیر ج ۳، تاریخ ابن کثیر ج ۲)

ان تصریحات کے برخلاف مشہور مؤرخ محمد بن اسحٰقؒ کہتے ہیں کہ لقمان حکیم عرب کے مشہور قبیلہ عاد سے یعنی عرب بائدہ کی نسل سے تھے اور غلام نہ تھے بلکہ بادشاہ تھے۔

وہب بن منبہؒ کہتے ہیں کہ جب شداد بن عاد کا انتقال ہوگیا تو حکومت اسکے بھائی لقمان بن عاد کو ملی اور اللہ تعالیٰ نے لقمان کو وہ چیز عطا فرمائی تھی جو اس زمانے کے انسانوں میں کسی کو عطا نہیں کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایکسَو انسانوں کے برابر ادراک وقوتِ حاسّہ عطا فرمایا تھا اور وہ اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے زیادہ طویل قامت تھے۔

جیسا کہ لکھا گیا حضرت لقمان کی شخصیت کے بارے میں بڑے اختلافات ہیں۔ دراصل زمانۂ جاہلیت کی تاریک صدیوں میں کوئی مُدوّن تاریخ تو موجود نہ تھی۔ معلومات وواقعات کا انحصار منھ در منھ روایات سے چلتا تھا جو سینکڑوں برس سے چلی آرہی تھیں اور اس معاملہ میں ان لوگوں کی ضبطِ روایات اور یادداشت بڑی مضبوط قابلِ ذکر رہی ہیں۔ چنانچہ شعراء جاہلیت امراؤالقیس لبید، اعشیٰ، طرفہ وغیرہم کے کلام میں حضرت لقمان کا تذکرہ

موجود ہے۔ انہی روایات پر اعتماد کرکے ارض القرآن کے مؤلف سید سلیمان ندویؒ نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ قوم عاد پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آنے کے بعد اس قوم کے اہل ایمان حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ نجات پائے تھے۔ انہی کی نسل میں حضرت لقمان پیدا ہوئے اور یمن میں اس قوم نے جو حکومت قائم کی تھی یہ اسکے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھے۔ اہلِ عرب میں ایک قدیم صحیفہ "صحیفۂ لقمان" کے نام سے معروف تھا جسمیں اُن کے حکیمانہ اقوال جمع تھے۔ چنانچہ تاریخی روایات میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ ہجرت سے تین سال پہلے مدینہ منورہ کا ایک شخص سوید بن صامت مکہ مکرمہ آیا وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عادتِ طیبہ کے مطابق مختلف علاقوں سے آئے ہوئے زائرین کعبہ کی قیام گاہوں پر جاکر دعوتِ اسلام پیش کر رہے تھے۔ سوید نے جب آپکی تقریر سُنی تو کہنے لگا کہ آپ جو باتیں پیش کر رہے ہیں ایسی ہی ایک چیز میرے ہاں موجود ہے۔ آپ نے دریافت کیا کہ وہ کیا ہے؟ اُس نے صحیفۂ لقمان بتایا اور آپؐ کی خواہش پر اُس کا کچھ حصہ پڑھکر سُنایا۔ پھر اسکے بعد اُس نے اعتراف کیا کہ آپ کا کلام "صحیفہ لقمان" سے بہتر ہے۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ سوید بن صامت مدینہ میں اپنی قابلیت، بہادری، شعروسخن کی بنا پر "کامل" کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے بعد جب وہ مدینہ منورہ پہنچا تو کچھ عرصہ بعد جنگ بُعاث (قبائل کی ایک باہمی جنگ) میں مقتول ہوا۔ اسکے قبیلے کے لوگوں کا خیال یہ تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے بعد مسلمان ہوگیا۔" (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۷، اُسد الغابہ ج ۲ ص ۳۷۸)

وہب بن منبہؒ کی ایک روایت کے مطابق حضرت لقمان حضرت ایوب علیہ السلام کے بھانجے تھے اور مقاتلؒ نے اُن کو خالہ زاد بھائی بتایا ہے۔ تفسیر بیضاوی میں ہے کہ اُن کی عمر دراز ہوئی یہاں تک کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا۔

حضرت قتادہؒ سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ حضرت لقمان حکیم سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے حکمت کو نبوت پر کیوں ترجیح دی جبکہ آپکو دونوں کا اختیار دیا گیا تھا۔

آپ نے جواب دیا کہ نبوّت بڑی ذمہ داری کا منصب ہے اگر وہ مجھے بغیر میرے اختیار کے دیا جاتا تو اللہ تعالےٰ خود اسکی کفالت فرماتے کہ میں اُسکے فرائض ادا کر سکوں اور اگر میں اپنے اختیار سے اسکو طلب کرتا ہوں تو ذمہ داری مجھ پر ہوتی۔ (ابن کثیر)

بہرحال قرآن حکیم میں اسکی صراحت موجود ہے کہ حضرت لقمان کو حکمت عطا کی گئی تھی۔ لفظ حکمت قرآن حکیم میں متعدد معانی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ علم، عقل، حلم و بردباری، نبوت، صحیح فیصلہ۔ ابوحیان اندلسیؒ نے لکھا ہے کہ حکمت سے مراد وہ کلام جس سے لوگ نصیحت حاصل کریں اور اُن کے دلوں میں مؤثر ہو اور جسکو لوگ محفوظ کر کے دوسروں تک پہنچائیں۔

قرآن حکیم اور سیّدنا لقمان رضؓ

حضرت لقمان کا ذکر خیر قرآن حکیم میں موجود ہے اور اور قرآن کی ایک سورت کا نام بھی سورۂ لقمان ہے۔

قرآن حکیم نے اپنے مقصد و منشاء کے پیش نظر ان کے حسب و نسب کی بحث نہیں کی تاہم اُن کے حکیمانہ اقوال کا جس انداز سے ذکر کیا ہے اُس سے اُنکی شخصیت عام انسانوں سے ممتاز معلوم ہوتی ہے۔

مشہور مؤرخ محمد بن اسحق کی روایت جو حضرت ابن عباس رضؓ سے منقول ہے اسمیں ان کے بعض حکیمانہ نصائح کا صراحتاً ذکر ہے۔ کوئی ایسی مزید وضاحت نہیں ملتی جو انکی نبوت پر دلالت کرتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور مفسرین اسکے قائل نہیں بلکہ خود حضرت ابن عباس رضؓ کا دوسرا قول اُنکے پہلے قول کے خلاف بھی مذکور ہے۔ چنانچہ ابن کثیرؒ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:۔

والمشهور عن الجمهور انه كان حكيما وليا ولم يكن نبيا وقد ذكره الله تعالى فى القرآن فاثنى عليه وحكى من كلامه فيما وعظ به ولده الذى هو احب الخلق اليه۔

(تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۱۲۵)

جمہور کا مشہور قول یہ ہے کہ لقمان اللہ تعالیٰ کے ولی اور صاحب حکمت تھے۔ نبی نہ تھے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کا قرآن میں ذکر کیا ہے اور ان کی تعریف کی اور اُن کے کلام کو بیان کیا جس میں اُنھوں نے اپنے بیٹے کو جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اُن کے لئے سب سے زیادہ محبوب تھا نصیحت کی ہے۔"

ان کا یہ حکیمانہ کلام قرآن حکیم میں اس طرح موجود ہے:-

قرآنی مضمون

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنِ اشْكُرْ لِلَّهِ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ. الخ (لقمان آیات ۱۲ تا ۱۹)

اور ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی کہ اللہ کا شکر ادا کرے۔ اور جو کوئی شکر کرے گا اُس کا شکر اُس کے اپنے ہی لئے مفید ہے اور جو کوئی کفر کرے گا تو حقیقت میں اللہ بے نیاز اور آپ سے آپ محمود ہے۔ اور یاد کرو جب لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہے تھے کہ بیٹا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا حقیقتاً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

اور ہم نے تاکید کی ہے انسان کو اپنے والدین کے متعلق (کہ انکا حق پہچانے) اُسکی ماں نے اُسکو تکلیف در تکلیف جھیل کر اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اُسکے دُودھ چوٹنے میں لگے (اسی لئے ہم نے اُسکو نصیحت کی کہ) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا میری ہی طرف تجھکو پلٹنا ہے۔

اور اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی کو شریک ٹھہرائے جسے تو نہیں جانتا تو اِن کی بات ہرگز نہ ماننا۔ اور دنیا میں اِن کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ اور اُس شخص کی پیروی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔ پھر تم سب کو میری ہی طرف پلٹنا ہے۔ پھر اُس وقت میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے ہو۔

اے میرے بیٹے اگر کوئی چیز رائی کے دانہ برابر بھی کسی چٹان میں
یا آسمانوں یا زمین میں کہیں چھپی ہوئی ہو اللہ اُسے نکال لائے گا۔ بیشک وہ
باریک بین باخبر ہے۔
اے میرے بیٹے نماز قائم کر اور نیکی کا حکم کر اور بُرائی سے منع کر
اور جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کر۔ یہ سب ہمت کے کاموں میں سے ہیں۔
اور لوگوں سے اپنا رُخ نہ پھیر اور زمین پر اترا کر نہ چل بیشک
اللہ کسی خود پسند فخر جتانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
اور اپنی چال میں اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز ذرا پست
رکھ۔ درحقیقت سب آوازوں سے زیادہ بُری آواز گدھوں کی ہوتی ہے۔

خلاصۂ تعلیم ان آیات میں حضرت لقمان حکیمؒ نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں کیں ہیں اور جو حکمت کی باتیں بتائی ہیں اُن میں سب سے پہلے جو اہم نصیحت کی وہ شرک باللہ سے اجتناب کرنا ہے کیونکہ اسلام میں یہی وہ حقیقت ہے جو ایک مومن کو مشرک سے ممتاز کرتی ہے۔ اور شرک کو ظلم عظیم کہا گیا۔ کہ آدمی اُن مجبور ہستیوں کو اپنے خالق و رازق کے برابر لاکھڑا کرتا ہے جن کا نہ اسکے پیدا کرنے میں کوئی حصہ ہے نہ اُس کو رزق پہنچانے میں کوئی دخل۔ یہ ایسی بے انصافی ہے جس سے بڑھکر اور کسی بے انصافی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ شرک کو ایسا گناہ قرار دیا گیا ہے جسکی کسی حالت میں بخشش نہیں مگر یہ کہ وہ اس سے تائب ہو جائے۔

حضرت لقمانؒ نے شرک کو ظلم عظیم فرمایا اس سلسلے میں ایک ضمنی وضاحت بھی ضروری ہے۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭاِنَّ الشِّرْكَ
لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ (آیت ۱۳، لقمان)

بخاری کی ایک روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:۔
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰۗىِٕكَ
لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔ (انعام آیت ۸۳)

جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے
مخلوط نہیں کیا ایسوں ہی کے لئے (آخرت کا) امن ہے۔ اور یہی ہدایت
یافتہ لوگ ہیں (قرآن حکیم کی اس آیت کو آیتِ امن کہا جاتا ہے۔

صحابہ کرام پر یہ بات بڑی بھاری گزری۔ عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا تو کوئی شخص بھی نہ ہوگا جس نے اللہ کے احکام میں کچھ نہ کچھ ظلم نہ کیا ہو۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کیا تم نے لقمان کا یہ قول نہیں سُنا، اے میرے بیٹے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا بلا شبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

(لقمان آیت ۱۳)

آیتِ امن میں ظلم سے مراد شرک ہے نہ کہ گناہ یا معصیت، مطلب یہ کہ ایمان لانے کے بعد شرک سے بچتے رہے تو ان کے لئے آخرت کی نجات یقینی ہے۔

حضرت لقمان کی حکیمانہ باتوں میں سب سے پہلے شرک سے اجتناب پر زور دیا گیا اور یہ نصیحت انھوں نے اپنے بیٹے کو کی تھی۔ اور ظاہر بات ہے کہ آدمی دنیا میں سب سے بڑھکر اگر کسی کے حق میں خیر خواہ مخلص ہو سکتا ہے تو وہ اسکی اپنی ہی اولاد ہے۔ ایک شخص دوسروں کو دھوکہ دے سکتا ہے منافقانہ باتیں کرسکتا ہے لیکن اپنی اولاد کو ایک بُرا سے بُرا آدمی بھی فریب دینے کی کبھی کوشش نہیں کرتا۔ اس لئے حضرت لقمانؓ کا اپنے بیٹے کو نصیحت کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ شرک حقیقتاً ایک ایسا بدترین فعل ہے جس سے اجتناب کرنا اولین فرض ہے۔

شرک باللہ تمام نیکیوں کو مٹا کر انسان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے خالی ہاتھ لیجاتا ہے قرآن حکیم نے اسکی قباحت کو ایک بلیغ تمثیل سے بیان کیا ہے۔

اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا۔
پھر اُسے پرندے اُچک لے جائیں یا ہوا نے اُسکو کسی دُور دراز جگہ لے جاکر
پٹک دیا ہو۔ (الحج آیت ۳۱)

لیکن افسوس کہ مسلمان توحید جیسی عظیم نعمت کے بعد بھی شرک کی نجاست سے آلودہ ہوجاتے ہیں اور اس سے اجتناب کا اہتمام نہیں کرتے (والی اللہ المشتکی)

نتائج و عبر

ہمہ دانی وہمہ بینی :-

حضرت لقمان رض نے اپنی نصائح میں اللہ عزوجل کی ہمہ دانی وہمہ بینی کو اس طرح بیان کیا ہے :-

"بیٹا کوئی چیز بھی جو رائی کے دانہ کے برابر ہو خواہ وہ کسی چٹان میں یا آسمانوں یا زمین میں کہیں چھپی ہوئی ہو اللہ تعالیٰ اسکو قیامت کے دن نکال لائے گا وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے۔"

(یعنی اللہ تعالیٰ کے علم و گرفت سے کوئی باہر نہیں، چٹان کے اندر ایک دانہ انسان کے لئے مخفی ہے لیکن اللہ تعالیٰ پر عیاں ہے۔ آسمانوں کی بلندی میں کوئی بھی ذرہ ہم سے بعید ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے وہ بہت قریب۔ زمین کے تہہ خانوں میں پڑی کوئی چیز بھی ہمارے لئے سخت تاریکی میں ہے لیکن اللہ تعالےٰ کے لئے بالکل روشنی میں ہے۔

لہذا انسان کہیں بھی کسی حالت میں بھی نیکی یا بدی کا کوئی کام کرے گا وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہ ہوگا بلکہ جب محاسبہ کا وقت آئے گا وہ سارا کا سارا اُسکی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔

وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا۔ (کہف آیت ۴۹)

اور جو کچھ انھوں نے دنیا میں کیا آخرت میں موجود پایا۔

غرور کے تانے بانے :-

ایک اور نصیحت وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ۔ (لقمان آیت ۱۸)

اور لوگوں سے اپنا رُخ نہ پھیر

عربی زبان میں صَعَر ایک بیماری کا نام ہے جو اونٹ کی گردن میں ہوتی ہے جسکی وجہ سے اونٹ اپنا منھ ہر وقت ایک ہی طرف [illegible] رکھتا ہے۔ اسی سے یہ محاورہ نکلا فُلَانٌ

صَعَّرَخَدَّہٗ۔ فلاں شخص نے اونٹ کی طرح اپنا کلّہ پھیر لیا یعنی تکبّر کے ساتھ پیش آیا منھ پھیر کر بات کی۔ یہ بدکیفیت اُسی وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب انسان کے دماغ میں تکبّر کی ہوا بھر جاتی ہے اور وہ اپنے کو بڑا ظاہر کرنا چاہتا ہے اور مقابل کو پست وحقیر۔

دولت، اقتدار، حُسن، شہرت، علم، طاقت، حسب ونسب یہ اور ایسی ہی دوسری جتنی بھی چیزیں ہیں انسان کے اندر تکبّر پیدا کرتی ہیں اگر ان کو آزاد چھوڑ دیا جائے۔

اللہ کی حاکمیت، اُس کا اقتدار اور عظمت وکبریائی پیشِ نظر رہنے پر یہ صفات انسان کو فرشتہ بنا دیتی ہیں۔

ایک اور نصیحت وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا۔ وَاقْصِدْ فِی مَشْیِكَ۔ (لقمان آیت ۱۸)

اور زمین پر اکڑ کر نہ چل اور اپنی چال میں اعتدال اختیار کر۔

جو شخص اپنی دانست میں اپنے آپ کو کوئی بڑی چیز سمجھتا ہے اور اپنی بڑائی کا اظہار کرتا ہے۔ ایسا شخص خود پسند اور متکبّر کہلاتا ہے۔ آدمی کی چال ڈھال میں اکڑ اور اتراہٹ کی شان اُسی وقت پیدا ہوتی ہے جب اسکے دل ودماغ میں تکبّر کی ہوا بھر جاتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ دوسروں کو بھی اپنی بڑائی محسوس کرائے۔ یہی مطلب ہے ان آیات کا کہ آدمی خود پسندی اور غرور وکبریائی سے اجتناب کرے۔ اعتدال کی راہ اختیار کرے دراصل جو چیز یہاں مقصود بیان ہے وہ نفس کی اُس کیفیت کی اصلاح ہے جس کے اثر سے چال ڈھال میں شان اور بڑائی پیدا ہو۔ بڑائی کا گھمنڈ دل میں موجود ہو تو وہ لازماً ایک خاص طرز کی چال میں ظاہر ہوتا ہے جسے دیکھ کر نہ صرف یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ آدمی کسی گھمنڈ میں مبتلا ہے بلکہ چال کی یہ مخصوص ادا بتا دیتی ہے کہ صاحب کسی گھمنڈ میں مبتلا ہیں۔

قرآن حکیم نے ایک اور موقعہ پر فرمایا:۔

وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا۔ (بنی اسرائیل آیت ۳۷)

اور زمین میں اکڑ کر نہ چل تو نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے۔

اسکے برخلاف چال کی سلامت روی قلب کی اُس مخفی کیفیت کی علامت قرار پائی ہے جو انسان میں تواضع اور شرافت کے اثر سے پیدا ہوتی ہے۔

کبھی انسان کے نفس کا مخفی تکبر ایک نمائشی تواضع اور انکساری کا روپ بھی اختیار کر لیتا ہے اور یہ چیز اسکی چال میں نمایاں نظر آتی ہے اور کبھی انسان واقعی طور پر دنیا اور اُسکے حالات سے شکست کھا کر اپنی نگاہ میں آپ حقیر ہو کر مریل چال چلنے لگتا ہے۔ حضرت لقمان کی نصیحت کا یہ منشاء ہے کہ اپنے نفس کی اِن مکروہ کیفیات کو دور کرو اور ایک سیدھے سادھے معقول شریف انسان کی سی چال چلو جس میں نہ کوئی اینٹھ اور اکڑ ہو نہ مریل پن اور نہ ریاکارانہ زہد و انکسار۔

اس سلسلے میں صحابہ کرام کا ذوق جیسا کچھ تھا اس کا اندازہ اُن واقعات سے کیا جا سکتا ہے جو تاریخ و سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔

حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ ایک شخص کو دیکھا کہ وہ سر جھکائے چلے جا رہے ہیں۔ آپ نے پکار کر فرمایا سر اٹھا کر چل اسلام مریض نہیں ہے۔

اسی طرح ایک اور صاحب کو دیکھا کہ مریل چال چل رہے ہیں فرمایا ظالم ہمارے دین کو کیوں عیب لگاتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک صاحب کو بہت ہی مضمحل چلتے دیکھا پوچھا کہ انھیں کیا ہو گیا؟

عرض کیا گیا کہ یہ قُرّاء میں سے ہیں (یعنی قرآن پڑھنے پڑھانے والے علم و عبادت میں مشغول رہنے والے)

اسپر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا عمرؓ سید القراء تھے مگر اُن کا یہ حال تھا کہ جب چلتے تو زور سے چلتے اور جب بولتے تو قوت کے ساتھ بولتے اور جب پیٹتے تو خوب پیٹتے۔

قرآن حکیم نے نیک بندوں کی عادات و اطوار کے ضمن میں یہ بات خصوصیت سے ذکر کی ہے کہ وہ زمین پر نرم چال چلتے ہیں:۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا۔

(الفرقان آیت ۶۳)

یعنی اتراتے، اکڑتے ہوئے نہیں چلتے کہ اپنی چال سے اپنا زور جتلائیں بلکہ اِن کی چال ایک

شریف انسان کی سی ہوتی ہے۔ ایک اجنبی آدمی انکو دیکھ کر پہلی نظر میں جان لیتا ہے کہ یہ شریف، حلیم، نیک کردار انسان ہیں۔ انسان کی فطری چال کو نرم چال کہا جاتا ہے جو بغیر کسی تصنع و تکلف کے ظاہر ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار و گفتار، چال ڈھال کو جن صحابہ نے نقل کیا ہے وہ آپ کے چلنے کی کیفیت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"جب آپ چلا کرتے تو مضبوط قدم رکھتے ہوئے چلتے تھے گویا نشیب کی طرف اُتر رہے ہیں۔"

اگر ذرا تامل کی نگاہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آدمی کی چال محض اُسکے انداز رفتار ہی کا نام نہیں بلکہ درحقیقت وہ اس کے ذہن اور اسکی سیرت و کردار کی اولین ترجمان بھی ہوتی ہے۔ ایک عیار آدمی کی چال، ایک غنڈے بدمعاش کی چال، ایک ظالم و قاتل کی چال، ایک ریاکار خود پسند کی چال، ایک متکبر مغرور کی چال، ایک باوقار مہذب آدمی کی چال، ایک غریب مسکین کی چال، ایک شریف متواضع کی چال، ایک نیک اور صالح آدمی کی چال۔ اسی طرح مختلف اقسام کے دوسرے انسانوں کی چال ایک دوسرے سے اسقدر مختلف ہوتی ہیں کہ ہر ایک کو دیکھ کر بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس چال کے پیچھے کس طرح کی شخصیت نمایاں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نیکوں کی چال ڈھال نصیب کرے۔

حکمتِ لقمان:۔

گزشتہ صفحات میں یہ ذکر آچکا ہے کہ عرب میں حضرت لقمانؑ کے حکیمانہ اقوال اور امثلہ کا بڑا چرچا تھا اور اکثر مجالس میں ان کے حکیمانہ اقوال کو دھرایا جاتا تھا۔ چنانچہ تابعین حضرات اور صحابہ کرام سے بھی اس سلسلے میں بعض اقوال منقول ہیں اُن میں سے چند یہ ہیں:۔

(۱) حکمت و دانائی مفلس کو بادشاہ بنادیتی ہے (۲) جب کسی مجلس میں داخل ہو تو اول سلام کرو پھر ایک جانب بیٹھ جاؤ اور جب تک اہل مجلس کی گفتگو نہ سن لو خود گفتگو شروع نہ کرو۔ پس اگر وہ اللہ تعالےٰ کے ذکر میں مشغول ہوں تو تم بھی اس میں سے اپنا حصہ لے لو، اور اگر وہ

فضولیات میں مشغول ہوں تو وہاں سے علیحدہ ہو جاؤ اور کسی دوسری عمدہ مجلس کو اختیار کرو (۳) اللہ تعالیٰ جب کسی کو امانتدار بنائے تو اُس کا فرض ہے کہ اس امانت کی حفاظت کرے (۴) اے بیٹے اللہ تعالیٰ سے ڈر اور ریا کاری سے اللہ تعالیٰ کے ڈر کا مظاہرہ نہ کر کہ لوگ اس وجہ سے تیری عزت کریں اور تیرا دل حقیقتاً گنہ گار رہے (۵) اے بیٹے جاہل سے دوستی نہ کر کیونکہ وہ سمجھنے لگے گا کہ تجھ کو اُسکی جاہلانہ باتیں پسند ہیں اور عقلمند کے غصّہ کو بے پرواہی میں نہ ٹال کہ کہیں وہ تجھ سے جدائی نہ اختیار کر لے۔
(۶) جان لے کہ عقلمندوں کی زبان میں اللہ تعالیٰ کی طاقت ہوتی ہے۔ (۷) اے بیٹے خاموشی میں کبھی ندامت اٹھانی نہیں پڑتی اور اگر کلام چاندی ہے تو سکوت سونا ہے (۸) بیٹا ہمیشہ شر سے دور رہو تو شر بھی تم سے دور رہیگا۔ اس لئے شر سے ہی شر پیدا ہوتا ہے (۹) بیٹا غیظ و غضب سے بچو اس لئے کہ شدتِ غضب عقلمند کے قلب کو مردہ بنا دیتی ہے (۱۰) بیٹا خوش کلام بنو، خوشروئی اختیار کرو تب تم لوگوں کی نظروں میں اُس شخص سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤ گے جو ہر وقت اُن کو داد و دہش کرتا رہتا ہے۔ (۱۱) نرم خوئی عقلمندی کی جڑ ہے (۱۲) جو بوؤ گے وہی کاٹو گے (۱۳) اپنے اور اپنے والد کے دوست کو محبوب رکھو۔

(۱۴) کسی نے لقمان سے پوچھا سب سے زیادہ صابر کون شخص ہے؟
کہا جس کے صبر کے پیچھے ایذا نہ ہو!
پھر دریافت کیا سب سے بڑا عالم کون ہے؟
جواب دیا جو دوسروں کے علم کے ذریعہ اپنے علم میں اضافہ کرتا رہا!
پھر سوال کیا سب سے بہتر آدمی کون ہے؟
فرمایا غنی!
سائل نے پھر کہا کیا غنی سے مالدار مراد ہے؟
جواب میں کہا نہیں بلکہ غنی وہ شخص ہے جو اپنے اندر خیر کو تلاش

کرے تو موجود پائے ورنہ خود کو دوسروں سے مستغنی رکھے۔

(۱۵) کسی نے دریافت کیا بدترین انسان کون ہے؟
فرمایا جو اس کی پرواہ نہ کرے کہ لوگ اسکی برائی دیکھ کر برا سمجھیں گے۔

(۱۶) بیٹا تیرے دسترخوان پر ہمیشہ نکوکاروں کا اجتماع رہے تو بہتر ہے اور مشورہ صرف علماء حق ہی سے لینا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ و تاریخ ابن کثیر ج ۲
ماخوذ از امام احمد رح)

تذکرہ
اَصْحَابُ السَّبْتُ
(ہفتے والے)

قرآن حکیم اور اصحاب السبت

اصحاب السبت (ہفتے والوں کا ذکر) قرآن حکیم کی پانچ سورتوں میں آیا ہے:-

سورہ بقرہ	آیت	۶۵، ۶۶
" نساء	"	۴۷، ۱۵۴
مائدہ	"	۶۰
اعراف	"	۱۶۳ تا ۱۶۶
النحل	"	۱۲۴

یومُ السَّبْتُ

(ہفتہ کا دن) گزشتہ اوراق میں یہ آچکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے "دینِ حنیف" یعنی اللہ کے پسندیدہ دین کی تعلیم کا سلسلہ اِن کی دو شاخوں بنو اسحٰق اور بنو اسمٰعیل کے ذریعہ قوموں اور ملکوں میں پھیلا ہے۔ دینِ حنیف کے اصول اِن ہر دو شاخوں میں یکساں رہے ہیں اور شعائر اللہ کے احکام بھی مشترک تھے۔ مگر حضرت اسحٰق علیہ السلام کے صاحبزادے اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کی اولاد نے جو بنی اسرائیل کے نام سے معروف ہے اپنے زمانے کے انبیاء کرام سے اختلاف اور جھگڑے کر کے بعض امور میں تشدد اور سخت احکام کا بوجھ اپنے کاندھوں پر ڈال لیا تھا۔ مثال کے طور پر جمعہ کا دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی امت کے لئے عبادت کے لئے مقرر فرمایا تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یہود نے اپنی روایتی کجروی کی بنا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اصرار کیا کہ ان کے لئے ہفتہ کا دن عبادت و برکت کا دن

مقرر کر دیا جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے تو انھیں ہدایت کی کہ وہ اپنے غلط اصرار سے باز آجائیں اور ملتِ ابراہیمی کے اس امتیاز کو جو اللہ تعالےٰ کے ہاں مقبول وپسندیدہ ہے تبدیل نہ کریں۔ لیکن جب ان کا اصرار حد سے متجاوز ہوگیا تو وحی الٰہی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ اطلاع دی کہ اللہ تعالےٰ ان کے بیجا اصرار کے نتیجہ میں جمعہ کی سعادت وبرکت کو ان سے واپس لے لیتا ہے اور اِن کے لئے ہفتہ کا دن مقرر کرتا ہے۔ لہٰذا اب وہ لوگ اپنے اس مطلوبہ دن کی عظمت کا پاس ولحاظ رکھیں اور اسکی حرمت کو باقی رکھیں۔ اس دن خرید وفروخت زراعت وتجارت لہو ولعب شکار کرنے کو حرام رکھیں اور اس دن صرف عبادت الٰہی میں مشغول رہیں۔

کچھ عرصہ تو بنی اسرائیل نے اس حکم کا پاس ولحاظ رکھا لیکن اپنی جبلّت کی مطابق اسمیں سستی وغفلت کرنی شروع کی پھر اس دن کے بارے میں ہی اختلاف شروع کر دیا اور اس بارے میں مختلف جماعتیں ہوگئیں۔

قرآن حکیم نے مختصر الفاظ میں اس دن اور ان کے اختلاف کا اس طرح تذکرہ کیا ہے:۔

قرآنی مضمون

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ الخ
(النحل آیت ۱۲۴)

بیشک ہفتہ کا دن اِن لوگوں کے لئے (عبادت کا دن) مقرر کیا گیا جو اسکے متعلق جھگڑا کرتے تھے اور یقیناً تیرا رب قیامت کے دن اِن کے درمیان فیصلہ کر دے گا جس کے متعلق وہ اختلاف کرتے تھے کہ اسمیں حق کیا تھا اور باطل کیا۔

وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا۔ (نساء آیت ۱۵۴)

اور ہم نے بنی اسرائیل سے کہا ہفتہ کے بارے میں حد سے نہ گزرنا (خلاف ورزی نہ کرنا) اور ہم نے ان سے اسکے متعلق بہت سخت قسم کا عہد وپیمان لیا۔

لیکن بنی اسرائیل نے آگے چلکر اس قانون کی علانیہ مخالفت شروع کر دی۔ یرمیاہ نبیؑ کے زمانے میں (جو ۶۲۸ء اور ۵۸۶ء قبل مسیح کے درمیان گزرے ہیں) خاص طور پر یروشلم کے پھاٹکوں سے لوگ ہفتے کے دن مال و اسباب لیکر گزرتے تھے۔ اس پر نبی موصوف ان کو دھمکی دیتے تھے کہ اگر تم لوگ اس خلاف ورزی سے باز نہ آئے تو یروشلم نذر آتش ہو جائے گا۔ لیکن اس دھمکی سے بھی وہ خائف نہیں ہوئے پھر انکے بعد حزقیل نبیؑ (جن کا دور ۵۹۵ء اور ۵۳۶ء قبل مسیح گزرا ہے) نے بھی اپنی کتاب میں ہفتے کے دن کی بحرمتی کو یہودیوں کے قومی جرائم میں سے ایک بڑا جرم قرار دیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم دنیا میں سب سے آخر آنے والے ہیں اور آخرت میں سب سے مقدم ہونگے۔ خصوصاً اہل کتاب سے جو ہم سے بہت پہلے ہو گزرے ہیں اور یہ جمعہ کا دن ہم سے پہلے اِن اہلِ کتاب کے لئے مقرر کیا گیا تھا مگر انھوں نے اسمیں اختلاف کیا اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس جمعہ کے دن کو قبول کر لینے کی توفیق دی۔ لہذا دنیا میں بھی اہل کتاب اس معاملہ میں ہم سے پیچھے رہ گئے۔ کیونکہ اہل کتاب میں یہود کا روز عبادت جمعہ سے ایک دن بعد (ہفتہ) کا ہو گیا اور نصاریٰ کا اسکے بعد (اتوار) کا دن مقرر ہوا ہے۔ (بخاری)

واقعہ کی تفصیلات

الغرض ایک طویل مدت تک یہود بنی اسرائیل اپنے مطلوبہ یوم کی عزت اور حرمت پر قائم رہے اور جن باتوں سے انہیں روکا گیا تھا اُنکی پابندی کرتے رہے مگر رفتہ رفتہ اُن احکام کی خلاف ورزی شروع ہو گئی اگرچہ ابتدار میں یہ خلاف ورزی انفرادی اور خفیہ طور پر ہوئی مگر شدہ شدہ علی الاعلان اجتماعی حیثیت اختیار کر لی اور بے خوفی و بے باکی کے ساتھ اسکو کیا جانے لگا بلکہ بہانے اور حیلے تراش تراش کر اپنی اس بدعملی پر فخر کیا جانے لگا تب اللہ تعالیٰ کے عذاب نے انہیں آپکڑا اور ایسی ذلت و رسوائی سے سابقہ پڑا کہ ہر زمانے کے لئے عبرت بن گئے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد سے عرصۂ دراز کے بعد بنی اسرائیل کی ایک جماعت بحر قلزم کے کنارے آباد ہو گئی۔ اہل تاریخ کا غالب گمان

اس طرف ہے کہ یہ مقام اَیلہ یا ایلات تھا جہاں اب اسرائیل کی یہودی ریاست نے اسی نام کی ایک بندرگاہ بنائی ہے اور جس کے قریب ہی اُردن کی مشہور بندرگاہ عقبہ واقع ہے چونکہ یہ لوگ ساحل کے باشندے تھے اس لئے مچھلی کا شکار کرنا ان کا فطری شغلہ تھا اور یہ ان کو بہت محبوب تھا۔ اسکی خرید و فروخت اور کاروبار کرتے تھے۔ ہفتے کے چھ دن میں تو مچھلی کا شکار کرتے اور اُسکی تجارت میں صرف کرتے اور سبت (ہفتہ) کے دن عبادت الٰہی میں مشغول رہتے۔ اس لئے قدرتی طور پر مچھلیاں چھ دن اپنی جان بچانے کی خاطر پانی کی تہہ میں پوشیدہ رہتیں اور سبت (ہفتے) کے دن پانی کی سطح پر تیرتی نظر آتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ بندوں کی آزمائش کے لئے جو طریقے اختیار فرماتا ہے اُن میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جب کسی شخص یا جماعت کے اندر فرماں برداری سے انحراف اور نافرمانی کی جانب میلان بڑھنے لگتا ہے تو اُس کے سامنے نافرمانی کے مواقع کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے تاکہ اُس کے وہ رجحانات جو اندر چھپے ہوئے ہیں کھُل کر پوری طرح نمایاں ہوجائیں اور جن جرائم سے وہ اپنے دامن کو خود داغدار کرنا چاہتے ہیں پوری طرح واضح ہوجائے۔ پھر اللہ تعالےٰ کا قانونِ جزا اُن پر لاگو ہوجاتا ہے۔

الغرض اسی طرح اُس بستی والوں کو آزمایا گیا اور کیفیت یہ ہونے لگی کہ ہفتے کے باقی دنوں میں مچھلیوں کا حاصل ہونا مشکل ہوگیا مگر سبت (ہفتے) کے روز اس کثرت سے پانی پر تیرتی نظر آتیں کہ بغیر کسی تدبیر کے باآسانی گرفتار ہوجاسکیں۔ کچھ دنوں تو یہود اس حالت کو صبر آزما طریقے پر دیکھتے رہے مگر بعض بعض نے خفیہ طریقوں سے ایسے حیلے ایجاد کر لئے کہ جس سے یہ بھی ظاہر نہ ہوسکے کہ وہ ہفتے کے احکام کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ چنانچہ بعض تو یہ کرتے ہیں کہ جمعہ کی شام کو دریا کے قریب گڑھے کھود لیتے اور دریا سے اِن گڑھوں تک ایک نہر نکال لیتے اور جب ہفتے کے دن سطح آب پر مچھلیاں تیرنے لگتیں تو وہ دریا کے پانی کو کھول دیتے تاکہ پانی گڑھوں میں چلا جائے اور ان کے بہاؤ کے ساتھ مچھلیاں بھی چلی جائیں اور جب ہفتے کا دن گزر جاتا تو اتوار کی صبح کو اِن گڑھوں سے مچھلیوں کو نکال لیتے۔ اس طرح اپنے زعم میں یہ سمجھتے کہ ہم نے ہفتے کے دن شکار نہیں کیا۔

اور بعض یہ کرتے کہ جمعہ کے دن دریا میں جال لگا آتے تاکہ ہفتے کے دن ان میں مچھلیاں پھنس جائیں اور اتوار کی صبح کو اِن جالوں میں پھنسی ہوئی مچھلیاں نکال لاتے اور

اپنی اِن ترکیبوں پر بے حد مسرور ہوتے اور فخر کرتے تھے اور جب اُن کے علماء اور اہلِ حق اس حرکت سے روکتے تو جواب دیتے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تو صرف ہفتے کے دن شکار نہ کرنے کا ہے۔ لہٰذا ہم اُسکی تعمیل میں ہفتے کو شکار نہیں کرتے ہیں بلکہ اتوار کے روز شکار کرتے ہیں۔ اگرچہ ان کا دل خود ان کو ملامت کرتا تھا مگر کجروی یہ جواب دیکر ان کو تسلی دیدیتی تھی کہ ہمارا یہ حیلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں چل جائے گا۔ گویا خود فریبی میں مبتلا تھے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے تھے۔ چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ ان چند حیلہ جُو انسانوں کی اِن حرکات کا علم دوسرے حیلہ ساز افراد کو بھی ہوا اور اُنھوں نے بھی اِن کی تقلید شروع کر دی اور پھر بستی کی ایک بہت بڑی تعداد ان کے شریکِ عمل ہوگئی۔ اسی طرح علی الاعلان یوم السبت کی بزرگی ختم ہوگئی اور وہ ایک عام دن کی طرح ہوگیا۔

اس جماعت کی اِن ذلیل حرکات کو دیکھ کر بستی ہی میں سے ایک سعادت مند جماعت نے ہمت چُست کی اور اِن کے مقابل آکر اِن کو اس بدعملی سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر قوم کا مزاج بگڑ چکا تھا۔ اِن لوگوں نے کچھ بھی لحاظ نہ کیا اور اپنی حرکت پر قائم رہے پھر اس سعادت مند جماعت میں دو فریق ہوگئے۔ ایک فریق نے دوسرے فریق سے کہا کہ اب اِن حیلہ بازوں کو نصیحت کرنا بیکار ہے یہ باز آنے والے نہیں کیونکہ اگر اسکو یہ لوگ گناہ کا کام سمجھتے تو امید کی جاسکتی تھی کہ توبہ کرلیں لیکن یہ حیلے تراش کر اپنی بدعملی پر نیکی کا غلاف چڑھاتے ہیں اور اسکو گناہ کا کام نہیں سمجھتے تو پھر توبہ کیوں کر کریں گے۔ لہٰذا انہیں انکے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ ہم کو اندیشہ پیدا ہوگیا ہے کہ اس جماعت میں اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائیگا یا یہ کسی سخت آفت میں مبتلا ہوں گے۔

اسپر سعادتمند جماعت کا دوسرا فریق کہتا کہ ہم اِن کو برابر نصیحت کرتے رہیں گے تاکہ قیامت کے دن اپنے پروردگار کے آگے یہ عذر پیش کرسکیں کہ ہم نے آخر وقت تک اِن کو سمجھایا اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہے لیکن قوم نے کسی طرح نہ مانا۔ اسکے علاوہ ہمیں یہ بھی توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں توفیقِ عمل دے گا اور یہ اس بدعملی سے باز آجائیں گے۔

بہرحال یہ جماعت مایوس نہیں ہوئی اور فریضہ تبلیغ ادا کرتی رہی۔ پہلا فریق ہمت ہار کر بیٹھ گیا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ سعادتمند جماعت کا وہ طبقہ جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر رہا تھا۔ جب یہ دیکھا کہ متمرد اور سرکش جماعت کسی طرح باز نہیں آتی تو انھوں نے فریضہ تبلیغ کے ساتھ ان سے ترک تعلقات کر لیا۔ کھانا پینا، خرید و فروخت ہر قسم کا اشتراکِ عمل ختم کر دیا اور بعض روایات میں یہاں تک تصریح ہے کہ انھوں نے بستی کے دو حصے کر لئے ایک میں یہ نافرمان لوگ بسے رہے دوسرے حصے میں خود ہو گئے۔ ایک دن اِن کو محسوس ہوا کہ جس حصہ میں یہ نافرمان لوگ رہتے تھے بالکل خاموشی اور سناٹا ہے۔ جا کر دیکھا تو سب کے سب بندر اور خنزیر کی شکلوں میں مسخ ہو گئے ہیں۔ حضرت قتادہ رح کی تفسیر میں مزید یہ وضاحت ملتی ہے کہ اُس قوم کے نوجوان بندر بنا دیئے گئے تھے اور بوڑھے خنزیر کی شکلوں میں۔ جب یہ نیک لوگ اُن کے قریب پہنچے تو مسخ شدہ بندر اپنے رشتہ داروں اور تعلق والوں کو پہچان گئے اور ان کے پیروں میں لوٹ لوٹ کر روتے تھے اور اپنی اس حالت زار کا اشاروں سے اظہار کرتے تھے۔ نیکو کاروں نے حسرت و غم کے ساتھ اِن سے کہا کیا ہم تم کو بار بار اس خوفناک عذاب سے نہیں ڈراتے تھے؟ انھوں نے جب یہ سُنا تو حیوانوں کی طرح سر ہلا کر اقرار کیا اور آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے اپنی رسوائی و ذلت کا اعتراف کیا۔

قرآن حکیم کی آیات ذیل اس رسوا کن واقعہ کا اس طرح تذکرہ کرتی ہیں۔

قرآنی مضمون

وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ

(اعراف آیات ۱۶۳ تا ۱۶۶)

اور آپ اے نبی اِن سے اُس بستی (والوں) کی بابت دریافت کیجیئے جو سمندر کے کنارے تھی جب کہ وہ لوگ ہفتے کے بارے میں (احکام سے) تجاوز کر رہے تھے (اور) جب کہ ان کے ہفتے کے روز تو اِن کی مچھلیاں ظاہر ہوتی تھیں اور جب ہفتے کا دن نہ ہوتا تو نہ آتیں۔ ہم نے اُن کی آزمائش اس طرح کی اس لئے کہ وہ نافرمانی کر رہے تھے۔

اور جب کہ اُن میں سے ایک جماعت نے کہا تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کیئے جاتے ہو جنھیں اللہ پاک ہلاک کرنے والا ہے

یا انھیں (کسی اور) سخت عذاب میں گرفتار کرنے والا ہے۔ وہ بولے اپنے پروردگار کے روبرو عذر کرنے کے لئے اور شاید کہ یہ لوگ تقویٰ اختیار کرلیں۔ پھر جب وہ بھولے ہی رہے اس چیز کو جو انہیں یاد دلائی گئی تھی تو ہم نے اُن لوگوں کو بچالیا جو بُری بات سے روکا کرتے رہتے تھے اور جو لوگ ظلم کرتے تھے اُنھیں ہم نے ایک سخت عذاب میں پکڑلیا اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے رہتے تھے۔

پھر جب وہ اس چیز سے حد سے نکل گئے جس سے روکے گئے تھے ہم نے اُن سے کہہ دیا کہ ذلیل بندر بن جاؤ۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ الخ

(بقرہ آیت ۶۵، ۶۶)

اور تم خوب جان چکے ہو ان لوگوں کو جنھوں نے تم میں سے ہفتے کے بارے میں تجاوز کیا تھا تو ہم نے اُن سے کہا ذلیل بندر ہو جاؤ۔ پھر ہم نے اُسے (موجب) عبرت بنادیا۔ اُس زمانے اور اسکے بعد کے لوگوں کے لئے اور ایک (موجب) نصیحت بنادیا خوفِ خدا رکھنے والوں کے لئے۔

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ الخ

(مائدہ آیت ۶۰)

اے نبیؐ آپ کہہ دیجئے کیا میں تمہیں جتلادوں وہ جو اللہ کے ہاں پاداش کے لحاظ سے اس سے (بھی کہیں) بُرا ہے۔ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور اُن پر غضب کیا ہے اور اُن میں بعض کو بندر اور سُور بنادیئے اور اُنھوں نے شیطان کی پوجا کی۔ ایسے لوگ مقام کے اعتبار سے بدتر اور راہِ راست سے بہت دُور ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا الخ (نساء آیت ۴۷)

اے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) تم اس کتاب پر ایمان لاؤ

جو ہم نے نازل کی ہے اُس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہے (یعنی تورات) اس سے پہلے ایمان لاؤ کہ ہم چہروں کو مٹا ڈالیں اور چہروں کو اُن کے پیچھے کی جانب اُلٹا دیں یا ہم اُن پر لعنت کریں جس طرح ہم نے اصحاب السبت پر لعنت کی، اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہنے والا ہے۔

ملعون بستی کا مقام

جس بستی پر یہ بدترین حادثہ پیش آیا قرآن حکیم کے سورۂ اعراف میں صرف یہ بیان کیا گیا کہ وہ بستی ساحل سمندر پر واقع تھی۔

اَلْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ۔

مگر اہل تفسیر نے اُسکی تعین میں مختلف نام بیان کئے ہیں۔

"حضرت ابن عباس رضؓ سے ایک روایت نقل کی جاتی ہے کہ یہ مدین کا واقعہ ہے (حضرت شعیب علیہ السلام بھی اسی شہر کی جانب مبعوث ہوئے تھے) حضرت ابن زیدؒ کہتے ہیں کہ اس قریہ کا نام تتنا تھا اور یہ مدین اور عینونا کے درمیان واقع تھا۔ حضرت عکرمہؒ، مجاہدؒ، قتادہؒ اور ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضؓ سے منقول ہے کہ اس بستی کا نام اَیلہ تھا اور یہ بحر قلزم کے ساحل پر واقع تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے بحر قلزم کے جنگی و تجارتی بیڑے کا صدر مقام اسی شہر کو بنایا تھا۔ عرب مؤرخین کہتے ہیں کہ مصر سے اگر مکہ مکرمہ چلیں تو یہ بستی درمیان راہ میں آتی ہے۔" (فتح الباری ج ۶)

جس حادثہ کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے اسکے متعلق یہودیوں کی مقدس کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

اسی طرح انکی کتب تاریخ بھی اس باب میں خاموش ہیں۔ مگر قرآن حکیم نے جس انداز اور جس اہتمام سے یہ واقعہ بیان کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے دور میں بنی اسرائیل اس واقعہ سے خوب واقف تھے اور یہ بات اُن میں مشہور و معروف رہی ہوگی۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ مدینہ کے یہودیوں نے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور

قرآن حکیم کی مخالفت کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ قرآن حکیم کے اس بیان پر قطعاً کوئی اعتراض یا شک نہیں کیا اور خاموش کان لٹکائے سنتے رہے۔

زمانۂ حادثہ یہ رسوا کن حادثہ کس زمانے میں پیش آیا؟ اور یہ کس نبی کے دور میں واقع ہوا؟ قرآن حکیم نے اپنے موضوع اور مقصد کے پیش نظر اس کو بیان نہیں کیا۔ بعض مفسرین نے قرآنی اشارات سے یہ سمجھا ہے کہ یہ حادثہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں پیش آیا تھا۔

مفسر قرآن شاہ عبد القادرؒ کا یہی رجحان ہے۔ مؤلف قصص القرآن کی رائے یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے درمیانی زمانے میں کسی ایسے وقت پیش آیا جبکہ شہر ایلہ میں کوئی نبی موجود نہیں تھے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ وہاں کے علماء حق ہی کے سپرد رہا ہوگا یہ اس لئے کہ قرآن حکیم نے اس قصہ میں صرف اسی جماعت کا تذکرہ کیا ہے کسی نبی یا رسول کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اِن کا کہنا ہے کہ سورۂ اعراف میں اس واقعہ کو جس تفصیل سے بیان کیا ہے وہاں یہ بتایا ہے کہ جب یہ واقعہ پیش آیا تو اہل بستی تین جماعتوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور اِن میں سے ایک مختصر جماعت نافرمانوں کو راہِ ہدایت کی تلقین کر رہی تھی۔ لہٰذا اگر یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں پیش آیا تھا تو یہ بات بعید از قیاس اور بعید از اسلوبِ قرآن معلوم ہوتی ہے کہ وہ ایسے موقعہ پر جب کہ انسانوں کی ایک بہت بڑی جماعت پر مسخ کا عذاب ہو رہا ہو تو اس زمانے کے پیغمبر کا اس سلسلہ میں قطعاً کوئی ذکر نہ کرے اور یہ نہ بتایا جائے کہ نافرمان قوم کے اور اِن کے درمیان کیا معاملہ پیش آیا؟

الحاصل قرآن حکیم کے اسلوب بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب السبت کا یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے درمیانی زمانے میں کسی ایسے وقت پیش آیا جبکہ شہر ایلہ میں کوئی نبی موجود نہ تھے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ وہاں کے علماء حق کے ہی سپرد تھا۔

مرتب کتاب کا یہ احساس ہے کہ مؤلف قصص القرآن کی رائے کچھ زیادہ وزن نہیں رکھتی کیونکہ نفس واقعہ میں کسی نبی یا رسول کا ذکر نہ ہونا عدم وجود کی دلیل نہیں ہے پھر

جس علت کی وجہ سے مسخ کا عذاب آیا تھا وہ وہی ہے جسکو سورۂ مائدہ کی آیت ۷۹ میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کر دینا۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ. كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ.

(مائدہ آیت ۷۸، ۷۹)

داؤدؑ اور عیسیٰؑ بن مریم کی زبانی بنی اسرائیل میں سے وہ لوگ لعنت کئے گئے جنھوں نے کفر کیا اس لئے کہ وہ نافرمانی کے خوگر تھے اور حد سے گزرے ہوئے تھے۔

جو بُرا کام اُنھوں نے کر رکھا تھا اُس سے ایک دوسرے کو منع نہ کرتے تھے۔ بُرا طرز عمل تھا جو اُنھوں نے اختیار کیا۔

لہذا اگر یہ واقعہ حضرت داؤد و عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے درمیانی زمانے میں پیش پیش آیا ہوتا جیسا کہ مؤلف قصص القرآن کی رائے ہے تو حضرت داؤد علیہ السلام کی لعنت کرنے کا کوئی بنیادی سبب سمجھ میں نہیں آتا۔ جبکہ یہ واقعہ اُن کے بعد پیش آیا ہو اور انھوں نے پوری جماعت بنی اسرائیل پر لعنت کر دی ہو جنھوں نے نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کر دیا تھا۔ لہذا یہی بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام ہی کے عہد میں پیش آیا ہو جیسا کہ شاہ عبد القادرؒ مفسر قرآن کا خیال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نتائج و عبر

چند حقائق

سورۂ بقرہ اصحاب السبت کے تذکرے میں یہ فقرہ

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ. (بقرہ آیت ۶۶)

پھر ہم نے بنا دیا اُن (اصحاب السبت) کے انجام کو اُس زمانے

کے لوگوں اور بعد کے لوگوں کے لئے عبرت اور اللہ سے ڈرنے والوں
کے لئے نصیحت۔

اس بعد کے لوگوں سے کیا مراد ہے؟ اسکے جواب میں متعدد اقوال ہیں بہتر قول حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے یعنی اس سے وہ بستیاں مراد ہیں جو شہر ایلہ کے گرد و پیش آباد تھیں اور مشہور تابعی سعید بن جبیرؒ کے قول سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

نَکَالًا۔ نکال وہ سخت سزا جو دوسروں کے لئے باعث عبرت ہو۔ گویا سزا ایسی تھی کہ مدتوں تک نسلاً بعد نسلٍ اس کا چرچا رہے اور لوگ اس کا تذکرہ سن سن کر ڈرتے اور لرزتے رہیں۔

مَوْعِظَۃً۔ نصیحت یا وعظ۔ یعنی متقین کو اس واقعہ سے راہ تقویٰ کی طرف ترغیب اور زیادہ ہو یا یہ مراد لی جائے کہ نصیحت کو قبول کرنے والے اور اس سے فائدہ اٹھانے والے متقین ہی ہوں گے۔

صاحب روح المعانی نے اس موقعہ پر یہ نکتہ اہل عرفان کے لئے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادتوں کو خاص خاص شکلوں کے ساتھ مخصوص اوقات میں متعین کیا ہے تاکہ طبعی ظلمتیں دُور ہوں۔

لہذا جو شخص اِن خاص ہیئتوں کی رعایت نہیں کرتا اس کا نور استعداد ضائع ہوجاتا ہے اور وہ اصحاب السبت کی طرح مسخ کر دیا جاتا ہے۔ یعنی جس جانور کے اوصاف اس میں راسخ ہیں اُنہی کی طبیعت اُس میں پیدا کر دی جاتی ہے (کیونکہ اس امت کیلئے مسخ صوری نہیں ہے) پس انسان کو چاہیئے کہ وہ وظائف شرعیہ کے ذریعہ اپنی انسانیت کو محفوظ رکھنے کی کوشش میں لگا رہے۔ چنانچہ بعض اہل کشف ایسے بھی پائے گئے ہیں جو انسان کو اُسی حیوان کی شکل میں دیکھا ہے جسکی صفت حیوانی اُس پر غالب ہوتی ہے۔ مثلاً ظلم و شقاوت جس انسان میں غالب ہوتی ہے اُسے آتا ہوا دیکھ کر کہنے لگے کہ بھیڑیا آرہا ہے جس پر حرام خوری کی گندگی غالب ہوتی ہے اُسے دیکھ کر اس طرح کہا ہے کہ سور آرہا ہے وغیرہ وغیرہ۔ (اگرچہ اس قسم کا کشف کوئی حجت شرعیہ نہیں)

ارتقاءِ معکوس اصحاب السبت کی مسلسل نافرمانی پر سزا تو اِن مجرموں کو یقیناً ملی

جمہور مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ سزا اسی طرح واقع ہوئی جیسی قرآن حکیم کے ظاہری الفاظ میں مذکور ہے۔ یعنی وہ انسان بندر بنے اور پھر تین دن کے بعد ہلاک ہوگئے۔

اس تفسیر پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے قانون شرعی کے توڑنے میں اتنے جری اور بیباک ہوں اُن کے حق میں خالقِ کائنات اپنے قانونِ تکوینی کو کسی حد تک اگر بدل دے اور بجائے "ارتقاء" کے کبھی "ارتقاءِ معکوس" ہوجائے تو اسمیں کیا اشکال ہے۔

نظریہ ارتقاء کے اصول پر ایک گوریلا بندر اپنی حقیقت سے منتقل ہوکر انسانی حقیقت اختیار کرسکتا ہے تو انسان کا بندر کی حقیقت میں بدل جانا کیوں محال اور ناممکن ہے۔

ہر شئی کا ردِ عمل (ری ایکشن) ممکن بھی ہے اور مشاہدہ بھی ہے تو اس اصول پر اگر یہ ثابت ہوجائے کہ جس طرح ایک ادنیٰ حقیقت اعلیٰ حقیقت میں تبدیل ہوجاتی ہے تو اسطرح کبھی خصوصی حالات اور ناموافق اثرات کی بنا پر اعلیٰ حقیقت ادنیٰ حقیقت میں منقلب ہوجائے تو اس نظریہ کے انکار پر کون سے دلائل ہیں؟

بہرحال ایک حقیقت کا دوسری حقیقت اختیار کرلینا عقلاً کوئی بعید بات نہیں ہے جو مسئلہ مسخ پر وارد ہوسکے۔ البتہ یہ امر کہ یہ واقعہ درحقیقت پیش آیا یا نہیں سو اس کا تعلق عقل سے نہیں ہے بلکہ علم تاریخ اور نقل صحیح پر موقوف ہے اور جبکہ قرآن حکیم کے علم یقین نے اس واقعہ کا بصراحت اظہار کیا ہے اور جمہور سلف وخلف اس واقعہ کی تفسیر میں مسخ حقیقی کا اعتراف کرتے چلے آتے ہیں تو محض اس لئے کہ عام طور پر ہم ایسے واقعات کا مشاہدہ نہیں کرتے۔ اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ کسی شئی کے مشاہدہ نہ کرنے یا اس کے زیرِ نظر نہ آنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقعہ میں وہ شئی موجود نہیں ہے یا نہیں ہوسکتی۔ اور پھر اس واقعہ کا نکال اور موعظت ہونا اسی وقت ممکن ہے جبکہ مسخ صوری ہوا ہو یعنی حقیقتاً وہ لوگ بندر ہوگئے ہوں۔ پس اگر مسخ کا یہ عذاب صرف مسخِ قلوب تک محدود تھا تو گردوپیش کے بسنے والوں کے لئے یہ کس طرح "سامانِ عبرت" بن سکتا تھا۔

پھر یہی نہیں کہ وہ صرف بندر بنا دیئے گئے ہوں بلکہ قرآن حکیم نے ایک لفظ کے

مزید اضافہ کے ساتھ انھیں قِرَدَۃً خَاسِئِیْنَ۔ یعنی محبوب بندر نہیں ذلیل وخوار بندر کہا ہے۔ یہ حکمت تو جب ہی صحیح ہوسکتی ہے کہ اِن سرکش انسانوں کو حقیقی طور پر بندر کی شکل میں مسخ کر دیا گیا ہو۔

سورۂ مائدہ میں مزید یہ بتایا گیا ہے کہ اصحاب السبت میں سے کچھ تو بندر بنا دیئے گئے اور کچھ خنزیر (سور) کی شکل میں مسخ کر دیئے گئے۔

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ (مائدہ آیت ۶۰)

امام تفسیر مجاہدؒ کا ایک قول نقل ہوتا چلا آرہا ہے کہ مسخ کا یہ عذاب حقیقی مسخ نہ تھا بلکہ صوری تھا یعنی اُن لوگوں کے قلوب اور عادات واطوار بندروں جیسے بنا دیئے گئے تھے۔ مفسر قرآن ابن کثیرؒ نے اس پر تفصیلی بحث کر کے یہ تحریر کیا ہے:۔

> میں کہتا ہوں اِن ائمہ تفسیر کے بیانات کو ذکر کرنے سے میرا یہ مقصد ہے کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ تمام ائمہ تفسیر مجاہدؒ کے قول کے مخالف ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ مسخ معنوی اور حقیقی دونوں حیثیت سے تھا۔ (یعنی اُن کے عادات واطوار کے ساتھ جسم بھی بندر وخنزیر کے بنا دیئے گئے) واللہ اعلم۔

پاداشِ عمل از جنسِ عمل

قرآن حکیم کے مطالعہ سے یہ بات بآسانی معلوم ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہمیشہ "پاداشِ عمل از جنسِ عمل" ہو جیسا کہ واقعہ مذکورہ میں پیش آیا۔ اصحاب السبت نے حیلوں اور بہانوں کے ذریعہ ہفتے کے قانون کو مسخ اور محرّف کر دیا تھا۔ لہٰذا ان کے لئے سزا بھی "مسخ" تجویز کی گئی۔

حافظ ابن کثیرؒ اس حقیقت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:۔

> پس جب یہود نے (ہفتے کے دن یہ عمل) کیا تو اللہ تعالیٰ نے اِن کو بندروں کی شکل میں مسخ کر دیا اور یہ اس لئے کہ ظاہر شکل میں بندر انسان سے زیادہ مشابہ ہے اگرچہ حقیقت میں وہ انسان نہیں ہے۔ پس جب کہ اِن یہود کے اعمال بد اور حیلے ظاہر میں حق کے مشابہ اور باطن میں

اسکے مخالف ہیں تو ان کو سزا بھی جنسِ عمل ہی سے دی گئی۔
(تفسیر ابن کثیر سورۂ اعراف)

مجھے یہ ورق رُلا رہے ہیں

حضرت عکرمہؒ جو حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد رشید اور ایک جلیل القدر تابعی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ ان کی گود میں قرآن حکیم کھلا رکھا ہوا ہے اور وہ رو رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر کچھ دیر تو میں انکی عظمت کی وجہ سے دور بیٹھا رہا مگر جب اس حالت میں ان پر کافی وقت گزر گیا تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے قریب جاکر سلام کے بعد عرض کیا اللہ تعالیٰ مجھ کو آپ پر قربان کرے۔ یہ تو فرمائیے کہ آپ کس لئے اس طرح رو رہے ہیں؟

حضرت ابن عباسؓ فرمانے لگے میرے ہاتھ میں یہ جو ورق ہیں مجھ کو رُلا رہے ہیں میں نے دیکھا تو وہ سورۂ اعراف کے ورق تھے۔ پھر مجھ سے فرمایا تم ایلہ کو جانتے ہو؟ میں نے عرض کیا جانتا ہوں۔

اسکے بعد ارشاد فرمایا کہ اس بستی میں بنی اسرائیل رہتے تھے ان کے ہاں ہفتے کے دن مچھلیاں پانی کی سطح پر آجاتی تھیں اور دوسرے دن پانی کی تہہ میں بیٹھ جاتی تھیں اور بمشکل ایک دو ہاتھ آتی تھیں۔ کچھ دن گزرنے پر شیطان نے اُن میں سے بعض کو یہ سکھایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہفتے کے دن مچھلی کھانے سے منع کیا ہے مچھلی کے شکار سے منع نہیں کیا۔ اس لئے اُن لوگوں نے یہ کیا کہ ہفتے کے دن ترکیب اور چالاکی سے مچھلیاں پکڑ لیتے اور دوسرے دن کھالیتے تھے (معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب السبت کے مختلف حیلوں میں سے ایک حیلہ یہ بھی تھا) جب یہ حیلہ عام ہوگیا تو اہل حق نے اِن کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ ہفتے کے دن مچھلی پکڑنا، شکار کرنا اور کھانا سب منع ہے۔ تم لوگ اس حیلہ جوئی کو چھوڑ دو ورنہ اللہ کا عذاب تمہیں برباد کر ڈالے گا مگر اُنھوں نے نہ مانا تو اس اہل حق میں سے ایک جماعت اگلے ہفتے اِن سے جُدا ہوگئی اور مع اپنے اہل وعیال اِن سے دور جا بسی اور ایک جماعت نے ہفتے کی خلاف ورزی کو بُرا جانا مگر اِن نافرمانوں کے ساتھ ہی رہے سہے اور اِن سے ترکِ تعلق نہیں کیا۔ اور جب ترکِ تعلق کرنے والوں نے نافرمانوں کو ڈانٹا

اور عذاب الٰہی سے ڈرایا تو ترک تعلق نہ کرنے والوں نے نادانی سے کہا:۔

لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا۔ (اعراف آیت ۱۶۴)

ایسی قوم کو تم لوگ کیوں نصیحت کر رہے ہو جسکو اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا کوئی شدید عذاب میں مبتلا کرنے والا ہے۔

تو نصیحت کرنے والوں نے جواب دیا:۔

قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔

(اعراف آیت ۱۶۴)

وہ بولے اپنے پروردگار کے روبرو عذرخواہی کرنے کے لئے اور شاید کہ یہ لوگ تقویٰ اختیار کرلیں۔

بالآخر ایک روز نصیحت کرنے والی جماعت نے نافرمانوں کو مخاطب ہوکر کہا یا تو تم باز آجاؤ ورنہ کل تم پر کوئی عذاب نازل ہوکر رہے گا۔

اسکے بعد حضرت ابن عباسؓ نے نافرمانوں پر عذاب نازل ہونے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ میں دو جماعتوں کے انجام کا ذکر فرمایا ہے ایک سرکش و نافرمان انسانوں کی جماعت جو مسخ کے بعد ہلاک کردی گئی۔ دوسری امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والی جماعت جو اس عذاب سے محفوظ رہی۔ لیکن تیسری جماعت جنھوں نے سکوت اختیار کیا (یعنی نہ امر بالمعروف کا فریضہ ادا کرتے رہے اور نہ ہی ترک تعلق کرلیا) ایسوں کے انجام کے ذکر سے قرآن حکیم ساکت ہے اور میرے دل میں ان لوگوں کے متعلق ایسے خیالات آتے ہیں کہ میں ان کو زبان سے کہنا پسند نہیں کرتا (یعنی کہیں وہ بھی عذاب میں پکڑ لئے گئے ہوں؟)

تب میں (عکرمہؓ) نے عرض کیا میں آپ پر فدا ہوجاؤں آپ اس بارے میں اس قدر پریشان نہ ہوں بلاشبہ یہ تیری جماعت بھی نجات پانے والوں میں ہی رہی اس لئے کہ خود قرآن حکیم ان کے متعلق کہتا ہے کہ انھوں نے

نصیحت کرنے والی جماعت سے کہا کہ تم ایسی جماعت کو کس لئے نصیحت کرتے ہو جسکی بداعمالیوں کی بنا پر اللہ تعالےٰ انھیں ہلاک کرے گا یا کسی سخت عذاب میں مبتلا کر دے گا؟ تو اِن کے متعلق قرآن حکیم کی یہ تعبیر صاف صاف بتا رہی ہے کہ وہ ہلاک نہیں کئے گئے ورنہ اِن کا ذکر بھی ہلاک ہونے والوں ہی کے ساتھ کیا جاتا۔ نیز یہ جماعت اس عمل بد کے بدکرداروں کی حرکات سے مایوس ہو کر ایسا کہتی تھی اس لئے بھی مستحق عذاب نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ سُنا تو بے حد مسرور ہوئے اور آیات کی اس تفسیر پر مجھکو خلعت بخشا۔ انتہیٰ (دُرِّ المنثور)

لیکن اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ جہاں کہیں وعظ و نصیحت کے بے اثر ہو جانیکا ظنِ غالب ہو وہاں وعظ و نصیحت کرنا واجب نہیں رہتا سکوت کرنیکی اجازت ہوجاتی ہے البتہ عالی ہمتی پھر بھی یہی ہے کہ نصیحت کی جاتی رہے۔ اصحاب السبت میں اہل حق کی دونوں جماعتوں میں سے پہلی جماعت جو فریضہ تبلیغ ادا کرتی رہی اُس نے عالی ہمتی کو اختیار کیا اور دوسری جماعت نے رخصت و اجازت کو اختیار کیا (اگرچہ دل سے نفرت کرتے رہے)

غرض دونوں حق پر تھے اور دونوں کی نجات پانے کو حضرت عکرمہؒ نے استنباط کیا اور حضرت ابن عباسؓ نے اس استنباط کو پسند کر کے انعام بھی دیا۔

بخلاف اسکے کہ جہاں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ترک کر دیا جائے یا نفع کی اُمید کے باوجود تبلیغ نہ کی جائے یا نافرمانوں کے ساتھ خلا ملا رکھا جائے اور اُنکی نافرمانی کو بُرا بھی نہ سمجھا جائے وہاں ایسے لوگ نافرمان اور مجرمین میں شمار ہو جاتے ہیں۔

"مالک بن دینارؒ سے ایک روایت منقول ہے ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو حکم دیا کہ فلاں بستی کو اُلٹ دو، فرشتوں نے عرض کیا کہ اُس بستی میں آپ کا فلاں عبادت گزار بندہ بھی مقیم ہے۔ ایک اور روایت میں مزید یہ اضافہ ہے کہ اُس نے آنکھ جھپکنے تک بھی نافرمانی نہیں کی؛ حکم ہوا کہ اُس کو بھی اُنکے ساتھ عذاب کا مزہ چکھاؤ کیونکہ ہماری نافرمانیوں اور گناہوں کو دیکھ کر اسکو کبھی غصہ نہ آیا اُس کا چہرہ غصے سے

متغیّر نہ ہوا۔

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ آپ کی قوم کے ایک لاکھ آدمی عذاب سے ہلاک کئے جائیں گے جنمیں چالیس ہزار نیک لوگ ہیں اور ساٹھ ہزار بدعمل۔ حضرت یوشع علیہ السلام نے عرض کیا رب العالمین بدکرداروں کی ہلاکت ظاہر ہے لیکن نیک لوگوں کو کیوں ہلاک کیا جارہا ہے؟ ارشاد ہوا کہ یہ نیک لوگ بھی اِن بدکرداروں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں۔ اِن کے ساتھ کھانے پینے اور ہنسی دل لگی کے شریک ہیں۔ میری نافرمانی دیکھ کر کبھی اِن کے چہروں پر کوئی ناگواری کا اثر تک نہ آیا۔

(تفسیر بحر محیط)

مسخ شدہ اقوام کا انجام

جو قومیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مسخ کردی جاتی ہیں وہ زندہ باقی نہیں رکھی جاتیں بلکہ تین دن کے اندر اندر اِنکو فنا کردیا جاتا ہے تاکہ ان کی نسل کا سلسلہ جاری نہ ہو اور دنیا میں اُن کا وجود خود اُن کے لئے بھی عرصہ تک باعثِ ذلّت وخواری نہ رہے۔ روایاتِ صحیحہ بھی اسکی تائید کرتے ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم نے دریافت کیا کہ کیا موجودہ بندر اور خنزیر مسخ شدہ یہود کی نسل میں سے ہیں؟

آپؐ نے ارشاد فرمایا نہیں! اللہ تعالےٰ جب کسی قوم پر مسخ کی لعنت مسلّط کرتا ہے تو اُس کی نسل نہیں چلاتا لیکن یہ جانور اللہ کی مستقل مخلوق ہیں۔ لہٰذا جب اللہ کا غضب یہود پر نازل ہوا تو اُن کو اِن جانوروں کی شکل میں مسخ کردیا گیا تھا۔

(مسند احمد، ابوداؤد طیاسی، مسلم)

ایک اور روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اللہ تعالےٰ

جب کسی قوم کو مسخ کرتا ہے تو نہ اُن کو باقی چھوڑتا ہے اور نہ اُن کی نسل چلتی ہے اور بندر وخنزیر تو مسخ کے واقعہ سے قبل بھی موجود تھے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مسخ شدہ انسان تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہے اور نہ انھوں نے اس درمیان کھایا نہ پیا اور نہ اُن کی نسل کا سلسلہ چلا۔

(ابن کثیر ج جلد ۱)

واللہ تعالیٰ اعلم۔

تذکرہ اَصحٰبُ الرَّسّ (کنویں والے)

اصحابِ رَسّ

لفظ رس عربی زبان میں مختلف معنی کے لئے آتا ہے۔ اسکے مشہور معنی "کچے کنویں" کے ہیں۔ یعنی ایسا کنواں جو اینٹ پتھر وغیرہ سے بنایا نہ گیا ہو۔ اسکے دوسرے معنی گڑھے اور غار کے بھی آتے ہیں۔ قرآن حکیم نے ایک قوم کو اسی نسبت کے ساتھ "کنویں والوں" کے نام سے ذکر کیا ہے۔

(۱) مؤرخ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں یہ رجحان ظاہر کیا ہے کہ اصحاب الرّس قوم عاد سے بھی صدیوں پہلے گزری ہے۔ جس جگہ یہ آباد تھے وہاں اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر حنظلہ بن صفوان علیہ السلام کو مبعوث کیا تھا۔ اُنھوں نے اِن میں رہ کر تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کیا مگر اصحاب الرّس نے انکی نصیحت قبول نہ کی اور اپنے پیغمبر کو قتل کر دیا۔ اس پاداش میں وہ سب ہلاک کر دیئے گئے۔

(۲) ابن ابی حاتم نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آذربائیجان (روس) کے قریب ایک کنواں تھا اور یہ قوم اسکے اطراف آباد تھی اس لئے وہاں کے بسنے والوں کو اصحاب الرّس کہا گیا۔

(۳) عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کنویں کے قریب آباد قوم نے اپنے نبی کو اُنکی دعوت و تبلیغ سے بیزار ہو کر کنویں میں زندہ دفن کر دیا تھا اسلئے اُس قوم کو اصحابُ الرّس کہا گیا (کنویں والے)

(۴) قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یمامہ کے علاقے میں فلج نامی ایک بستی تھی

اصحاب الرس وہیں آباد تھے اور یہ اور اصحاب یاسین (اصحاب القریہ) ایک ہی ہیں اور یہ مختلف نسبتوں سے پکارے جاتے ہیں۔

ابو بکر بن حسن نقاش اور علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ اصحاب الرس کی آبادی میں ایک بہت بڑا کنواں تھا جس کے پانی سے وہ پینے اور کھیتی سیراب کرنے کا کام لیتے تھے۔ اس بستی کا بادشاہ بہت عادل تھا لوگ اس سے بیحد محبت کرتے تھے اسکا جب انتقال ہو گیا تو اہل شہر اسکی موت سے سخت غمگین ہوئے۔ ایک دن شیطان اس بادشاہ کی شکل بنا کر پہنچا اور اہل شہر کو جمع کر کے تقریر کی کہ میں تم سے چند دنوں کے لئے جدا ہو گیا تھا مگر انہیں اب آ گیا ہوں اور ہمیشہ زندہ رہوں گا۔ لوگوں نے انتہائی عقیدت میں یقین کر لیا اور اسکی آمد پر جشن عام کیا تب شیطان نے انکو حکم دیا کہ وہ ہمیشہ مجھ سے پس پردہ باتیں کیا کریں چنانچہ اسکے حکم کی تعمیل کی گئی اور وہ پس پردہ بیٹھ کر گمراہی پھیلانے لگا۔ اس وقت حضرت حنظلہ بن صفوان کو اللہ تعالےٰ نے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ حضرت ابن صفوان نے توحید کی تعلیم اور شرک سے اجتناب کی تلقین کی اور بتایا کہ یہ تمہارا بادشاہ نہیں ہے بلکہ پس پردہ شیطان ہے۔ لوگوں کو یہ بات سخت ناگوار گزری اور انھوں نے اللہ کے رسول کو کنویں میں بند کر دیا۔ اس پاداش میں اللہ تعالےٰ نے اُس قوم کو ایک عذاب سے ہلاک و برباد کر دیا۔ کل تک جس شہر میں چہل پہل تھی اور باغات اور نہروں کی شادابی تھی وہ جل بھن کر چٹیل میدان ہو گیا۔

(تفسیر ابن کثیر سورۂ فرقان و تاریخ ابن کثیر ج ۱)

(۶۱) محمد بن کعب قرظیؒ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں سب سے پہلے جو شخص داخل ہوگا وہ ایک سیاہ فام غلام ہوگا۔ اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے ایک بستی میں اپنا پیغمبر مبعوث کیا تھا مگر اس کالے کلوٹے غلام کے سوا کسی نے ان کو قبول نہ کیا اور کوئی ایمان نہیں لایا۔ پھر اہل بستی نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ نبی مرسل کو ایک کنویں میں بند کر دیا اور پھر کنویں کے منہ پر ایک بھاری پتھر رکھ دیا تاکہ کوئی

کھول نہ سکے مگر یہ سیاہ فام غلام جنگل سے لکڑیاں لاتا اور بازار میں فروخت کر کے اس کا طعام خریدتا اور روزانہ کنویں پر پہنچکر کسی طرح اللہ تعالےٰ کے اس محبوس پیغمبر کی خدمت میں کھانا پیش کرتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد اللہ تعالےٰ نے اُس غلام پر جنگل ہی میں ایک گہری نیند طاری کر دی اور یہ چودہ سال تک اسی حالت میں پڑا سوتا رہا۔ یہاں تک تو یہ ہوا اور اُدھر قوم کو اپنی نازیبا حرکت پر افسوس ہوا اور اُنھوں نے اللہ کے رسول کو کنویں سے باہر نکال لیا اور توبہ کے بعد ایمان قبول کر لیا اور اسی مدت کے اندر پیغمبر کا انتقال ہو گیا۔ چودہ سال کے بعد جب غلام کی آنکھ کھُلی تو اُس نے سمجھا کہ میں چند گھنٹے سویا ہوں جلدی سے لکڑیاں چن کر شہر پہنچا دیکھا تو حالات بدلے ہوئے تھے دریافت کیا تو سارا قصہ معلوم ہوا۔

اسی غلام کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں سب سے پہلے ایک سیاہ فام غلام داخل ہوگا۔

(مروج الذہب ص۲۶)

(۷) مؤرخ مسعودی کہتے ہیں کہ اصحاب الرس حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ دو قبیلے تھے ایک قید ماں (قید ماہ) اور دوسرا یامین اور یہ یمن میں آباد تھے۔ مؤلف ارض القرآن علامہ سلیمان ندوی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ (ارض القرآن ۲۲)

(۸) ضحاک اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم (ثمود) پر عذاب آیا تو اِن میں چار ہزار آدمی جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لاچکے تھے وہ عذاب سے محفوظ رہے۔ یہ لوگ اپنے مقام سے منتقل ہو کر حضرموت (یمن) میں مقیم ہو گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام بھی ان کے ساتھ تھے۔ ان لوگوں نے ایک کنویں کے قریب اپنی بستی قائم کی۔ کچھ عرصہ بعد حضرت صالح علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔ یہ لوگ یہیں پڑے رہے۔ پھر ان کی نسل میں بت پرستی شروع ہو گئی۔ انکی اصلاح کے لئے اللہ تعالےٰ نے ایک نبی کو بھیجا جسکو انھوں نے قتل

کر دیا۔ اسپر اللہ کا عذاب آیا ان کا وہ کنواں جس پر انکی زندگی کا انحصار تھا خشک ہو گیا اور عمارتیں ویران ہو گئیں۔ قرآن حکیم نے اس بستی کی تباہی کا حال اس آیت میں بیان کیا ہے:۔

وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ۔ (الحج آیت ۴۵)

یعنی عبرت والوں کے لئے ان کا ناکارہ کنواں اور پختہ عمارات ویران پڑے ہیں۔

قرآن حکیم اور اصحابُ الرّس

قرآن حکیم کی سورۃ فرقان اور سورۃ قٓ میں اصحاب الرس کا ذکر آیا ہے اور وہ بھی صرف گنہگار قوموں کی فہرست کے ضمن میں ان کے حالات و واقعات کا قرآن حکیم میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا اور نہ ہی صحیح روایات میں انکی تفصیل موجود ہے۔

یہ قرآن حکیم ہی کی نشان دہی ہے جس نے اس قوم کا تعارف کروایا ورنہ معدوم الذکر اقوام کی طرح اس قوم کا بھی کوئی ذکر نہ ہوتا۔ قرآن حکیم میں قدیم اقوام کا تذکرہ اپنے مقصد موعظت و عبرت کے لئے ہے۔ تاریخی تعینات اور مباحث اس کا نہ منشا ہے اور نہ مقصد۔

جو قومیں اس دنیا میں پیغامِ حق کو ٹھکراتی ہیں اور اسکی مخالفت کا عَلم بلند کرتی ہیں اور مسلسل ڈھیل دینے کے باوجود اپنی متکبرانہ و مجرمانہ زندگی کو ترک کر کے پاکیزہ زندگی بسر کرنے پر آمادہ نہیں ہوتیں۔ اِن پر اللہ تعالیٰ کی سخت گرفت (بطش شدید) آجاتی ہے اور وہ بے یار و مددگار ہلاک کر دی جاتی ہیں۔

انہی اقوام میں ایک گنہگار قوم اصحاب الرّس کی بھی گزری ہے جن کے بارے میں قرآن حکیم نے یہ انجام بتایا ہے۔

قرآنی مضمون

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا۔ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا۔ (الفرقان آیت ۳۸، ۳۹)

اور عاد اور ثمود اور اصحاب الرس کو اور اِن کے درمیانی زمانے کی بہت

سی قوموں کو ہم نے ہلاک کر دیا اور ہم نے ہر ایک کے واسطے مثالیں بیان کیں اور ہم نے اُن سب کو ہلاک کر دیا۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ
وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ وَّأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ
كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ۔ (ق آیت ۱۲ تا ۱۴)

رسولوں کو جھٹلایا ان سے پہلے بھی نوح کی قوم نے اور کنویں والوں نے اور ثمود اور عاد اور فرعون اور قوم لوط اور اصحاب الایکہ اور تبّع کی قوم نے۔ اِن میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا پھر ان پر عذاب لازم ہوا۔

نتائج و عبر

ایک گہری حقیقت کائناتِ انسانی کے پاس جس وقت سے اپنی تاریخ کا ذخیرہ موجود ہے وہ اس حقیقت سے خوب واقف ہے کہ دنیا کی جس قوم نے بھی پیغامِ حق کے ساتھ استہزار کیا اور اللہ کے ہادی اور رسولوں کے ساتھ سرکشی و بغاوت کا رویہ جاری رکھا۔ ان کی زبردست طاقت و شوکت اور عظیم الشان تمدن کے باوجود اللہ عظیم کے قاہرانہ اقتدار نے ہلاک و برباد کر کے ان کا نام و نشان تک مٹا دیا۔

مگر عجیب بات ہے کہ اپنے پیشروں کے عبرتناک انجام کو دیکھنے اور سننے کے باوجود انکی وارث قوموں نے تاریخ کو پھر دہرایا اور اسی قسم کی روش اختیار کی جن کے انجام میں ان کے پیشرؤں کو روز بد دیکھنا پڑا تھا۔

قوم نوحؑ، قوم عادؑ، قوم ثمودؑ، قوم ابراہیمؑ، قوم شعیبؑ، قوم فرعون، قوم لوطؑ، اصحاب الایکہ، قوم تبع اور اصحاب الرس کے یہ قدیم تذکرے انہی عبرتناک واقعات سے پُر ہیں۔ اور آج بھی اقوام عالم کے لئے قرآن حکیم ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس نے اقوام قدیم کی اِن داستانوں سے

قوموں کو آگاہ کیا اور ان کے عبرتناک انجام سے روشناس کروایا ہے ورنہ یہ وہ قومیں تھیں جنکی تاریخ پر صدیوں سے سیاہ پردے پڑے ہوئے تھے۔

قرآن حکیم نے اس گہری حقیقت کو مختلف مقامات پر ظاہر کیا ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ (قٓ آیت ۳۶، ۳۷)

اور ہم ان سے قبل بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو قوت وطاقت میں اِن سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر تھے اور تمام شہروں کو چھانٹے پھرتے تھے۔ پھر بھی انھیں کہیں بھاگنے کی جگہ نہ ملی۔ اس مضمون میں بڑی عبرت ہے اُس شخص کے لئے جس کے پاس دل ہے یا وہ متوجہ ہو کر کان ہی لگا دیتا ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ۔

(القصص آیت ۵۸)

اور ہم کتنی ہی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جنہیں اپنی خوش عیشی پر ناز تھا یہ اُن کے گھر اُجڑے پڑے ہیں کہ اُن کے بعد آباد ہی نہ ہوئے مگر تھوڑی دیر کے لئے (کہ کوئی مسافر چلتے راہ ستانے کو یا تماشہ دیکھنے کے لئے بیٹھ جائے) اور ہم ہی مالک رہے (یعنی ان کا کوئی ظاہری وارث بھی نہ رہا۔ اسمیں تنبیہ ہے دنیا والوں کو کہ وہ اپنی خوش عیشی اور خوشحالی پر نازاں نہ ہوں)

اہل مغرب کی خوشحالی آج بہت سے لوگوں کو ایک عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے حالانکہ ان کی یہ تصویر واقعہ اور حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ مغرب کی یہ تجارتی منڈی یوں بھی بہت بڑی تجارتی منڈی ہے۔ اس صورت حال نے انھیں امیر کبیر بلکہ کہنا چاہیئے کروڑپتی بنا دیا ہے۔ ایسی خوشحال آبادی کے سامنے عبرت اور نصیحت کے لئے قرآن حکیم نے قدیم قوموں کے تذکرے بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔

سورۂ ہود میں سیدنا نوح علیہ السلام سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے

درمیانی واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ انبیاء ورسل کی دعوت وتبلیغ اور قوموں کو بغاوت اور سرکشی اور مخالفت کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ نقل کیا گیا ہے پھر آخر میں اقوام عالم کو اس بلیغ ترین انداز سے متنبہ کیا گیا جو صرف اللہ کے عظیم کلام ہی کا اعجاز ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ۔ الخ

(ھود آیت ۱۰۰ تا ۱۰۳)

یہ جو کچھ واقعات ہیں اِن غارت شدہ بستیوں کے بعض حالات تھے جن کو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں۔ بعض بستیاں تو اُن میں اب بھی قائم ہیں اور بعض کا بالکل ہی خاتمہ ہو گیا ہے اور ہم نے اُن بستیوں والوں کو جو سزائیں دیں ہیں سو ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا لیکن اُن بستیوں والوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا ہے جن سے وہ سزا کے مستحق ہوئے سو اُن کے وہ معبود جن کو وہ پوجا کرتے تھے اللہ کو چھوڑ کر ان کو کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکے۔ جب اے نبی آپ کے رب کا حکم آپہنچا، فائدہ تو کیا پہنچاتے اور اُلٹا ان کو نقصان پہنچایا۔ اور آپ کے رب کی پکڑ ایسی سخت ہے جب وہ کسی بستی والوں پر گرفت کرتا ہے جبکہ وہ ظلم کیا کرتے ہوں، بلاشبہ اللہ کی گرفت بڑی تکلیف دہ اور سخت ترین ہے۔

اِن واقعات میں اُس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے۔ آخرت کا دن ایسا دن ہوگا کہ اُس میں تمام آدمی جمع کیے جائیں گے اور وہ سب کی حاضری کا دن ہے۔

تذکرہ ذوالقرنین

تمہید ذوالقرنین کا واقعہ اپنی قدیم اور مستند تاریخی روایت کے لحاظ سے تین اہم حصوں پر مشتمل ہے :۔

ذوالقرنین ۔ سدّ ذوالقرنین ۔ یاجوج و ماجوج

چونکہ ہر ایک حصہ ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے کتب تاریخ میں ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ سلف میں اگرچہ مسائل زیر بحث کے متعلق ایسے اقوال بکثرت ملتے ہیں جو ان واقعات کی تفسیر و تفصیل کی غرض سے بیان کئے گئے ہیں لیکن متاخرین علماء نے اس سلسلہ میں دو جُدا جُدا راہیں اختیار کی ہیں۔

ان میں ایک طبقہ سلف کے بعض اقوال کو نقل کرنے کے بعد یہ کہہ دینے پر اکتفا کرتا ہے کہ زیر بحث مسائل سے متعلق اقوال چونکہ قرآن حکیم کی بیان کردہ شخصیت ذوالقرنین کے ساتھ پوری طرح مطابقت نہیں کرتے۔ اس لئے ہمارے لئے یہ کافی ہے کہ قرآن حکیم نے جس حد تک ذوالقرنین کی شخصیت اور سدِّ ذوالقرنین اور یاجوج و ماجوج پر روشنی ڈالی ہے۔ بلاشبہ وہ حق ہے اور باقی تفصیلات یعنی اُنکی شخصیت کا تاریخی مصداق، سدّ ذوالقرنین کا جائے وقوع، قوم یاجوج و ماجوج کا تعیّن۔ اِن کے علم کو علم الٰہی کے سپُرد کر دینا چاہیئے۔ ذوالقرنین کا جسقدر قصہ قرآن حکیم نے بیان کیا ہے وہ صرف اتنا ہے :۔

وہ ایک نیک عادل بادشاہ تھے جو مشرق و مغرب میں پہونچے اور اُن ممالک کو فتح کیا اور ان میں عدل و انصاف کی حکمرانی کی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِن کو ہر طرح کے سامان اپنے مقاصد پورا کرنے کے لئے عطا کر دیئے گئے تھے۔ اُنھوں نے فتوحات کرتے ہوئے تین بڑے

سفر کئے۔ مغرب اقصیٰ تک اور مشرق اقصیٰ تک۔ پھر جانب شمال کوہستانی سلسلے تک۔

اسی جگہ انھوں نے دو پہاڑوں کے درمیانی درّے کو ایک عظیم الشان آہنی دیوار کے ذریعہ بند کر دیا جس سے اُس علاقے کے لوگ یاجوج ماجوج کی یلغار سے محفوظ ہو گئے۔"

دوسرے طبقۂ علماء کی رائے اِن مسائل میں پہلے طبقے سے مختلف ہے۔ یہ حضرات قرآن حکیم کی عطا کردہ روشنی میں ان کے حقائق کی تفصیلات کو واضح کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کیونکہ قرآن حکیم نے ذوالقرنین کے معاملہ کو یہودیوں کے سوال کرنے پر بیان کیا ہے اور اسی بناءً پر وہ ایسا اُسلوب بیان اختیار کیا ہے جس سے سوال کرنے والی جماعت اسکو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے جیسا کہ اس واقعہ کے شانِ نزول سے بھی واضح ہے۔

نیز اس لئے بھی یہ مسائل قابل تحقیق ہیں کہ قرآن حکیم کے اسلوب بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی علماء اس تاریخی حقیقت سے بخوبی واقف تھے اور اُن کی قومی اور مذہبی زندگی کا اس کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ کیونکہ اُنھوں نے اس مسئلہ کو مشرکین کی اعانت کے لئے اس لئے انتخاب کیا کہ اس سوال سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا بآسانی امتحان ہو جائے گا۔ لہٰذا جو معاملہ آج سے چودہ سو سال پہلے تک لوگوں کی معلومات میں تھا اور جسکی تفصیلات وہ قومیں بخوبی جانتی تھیں اسکے متعلق یہ کہہ کر سبکدوش ہو جانا کہ واقعہ کی تفصیلات غیر ضروری ہیں قرآن حکیم کی تفسیری خدمت کے مناسب نہیں ہے۔

علاوہ ازیں جب کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اس وسیع وعریض زمین کے بہت سے حصوں سے ابھی تک ناواقف ہیں تو ممکن ہے کہ اس واقعہ سے متعلق شخصیتیں اور مقامات بھی اسی طرح غیر معلوم ہوں اور ہم ابھی تک اِن کا پتہ لگانے سے قاصر رہے ہوں۔ چنانچہ علماء محققین مثلاً حافظ ابن کثیرؒ، حافظ ابن تیمیہؒ، ابوحیانؒ، ابن عبد البرؒ، امام رازیؒ، حافظ ابن حجرؒ، شیخ بدر الدین عینیؒ، ابن ہشامؒ وغیرہم اِن مسائل سہ گانہ کی تحقیق و تدقیق کے درپے نظر آتے ہیں اور اپنے اپنے رجحان کے مطابق فیصلہ دینا چاہتے ہیں۔

ذُوالقرنین | قرآن حکیم نے ذُوالقرنین کے واقعہ کو از خود بیان نہیں کیا ہے بلکہ یہودیوں

کی جانب سے سوال کرنے پر ان کا تذکرہ کیا ہے۔

محمد بن اسحٰق نے حضرت ابن عباس رضؓ سے نقل کیا ہے کہ قریشِ مکہ نے اپنے دو آدمی نضر بن حارث اور عقبہ بن معیط کو یہودی علماء کے پاس یہ پیغام دے کر روانہ کیا:۔

"چونکہ تم لوگ اپنے آپ کو اہل کتاب کہتے ہو اور تمہارا یہ دعویٰ بھی ہے کہ تمہارے پاس گزشتہ زمانے کے پیغمبروں کا وہ علم بھی ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے لہذا تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق ہم کو یہ بتائیں کہ ان کے دعویٰ پیغمبری کی صداقت کے متعلق آپ حضرات کی الہامی کتابوں میں کوئی تذکرہ یا علامات موجود ہیں؟"

چنانچہ قریش کا یہ دو رکنی وفد یثرب (مدینہ) پہونچکر علماء یہود سے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا یہودی علماء نے ان سے کہا تم اور باتوں کو چھوڑو ہم تم کو تین سوالات بتائے دیتے ہیں اگر وہ نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان کا صحیح جواب دیدے تو سمجھ لینا کہ وہ اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہیں اور نبی مرسل ہیں تم پر ان کی پیروی واجب ہے۔ اور اگر وہ صحیح جواب نہ دے سکے تو وہ جھوٹا ہے پھر تم کو اختیار ہے کہ جو معاملہ ان کے ساتھ چاہو کر لو۔ وہ سوالات یہ ہیں:۔

(۱) اُس شخص کا حال بیان کیجئے جو مشرق و مغرب تک فتوحات کرتا چلا گیا۔

(۲) اُن چند نوجوانوں پر کیا گزرا جو کافر بادشاہ کے خوف سے پہاڑ کی کھوہ میں جا چھپے تھے؟

(۳) رُوح کے متعلق بیان کیجئے کہ وہ کیا چیز ہے؟

قریش کا یہ وفد مکہ واپس آیا اور اُس نے قریش کو یہودی علماء کی گفتگو سنائی۔ قریش نے سنکر کہا کہ اب ہمارے لئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں فیصلہ کرنا آسان ہو گیا۔ کیونکہ یہود کے اِن سوالات کا جواب دینا ایک امی انسان کے لئے جب ہی ممکن ہے کہ اللہ کی وحی اسکی جانب آتی ہو۔

چنانچہ قریش مکہ نے آپکی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر تینوں سوالات پیش کئے، انہی سوالات کے جوابات کے لئے آپ پر سورہ کہف نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص۷۲) جسمیں

اِن تین سوالات کے جواب ہیں۔

ذوالقرنین اور سکندر

ذوالقرنین کس شخصیت کا لقب ہے۔ اس بحث سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ بعض حضرات کو یہ سخت مغالطہ ہو گیا ہے کہ سکندر مقدونی ہی ذوالقرنین ہے جس کا ذکر قرآن حکیم کی سورۂ کہف میں کیا گیا ہے۔ یہ قول باتفاق جمہور علماء سلف وخلف قطعاً باطل اور ناواقفیت پر مبنی ہے اس لئے کہ قرآن حکیم کی تصریحات کے مطابق ذوالقرنین صاحب ایمان اور مرد صالح بادشاہ تھے اور سکندر مقدونی (یونانی) مشرک اور ظالم بادشاہ گزرا ہے۔ جس کے شرک وظلم کی صحیح تاریخ خود اسکے بعض امراء دربار نے بھی مرتب کی ہے۔ امام بخاری نے اپنی کتاب میں احادیث الانبیاء کے عنوان کے تحت ذوالقرنین کے واقعہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے سے قبل نقل کیا ہے۔ اس تقدیم کی وجہ حافظ ابن حجرؒ اس طرح لکھتے ہیں:۔

> مصنف (بخاری) نے ذُوالقرنین کے واقعہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے سے قبل اس لئے بیان کیا ہے کہ وہ (بخاری) اُس شخص کے قول کی اہانت کرنا چاہتے ہیں جو سکندر یونانی کو ذوالقرنین کہتا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۹۴)

مقصد یہ ہے کہ ذوالقرنین جس کا تذکرہ قرآن حکیم میں آیا ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے پہلے کے ہیں یا بعض روایات کے تحت ہمعصر ہیں۔ اور سکندر مقدونی (یونانی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے صرف تین سو سال پہلے گزرا ہے اور جسکی جنگ مشہور زمانہ دارا سے ہوئی اور جس نے مصر کا مشہور شہر اسکندریہ آباد کیا تھا اور جس کا وزیر مشہور فلسفی ارسطو تھا۔

یہ مغالطہ بعض اکابر مفسرین کو بھی ہو گیا۔ ابوحیان نے تفسیر بحر محیط اور علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں اسی شخص کو ذوالقرنین کا مصداق قرار دیا ہے۔

الغرض جن حضرات نے سکندر مقدونی کو ذُوالقرنین کہا ہے۔ غالباً اُن کو اُس روایت سے مغالطہ ہوا ہو گا جو امام طبریؒ نے اپنی تفسیر میں اور محمد بن ربیع جیزیؒ نے کتاب الصحابہ میں نقل کی ہے۔ جس میں اسکو رُومی اور بانی شہر اسکندریہ کہا گیا ہے۔ مگر یہ روایت ضعیف

اور ناقابل اعتماد ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۹۴)

اسحٰق بن بشر نے بروایت سعید بن بشیر قتادہ سے نقل کیا ہے کہ ذوالقرنین کا نام سکندر تھا اور یہ سام بن نوحؑ کی نسل سے تھے لیکن اسکندر بن فیلپس (مقدونی) کو بھی ذوالقرنین کہنے لگے ہیں جو رومی اور بانی شہر اسکندریہ ہے۔ مگر یہ واضح رہے کہ یہ دوسرا ذوالقرنین پہلے سے بہت زمانہ بعد پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ سکندر مقدونی حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے ہوا ہے اور مشہور فلسفی ارسطاطالیس (ارسطو) اس کا وزیر تھا اور یہی بادشاہ ہے جس نے دارا کو قتل کیا اور ملک فارس کے بادشاہ کو ذلیل کر کے اس کے ملک پر قبضہ کر لیا۔ ہم نے یہ تنبیہ اس لئے کردی کہ بہت سے آدمی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ دونوں ایک ہی شخصیت ہیں اور یہ اعتقاد کر بیٹھتے ہیں کہ قرآن حکیم میں جس ذوالقرنین کا ذکر ہے وہ یہی سکندر مقدونی ہے جس کا وزیر ارسطاطالیس فلسفی تھا اور اس اعتقاد کی بدولت بہت بڑی غلطی اور بہت بڑی خرابی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے کہ ذوالقرنین اوّل مسلمان اور عادل بادشاہ تھے اور ان کے وزیر خضر (علیہ السلام) تھے جن کے متعلق ہم ثابت کر آئے ہیں کہ وہ نبی تھے اور دوسرا (مقدونی) مشرک تھا اور اس کا وزیر فلسفی تھا اور ان دونوں کے درمیان تقریباً دو ہزار سال سے بھی زیادہ کا فصل ہے۔ پس کہاں یہ (مقدونی) اور کہاں وہ (عربی سامی) اور ان دونوں کے درمیان اس درجہ امتیازات ہیں کہ سوائے بے خبر اور حقائق سے ناآشنا انسان کے دوسرا کوئی شخص ان دونوں کو ایک کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۰۶)

امام رازی نے اگرچہ سکندر مقدونی کو ذوالقرنین کا لقب دیا ہے مگر اس کے باوجود ان کو بھی یہ اقرار ہے کہ

ذوالقرنین نبی تھے اور سکندر مقدونی کافر تھا اور اس کا معلّم اور وزیر ارسطو تھا جو بلاشبہ کافر ہے۔ (تفسیر کبیر سورۂ کہف)

حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس مغالطہ کی وجہ یہ نقل کی ہے کہ چونکہ قرآنی ذوالقرنین کی حکومت نہایت وسیع وعریض رہی ہے اور سکندر یونانی بھی وسیع حکومت پر حکمراں رہا ہے اس لئے اسکو بھی ذوالقرنین کہہ دیا گیا۔ نیز سب سے پہلے محمد بن اسحٰق نے اپنی کتاب سیرت میں ذوالقرنین کا نام سکندر نقل کیا ہے اور چونکہ ان کی یہ کتاب بہت مشہور ومقبول ہوئی ہے اس لئے یہ نام بھی شہرت پاگیا۔

الغرض حافظ حدیث شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، امام ابن عبد البرؒ، زبیر بن بکارؒ، ابن حجرؒ، ابن کثیرؒ اور علامہ عینی جیسے محققین نے اس مغالطہ کی شدت سے تردید کردی ہے اور یہ حقیقت بھی ہے۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ وہ ذوالقرنین جن کا ذکر قرآن حکیم میں ہے کون ہیں اُن کا کیا نام ہے؟ اور کس زمانے میں ہوئے ہیں؟

اسکے متعلق بھی علمار تاریخ کے اقوال مختلف ہیں۔ ابن کثیرؒ کی تحقیق اور رجحان یہ ہے کہ وہ نبی تھے اور اُن کا زمانہ سکندر مقدونی سے دو ہزار سال پہلے کا ہے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم زمانہ ہیں اور اِن کے وزیر حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

نیز ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں سلف صالحین سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ذوالقرنین پیادہ پا حج کے لئے پہونچے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اِن کے آنے کا علم ہوا تو مکہ مکرمہ سے باہر نکل کر استقبال کیا اور اُن کے لئے دُعا بھی کی اور چند نصیحتیں بھی فرمائیں۔ اور ایک روایت یہ بھی نقل کی کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کئے اور قربانی دی۔ (البدایہ ج ۲ ص ۱۰۸)

ابوریحان بیرونی نے اپنی کتاب الآثار الباقیہ عن القرون الماضیہ میں لکھا ہے ذوالقرنین کا نام ابوبکر بن سمیّ بن عمر بن افریقیس حمیری ہے۔ جس نے زمین کے مشارق ومغارب کو فتح کیا۔

ابن ہشام کی رائے ہے کہ ان کا نام مصعب بن عبد اللہ تھا۔ حافظ ابن حجرؒ کا رجحان بھی اسی جانب ہے۔ پھر نام کی طرح لقب "ذوالقرنین" کی وجہ تسمیہ میں بھی اختلاف نقل کیا گیا ہے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ چونکہ وہ روم اور فارس دو مملکتوں کے مالک تھے اور قرن کے معنی سینگ کے ہیں بطورِ استعارہ طاقت اور حکومت کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے یعنی دو حکومتوں کا مالک۔

امام زہری کی رائے یہ ہے کہ چونکہ وہ فتوحات کرتے ہوئے اقصائے مشرق و مغرب تک پہنچے اس لئے ذوالقرنین لقب ہوا۔ (یعنی دونوں جانب کے مالک)

بعض مؤرخین نے یہ وجہ نقل کی ہے کہ انھوں نے اس قدر طویل عمر پائی کہ دنیا کے دو قرن (دو صدیوں) تک زندہ رہے اس لئے ذوالقرنین کہا گیا۔ واللہ اعلم۔ (فتح الباری و تاریخ ابن کثیر ج ۲)

ذوالقرنین کے اس تاریخی واقعہ میں یہ بات پیش نظر رہنی ضروری ہے کہ قرآن حکیم نے پورا قصہ اور اسکی تاریخ ذکر کرنے کا وعدہ نہیں کیا بلکہ اس تذکرے کا ایک حصہ بیان کیا ہے۔

قرآن حکیم کا یہ جملہ اسکی شہادت دیتا ہے:۔

قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا۔ (الکہف آیت ۸۳)

اے نبیؐ تم کہدو میں اس کا کچھ حال تمہیں پڑھکر سنا دیتا ہوں۔

لہٰذا ذوالقرنین کے بارے میں تاریخی بحث، نام و نسب و زمانے کی تفصیلات کو قرآن حکیم نے غیر ضروری قرار دیا ہے۔

بنیادی طور پر قرآن حکیم میں ذوالقرنین کے چار اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) ان کا لقب ذوالقرنین۔

(۲) وہ بہت بڑے فرمانروا تھے جنکی فتوحات مشرق سے مغرب تک پہنچی تھیں اور تیری جانب شمال یا جنوب میں بھی وسیع ہوئی تھیں۔

(۳) انھوں نے یاجوج و ماجوج کے حملوں سے بچاؤ کے لئے کسی پہاڑی درّے پر ایک مستحکم دیوار بنائی ہے۔

(۴) وہ صاحب ایمان اور عادل فرمانروا تھے۔

ذوالقرنین کا یہ مشہور زمانہ واقعہ قرآن حکیم اس طرح بیان کرتا ہے۔

قرآنی مضمون | وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ. الخ

(الکہف آیات ۸۳ تا ۹۹)

اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ لوگ تم سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں اِن سے کہو میں ان کا کچھ حال تم کو پڑھ کر سناتا ہوں۔

ہم نے ان کو زمین میں اقتدار عطا کیا تھا اور ہر قسم کے اسباب و وسائل دیئے تھے۔

اُنھوں نے (پہلے مغرب کی طرف ایک مہم کا) سر و سامان کیا۔

حتیٰ کہ جب وہ غروب آفتاب کی حد تک پہنچ گئے تو انھوں نے سورج کو ایک کالے پانی کی جھیل میں ڈوبتے پایا اور وہاں اُن کو ایک قوم ملی، ہم نے کہا اے ذوالقرنین تمہیں یہ اختیار ہے کہ اِن کو تکلیف پہنچائیں یا یہ بھی کہ اِن کے ساتھ نرمی کا رویہ اختیار کریں۔

اُنھوں نے کہا جو ان میں سے ظلم کرے گا ہم اُس کو سزا دینگے پھر وہ اپنے رب کی طرف پلٹایا جائے گا اور وہ اُسے اور زیادہ سخت عذاب دے گا۔

اور جو اُن میں سے ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اُسکے لئے اچھی جزا ہے اور ہم اسکو نرم احکام دیں گے۔

پھر انھوں نے ایک دوسری مہم کی تیاری کی یہاں تک کہ طلوع آفتاب کی حد تک جا پہنچے وہاں اُنھوں نے دیکھا کہ سورج ایک ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جس کے لئے دھوپ سے بچنے کا کوئی سامان ہم نے نہیں کیا ہے۔ (غالباً جنگلی اور وحشی قوم ہوگی جو مکان وغیرہ بنانا جانتے نہ ہوں) یہ حال تھا اُن کا اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ تھا اُسے ہم جانتے تھے۔

پھر اُنھوں نے (ایک تیسری مہم کا) سامان کیا۔

یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو اُن پہاڑوں سے اُس طرف ایک قوم کو پایا جو مشکل ہی سے کوئی بات سمجھتی تھی۔

اُن لوگوں نے کہا اے ذوالقرنین یاجوج اور ماجوج اس سرزمین میں

فساد پھیلاتے ہیں تو کیا ہم آپ کو کوئی ٹیکس اس کام کے لئے دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک بند تعمیر کر دیں۔

اُنھوں نے کہا، جو کچھ میرے رب نے مجھے دے رکھا ہے وہ بہت ہے۔ تو تم بس محنت سے میری مدد کر دیں تمہارے اور اُن کے درمیان بند بنائے دیتا ہوں۔

مجھے لوہے کی چادریں لاکر دو، آخر جب دونوں پہاڑوں کے درمیانی خلا کو اُنھوں نے پاٹ دیا تو لوگوں سے کہا کہ اب آگ دہکاؤ حتیٰ کہ جب (یہ آہنی دیوار) بالکل آگ کی طرح سُرخ کر دیا تو اُنھوں نے کہا لاؤ اب میں اُس پر پگھلا ہوا تانبا انڈیلوں۔

(یہ بند ایسا تھا کہ (یاجوج اور ماجوج اس پر چڑھ کر بھی نہ آسکتے تھے اور اُسمیں نقب لگانا اُن کے لئے اور بھی مشکل تھا۔

ذوالقرنین نے کہا یہ میرے رب کی رحمت ہے۔ مگر جب میرے رب کے وعدے کا وقت آئے گا تو اس کو ریزہ ریزہ کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے۔ (یعنی قیامت)

اُس روز (قیامت کے دن) ہم اُن کی یہ حالت کر دینگے کہ ایک میں ایک گڈمڈ ہو جائینگے اور صُور پھونکا جائیگا۔ پھر ہم سب کو ایک ایک کر کے جمع کر لینگے۔

یاجُوج وماجُوج، اور سدِّ ذوالقرنین

ذوالقرنین کی شخصیت کے بعد دوسرا مسئلہ یاجوج وماجوج کی تعین کا ہے۔ مفسرین اور مؤرخین نے روایات کا وہ تمام ذخیرہ نقل کر دیا ہے جیسا کہ ذوالقرنین کی تعین میں بیان کیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ چند روایات کے علاوہ اس سلسلے کی تمام روایات ناقابل اعتماد ہیں اور اسرائیلیات پر مبنی ہیں۔ قرآن حکیم نے ان کا مختصر حال بیان کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بقدر ضرورت تفصیلات سے اُمت کو آگاہ کر دیا ہے۔ ایمان لانے اور اعتماد کرنے کی چیز صرف اتنی ہی ہے جو قرآن حکیم اور احادیث

صحیحہ میں آگئی ہیں۔ اس سے زائد تاریخی وجغرافیائی حالات اور اُن کا مصداق جو اہلِ تفسیر اور مؤرخین لکھتے ہیں وہ اُنکی اپنی اپنی رائے ہے۔ اِنکے صحیح یا غلط ہونے کا اثر قرآنی ارشادات پر نہیں پڑتا۔

اس سلسلے میں پہلے وہ احادیث نقل کر دینا مناسب ہے جو اس معاملہ میں محدثین کے نزدیک صحیح یا قابلِ اعتماد ہیں۔ اسکے بعد اُن تاریخی روایات سے آگاہی حاصل کرنا جن کی اِن احادیث سے تائید ہوتی ہے اس عنوان کی صحیح تعبیر ہوگی۔

قرآن وسنت کی تصریحات سے اتنی بات تو بلاشبہ ثابت ہے کہ یاجوج و ماجوج انسانوں ہی کی قوم ہیں۔ عام انسانوں کی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ کیونکہ قرآن حکیم نے صراحت کر دی ہے کہ طوفان نوحؑ کے بعد جتنے انسان زمین پر باقی ہیں اور رہینگے وہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں ہوں گے۔

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبَاقِيْنَ (الصافات آیت ۷۷)

اور تاریخی روایات اِسپر متفق ہیں کہ یاجوج و ماجوج یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں۔

ایک ضعیف حدیث بھی اسکی تائید کرتی ہے۔ اِن کے باقی حالات کے متعلق سب سے زیادہ تفصیلی اور حدیث صحیح حضرت نواس بن سمعان رضؓ کی وہ روایت ہے جسکو صحیح مسلم اور تمام مستند کتب حدیث میں نقل کیا گیا ہے اور محدثین نے اسکو صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث میں خروج دجال، نزول عیسیٰؑ پھر خروج یاجوج و ماجوج کی پوری تفصیل مذکور ہے۔ اس حدیث کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

> حضرت نواس بن سمعانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کے وقت دجال کا تذکرہ فرمایا اور دورانِ کلام بعض باتیں اسکے متعلق ایسی فرمائیں جن سے اس کا حقیر و ذلیل ہونا معلوم ہوتا تھا۔ (مثلاً یہ کہ وہ کانا ہے وغیرہ) اور بعض باتیں ایسی فرمائیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کا فتنہ سخت اور بڑا ہے (مثلاً فرضی جنت و دوزخ کا اسکے ساتھ ہونا اور دوسرے خوارق وغیرہ) آپ کے بیان سے (ہم پر ایسا خوف طاری ہوا) گویا دجال کھجوروں کے (قریبی) جھنڈ میں موجود ہے۔ جب ہم شام کو آپکی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہمارے قلبی تاثرات کو محسوس

فرمالیا اور دریافت فرمایا، تم نے کیا سمجھا؟ ہم نے عرض کیا آپؐ نے دجّال کا تذکرہ فرمایا اور بعض باتیں ایسی فرمائیں جن سے اس کا معاملہ حقیر اور آسان معلوم ہوتا تھا اور بعض باتیں ایسی فرمائیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی بڑی قوت ہوگی۔ اس کا فتنہ بڑا سخت ہوگا۔ ہمیں تو ایسا محسوس ہونے لگا کہ وہ ہمارے قریب ہی کھجوروں کے جھنڈ میں موجود ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے تمہارے بارے میں جن فتنوں کا مجھے اندیشہ ہے اِن میں دجّال کی بہ نسبت دوسرے فتنے زیادہ قابلِ اندیشہ ہیں۔ (یعنی دجّال کا فتنہ اتنا بڑا نہیں جیسا تم نے سمجھ لیا ہے) اگر میری موجودگی میں وہ نکلا تو میں اِس کا خود مقابلہ کرلوں گا (تمہیں فکر کرنیکی ضرورت نہیں) اور اگر وہ میرے بعد آیا تو ہر شخص اپنی ہمت کے موافق اُسکو مغلوب کرنیکی کوشش کرے گا۔ اللہ تعالیٰ میری غیر موجودگی میں ہر مسلمان کا ناصر اور محافظ ہے (اسکی علامت یہ ہے کہ) وہ نوجوان پیچدار بالوں والا ہے۔ اُسکی ایک آنکھ اوپر کو اُبھری ہوئی ہے (اور دوسری آنکھ سے کانا ہے جیسا کہ دوسری روایات میں بیان کیا گیا) اور اگر میں (اسکی قبیح صورت میں) اسکو کسی کے ساتھ تشبیہہ دوں تو وہ عبدالعزّیٰ بن قطن کے مشابہ ہے۔ (یہ زمانۂ جاہلیت میں بنوخزاعہ قبیلہ کا ایک بدشکل آدمی تھا) اگر تم میں سے کسی مسلمان کا دجّال کے ساتھ سامنا ہوجائے تو اسکو چاہیئے کہ وہ سورۂ کہف کی ابتدائی آیات پڑھ لے (اس سے وہ دجّال کے فتنے سے محفوظ ہوجائے گا۔

خروج دجّال

دجّال ملک شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور ہر جانب فساد مچادے گا۔ اے اللہ کے بندو اسکے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا۔ ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ زمین میں کتنی مدت رہیگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا چالیس دن رہے گا۔ لیکن اُس کا پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا۔ اور دوسرا دن ایک ماہ کے برابر ہوگا اور

تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا اور باقی دن عام دنوں کے برابر ہونگے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو دن ایک سال کے برابر ہوگا۔کیا ہم اُس میں صرف ایک دن کی (پانچ نمازیں) پڑھیں گے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا نہیں بلکہ وقت کا اندازہ کرکے پورے سال بھر کی نمازیں ادا کرنا ہوگا۔

پھر ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ زمین میں کتنی سُرعت کے ساتھ سفر کرے گا؟ فرمایا اُس بادل کے مانند تیز چلے گا جس کے موافق پیچھے ہوا ہوتی ہے۔جب دجّال کسی قوم کے پاس سے گزرے گا تو اُن کو اپنے باطل عقائد کی دعوت دے گا۔ وہ لوگ اُس پر ایمان لائیں گے تو وہ بادلوں کو حکم دے گا کہ اُن پر برس پڑیں وہ بے ساختہ برس پڑیں گے اور زمین کو حکم دے گا تو وہ سرسبز و شاداب ہوجائے گی (اور اُن کے مویشی اسمیں چرنے لگیں گے) اور شام کو جب وہ جانور واپس آئیں گے تو اُن کے کوہان پہلے کی بہ نسبت زیادہ اونچے ہوں گے اور تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوں گے اور اُن کی پُشتیں پر گوشت ہوں گی۔

پھر دجّال دوسری قوم کے پاس سے گزرے گا اور اُن کو بھی اپنے کفر والحاد کی دعوت دے گا لیکن وہ اسکی باتوں کو رّد کردینگے وہ اُن سے مایوس ہوکر چلا جائے گا تو یہ مسلمان لوگ قحط سالی میں مبتلا ہوجائیں گے حتیٰ کہ اُن کے پاس کھانے کو کچھ نہ رہے گا (لیکن وہ اپنے ایمان پر باقی رہیں گے)

پھر وہ ایک ویران زمین کے پاس سے گزرے گا اور اُس کو خطاب کرے گا کہ اے زمین اپنے خزانوں کو باہر لے آ؟ چنانچہ زمین کے خزانے اُس کے پیچھے پیچھے ہولیں گے جیسا کہ شہد کی مکھیاں اپنے سردار کے پاس ہولیتی ہیں۔ پھر دجّال ایک آدمی کو طلب کرے گا جس کی جوانی بھرپور ہوگی اُسپر تلوار مار کر دو ٹکڑے کردے گا اور اُس کے دونوں ٹکڑے اس قدر فاصلہ پر کردیئے جائیں گے جس قدر تیر مارنے اور

نشانہ کرنے کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے۔ پھر وہ اُس کو آواز دے گا وہ (زندہ ہوکر) دجّال کی طرف اُسکے اس عمل پر ہنستا ہوا روشن چہرے کے ساتھ آجائے گا (یعنی وہ مردِ مومن دجّال کو تسلیم نہیں کرے گا)

نزولِ عیسیٰ علیہ السلام

دریں اثناء اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل فرمادیں گے۔ وہ دو زرد رنگ چادریں اوڑھے ہوئے جامع دمشق (شام) کی مشرقی جانب کے سفید مینارے پر اس طرح نزول فرمائیں گے کہ اُن کے دونوں ہاتھ فرشتوں کے پَروں پر رکھے ہوئے ہوں گے۔ جب اپنے سر کو نیچے کریں گے تو اُس سے پانی کے قطرات جھڑیں گے (جیسے کوئی ابھی غسل کرآیا ہو) اور جب سر کو اوپر کریں گے تو اُس وقت بھی پانی کے متفرق قطرات جھڑینگے (جیسے کوئی ابھی غسل کرآیا ہو) اور جب سر کو اوپر کریں گے تو اُس وقت بھی پانی کے متفرق قطرات جو موتیوں کی طرح صاف شفاف ہونگے گریں گے۔ جس کافر کو بھی آپؑ کے سانس کی ہوا پہنچے گی وہ وہیں دم توڑ دے گا اور آپؑ کا سانس اس قدر دُور پہنچے گا جس قدر دُور آپ کی نگاہ جائے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجّال کو تلاش کرتے پھریں گے۔ یہاں تک کہ آپؑ اُسکو بابِ لُدّ پر جا پکڑلیں گے (یہ مقام آج بھی بیت المقدس (فلسطین) کے قریب اسی نام سے موجود ہے) وہاں اسکو قتل کردیں گے۔ اسکے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کے پاس آئیں گے اور بطور شفقت وعنایت اُن کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے اور جنت میں اعلیٰ درجات کی خوشخبری دیں گے۔

خروج یاجوج وماجوج

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی اسی حال میں ہوں گے کہ اللہ تعالےٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل کرے گا کہ میں اپنے بندوں میں سے ایسے لوگوں کو باہر

نکال رہا ہوں جنکے مقابلہ کی کسی کو طاقت نہیں۔ لہذا آپ مسلمانوں کو جمع کر کے کوہِ طور پر چلے جائیں۔ (چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسا ہی کریں گے)

پھر اللہ تعالےٰ یاجوج و ماجوج کو کھول دیں گے۔ وہ نہایت تیز رفتاری کی وجہ سے ہر بلندی سے پھسلتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ ان میں کی پہلی جماعت بُحیرۂ طبریہ سے گزریگی اور اُس کا سب پانی پی کر ایسا کر دیگی کہ جب دوسری جماعت اُس جگہ سے گزریگی تو دریا کو خشک دیکھ کر کہے گی کہ کیا کبھی یہاں بھی پانی تھا؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کے رفقاء کوہ طور پر پناہ لیں گے اور دوسرے مسلمان اپنے قلعوں اور محفوظ مقامات میں پناہ لیں گے۔ کھانے پینے کا سامان ساتھ ہوگا مگر وہ کم پڑ جائے گا (قلت کا یہ حال ہوگا کہ) ایک بیل کے سر کو سَو دینار سے بہتر سمجھا جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے مسلمان اپنی مصیبت دُور ہونے کے لئے اللہ تعالےٰ سے دُعا کریں گے (اللہ تعالےٰ اُنکی دُعا قبول فرمائیں گے) اور یاجوج وماجوج پر ایک خاص قسم کی وبائی بیماری مسلط کر دیں گے جس سے سب کے سب مرجائیں گے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھی کوہ طور سے نیچے آجائیں گے تو دیکھیں گے کہ زمین میں ایک بالشت جگہ بھی اِن کی لاشوں سے خالی نہیں (اور لاشوں کے سڑنے کی وجہ سے) سخت بدبو ہوگی۔ (اس کیفیت کو دیکھ کر دوبارہ) عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء دُعا کریں گے (کہ یہ مصیبت بھی دور ہو جائے۔)

اللہ تعالیٰ اِن کی دُعا قبول فرمائیں گے اور ایک خاص قسم کے بھاری بھر کم پرندوں کو بھیجیں گے جنکی گردنیں اونٹ کی گردن جیسی ہوں گی وہ اُن کی لاشوں کو اُٹھا اٹھا کر جہاں اللہ کی مرضی ہوگی پھینک آئیں گے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ دریا میں ڈال دیں گے۔ پھر اللہ تعالےٰ بارش برسائیں گے۔ کوئی شہر اور جنگل ایسا نہ ہوگا جہاں

بارش نہ ہوئی ہوگی، اس سے ساری زمین دُھل جائیگی اور شیشہ کی مانند صاف ہو جائیگی۔ پھر اللہ تعالےٰ زمین کو حکم دیں گے کہ اپنے پیٹ سے پھلوں اور پھولوں کو اُگا دے اور اپنی برکات کو ظاہر کر دے (چنانچہ ایسے ہی ہوگا اور اس قدر برکت ظاہر ہوگی) کہ ایک انار ایک جماعت کے لئے کھانے کو کافی ہوگا اور لوگ اس کے چھلکے کی چھتری بنا کر سایہ حاصل کریں گے اور دودھ میں اس قدر برکت ہوگی کہ ایک اونٹنی کا دودھ ایک بہت بڑی جماعت کے لئے کافی ہوگا اور ایک گائے کا دودھ ایک قبیلہ کے سب لوگوں کے لئے کفایت کر جائیگا۔ اور ایک بکری کا دودھ پوری برادری (خاندان) کو بس ہو جائے گا۔ (یہ غیر معمولی برکات اور امن و امان کا زمانہ چالیس سال رہنے کے بعد قیامت کا وقت آ جائے گا)

اس وقت اللہ تعالےٰ ایک خوشگوار ہوا چلائیں گے جس کی وجہ سے سب مسلمانوں کی بغلوں کی نیچے ایک خاص قسم کی بیماری پیدا ہو جائیگی اور سب کے سب وفات پا جائیں گے۔ اور جو باقی رہ جائینگے وہ صرف کافر و ظالم لوگ ہوں گے جو زمین پر علی الاعلان جانوروں کی طرح حرام کاری کرتے پھریں گے۔ ایسے ہی لوگوں پر قیامت آجائیگی۔

(صحیح مسلم حدیث ۲۹۳۷ کتاب الفتن)

احادیثِ متعلقہ

اور حضرت عبد الرحمٰن بن یزیدؒ کی روایت میں یاجوج ماجوج کے قصہ کی مزید یہ تفصیل ملتی ہے وہ یہ کہ بُحیرۂ طبریہ سے گزرنیکے بعد یاجوج و ماجوج بیت المقدس کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ جبل الخمر پر چڑھ جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کا خاتمہ کر دیا ہے اب آسمان والوں کا خاتمہ کریں گے۔

چنانچہ وہ اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے اور وہ تیر اللہ تعالےٰ کے منشار سے خون آلود ہو کر اُن کی طرف

واپس آئیں گے (تاکہ یہ احمق یہ سمجھ کر خوش ہوں کہ آسمان والوں کا بھی خاتمہ کر دیا گیا) (صحیح مسلم کتاب الفتن)

اور دجال کے قصہ میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ دجال مدینہ منورہ سے دور رہے گا حتیٰ کہ مدینہ کے راستوں پر بھی اس کا آنا ممکن نہ ہوگا تو وہ مدینہ منورہ کے قریب ایک خشک کھاری زمین کی طرف سے آئے گا اسوقت شہر سے ایک آدمی دجال سے مقابلہ کے لئے نکلے گا اور وہ آدمی اُس وقت کے بہترین لوگوں میں سے ہوگا۔ دجال کو خطاب کرکے کہیگا کہ میں یقین کرتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جسکی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے۔

(یہ سنکر) دجال کہیگا لوگو! مجھے یہ بتلاؤ کہ اگر میں اس آدمی کو قتل کر دوں اور پھر اُسے زندہ کر دوں تو کیا میرے خدا ہونے میں شک کروگے؟

لوگ جواب دیں گے نہیں! چنانچہ دجال اس آدمی کو قتل کر دیگا اور پھر اسکو زندہ کر دے گا۔ (زندہ ہوتے ہی وہ آدمی) دجال سے کہیگا کہ اب تو مجھے تیرے دجال ہونے کا پہلے سے زیادہ یقین ہوگیا۔ دجال اِسکو دوبارہ قتل کرنے کا ارادہ کرے گا لیکن وہ اسپر[1] قادر نہ ہوسکیگا۔

(صحیح مسلم کتاب الفتن حدیث ۲۹۳۸)

صحیح بخاری و مسلم میں انہی ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالےٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ آپ اپنی ذُریت میں سے بعث النار (یعنی جہنمی گروہ) اُٹھائیے! وہ عرض کریں گے اے رب وہ کون ہیں؟ حکم ہوگا ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے جہنمی ہیں صرف ایک جنتی ہے۔ صحابہ کرام یہ سنکر سہم گئے اور دریافت کرنے لگے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم میں سے وہ ایک جنتی کون ہوگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا غم نکرو ہزار میں ایک

---

[1] ابواسحٰق (راوی حدیث) کہتے ہیں کہ یہ شخص حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے۔ (صحیح مسلم حدیث مذکور)

جنتی تم لوگوں میں سے ہوگا اور نوسونناوے یاجوج و ماجوج سے ہونگے۔

مستدرک حاکم کی ایک روایت میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے دس حصے کئے ہیں اِن میں سے نو حصے یاجوج و ماجوج کے ہیں اور باقی ایک حصہ میں ساری دنیا کے انسان ہیں۔ (روح المعانی)

ابن کثیرؒ نے اپنی کتاب "البدایۃ والنہایہ" میں ان سب روایات کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج و ماجوج کی تعداد ساری انسانی آبادی سے بیحد زائد ہے۔

مسند احمد اور ابوداؤد میں باسنادِ صحیح حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزول کے بعد زمین پر چالیس سال رہیں گے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں جو سات سال کا عرصہ بتلایا گیا ہے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس روایت کو مؤوّل یا مرجُوح قرار دے کر چالیس سال ہی کا عرصہ صحیح قرار دیا ہے۔ اور حسب تصریح احادیث یہ پورا عرصہ امن و امان اور برکات کے ظہور کا ہوگا۔ بغض و عداوت آپس میں قطعاً نہ رہے گا، کبھی دو آدمیوں میں جھگڑا نہ ہوگا۔ (روایت مسلم احمد)

بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بیت اللہ کا حج و عمرہ خروج یاجوج و ماجوج کے بعد بھی جاری رہے گا۔ (تفسیر مظہری)

بخاری و مسلم نے حضرت زینب بنت جحش ام المومنین سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز نیند سے ایسی حالت میں بیدار ہوئے کہ چہرۂ مبارک سُرخ ہو رہا تھا اور آپؐ کی زبان مبارک پر یہ جملے تھے:-

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَیْلٌ لِّلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ فُتِحَ الْیَوْمَ مِنْ رَدْمِ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مِثْلُ ھٰذِہٖ وَحَلَّقَ تِسْعِیْنَ۔

(بخاری و مسلم)

لاالٰہ الا اللہ عرب والوں کی خرابی ہے ایک ایسی بُرائی سے جو قریب آگئی ہے۔ آج کے دن یاجوج و ماجوج کی ردم یعنی دیوار میں اتنا سوراخ کُھل گیا ہے اور آپ نے عقد تسعین یعنی انگوٹھے اور انگشتِ شہادت کو ملا کر حلقہ بنا کر دکھلایا۔

حضرت ام المومنینؓ فرماتی ہیں کہ اس ارشاد پر ہم نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہم ایسے حال میں ہلاک ہو سکتے ہیں جبکہ ہمارے معاشرے میں صالحین بھی موجود ہوں ؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہاں ہلاک ہو سکتے ہیں جبکہ خبث (بُرائی) کی کثرت ہو جائے۔

سدِ یاجوج و ماجوج میں بقدر حلقہ سوراخ ہو جانا اپنے حقیقی معنی میں بھی ممکن ہے اور بطور مجاز سدِ ذو القرنین کے کمزور ہو جانے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ (ابن کثیرؒ، ابو حیان)

مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

یاجوج و ماجوج ہر روز سدِ ذو القرنین کو کھودتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اُس آہنی دیوار کے آخری حصہ تک اتنے قریب پہنچ جاتے ہیں کہ دوسری طرف کی روشنی نظر آنے لگے۔ مگر یہ کہہ کر لوٹ جاتے ہیں کہ باقی کل کھود کر پار کر دیں گے۔ مگر دوسرے دن اللہ تعالیٰ پھر ویسا ہی مضبوط اور درست کر دیتے ہیں۔ اگلے روز پھر نئی محنت اُسکے کھودنے میں صرف کرتے ہیں لیکن دوسرے دن دیوار ویسے ہی درست ہو جاتی ہے۔

یہ سلسلہ محنت کا اور اُسکی درستی کا اس وقت تک چلتا رہے گا جس وقت تک اللہ تعالیٰ کو یاجوج و ماجوج کو بند رکھنے کا ارادہ ہے اور جب اللہ تعالیٰ اُن کو کھولنے کا ارادہ فرمائیں گے تو اُس روز جب محنت کر کے وہ لوگ آخری حد میں پہنچ جائیں گے اُس دن اللہ تعالیٰ کی مرضی سے یوں کہیں گے کہ اگر اللہ نے چاہا تو ہم کل اسکو پار کر لیں گے (اللہ کے نام کی برکت سے آج انھیں توفیق ہو جائے گی) تو اگلے روز دیوار کا باقی

ماندہ حصہ اپنی حالت پر ملے گا اور وہ اُسکو توڑ کر پار کر لیں گے۔

اس روایت کو امام ترمذی نے نقل کر کے اسکو غریب (حدیث کی ایک ضعیف قسم) قرار دیا ہے۔

ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اس روایت کو نقل کر کے فرمایا:۔

اِسْنَادُہٗ جَیِّدٌ قَوِیٌّ وَلٰکِن مَتْنُہٗ فِیْ رَفْعِہٖ نَکَارَۃٌ۔

اسکی سند جید اور قوی ہے۔ البتہ مضمونِ حدیث کے مرفوع ہونے میں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک منسوب کرنے میں ایک نکارت و اجنبیت معلوم ہوتی ہے)

اس نکارت یا اجنبیت کی غالباً یہ وجہ ہوگی کہ قرآن حکیم نے جہاں اس دیوار کا تذکرہ کیا ہے وہاں یہ وضاحت بھی کی ہے کہ

فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا۔

(یہ بند ایسا تھا کہ) یاجوج و ماجوج اسپر چڑھ کر بھی نہ آسکتے تھے اور اسمیں نقب لگانا اور بھی مشکل تھا۔

اور حدیث مذکور میں نقب لگانے کا ذکر ہے اور نقب لگانے میں کامیاب ہونے کا بھی تذکرہ ہے۔

لہٰذا حدیث مذکور قرآنی مضمون کے خلاف ہو جاتی ہے۔ یہ ہے وہ نکارت جو اس حدیث میں پائی جاتی ہے۔ پھر ابن کثیرؒ نے اپنی کتاب "البدایۃ والنہایۃ" میں اس کا جواب بھی دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ کعب احبار کی روایت ہے تو بات صاف ہو جاتی ہے کہ یہ روایت کوئی قابل حجت نہیں ہے۔ اور اگر اس روایت کو ہم راوی سے محفوظ قرار دے کر اسکو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد قرار دیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ یاجوج و ماجوج کا یہ عملِ تنقیب اُس وقت ہوگا جبکہ انکے خروج کا وقت قریب آجائے گا اور اسکے بعد قیامت برپا ہوگی۔ اور نقب نہ لگائے جاسکنے کا قرآنی ارشاد اُس وقت کا حال ہے جبکہ ذوالقرنین نے اسکو تعمیر کیا تھا۔ دوسرا جواب یہ بھی ممکن ہے کہ

نقب (قرآنی) سے مراد وہ سوراخ لیا جائے جو آر پار ہوجائے اور روایت مذکورہ میں اسکی تصریح ہے یہ سوراخ آر پار نہیں ہوتا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۱۳)

اس تقریر کے بعد روایت کی غرابت (اجنبیت) ختم ہوجاتی ہے اور سند کے لحاظ سے ابن کثیرؒ نے خود اقرار کیا ہے کہ اسکی اسناد قوی ہے۔ لہٰذا حدیث مذکور قرآن حکیم کی وضاحت کے خلاف نہیں ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کو اپنی کتاب "فتح الباری" میں، عبد بن حمید اور ابن حبان کے حوالہ سے بھی نقل کر کے کہا ہے کہ ان سب کی روایت حضرت قتادہؓ سے ہے اور ان میں سے بعض کی سند کے رجال (راوی) صحیح بخاری کے رجال ہیں، پھر انھوں نے حدیث کو مرفوع قرار دینے پر بھی کوئی شبہ ظاہر نہیں کیا اور ابن عربیؒ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں تین آیات الٰہیہ یعنی تین معجزات ہیں۔

اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یاجوج و ماجوج کے ذہنوں کو اسطرف متوجہ ہونے نہیں دیا کہ دیوار کو کھودنے کا کام رات دن مسلسل جاری رکھیں ورنہ اتنی بڑی قوم کے لئے کیا مشکل تھا کہ دن اور رات کی ڈیوٹیاں الگ الگ مقرر کر لیتے۔

دوم۔ انکے ذہنوں کو اس طرف سے پھیر دیا کہ اس دیوار کے اوپر چڑھنے کی کوشش کریں اور اس کے لئے آلات سے مدد لیں۔ حالانکہ وہب بن منبہؒ کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ صاحب زراعت و صناعت بھی ہیں۔ ہر طرح کے آلات رکھتے ہیں۔ انکی زمین میں درخت بھی مختلف قسم کے ہیں۔ لہٰذا یہ کوئی مشکل کام نہ تھا کہ اوپر چڑھنے کے ذرائع اور وسائل پیدا کر لیتے۔

سوم۔ اس طویل مدت کے درمیان ان کے قلوب میں یہ بات نہ آئی کہ انشاء اللہ کہہ لیں، صرف اُس وقت یہ کلمہ اُن کی زبان پر جاری ہوگا جب ان کے نکلنے کا وقت مقرر آجائے گا۔

ابن عربیؒ نے فرمایا کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج و ماجوج میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے وجود اور اسکی مشیت وارادے کو مانتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر کسی عقیدے کے اس وقت اُن کی زبان پر اللہ کا نام آجائے۔ لہذا یہ کوئی یقینی بات نہیں کہ یاجوج ماجوج اللہ تعالےٰ کے وجود کو مانتے ہوں۔ مگر اصولی طور پر یہ بات واضح ہے کہ اُن کے پاس بھی انبیاء کرام کی دعوت پہنچ چکی ہو ورنہ قرآنی تصریح کے مطابق اُنکو جہنم کا عذاب نہ ہونا چاہیئے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔

(بنی اسرائیل آیت ۱۵)

معلوم ہوا کہ دعوتِ ایمان اُن کو بھی پہنچ چکی ہے مگر یہ لوگ کفر پر جمے رہے۔

(واللہ اعلم)

مکمل و مدلل خلاصۂ کلام

یاجوج و ماجوج کے متعلق جو حالات قرآن حکیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ثابت ہیں وہ حسب ذیل درج ہیں۔ (۱) یاجوج و ماجوج بھی عام انسانوں کی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اکثر محدثین اور مفسرین ومؤرخین ان کو یافث بن نوح کی اولاد قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ یافث کی اولاد حضرت نوح علیہ السلام کے بعد دور دور تک مختلف قوموں اور آبادیوں میں پھیل چکی تھی۔ ان کے کچھ قبائل اور قومیں سدّ ذوالقرنین کے ذریعہ روک دیئے گئے

(۲) یاجوج و ماجوج کی تعداد پوری دنیا کے انسانوں سے کئی گنا زائد ہے اور کم از کم ایک اور دس کی نسبت ہوگی۔

(۳) یاجوج و ماجوج سدّ ذوالقرنین کے ذریعہ اِس طرف آنے سے روک دیئے گئے ہیں وہ قیامت کے قریب تک محصور رہیں گے، اِن کے نکلنے کا وقت ظہور مہدی (علیہ السلام) اور خروج دجّال کے بعد ہوگا

جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوکر دجال کو قتل کر چکے ہوں۔

(۴) یاجوج و ماجوج کے نکلنے کے وقت سدّ ذوالقرنین منہدم ہوکر زمین کے برابر ہو جائیگی۔ اس وقت یاجوج و ماجوج کی یہ بے پناہ تعداد بیک وقت پہاڑوں کی بلندیوں سے اترتی ہوئی ایسے معلوم ہونگی کہ گویا یہ پھسل پھسل کر گر رہے ہیں اور یہ بیشمار وحشی انسان پوری انسانی آبادی پر ٹوٹ پڑیں گے اور ان کے قتل و غارت گری کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنے ساتھی مسلمانوں کو لیکر کوہ طور پر پناہ لیں گے اور عام مسلمان دنیا کی آبادیوں میں جہاں کچھ مضبوط اور محفوظ قلعے ہوں گے وہ ان میں بند ہوکر اپنی جانیں بچائیں گے۔ کھانے پینے کا سامان ختم ہو جانے کے باعث ضروریاتِ زندگی نہایت گراں ہو جائیں گی اور باقی انسانی آبادی کو یہ وحشی انسان ختم کر ڈالیں گے اور اِن کے دریاؤں کو چاٹ جائیں گے۔

(۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اور اُن کے اصحاب کی دُعاؤں سے یہ بلا بیک وقت ہلاک کر دی جائیں گی اور ان کی لاشوں سے زمین پٹ جائیگی۔ اِن کی بدبو کی وجہ سے زمین پر بسنا مشکل ہو جائے گا۔

(۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کے اصحاب ہی کی دُعاؤں سے اِن کی لاشیں دریا بُرد یا غائب کر دی جائیں گی اور عالمگیر بارش کے ذریعہ پوری زمین کو دھو کر پاک صاف کر دیا جائے گا۔

(۷) اسکے بعد تقریباً چالیس سال کا زمانہ امن و امان کا دور دورہ رہے گا۔ زمین اپنی برکات اُگل دیگی۔ کوئی مفلس و محتاج نہ رہے گا۔ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ سکون و راحت عام ہو جائیگی۔

(۸) امن و امان کے زمانے میں بیت اللہ کا حج و عمرہ جاری رہیگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اصحاب کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کریں گے اور مدینہ منورہ میں وفات پائیں گے اور حجرۂ نبوی میں دفن ہوں گے۔ جہاں ایک قبر کی جگہ آج تک بھی موجود ہے۔

(۹) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپکی آخری زندگی میں بذریعہ خواب (جو آپ کے وحی کی ایک قسم ہے)، دکھلایا گیا کہ سدّ ذوالقرنین میں ایک سوراخ ہوگیا ہے جسکو آپ نے عرب کے لئے شر و فتنہ کی علامت قرار دی ہے۔

(۱۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزول کے بعد چالیس سال زمین پر زندہ رہیں گے۔ اِن سے پہلے حضرت مہدی علیہ السلام کا قیام بھی چالیس سال رہے گا جس میں کچھ زمانہ دونوں حضرات کے اجتماع و اشتراک کا ہوگا۔

علامہ سید شریف برزنجیؒ نے اپنی کتاب اشراط الساعہ صـ۱۴۵ پر لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیام قتل دجّال اور امن و امان کے بعد چالیس سال ہوگا اور مجموعۂ قیام پینتالیس ۴۵ سال ہوگا اور صفحہ ۱۱۲ پر لکھا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً تیس سال پہلے ظاہر ہوں گے۔ اس طرح پانچ یا سات سال تک دونوں حضرات کا اجتماع رہے گا۔ ان دونوں زمانوں کی یہ خصوصیت ہوگی کہ پوری زمین پر عدل و انصاف کی حکومت ہوگی۔ زمین اپنے برکات اور خزائن اُگل دے گی۔ کوئی فقیر و محتاج نہ رہے گا۔ لوگوں میں بُغض و عناد ختم ہوجائے گا۔ البتہ حضرت مہدی علیہ السلام کے آخری زمانے میں دجّال کا خطرناک فتنہ ہوگا لیکن مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، بیت المقدس، کوہ طورؔ ان فتنوں سے محفوظ رہیں گے۔ اور یہ فتنہ دنیا کے تمام فتنوں سے سخت تر ہوگا۔ دجّال کا قیام اور اُس کا فساد صرف چالیس دن رہے گا۔ مگر اِن چالیس دنوں میں پہلا دن ایک سال کا، دوسرا دن ایک ماہ کا، تیسرا دن ایک ہفتہ برابر ہوگا اور باقی ایام عام دنوں کی طرح ہوں گے۔ اِن طویل دنوں میں عام دنوں کے مطابق اندازہ کر کے نمازیں ادا کی جائینگی۔

اسکے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوکر دجّال کو قتل کر دیں گے۔ مگر اسکے معاً بعد یاجوج و ماجوج کا خروج ہوگا جو پوری دُنیا

میں غارت گری عام کر دیں گے مگر اِن کا زمانہ چند ایام ہی ہو گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں زمین پر سوائے مذہب اسلام اور کوئی مذہب نہ ہو گا۔

یاجوج و ماجوج اور سدِّ ذوالقرنین کے متعلق یہ وہ معلومات ہیں جو قرآن حکیم و احادیث نبویہؐ نے امت کو بتلادیئے ہیں، اپر عقیدہ رکھنا ضروری اور مخالفت کرنا جائز نہیں ہے۔ باقی رہی ان کی جغرافیائی بحث کہ دیوار کہاں واقع ہے؟ اور قوم یاجوج و ماجوج کونسی قوم ہے؟ اور اس وقت وہ کہاں موجود ہیں؟

اگرچہ اسپر نہ کوئی اسلامی عقیدہ موقوف ہے اور نہ قرآن حکیم کی کسی آیت کا مطلب سمجھنا اسپر موقوف ہے۔ لہذا جن مصنفین اور مؤلفین نے اس دیوار کی نشان دہی کے متعلق جو اپنے اپنے مقالات و خیالات جمع کئے ہیں یہ صرف ان کا اپنا اجتہاد اور ذاتی رائے ہے۔ لیکن قرآن و حدیث سے جو اسکے چند اوصاف معلوم ہوتے ہیں ان سب اوصاف کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ جتنی دیواروں کا لوگوں نے رائے اور قیاس سے پتہ دیا ہے یہ مجموعہ اوصاف ایک بھی اُن میں پایا نہیں جاتا۔ لہذا وہ خیالات صحیح معلوم نہیں ہوتے اور حدیثوں کا انکار کرنا یا آیات قرآنی کی تاویل کرنا خود دین کے خلاف ہے۔ رہا مخالفین کا یہ شُبہ کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا ہے۔ کہیں بھی اُن کا پتہ نہیں ملا۔ غالباً اسی شُبہ سے متأثر ہو کر ہمارے مؤلفین حضرات نے پتہ بتلانے کی کوشش کی ہیں لیکن اس کا صحیح جواب وہ ہے جسکو علامہ آلوسیؒ نے (چھٹی صدی ہجری) اپنی تفسیر روح المعانی میں اختیار کیا ہے وہ ان لوگوں پر سخت گرفت کرتے ہیں جنھوں نے قوم تاتار (چھٹی صدی ہجری) کو یاجوج و ماجوج قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ ایسا خیال کرنا کھلی گمراہی ہے اور احادیث کی وضاحت کے خلاف ہے۔

صاحب بیان القرآن نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے:۔

"سیدھی سادھی بات یہ ہے کہ ہم کو اس کا موقعہ معلوم نہیں اور ممکن ہے کہ ہمارے اور اُس کے درمیان بڑے بڑے سمندر حائل ہوں اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہم نے پوری خشکی و تری کو چھان لیا ہے اسکا کہیں پتہ نہیں چلا۔ یہ دعوی قابل تسلیم نہیں ہے۔ عقلاً یہ جائز ہے کہ امریکہ کی طرح سمندر کے درمیان میں کوئی حصۂ زمین ایسا ہو جہاں ابتک رسائی نہ ہوئی ہو اور کسی چیز کا پتہ نہ چلنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ چیز موجود نہیں ہے۔ خاص طور پر جب مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس دیوار کی مع اوصافِ خصوصی خبر دی ہے تو ہم پر واجب ہے کہ اُسکی تصدیق کریں جس طرح اور اُمور کی خبر دی ہے اور شک میں ڈالنے والوں کے فضول کلام سے مرعوب ہونا یا اُسکی جانب التفات کرنا قلتِ یقین اور ضعفِ دین کی علامت ہے۔

(بیان القرآن، سورۂ کہف)

بعض مؤرخین نے موجودہ روس یا چین یا دونوں کو یاجوج وماجوج قرار دیا ہے۔ لیکن یہ قطعاً غلط اور گمراہ بات ہے۔ کیونکہ جس یاجوج وماجوج کی خبر قرآن وحدیث نے بطور "علاماتِ قیامت" دی ہے اُس کا وقت نزول عیسیٰ علیہ السلام اور خروج مہدی علیہ السلام کے بعد بتایا گیا ہے اور نزولِ عیسیٰ اور خروج دجال اور خروج مہدی یقیناً ابھی ظاہر نہیں ہوئے ہیں۔

ابن کثیرؒ نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا ہے کہ عباسی خلیفہ واثق باللہ نے سدِ ذوالقرنین کی تحقیق کے لئے ایک جماعت کو روانہ کیا تھا جنھوں نے واپس آکر یہ خبر دی کہ یہ دیوار لوہے سے تعمیر کی گئی ہے اسمیں بڑے بڑے دروازے بھی ہیں جن پر قفل پڑا ہوا ہے اور یہ شمال مشرق میں واقع ہے۔ تفسیر کبیر اور تفسیر طبری میں بھی اس واقعہ کو نقل کیا گیا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۱۳، البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۱۱)

حُجۃ الاسلام حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اپنی کتاب "عُقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام" میں یاجوج و ماجوج اور سدّ ذو القرنین کا تذکرہ کیا ہے جو درایت و روایت کے اعلیٰ معیار پر ہے جس کا خلاصہ یہ کہ مفسد اور وحشی انسانوں کی تاخت و تاراج سے حفاظت کے لئے زمین پر ایک نہیں بہت سی جگہوں پر سدّیں (دیواریں) بنائی گئی ہیں۔ اِن میں سے زیادہ بڑی اور مشہور دیوار "دیوارِ چین" ہے جس کا طول ابو حیّان اُندلسی (دربار ایران کا شاہی مؤرخ) نے بارہ سو میل لکھا ہے۔ اس کا بانی چین ہی کا بادشاہ "فغفور" نامی تھا اور اسکی تاریخ بنائے حضرت آدم علیہ السّلام سے تین ہزار چار سو ساٹھ سال بعد بتلائی جاتی ہے۔ (واللّٰہ اعلم)

اسی طرح دوسری سدّ (دیوار) وسط ایشیا میں بخارا اور ترمذ کے قریب واقع ہے اور اس کے محل وقوع کا نام "دربند" ہے۔ یہ دیوار مغل بادشاہ تیمور لنگ کے زمانہ میں موجود تھی اور شاہ روم کے خاص درباری سیلا برجر جرمنی نے بھی اس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے اور اُندلس کے بادشاہ کسٹیل کے قاصد کلا فجو نے بھی اپنے سفرنامہ میں اسکا ذکر کیا ہے۔ یہ شخص ۱۴۰۳ء میں اپنے بادشاہ کے سفیر کی حیثیت سے تیمور لنگ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس دیوار سے گزرا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ سدّ (دیوار) شہر موصل کے اُس راستہ پر جو سمرقند اور ہندوستان کے درمیان ہے۔ (تفسیر جواہر القرآن طنطاوی ج ۹ ص ۱۹۸)

تیسری سدّ روسی علاقہ داغستان میں واقع ہے۔ یہ دیوار بھی دربند اور باب الابواب کے نام سے مشہور ہے۔ مؤرخ یاقوت حموی نے "معجم البلدان" میں اور ادریسی نے جغرافیہ میں اور بُستانی نے دائرۃ المعارف میں اس دیوار کا تفصیلی حال لکھا ہے۔

چوتھی سدّ اسی باب الابواب سے مغرب کی جانب کاکیشیا کے بہت بلند حصّوں میں ہے جہاں دو پہاڑوں کے درمیان ایک درّہ درّہ داریال

کے نام سے مشہور ہے۔ اسکو کوہِ قاف کی سد بھی کہا جاتا ہے۔ مؤرخ بُستانی نے اس دیوار کے بارے میں لکھا ہے۔

اسی کے (یعنی سد باب الابواب کے) قریب ایک اور سد ہے جو مغربی جانب بڑھتی چلی گئی ہے۔ غالباً اسکو اہل فارس نے شمالی بربروں سے حفاظت کی خاطر بنایا ہوگا۔ کیونکہ اسکے بانی کا صحیح حال معلوم نہ ہوسکا۔ بعض مؤرخین نے اس دیوار کی نسبت سکندر کی جانب کر دی ہے اور بعض نے کسریٰ اور نوشیروان کی طرف کی ہے۔ مؤرخ یاقوت حموی کہتا ہے کہ یہ تانبا پگھلا کر تعمیر کی گئی ہے۔ (معجم البلدان ج ۷، ص ۶۵)

چونکہ یہ سب دیواریں شمال ہی میں واقع ہیں اور تقریباً ایک ہی ضرورت کے لئے بنائی گئی ہیں اس لئے اسکے متعین کرنے میں اشکالات پیش آئے ہیں اور بڑا اختلاط ان آخری دو سدوں کے بارے میں پیش آیا کیونکہ دونوں مقامات کا نام بھی دربند ہے۔

مذکورۃ الصدر چار سدوں میں سے دیوار چین جو سب سے بڑی اور زیادہ قدیم ہے۔ اسکے سد ذوالقرنین نہ ہونے میں سب متفق ہیں کیونکہ وہ بجائے شمال کے مشرق اقصیٰ میں ہے اور قرآن حکیم نے سد ذوالقرنین کا شمال میں ہونا ظاہر کیا ہے۔ اب رہا باقی تین دیواروں کا معاملہ جو شمال ہی میں واقع ہیں۔ اسمیں مؤرخین کے مختلف اقوال ہیں کہ سد ذوالقرنین کونسی ہے؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی ایک دیوار کو متعین کرنا قیاس ورائے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

اہلِ یورپ کا یہ کہنا کہ ہم نے ساری زمین کا سروے کر لیا ہے ایسی کوئی دیوار کا پتہ نہیں چلا، کوئی وزن نہیں رکھتا۔ کیونکہ خود اہل یورپ کا یہ اعتراف ہے کہ سیاحت و تحقیق کے انتہائی معراج پر پہونچنے کے باوجود آج بھی بہت سے صحرا و دریا اور جزیرے ایسے باقی ہیں جن کا ہمیں علم نہ ہوسکا۔ لہذا سد ذوالقرنین کا انکار کر دینا کوئی معقول بات نہوگی۔ دوسرے یہ بھی امکان ہے کہ اب وہ دیوار موجود ہونے کے باوجود پہاڑوں کے

گرنے اور باہم مل جانے کے باعث ایک پہاڑ ہی کی شکل اختیار کرچکی ہو،
بہرحال کسی چیز کے معلوم نہ ہونے پر یہ دعویٰ کرنا کہ اُس کا وجود ہی نہیں
ہے، نامعقول بات ہوگی۔ واللہ اعلم۔

یہ چند منقول ہیں اُن محققین کے ذخیرۂ اقوال سے جو حدیث وتفسیر اور علم تاریخ کی ماہر ہستیاں سمجھی جاتی ہیں۔

اِن اقوال سے یہ بات قطعاً واضح ہوجاتی ہے کہ یاجوج وماجوج عام انسانوں کی طرح ربع مسکون کے باشندے اور نسل بنی آدم کی عام نسل کی طرح ہیں۔ وہ کوئی برزخی یاغیر انسانی مخلوق نہیں اور جو روایات اسکے خلاف پائی جاتی ہیں اِن کا اسلامی روایات سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اسرائیلیات کا وہ سرمایہ ہے جس کا ماخذ مشہور زمانہ راوی کعب احبارؓ پر جاکر ختم ہوتا ہے جو یہودی النسل ہونیکی وجہ سے اِن قصوں کے بہت بڑے عالم تھے اور اسلام قبول کرنے کے بعد یا تو تفریح کے طور پر سنایا کرتے تھے یا اس لئے کہ اس رطب ویابس میں جو دُور از کار باتیں ہوں وہ رد کردی جائیں۔ اور جن سے قرآن اور احادیث نبویہ کی تائید ہوتی ہوں اُن کو ایک تاریخی حیثیت سے لے لیا جائے مگر نقل کرنے والوں نے اس حقیقت کے خلاف پورے ذخیرہ کو اُن سے نقل کر دیا جیسا کہ حدیثی سلسلہ کو نقل کیا جاتا ہے اور اگر سلف صالحین اور متاخرین میں وہ بے نظیر ہستیاں پیدا نہ ہوتیں جنھوں نے روایات واحادیث کے تمام ذخیرہ کو نقد وتبصرہ کی کسوٹی پر رکھ کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیا نہ ہوتا تو نہ معلوم آج علماء کو کس قدر بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہوگا۔

سورۂ انبیاء میں بھی یاجوج وماجوج کا مختصر ذکر آیا ہے۔

قرآنی مضمون

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ الخ (الانبیاء آیات ۹۴ تا ۹۷)

پھر جو نیک عمل کرے گا اس حال میں کہ وہ مومن ہو تو اُس کے کام کی ناقدری نہ ہوگی اور اُسے ہم لکھ رہے ہیں۔

اور ممکن نہیں کہ جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا ہو وہ پھر پلٹ سکے۔

یہاں تک کہ جب یاجوج و ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں گے۔

اور وعدۂ برحق کے پورا ہونے کا وقت قریب آگیا تو یکایک اُن لوگوں کے دیدے پھٹے کے پھٹے رہ جائیں گے جنھوں نے کفر کیا تھا کہیں گے ہائے ہماری کم بختی ہم اُس چیز کی طرف سے غفلت میں پڑے ہوئے تھے بلکہ ہم خطاکار تھے۔

صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ بن اسیدؓ کی روایت سے نقل کیا گیاہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک تم اُس سے پہلے دسؔ علامتیں نہ دیکھ لو:۔

دھواں[1]، دجّال[2]، دآبۃ الارض[3]، مغرب[4] سے سورج کا طلوع ہونا، عیسٰی[5] بن مریم کا نزول، یاجوج[6] و ماجوج کا خروج، تین بڑے خسف (زمین کا دھنسنا) ایک مشرق میں، دوسرا مغرب میں، تیسرا[9] جزیرۃ العرب میں۔ پھر سب سے آخر یمن[10] سے ایک سخت آگ اُٹھے گی جو لوگوں کو محشر کی طرف ہانکے گی (یعنی اسکے بعد قیامت آجائیگی)

ذُوالقرنین اور نبوّت

ذوالقرنین کا نیک و عادل بادشاہ ہونا تمام مفسرین کے ہاں متفق علیہ ہے۔ البتہ نبی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ اکثر مفسرین اور محدثین نے انکو نیک وصالح بادشاہ قرار دیاہے جن پر اللہ کا خاص فضل وکرم تھا۔

البتہ بعض مفسرین نے انھیں نبی قرار دیا ہے۔ ان کا استدلال قرآن کی اُن آیات سے ہے جسمیں اللہ تعالٰے نے اِن سے خطاب فرمایاہے۔ ابوحیّان اندلسی نے اپنی تفسیر بحر محیط میں انہی آیات سے استدلال کرکے اُنھیں نبی کہاہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ جب ذوالقرنین نے مغرب کی مہم سر کی تو وہاں جس قوم سے انھیں سابقہ پڑا وہ مشرک قوم تھی جن کے بارے میں اللہ تعالٰے نے انھیں اختیار دیا تھا کہ یا انھیں قتل کر دیں یا انکے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ اختیار کریں۔

قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا. (آیت ۸۶ کہف)

مفسر ابو حیانؒ کا کہنا ہے کہ یہاں ذوالقرنین کو جو حکم دیا گیا کہ اس قوم کو قتل کر سکتے ہیں۔ اس طرح کا کوئی حکم بغیر وحی نبوت کے نہیں دیا جا سکتا۔ یہ کام نہ کشف والہام سے ہو سکتا ہے نہ بغیر وحی نبوت کے کسی اور ذریعہ سے اس لئے اسکے سوا اور کوئی احتمال نہیں کہ ذوالقرنین نبی تھے۔

اسکے علاوہ قرآن حکیم نے ذوالقرنین کا تذکرہ جس عنوان سے ادا کیا ہے وہ بھی اس بات کو قوی بنا دیتا ہے کہ وہ نبی ہی تھے۔

امام تفسیر مجاہدؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ وہ ذوالقرنین کو نبی قرار دیتے تھے۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۲۶۵)

حافظ ابن حجرؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ قرآن حکیم کا ظاہر یہی بتاتا ہے کہ ذوالقرنین نبی ہی تھے۔

لیکن حضرت علیؓ کا ایک قول نقل کیا جاتا ہے :۔

ذوالقرنین نبی نہ تھے اور نہ فرشتہ بلکہ ایک انسان تھے جنھوں نے اللہ تعالےٰ کو محبوب رکھا اور اللہ تعالےٰ نے بھی انکو محبوب رکھا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۹۵)

حافظ ابن حجرؒ اس روایت کی توثیق کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ میں نے اس روایت کو حافظ حدیث ضیاء الدین مقدسی کی کتاب "مختارہ" کی احادیث سے بسند صحیح سُنا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ذوالقرنین بادشاہوں میں ایک بادشاہ تھے اکثر اہل علم کی یہی رائے ہے۔

(فتح الباری ج ص ۲۹۸)

حضرت علیؓ کے علاوہ حضرت ابن عباسؓ نے بھی ذوالقرنین کو نیک و عادل بادشاہ فرماتے تھے۔ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ ذوالقرنین نیک وصالح بادشاہ تھے

اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو پسند فرمایا اور اپنی کتاب میں ان کی تعریف فرمائی اور وہ فاتح اور کامیاب بادشاہ تھے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۱۳)

اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ بھی ذوالقرنین کو صالحین میں شمار کرتے تھے۔ ابن کثیرؒ نے اس سلسلے میں تمام روایات کو نقل کرنے کے بعد یہ فیصلہ دیا ہے:۔

والصحیح انہ کان ملکا من ملوک العادلین۔

(تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۱۰۳)

اور صحیح یہ ہے کہ ذوالقرنین عادل بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھے۔ (واللہ اعلم)

نتائج و عبر

علم تاریخ کی ضرورت

مطالب قرآن کی بصیرت کے لئے جس طرح علم لغت، احادیث، آثار صحابہؓ جیسے علوم کی ضرورت ہے اسی طرح صحیح علم تاریخ کی بھی معرفت ضروری ہے۔ قرآن حکیم کے بیان کردہ بعض واقعات ایسے بھی ہیں جنکو صرف علم تاریخ ہی کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے۔ انہی میں سے ایک ذوالقرنین کا واقعہ بھی ہے۔ جسکی مکمل وضاحت صحیح اور مستند تاریخ ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم نے اقوام سابقہ کے حالات و واقعات بیان کرکے ان سے عبرت و بصیرت حاصل کرنے کے لئے زمین کی سیاحت کرنے پر زور دیا ہے:۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ۔ (انعام آیت ۱۱)

آپ فرما دیجئے کہ زمین کی سیاحت کرو پھر دیکھو (نبیوں) کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ. (آل عمران آیت ۱۳۷)

بلاشبہ تم سے پہلے (اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ) قوانین گزر چکے ہیں پس زمین کی سیر کرو پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

دلیلِ راہ :-

جہاں تک اسلام کے بنیادی مسائل کا تعلق ہے اسمیں "سلف صالحین" کا مسلک ہی دلیلِ راہ ہے۔ اس سے تجاوز کرنا اور اسمیں اختلاف کرنا زیغ و گمراہی ہے۔ لیکن جہاں تک قرآن حکیم کے نکات، معارف، علوم و اسرار اور علمی و تاریخ مطالب کا تعلق ہے اس کیلئے کسی زمانے میں بھی درِ تحقیق بند نہیں ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

فَلَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهَا. (الحدیث)

قرآن کے لطائف و حکم کبھی ختم ہونے والے نہیں ہیں۔

خاص طور پر جب کہ تاریخی مطالب کے حصول کے لئے آج کے ذرائع معلومات، قدیم علوم تاریخ کے ذرائع سے زیادہ وسیع ہو چکے ہیں۔ لہذا سلف صالحین کے قدیم مسلک پر قائم رہتے ہوئے قرآن حکیم کے تاریخی مباحث کی تفصیلات وجزئیات میں بقدرِ ضرورت قدم اٹھانا سلفِ صالحین ہی کی اقتدار ہے نہ کہ اِن کے مسلک سے انحراف و رُوگردانی، البتہ اہلیت شرط ہے۔

خلافت یا ملوکیت ؟

زمانۂ قدیم ہی سے یہ امتیازی فرق چلا آرہا ہے کہ عادل حکومت کا نصب العین رعایا اور عوام کی خدمت ہوتا ہے اور اس کے لئے عادل بادشاہ کا شاہی خزانہ رفاہِ عام اور عوامی خدمات کی خوشحالی کے لئے وقف ہوتا ہے اور وہ خود اپنی ذات پر ضروری صرفہ سے زیادہ خرچ نہیں کرتا اور نہ وہ عوام کو ٹیکسوں کی کثرت سے پریشان حال بناتا ہے۔ اسکے برخلاف جبر وظلم کی حکومت کا منشار بادشاہ اور حکومت کا اقتدار، ذاتی تعیش اور اسکا اہتمام ہوتا ہے۔ اس لئے وہ نہ رعایا کے دکھ درد کی پرواکرتا ہے اور نہ اُن کے راحت

و آرام کا خیال رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں اگر کچھ ہو بھی جاتا ہے تو وہ حکومت اور بادشاہ کے کے مفاد و مصالح کے پیش نظر ضمنی طور پر ہو جاتا ہے نیز اس حکومت میں رعایا ہمیشہ ٹیکسوں کے بوجھ سے دبی رہتی ہے اور اس ملک کی اکثریت افلاس و غربت ہی کا شکار رہتی ہے۔ ذو القرنین چونکہ ایک صالح و عادل بادشاہ اور خلیفۃ اللہ تھے اس لئے انھوں نے اپنی شمالی سیاحت میں اُس قوم سے ٹیکس لینے سے انکار کر دیا جو یاجوج و ماجوج پر دیوار بنانے کے سلسلے میں دینا چاہتے تھے۔ اُنھوں نے واضح طور پر اس بات کا اعتراف کیا کہ اللہ تعالےٰ مجھ کو حکومت و ثروت اس لئے نہیں دی کہ میں اُس کو ذاتی ضرورت پر صرف کروں۔ بلکہ یہ صرف اس لئے عطا ہوا ہے کہ اسکے ذریعہ مخلوق خدا کی خدمت انجام دوں۔ اسلام میں خلافت کا تصور دیا گیا ہے ملوکیت یا جمہوریت یا کسی اور اقتدار کی ہمت افزائی نہیں کی گئی۔

ناکام و نامراد

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد اس طرح نقل ہوا ہے:۔

اِنَّ الْمُکْثِرِیْنَ ھُمُ الْمُقِلِّیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ (الحدیث)

(بے دین) دولت والے ہی قیامت کے دن تہی دست ہونگے۔

سورۂ کہف کا اختتام ذو القرنین کے تذکرے پر کیا گیا ہے اور اسکے بعد ان آیات کو بطور خلاصۂ کلام رکھا گیا۔

قُلْ ھَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا الخ۔

(آیت ۱۰۳ تا ۱۰۶)

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہو، کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام و نامراد لوگ کون ہیں؟

یہ وہ لوگ ہیں جنکی دنیا میں کی کرائی محنت سب گئی گزری اور وہ اس خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی آیات کا اور اُس سے ملنے کا انکار کر رہے ہیں سو اُن کے سارے کام غارت گئے تو قیامت کے دن ہم اُن کا ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے (یعنی اُنھیں آخرت کا عیش نصیب

نہ ہوگا) اُن کی سزا وہی ہوگی یعنی دوزخ اس سبب کہ اُنھوں نے کفر کیا
تھا اور میری آیتوں اور پیغمبروں کا مذاق بنایا تھا۔

یعنی اس طرح کے لوگوں نے دُنیا میں خواہ کتنے ہی بڑے کارنامے انجام دیئے ہوں بہرحال وہ دنیا کے خاتمے کے ساتھ ہی ختم ہو جائیں گے۔ اُن کے یہ قصر اور محلات، ان کی دولت وحشمت، اُن کے اپنے ذخیرے اور کارخانے اور اُن کی ایجادیں اور صنعتیں، جدید علوم وفنون اور دوسری وہ چیزیں جنپر وہ فخر کرتے تھے اِن میں سے کوئی بھی ایک چیز وہ اپنے ساتھ لیے ہوئے اللہ تعالٰے کے حضور نہ پہنچ سکیں گے۔ وہاں کے لئے جو چیز باقی رہنے والی ہے وہ صرف "باقیات صالحات" اسلامی زندگی ہے۔

ناکام ونامراد وہ شخص جسکی زندگی کے اعمال میں ایسا کوئی کارنامہ نہیں جو اُسکو حشر کے دن میزان میں رکھ سکے۔ اُسکی ساری دوڑدھوپ بلاشبہ اکارت گئی جو اُس نے دنیا میں کی تھی۔

تذکرہ اصحابُ الکہف
(غار والے)

اصحابُ الکہف والرّقیم

اس کا لفظی ترجمہ "کہف اور رقیم والے" ہے۔
کہفؔ اُس پہاڑی غار کو کہتے ہیں جو وسیع اور کُشادہ ہو۔ اور جو وسیع وکشادہ نہیں ہوتا اسکو غار کہا جاتا ہے۔
رقیمؔ کے لفظی معنی لکھی ہوئی تختی (کتبہ) کے ہیں۔
اس لحاظ سے اصحاب الکہف والرقیم کا ترجمہ کُشادہ غار والے اور کتبے والے ہوا۔ اور لکھی ہوئی تختی سے مراد امام ضحاکؒ اور امام سدّی اور ابن جبیرؒ نے وہ کتبہ مراد لیا ہے جس پر بادشاہِ وقت نے اصحاب کہف کے نام کندہ کر کے غار کے دروازے پر لگا دیا تھا۔ اسی وجہ سے اصحاب کہف کو اصحاب الرقیم بھی کہا جاتا ہے۔ (تختی والے) (تفسیر ابن جریر)
لیکن امام قتادہؒ، امام عطیہؒ، امام مجاہدؒ کا قول یہ ہے کہ رقیم ایک وادی کا نام تھا جو اُس پہاڑ کے نیچے واقع تھی اسی نسبت سے ان نوجوانوں کو اصحاب الرقیم بھی کہا گیا۔
کعب احبارؒ اور وہب بن منبہؒ نے حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رقیم اَیْلَہْ (عقبہ) کے قریب ایک شہر کا نام تھا جو بلادِ روم میں واقع ہے۔
اصحاب کہف اور اصحاب الرقیم ایک ہی جماعت کے دو نام ہیں۔ غار میں پناہ لینے کی وجہ سے اصحاب کہف کہا گیا اور چونکہ اُس غار پر اُن کے نام کندہ کر دیئے گئے تھے اس لئے ان کو اصحاب الرقیم بھی کہا جانے لگا۔
امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح البخاری میں اصحاب کہف اور اصحاب الرقیم دو عنوان الگ الگ قائم کئے ہیں۔ پھر اصحاب الرقیم کے عنوان کے تحت وہ مشہور قصہ

تین آدمیوں کے غار میں بند ہو جانے اور پھر اپنے اپنے خاص اعمال کے وسیلے سے دُعا مانگنے پر راستہ کھل جانے والی حدیث نقل کی ہے جو صحاح ستہ کی کتب میں مفصل موجود ہے۔ امام بخاری کے اس طرز سے سمجھا جاتا ہے کہ اِن کے نزدیک اصحاب کہف ایک جماعت اور اصحاب الرقیم دوسری جماعت کا نام ہے۔

لیکن حافظ ابن حجرؒ نے شرح بخاری میں یہ واضح کر دیا کہ یہ کوئی صریح دلیل نہیں ہے چونکہ اِن تین شخصوں والے قصے میں لفظ رقیم آیا ہے اس لئے یہ اشتباہ ہو گیا کہ اصحاب الرقیم یہ تین شخص ہیں جو بارش کی وجہ سے غار میں بند ہو گئے تھے اور اصحاب کہف وہ سات نوجوان ہیں جو اہل وطن کی بُت پرستی سے بیزار ہو کر ایک غار میں پناہ لئے تھے۔

نیز قرآن حکیم میں اصحاب کہف کا جو قصہ مذکور ہے اُس کا عنوان خود بتا رہا ہے کہ دونوں ایک ہی جماعت کا نام ہے۔ اس قصہ کا آغاز اس طرح ہوا۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا۔ (آیت ۹ کہف)

کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ غار اور کتبے والے ہماری عجائبات میں سے کچھ تعجب کی چیز تھے۔

اسکے بعد اُن نوجوانوں کا قصہ بیان کیا جو غار میں پناہ لئے اور اپنے رب سے ہدایت کی دُعا مانگی۔ آخر تک انہی نوجوانوں کا قصہ بیان ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ اصحاب کہف اور اصحاب الرقیم ایک ہی جماعت کا نام ہے۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ الخ (آیت ۱۳ کہف)

ہم اُن کا واقعہ آپ سے ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں۔

پھر اسکے بعد آخر تک صرف اصحاب کہف ہی کا واقعہ بیان کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور مفسّرین اور محدثین نے اِن دونوں کو ایک ہی جماعت قرار دیا ہے۔

قرآن حکیم نے اپنے حکیمانہ اصول اور اسلوب خاص کے تحت سارے قرآن میں صرف یکجا تذکرہ سیدنا یوسفؑ کے سوا کسی بھی قصے کے صرف وہ اجزار بیان کئے ہیں جن سے انسانی ہدایات اور تعلیمات کا تعلق تھا۔

(قصۂ سیدنا یوسف علیہ السّلام اس اسلوب خاص سے مستثنیٰ ہے اس قصہ کو پوری

تفصیل اور ترتیب کے ساتھ ایک ہی جگہ بیان کر دیا گیا ہے اور اسکی وجہ تذکرہ سیدنا یوسف میں بیان کی جا چکی ہے)

اصحاب کہف کے قصہ میں بھی یہی اسلوب اختیار کیا گیا اس کے صرف وہ اجزاء بیان کئے گئے ہیں جو مقصود اصلی تھے باقی اجزاء جو تاریخی یا جغرافیائی تھے اُن کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا کہ وہ کس زمانے کے تھے؟ کس شہر میں رہتے تھے؟ اُن کا نام کیا تھا؟ وغیرہ وغیرہ۔

اِن عنوانات کی قرآن حکیم کو ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ کسی بھی بیان کردہ قصہ سے انسانوں کو ہدایت و نصیحت کرنا چاہتا ہے۔ قصہ برائے قصہ مقصود نہیں ہوتا جیسا کہ علم تاریخ کا موضوع ہے۔

واقعہ اصحابُ الکہف

تفسیر حقانی میں اس واقعہ کا مقام اَفسوس یا طرسوس بیان کیا گیا ہے جو ایشیائے کوچک (موجودہ ٹرکی) میں تھا جہاں اب بھی اسکے کھنڈرات موجود ہیں۔ تاریخی شہادت کی بنا پر اصحاب کہف کا زمانہ غالباً ۲۵۰ء تھا۔ پھر یہ لوگ تین سو سال تک غار میں سوتے رہے۔ اس طرح مجموعہ ۵۵۰ء ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت تقریباً ۵۷۰ء میں ہوئی۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بیس سال پہلے اِن کے بیدار ہونے کا یہ واقعہ پیش آیا۔ شہر افسوس (ٹرکی) جہاں اصحاب کہف کا واقعہ پیش آیا بُت پرستی کا بہت بڑا مرکز تھا یہاں چاند دیوی کی پوجا ہوتی تھی جسے ڈائنا کے نام سے پکارا جاتا تھا اِس کا بلند و بالا مندر عہد قدیم کے عجائبات عالم میں شمار کیا جاتا ہے۔ ایشیائے کوچک کے لوگ اسکی پرستش کرتے تھے اور رومی سلطنت نے بھی اسکو اپنے معبودوں کی فہرست میں شامل کر لیا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب مسیحی دعوت رومی سلطنت میں پہنچی تو اس سے متأثر ہو کر شہر کے چند نوجوان شرک و بت پرستی سے تائب ہو گئے اور اللہ واحد پر ایمان لائے۔

یہ سات نوجوان تھے اِن کی تبدیلی مذہب کا حال سنکر بادشاہ وقت (قیصر ڈیسیس)

نے انھیں طلب کیا اور دریافت کیا کہ تمہارا مذہب کیا ہے؟ ان نوجوانوں کو خوب معلوم تھا کہ بادشاہ ہمارا دشمن ہے اور وہ توحید کو ہرگز برداشت نہیں کرتا۔ مگر اس کے باوجود اُنھوں نے کسی خوف کے بغیر صاف صاف کہہ دیا کہ ہمارا رب اللہ ہے جو زمین و آسمان کا مالک ہے اسکے سوا ہم کسی کو معبود نہیں کہتے اگر ہم ایسا کہیں گے تو بڑا گناہ ہوگا۔

بادشاہ یہ سن کر سخت مشتعل ہوا اور انھیں دھمکیاں دینے لگا اور آخر فیصلہ کر لیا کہ انھیں قتل کر دیا جائے لیکن کسی کے مشورے پر یا از خود بولا کہ تم لوگ ابھی کم عمر ہو میں تم کو تین دن کی مہلت دیتا ہوں اس مدت میں تم نے اپنا رویہ بدل لیا تو ٹھیک ہے ورنہ تمہاری گردن ماردی جائیگی۔

اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر یہ ساتوں نوجوان شہر سے بھاگ نکلے اور پہاڑوں کی راہ لی تاکہ کسی غار میں اپنی بقیہ زندگی یاد الٰہی میں صرف کر دیں۔ راستے میں ایک کُتا ان کے ساتھ لگ گیا انھوں نے ہر طرح کوشش کی کہ یہ پیچھا چھوڑ دے مگر وہ کتا کسی طرح ان سے الگ نہ ہوا اور ان کے ساتھ چلتا رہا یہاں تک کہ یہ لوگ ایک وسیع غار کے دہانے پر پہنچ گئے۔ یہاں اِن کو یہ جگہ محفوظ نظر آئی۔ سب نے فیصلہ کیا کہ اسی غار میں پناہ لی جائے۔ چنانچہ یہ ساتوں نوجوان اس غار میں داخل ہوگئے۔ لیکن کتا اندر داخل نہیں ہوا غار کے دہانے پر بیٹھ گیا۔ یہ سب تھکے ماندے تھے اس لئے فوراً سو گئے۔ اللہ تعالےٰ نے ان پر طویل نیند طاری کر دی اور وہ سوتے رہے اور اللہ تعالےٰ نے اُن کی حفاظت کا انتظام اپنی قدرتِ خاص سے فرمایا۔ اس طرح کہ نہ اُن کو بھوک پیاس لگی نہ ان کے جسم کو زمین نے متاثر کیا نہ کوئی جاندار اُن تک آنیکی ہمت کر سکا، وہ مسلسل تین سو نو سال تک سوتے رہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب رومی باشندوں کے درمیان حیات بعد الموت اور حشر و نشر کے عقیدے میں سخت اختلاف برپا تھا۔ بادشاہ وقت جو عیسائی مذہب تھا اس بات پر فکرمند تھا کہ لوگوں کے دلوں سے انکار آخرت کا خیال کیسے نکالا جائے۔ ٹھیک اسی زمانے میں یہ نوجوان جاگ اُٹھے بیدار ہوکر آپس میں ایک نے پوچھا کہ ہم کتنی دیر سوئے ہوں گے؟ بعضوں نے کہا دن بھر یا دن کا کچھ حصہ۔ پھر یہ کہہ کر سب خاموش ہوگئے کہ اللہ تعالےٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اسکے بعد انھوں نے

اپنے ایک ساتھی کو جس کا نام (یملیخا) تھا چاندی کے سکے دے کر کھانا لانے کیلئے شہر بھیجا اور اُس کو یہ بھی نصیحت کر دی کہ احتیاط سے جانا آنا کہیں شہر کے لوگ تم کو پہچان نہ جائیں۔ اگر ان لوگوں کو ہماری خبر پہنچ گئی تو ہمیں سنگسار ہی کر ڈالیں گے یا پھر زبردستی اپنی ملت میں شامل کر لیں گے۔ اور اگر ایسا ہوا تو یقیناً ہم ہرگز فلاح نہ پائیں گے۔

جب یہ شخص شہر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دنیا بدل چکی ہے سب لوگ مسیحی مذہب اختیار کر چکے ہیں بت پرستی نام کو نہیں پھر بھی وہ ڈرتا ڈرتا ایک دوکان پر پہنچ گیا اور چند روٹیاں خرید کر چاندی کا ایک سکہ دیا جس پر صدیوں پرانے بادشاہ کی تصویر تھی۔ دکاندار یہ سکہ دیکھ کر حیران ہو گیا پھر اسکو شبہ ہوا کہ شاید یہ کسی پرانے زمانے کا دفینہ نکال لیا ہو۔ پوچھا کہ یہ سکہ تم کو کہاں ملا ہے؟ اُس شخص نے کہا یہ تو میرا اپنا مال ہے کہیں سے نہیں لایا ہوں۔ اسپر دونوں میں تکرار شروع ہو گئی لوگ جمع ہو گئے یہاں تک کہ کوتوال شہر تک معاملہ پہنچا۔ کوتوال نے کہا تمہاری یہ بات ماننے کے قابل نہیں ہے۔ یہ صدیوں پرانا سکہ ہے تم تو ابھی جوان لڑکے ہو ہمارے بڑے بوڑھوں نے بھی یہ سکہ نہیں دیکھا ہے۔ یملیخا نے جب یہ سُنا کہ ظالم بادشاہ کو مرے زمانہ گزر چکا ہے جس کے خوف سے یہ اور اسکے ساتھیوں نے غار میں پناہ لی تھی تو وہ بھی دنگ رہ گیا اور کچھ دیر تک دم بخود رہا۔ پھر آہستہ بولا کل ہی تو میں اور میرے ساتھی اس شہر سے بھاگ کر گئے تھے اور ایک غار میں ہم نے پناہ لی تھی تاکہ بادشاہ کے ظلم سے بچے رہیں۔

اس غریب مسافر کی یہ بات سُن کر کوتوال بھی حیران ہو گیا اور اُس کو لے کر اُس غار کی طرف چلا جہاں اُس کے ساتھی چھپے ہوئے تھے لوگوں کا ہجوم بھی ساتھ تھا وہاں پہنچ کر یہ بات پوری طور پر ثابت ہو گئی جو عام طور پر زبان زد تھی کہ پرانے زمانے میں چند نوجوان اپنا ایمان بچانے کے لئے بھاگ نکلے تھے اور وہ پھر غائب ہی رہے۔ یہ خبر آناً فاناً شہر کی عیسائی آبادی میں پھیل گئی وقت کے بادشاہ کو بھی اس کی اطلاع دی گئی وہ خود آکر اُن سے ملا اور اُن سے برکت لی۔ اب جو اصحاب کہف خبردار ہوئے کہ وہ تین سو سال تک سوتے رہے ہیں تو وہ اپنے عیسائی بھائیوں کو سلام دُعا کر کے پھر غار میں جا لیٹے۔

حضرت ابن عباس رضؓ کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جب اس نوجوان

کے پیچھے بادشاہ اور عوام کا ہجوم اُس غار کے قریب پہنچا تو وہ معلوم نہ کر سکے کہ نوجوان کس جانب چلا گیا۔

بہت جستجو کے بعد بھی اِن نوجوانوں کا پتہ نہ پا سکے تب مجبور ہو کر واپس ہو گئے اور اُن کی یادگار میں پہاڑ پر ایک ہیکل (مسجد) تعمیر کردی۔

اس طرح اصحاب کہف کا یہ واقعہ سب پر ظاہر ہو گیا اور اس سے قوم کا وہ اختلاف ختم ہو گیا جو حیات بعد الموت کے بارے میں پھیل گیا تھا۔ جس طرح سینکڑوں برس سوتے رہنے کے بعد اصحاب کہف بیدار کر دیئے گئے اسی طرح قبر (عالم برزخ) میں سینکڑوں اور ہزاروں برس مُردہ رہنے کے بعد قیامت کے دن زندہ کر دیئے جائینگے۔ اور یہ بات اللہ پر کچھ بھاری نہیں ہے۔

قرآن حکیم نے اصحاب کہف کا یہ واقعہ اسی عقیدے کی وضاحت کے لئے بیان کیا ہے:۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ
وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا الآیۃ (کہف آیت ۲۱)

اس طرح ہم نے شہر والوں کو ان کے حال پر مطلع کر دیا تاکہ لوگ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت کی گھڑی بیشک آکر رہے گی (اور اُس دن سب کو زندہ ہونا ہے)

اس واضح نشانی کو دیکھ کر لوگ مان گئے کہ واقعی موت کے بعد زندگی برحق ہے۔

اصحاب کہف کا یہ حیرت انگیز واقعہ قرآن حکیم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

قرآنی مضمون

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ
كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا۔ الآیۃ (کہف آیات ۹ تا ۲۶)

کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور پہاڑ والے (کتبہ والے) ہماری عجائباتِ قدرت میں سے کچھ تعجب کی چیز تھے؟ (یعنی اللہ تعالٰے کے عجائباتِ قدرت اس سے کہیں اور زیادہ حیرت افزا ہیں)

وہ وقت قابل ذکر ہے جبکہ ان نوجوانوں نے اُس غار میں
جاکر پناہ لی پھر کہا اے ہمارے پروردگار ہمکو اپنے پاس سے رحمت
کا سامان عطا فرمائیے اور ہمارے لئے کام میں درستگی کا سامان مہیا
فرما دیجئے۔ سو ہم نے اُس غار میں اُن کے کانوں پر سالہا سال تک
نیند کا پردہ ڈال دیا۔

پھر ہم نے اُن کو اُٹھایا تاکہ معلوم کرلیں کہ اُن دونوں (اصحاب
کہف کے) گروہوں میں سے کون اپنی مدتِ قیام کا ٹھیک شمار کرتا ہے۔
(کیونکہ جب وہ بیدار ہوئے تو آپسمیں اپنی مدتِ نیند میں اختلاف
کرنے لگے تھے)

ہم ان کا اصل قصہ تمہیں سناتے ہیں وہ چند نوجوان تھے جو
اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے اُن کو ہدایت میں ترقی بخشی تھی۔

ہم نے اُن کے دل اس وقت مضبوط کر دیئے جب وہ اُٹھے
اور انھوں نے اعلان کر دیا کہ ہمارا رب تو بس وہی ہے جو آسمانوں اور
زمین کا رب ہے۔ ہم اُسے چھوڑ کر کسی دوسرے معبود کو ہرگز نہیں پکارینگے۔
اگر ہم ایسا کرینگے (یعنی غیر اللہ کو پکاریں) تو اس صورت میں ہم نے
یقیناً بڑی ہی بے جا بات کہی۔

(پھر انھوں نے آپس میں مشورہ کیا) یہ جو ہماری قوم ہے انھوں
نے اللہ کو چھوڑ کر اور معبود قرار دے رکھے ہیں۔ یہ لوگ اُن کے معبود ہونے
پر کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے؟ آخر اُس شخص سے بڑا ظالم اور
کون ہوسکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟

اب جبکہ تم اُن سے اور اُن کے معبودوں سے جو اللہ کے سوا
ہیں بے تعلق ہو چکے ہو تو چلو اب غار میں پناہ لو تم پر تمہارا رب اپنی رحمت
پھیلادے گا اور تمہارے لئے تمہارے اس کام میں کامیابی کا سامان
درست کردے گا۔

اور اے پیغمبرؐ تم سورج کو دیکھوگے کہ وہ نکلتے وقت اُنکے

غار سے دہنی جانب بچکر نکل جائے گا اور ڈوبتے وقت غار سے کترا کر
بائیں جانب کو ہو جاتا ہے اور وہ نوجوان کشادہ کھوہ میں ہیں۔ یہ اللہ
کی نشانیوں میں سے ہے۔ اور جسکو وہ ہدایت دے وہی راہ یاب ہے۔
اور جس شخص کو (اُسکی مسلسل گمراہی کی بنا پر) گمراہ کرے تو اُس کے لئے
کسی راہ دکھانے والے مددگار کو آپ نہ پاؤ گے۔

تم اُنھیں دیکھ کر یہ سمجھوگے کہ وہ جاگ رہے ہیں، حالانکہ وہ
سو رہے ہیں۔ ہم اُنھیں دائیں بائیں کروٹ دلواتے رہتے تھے، اور ان
کا کُتا غار کے دہانے پر ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا، اگر تم کہیں جھانک کر انھیں
دیکھتے تو اُلٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے اور تم پر اُن کے نظارے سے
دہشت طاری ہو جاتی۔ اور اسی عجیب کرشمے سے ہم نے انھیں اُٹھا بٹھایا
تاکہ ذرا آپسمیں پوچھ گچھ کریں۔ اِن میں سے ایک نے پوچھا کہو کتنی دیر اس
حال میں رہے؟ بعضوں نے کہا شاید دن بھر یا اس سے کچھ کم رہے ہونگے۔
دوسرے بعضوں نے کہا اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ تم کسقدر رہے ہو۔ سو اب
اپنے میں سے کسی کو چاندی کا سکّہ دیکر شہر بھیجو اور وہ دیکھے کہ سب سے
اچھا حلال کھانا کونسا ہے۔ سو اُس میں سے کچھ کھانا تمہارے لئے لے آئے
اور یہ کام خوش تدبیری سے کرے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔
اگر کہیں اُن لوگوں کا ہاتھ تم پر پڑ گیا تو بس سنگسار ہی کر ڈالینگے یا پھر
زبردستی تم کو اپنی ملت میں واپس لے آئیں گے اور ایسا ہوا تو تم کبھی
فلاح نہ پائیں گے۔

اس طرح ہم نے اہل شہر کو اِن کے حال پر مطلع کیا تاکہ لوگ
جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت بیشک آکر رہے گی۔
وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ اُس زمانے کے لوگ (تین سو
سال بعد) آپس میں اس بات پر جھگڑ رہے تھے کہ ان (اصحاب کہف)
کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے کچھ لوگوں نے کہا کہ ان اصحاب کہف پر
ایک قبہ تعمیر کر دو اِن کا رب اِن کے حال کا خوب واقف کار ہے (یعنی

اِن سے کوئی تعرض نہ کرو) اُن لوگوں نے جو برسرِ حکومت تھے کہا ہم تو اُن کے غار پر ایک مسجد تعمیر کریں گے۔

اے پیغمبر کچھ لوگ کہیں گے وہ تین آدمی ہیں چوتھا اُن کا کُتا ہے اور کچھ لوگ ایسا بھی کہتے ہیں نہیں پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا ہے۔ یہ سب بے تحقیق بات کو ہانک رہے ہیں اور بعض کہتے ہیں وہ کل سات آدمی ہیں آٹھواں اُن کا کتا ہے (اے پیغمبر) آپ کہہ دیجئے اُن کی اصل گنتی تو میرا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے۔ کیونکہ ان کی تعداد بہت کم لوگ جانتے ہیں لہذا آپ سرسری بات سے بڑھ کر اُن کی تعداد کے معاملے میں لوگوں سے بحث نہ کرو اور نہ اُن کے متعلق کسی سے کچھ پوچھو۔

اور کسی چیز کے بارے میں کبھی یہ نہ کہا کرو کہ میں کل یہ کام کردوں گا (تم کچھ نہیں کرسکتے) مگر (یہ کہہ کر) کہ ہوگا وہی جو اللہ چاہیگا اور جب کبھی بھول جاؤ تو اپنے پروردگار کی یاد تازہ کرلو تم کہدو اُمید ہے کہ میرا رب اس سے بھی زیادہ کامیابی کی راہ مجھ پر کھول دے گا۔

اور وہ لوگ اپنے غار میں تین سو برس تک رہے اور نو برس اوپر اور رہے۔

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے رہنے کی مدت کو زیادہ جانتا ہے تمام آسمانوں اور زمین کا غیب اُسی کو ہے وہ کیسا کچھ دیکھنے والا اور کیسا کچھ سننے والا ہے۔ اُن کا اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں اور نہ اللہ تعالےٰ کسی کو اپنے حکم میں شریک کرتا ہے۔

نتائج و عبر

اس سے یہ سبق ملتا ہے

اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں قرآن حکیم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح خطاب کیا ہے :۔

قُلْ رَّبِّیْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِہِمْ مَّا یَعْلَمُہُمْ اِلَّا قَلِیْلٌ ۔ الخ

(آیت ع۲۲)

آپ کہہ دیں کہ میرا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنے تھے، کم ہی لوگ ان کی صحیح تعداد جانتے ہیں۔ لہذا آپ سرسری بات سے بڑھکر اُن کی تعداد کے معاملے میں لوگوں سے بحث نہ کیجئے اور نہ اُن کے متعلق کسی سے دریافت کیجئے۔

مطلب یہ ہے کہ اصل چیز ان کی تعداد نہیں ہے بلکہ وہ سبق ہیں جو اس قصے سے ملتے ہیں۔

(۱) اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ ایک مومن کو کسی حال میں حق سے منہ موڑنے اور باطل کے آگے سر جھکانے کے لئے تیار نہ ہونا چاہیئے۔

(۲) اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ مومن کا اعتماد دنیا کے اسباب پر نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ پر ہونا چاہیئے۔

(۳) اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جس عام عادت کو لوگ قانون فطرت سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اس قانون کے خلاف دنیا میں کچھ نہیں ہوسکتا، اللہ تعالےٰ درحقیقت اس کا پابند نہیں ہے۔ وہ جب اور جہاں چاہے اس عادت کو بدل سکتا ہے اُسکے لئے یہ کوئی بڑا کام نہیں ہے کہ کسی کو دو چار سو برس تک میٹھی نیند سُلا کر اس طرح اُٹھا دے جیسے کہ وہ چند گھنٹے سویا ہو۔ اور اس طویل عرصہ میں اُسکی عمر، شکل، صورت، لباس، تندرستی غرض کسی پر بھی کچھ تغیر نہ آنے پائے۔

(۴) اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ نوع انسانی کی تمام اگلی پچھلی نسلوں کو بیک وقت زندہ کر کے اٹھا دینا جس کی خبر انبیاء کرام اور آسمانی کتابوں نے دی ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بھی بعید نہیں ہے۔

(۵) اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جاہل انسان کسی طرح ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو اپنے لئے نصیحت و عبرت بنانے کے بجائے اُلٹا گمراہی کا سامان بناتے رہے ہیں۔ اصحاب کہف کا جو معجزہ اللہ تعالیٰ نے اس لئے دکھایا تھا کہ لوگ اس سے آخرت کا یقین حاصل کریں اور مرنے کے بعد جی اُٹھنے پر دلیل حاصل کریں۔ لیکن انھوں نے اسی نشان کو یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ اور ولی پُوجنے کے لئے عطا کئے ہیں۔ (چنانچہ اولیاء اللہ اصحاب کہف کی اس جماعت کو مشرکین نے خدائی روپ دے لیا) یہ ہیں وہ اسباق جو آدمی کو اس قصّے سے لینا چاہئیں۔

ان سے توجہ ہٹا کر اس کھوج میں لگ جانا کہ اصحاب کہف کتنے تھے؟ اور ان کے نام کیا تھے؟ اِن کا کتّا کس رنگ کا تھا؟ ان امور میں غور کرنا اُن لوگوں کا کام ہے جو مغز کو چھوڑ کر صرف چھلکوں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے واسطے سے اہل ایمان کو یہ تعلیم دی گئی کہ آپ اِن غیر ضروری باتوں میں نہ اُلجھیں نہ انکی تحقیق میں اپنا وقت ضائع کریں۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کی صحیح تعداد بیان نہیں فرمائی تاکہ شوقِ فضول رکھنے والوں کو غذا نہ ملے۔

اُلٹا مفہوم

اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا۔ الخ (آیت ۲۱)

وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جبکہ اُس زمانے کے لوگ اُن اصحاب کہف کے معاملہ میں باہم جھگڑ رہے تھے سو اُن لوگوں نے یہ کہا کہ اُن کے پاس کوئی عمارت بنوا دو، اُن کا رب اُن کو خوب جانتا تھا جو لوگ اپنے کام پر

غالب تھے (اہلِ حکومت) اُنھوں نے کہا کہ ہم تو اُن کے پاس ایک مسجد بنادیں گے (حقیقتاً یہی اسلامی مزاج ہے)

مسلمانوں میں بعض لوگوں نے قرآن حکیم کی اِس آیت کا بالکل اُلٹا مفہوم لیا ہے۔ یہ لوگ اس آیت کو دلیل ٹھیرا کر اولیاء اللہ کے قبور پر عمارتیں بنانا اور گنبد و قبے مساجد بنانا جائز قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہاں قرآن حکیم اُن کی اسی گمراہی کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جو نشانی اِن منکرین آخرت کو آخرت کا یقین دلانے کے لئے دکھائی گئی تھی اُسے انھوں نے ارتکابِ شرک کیلئے ایک خدا داد موقع سمجھا اور خیال کیا کہ چلو کچھ اور ولی پوجا پاٹ کے لئے ہاتھ آ گئے۔ اِسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ۔

آخر اس آیت سے قبور صالحین پر تعمیرات بنانا اور انکو عبادت گاہ بنا لینا کیسے ثابت ہوتا ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں واضح ہدایات دی ہیں :-

لَعَنَ اللّٰہُ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْھَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، احمد)

اللہ نے لعنت فرمائی ہے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں پر مساجد بنانے اور چراغ روشن کرنے والوں پر۔

اَلَا وَاِنَّ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ کَانُوْا یَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِھِمْ مَسَاجِدَ فَاِنِّیْ اَنْھٰکُمْ عَنْ ذٰلِکَ۔ (مسلم)

خبردار رہو، تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیتے تھے، میں تم کو اس حرکت سے منع کرتا ہوں۔

لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِھِمْ مَسَاجِدَ (بخاری، مسلم، نسائی، احمد)

اللہ نے لعنت کی ہے یہود اور نصاریٰ پر، اُنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنالیا۔

اِنَّ اُولٰٓئِکَ اِذَا کَانَ فِیْھِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلٰی قَبْرِہٖ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوْا فِیْہِ تِلْکَ الصُّوَرَ اُولٰٓئِکَ شِرَارُ الْخَلْقِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ (بخاری، مسلم، نسائی، احمد)

اِن لوگوں (یہود و نصاریٰ) کا حال یہ تھا کہ اگر اِن میں کوئی
مردِ صالح ہوتا تو اُسکے مرنے کے بعد اُسکی قبر پر مسجد بناتے اور اُسکی
تصویریں تیار کرتے تھے۔ یہ لوگ قیامت کے دن بدترین مخلوق ہونگے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِن واضح تصریحات کے بعد وہ یہودی یا نصرانی ذہن ہی ہوگا جو اس گمراہ فعل کو قرآن کی اس آیت سے حجت و دلیل قرار دے۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

علمی لطیفہ:۔

اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں قرآن حکیم نے کوئی واضح تعداد بیان نہیں فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں لوگوں کے اندازے اور تخمین نقل کئے ہیں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا۔ بعضوں نے چار کہا اور پانچواں کُتا۔ بعضوں نے پانچ کہا اور چھٹا ان کا کتا۔ اور بعض نے سات کہا اور آٹھواں ان کا کُتا۔ اس لئے مفسرین نے قطعی تعداد کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے لیکن عام طور پر سات عدد نقل کیا گیا ہے۔

اصحاب کہف کے سات عدد ہونے کے متعلق تفسیر مدارک میں ایک لطیفہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

جب وہ نوجوان سوکر اُٹھے ہیں تو اس قصہ میں ارشاد ہے
"قَالَ قَآئِلٌ" (اُن کے ایک نے کہا) یہ تو ایک ہوا آگے "قَالُوْا لَبِثْنَا" یہ تین ہوئے کیونکہ جمع کا لفظ کم از کم تین پر صادق آتا ہے۔ پھر آگے "قَالُوْا رَبُّکُمْ" آیا ہے۔ یہ اور تین ہوئے۔ اور ظاہری کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ قائلین قول مختلف ہیں۔ لہٰذا جملہ تعداد سات ہوگئی۔
مفسر بیان القرآن لکھتے ہیں کہ یہ کوئی مستقل دلیل نہیں ہوسکتی البتہ مؤید دلیل بن سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

غار والوں کے چند اور تذکرے

چونکہ دینِ مسیحی میں رہبانیت (ترکِ دنیا)

کو دین کا بہت مقدس کام سمجھا گیا ہے اور اسی طرح ہر زمانے میں ظالم بادشاہوں کے خوف سے اپنے دین کو چھپانے یا باقی رکھنے کے لئے بعض لوگوں نے غاروں اور پہاڑوں میں پناہ لی ہے۔ اس لئے ہر ملک میں ایسے متعدد واقعات پیش آئے ہیں جہاں بعض لوگ عبادتِ الٰہی کے لئے غاروں اور پہاڑوں میں اپنی عمریں گزار دیں ہیں۔

اب جہاں جہاں ایسا کوئی واقعہ پیش آیا ہے اس پر مؤرخ کو اصحاب کہف کا گمان ہو گیا جسکی وجہ سے اصحاب کہف کی تعداد اور محل وقوع کے بارے میں مختلف مقامات نقل کر دیئے گئے ہیں۔

امام تفسیر قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں چند واقعات جو کچھ تو سماعی ہیں اور چند چشم دید بھی نقل کئے ہیں جو مختلف شہروں سے متعلق ہیں۔

پہلا واقعہ امام ضحاکؒ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رقیم روم کے ایک شہر کا نام ہے جس کے ایک غار میں اکیس آدمی لیٹے ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سو رہے ہیں۔

دوسرا واقعہ امام تفسیر ابن عطیہ رح سے نقل کیا ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں سے سنا ہے کہ ملک شام میں ایک غار ہے جسمیں چند مُردہ لاشیں ہیں۔ وہاں کے مجاورین کا کہنا ہے کہ یہی لوگ اصحاب کہف ہیں۔ اس غار کے پاس ایک مسجد اور مکان کی تعمیر بھی ہے جسکو رقیم کہا جاتا ہے اور اِن مردہ لاشوں کے ساتھ ایک مُردہ کتے کا ڈھانچہ بھی موجود ہے۔

تیسرا واقعہ شہر اُندلس (غرناطہ) کا نقل کیا ہے۔ امام تفسیر ابن عطیہؒ کہتے ہیں کہ غرناطہ میں لَوشہ نامی گاؤں کے قریب ایک غار ہے جسمیں کچھ مُردہ لاشیں ہیں اور اُن کے ساتھ ایک مُردہ کتے کا ڈھانچہ بھی موجود ہے۔ اِن میں اکثر لاشوں پہ گوشت

باقی نہیں رہا صرف ہڈیوں کے ڈھانچے ہیں اور بعض پر ابتک بھی گوشت پوست موجود ہے ان پر صدیاں گزر گئی ہیں۔

مگر صحیح سند سے اِن کا کچھ حال معلوم نہیں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہی اصحاب کہف ہیں۔ ابن عطیہؒ کہتے ہیں کہ یہ خبر سنکر میں خود ۵۰۴ھ میں وہاں پہنچا تو واقعی یہ لاشیں اسی حالت پر پائیں جیسا کہ میں نے سُنا تھا اور ان کے قریب ایک مسجد بھی ہے اور ایک رومی زمانے کی عمارت بھی ہے جسکو رقیم کہا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں یہ کوئی عالیشان محل ہوگا۔ اس وقت تک بھی اسکی بعض دیواریں صحیح وسالم ہیں اور یہ ایک غیر آباد جنگل میں ہے۔ اسکے بعد ابن عطیہؒ کہتے ہیں کہ غرناطہ (اندلس) کے بالائی حصہ میں ایک قدیم شہر کے آثار اور نشانات پائے جاتے ہیں جو رومیوں کے طرز کے ہیں۔ اس شہر کا نام رَقیُوس بتایا جاتا ہے ہم نے اسکے کھنڈروں میں بہت سے عجائبات اور قبریں دیکھی ہیں۔

امام قرطبیؒ جو اُندلس ہی کے رہنے والے ہیں ان تمام واقعات کو نقل کرنے کے بعد بھی کسی کو متعین طور پر اصحاب کہف قرار دینے سے گریز کرتے ہیں اور خود ابن عطیہؒ نے بھی اپنے چشم دید واقعات کے باوجود یقینی طور پر نہیں کہا کہ یہی لوگ اصحاب کہف ہیں۔ محض عام شہرت نقل کرتے ہیں جیسا کہ محتاط اہل علم کا طرز ہے۔

مگر دوسرے اُندلسی مفسر ابو حیان جو ساتویں صدی ہجری ۶۵۴ھ میں شہر غرناطہ ہی میں پیدا ہوئے، وہیں رہے بسے ہیں وہ بھی اپنی تفسیر بحر محیط میں غرناطہ کے اس غار کا اسی طرح ذکر کرتے ہیں جس طرح امام قرطبیؒ نے کیا ہے اور ابن عطیہؒ کے اپنے مشاہدہ کا تذکرہ لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ہم جب اُندلس میں تھے (یعنی قاہرہ منتقل ہونے سے پہلے) تو بہت لوگ اس غار کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اگرچہ یہ لاشیں ابتک موجود ہیں اور زیارت کرنے والے اُن کو

شمار بھی کرتے تھے۔ مگر ہمیشہ انکی تعداد بتانے میں اختلاف کرتے رہے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ابن عطیہؒ نے جس شہر رقیوس کا ذکر کیا ہے جو غرناطہ سے بجانب قبلہ واقع ہے میں اس شہر سے بے شمار مرتبہ گزرا ہوں اور اس میں بڑے بڑے غیر معمولی پتھر دیکھے ہیں اسکے بعد لکھتے ہیں :۔

ویترجح کون اهل الکهف بالاندلس لکثرة دین النصارٰی بها حتی هی بلاد مملکتهم العظمیٰ۔

(تفسیر بحر محیط ج ۶ ص ۱۰۳)

یعنی اصحاب کہف کے شہر اندلس میں موجود ہونے کی ترجیح کے لئے یہ بھی قرینہ ہے کہ وہاں نصرانیت کا غلبہ ہے۔ یہاں تک کہ یہی خطہ ان کی سب سے بڑی مذہبی مملکت ہے۔ (تفسیر قرطبیؒ ج ۹ ص ۳۵۶)

اس عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ مفسر ابو حیان اُندلسی کی رائے بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

چوتھا واقعہ

ابن ابی شیبہؒ، ابن منذرؒ، ابن ابی حاتم رحؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں ہم نے حضرت معاویہؓ کے ساتھ رومیوں کے مقابلہ میں ایک جہاد کیا جسکو غزوۃ المضیق کہتے ہیں اس موقع پر ہمارا گزر اُس غار پر ہوا جس میں اصحاب کہف ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ حضرت معاویہؓ نے ارادہ کیا کہ غار کے اندر جائیں اور اصحاب کہف کی لاشوں کا مشاہدہ کریں مگر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا مشاہدہ کرنے سے اُس ہستی کو منع فرمایا جو آپ سے بہتر تھی (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آپ کو اس طرح خطاب کیا ہے :۔

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا الآیۃ (کہف آیت ۱۸)

اگر آپ ان کو دیکھیں تو پیٹھ پھیر دیں اور رُعب وہیبت سے

مغلوب ہو جائیں۔

مگر حضرت معاویہؓ نے اسکے باوجود چند آدمیوں کو دیکھنے کیلئے روانہ کر دیا۔ وہ لوگ غار پر پہنچے مگر جب غار میں داخل ہونا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اُنپر ایک سخت ہوا بھیج دی جس نے اُن کو اندر جانے سے روک دیا۔

(روح المعانی ج ۱۵ ص ۲۲۷)

پانچواں واقعہ مملکت اُردن میں عمان کے قریب ایک سنسان جنگل میں ایک غار کا پتہ لگا تو حکومت کے محکمہ آثار قدیمہ نے ۱۹۶۳ء میں اس جگہ کھدائی کا کام جاری کیا اسمیں مٹی اور پتھروں کے ہٹانے کے بعد ہڈیوں اور پتھروں سے بھرے ہوئے چھ صندوق اور دو قبریں برآمد ہوئیں۔ غار کے جنوبی سمت میں پتھروں پر کندہ کچھ نقوش بھی دریافت ہوئے جو بزنطینی زبان میں ہیں۔ یہاں کے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہی جگہ رقیم ہے جس کے پاس اصحاب کہف کا یہ غار ہے۔ واللہ اعلم۔

الغرض یہ تمام تاریخی وجغرافیائی تفصیلات جو قدیم مفسرین کی روایات ہیں اِن سے نہ قرآن حکیم کی کسی آیت کا سمجھنا موقوف ہے اور نہ اس مقصد کا یہ کوئی ضروری حصہ ہیں جس کے لئے قرآن حکیم نے اِس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ پھر روایات وحکایات اور اِن کے آثار و قرائن اس درجہ مختلف ہیں کہ ساری تحقیق وتفتیش کے باوجود اس کا کوئی قطعی فیصلہ ممکن نہیں صرف ترجیحات اور رجحانات ہی ہو سکتے ہیں۔ بہرحال اتنا تخمینی طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ اصحاب کہف کا یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے قریب پیش آیا۔

ابن کثیرؒ نے اس سلسلے میں پُر از حقیقت ایک بات لکھ دی ہے جو غور کرنے کے قابل ہے :-

اللہ تعالےٰ نے ہمیں اصحاب کہف کے ان حالات کی خبر دی جن کا ذکر قرآن حکیم میں ہے تاکہ ہم اسکو سمجھیں اور ان میں تدبّر کریں اور

اس کی خبر نہیں دی کہ کہف کس زمین اور کس شہر میں ہے۔ کیونکہ اس میں نہ ہمارا کوئی فائدہ ہے اور نہ کوئی شرعی مقصد۔ (ابن کثیر ج ۳ ص۷۵)

سورہ کہف کی خصوصیات

حضرت ابو الدرداء رضی سے روایت ہے کہ جس شخص نے سورۂ کہف کی پہلی دس آیتیں حفظ کر لیں وہ دجّال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔

انہی سے ایک دوسری روایت میں یہی مضمون سورۂ کہف کی آخری دس آیات یاد کرنے سے متعلق منقول ہے۔

(مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، مسند احمد)

اور مسند احمد میں حضرت سہل بن معاذ رض سے یہ بھی منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص سورہ کہف کی پہلی اور آخری آیتیں پڑھ لے اسکے لئے اُس کے قدم سے سر تک ایک نور پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جو پوری سورت پڑھ لے تو اُس کے لئے زمین سے آسمان تک نور ہو جاتا ہے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کرلے اُسکے قدم سے لے کر آسمان کی بلندی تک نور ہو جائیگا جو قیامت کے دن روشنی دے گا اور پچھلے جمعہ سے اس جمعہ تک اسکے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔ (امام ابن کثیرؒ نے اس روایت کو موقوف قرار دیا ہے)

حافظ ضیاء مقدسیؒ نے اپنی کتاب مختارہ میں حضرت علی رض کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھ لے وہ آٹھ روز تک ہر فتنہ سے محفوظ رہے گا اور اگر دجّال نکل آئے تو یہ اُسکے فتنے سے بھی محفوظ رہے گا۔ (یہ سب روایات تفسیر ابن کثیر سے لی گئی ہیں)

اِنْشَاءَ اللّٰہ :-

سورہ کہف کے شانِ نزول میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جب مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا چرچا ہوا اور قریش مکہ اس سے پریشان ہوئے تو اُنھوں نے اپنے دو آدمی نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ طیبہ کے یہودی علمار کے پاس بھیجا تاکہ یہ معلوم کریں کہ تورات و انجیل میں ایسا کوئی ذکر موجود ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کی تصدیق کرتا ہو۔

علمار یہود نے اِن کو بتایا کہ تم لوگ اُس نبی سے تین سوالات کرو اگر انھوں نے صحیح جواب دیا تو سمجھ لو کہ وہ اللہ کے نبی و رسول ہیں اور اگر نہ دے سکے تو سمجھ لینا کہ یہ بات بنانے والے ہیں۔

ایک تو یہ سوال کہ اُن نوجوانوں کا کیا قصہ ہے جو قدیم زمانے میں اپنے شہر سے نکل گئے تھے اور غار میں اپنی زندگی گزاری۔

دوسرا سوال یہ کہ اُس شخص کا کیا حال ہے جس نے دنیا کے مشرق و مغرب اور تمام زمین کا سفر کیا ہے۔

تیسرا سوال یہ کہ روح کیا چیز ہے۔

چنانچہ یہ دونوں قریشی مکہ مکرمہ آئے، اور اپنی برادری سے کہا کہ ہم ایک فیصلہ کن بات لیکر آئے ہیں اور پھر اُن یہودی علمار کا قصہ سُنایا۔ آخر یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور یہ سوالات پیش کئے۔ آپ نے سنکر فرمایا کہ میں اس کا جواب کل دوں گا۔ مگر آپ اس وقت انشار اللہ کہنا بھول گئے۔ یہ لوگ لوٹ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے انتظار میں رہے تاکہ اِن کا جواب دیا جائے مگر وعدہ کے مطابق دوسرے دن تک وحی نہیں آئی اور نہ جبرئیل امین آئے۔ پندرہ دن اسی حالت پر گزر گئے۔ قریش مکہ نے مذاق اُڑانا شروع کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صورت حال سے رنج و غم پہونچا۔ پندرہ دن بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ پوری سورت کہف لیکر اترے اور تاخیر کی وجہ بھی بیان کر دی کہ آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے کا وعدہ کیا جائے تو اِنشار اللہ کہنا چاہیئے۔ چونکہ آپ نے انشار اللہ نہیں کہا تھا اس لئے وحی الٰہی میں تاخیر ہو گئی۔

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ۔ الآیۃ (کہف آیت ۲۳)

اصحاب کہف کے نام حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی صحیح حدیث میں اصحاب کہف کے نام موجود نہیں ہیں۔

تفسیری و تاریخی روایات میں مختلف نام بیان کئے گئے ہیں لیکن ان میں کچھ زیادہ مستحکم روایت وہ ہے جسکو طبرانی نے اپنی کتاب معجم اوسط میں حضرت ابن عباس رضؓ سے نقل کیا ہے۔ اُس میں انکے نام اس طرح بیان کئے گئے ہیں۔

مُکْسَلْمِینَا، تَمْلِیْخَا، مَرْطُوْنُسْ، سَنُوْنُسْ، سَارِیْنُوْنُسْ، ذُوْنُوَاس، کَعْسططیُوْنُسْ۔ واللہ اعلم۔

تذکرہ
قومِ سبا اور سیلِ عرم
اور
مآرب

قومِ سبا ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ "سبا" یمن کے بادشاہوں اور اس ملک کے باشندوں کا لقب ہے۔ تبابعہ (قوم تبع) جو اسکے مقتدا اور پیشوا تھے وہ بھی اسی قوم سبا سے تعلق رکھتے ہیں۔ ملکۂ بلقیس جس کا واقعہ حضرت سلیمان علیہ السّلام کے تذکرہ میں آچکا ہے وہ بھی اسی قوم سے تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر اپنے رزق کے دروازے کھول دیئے تھے اور اُنکے شہر میں آرام و آسائش کے تمام وسائل مہیا تھے۔ اِن کے عروج کا دور گیارہ سو برس قبل مسیح بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السّلام کے زمانے میں ایک دولت مند قوم کی حیثیت سے اس قوم کا شہرۂ آفاق پھیل چکا تھا۔ اسکی دولت و ثروت کے افسانے روم اور یونان کے ایوانوں میں رشک و حسرت سے سنے جاتے تھے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ لوگ سونے اور چاندی کے برتن استعمال کرتے تھے۔ ان کے مکانوں کی چھتوں دیواروں اور دروازوں تک میں سونے اور چاندی ہاتھی دانت حتیٰ کہ جواہرات کا کام ہوا ہوتا تھا ان کے سرسبز و شاداب باغات[1]، کھیتیاں اور مواشی ملک کا بیش بہا سرمایہ تھا۔ یہ لوگ عیش پسندی میں جلانے کی لکڑی کے بجائے دارچینی، صندل اور دوسری خوشبو دار لکڑیاں جلاتے تھے۔ اُنھوں نے تاریخ میں پہلی بار شہر صنعاء کے بلند پہاڑی مقام پر ایک فلک بوس عمارت تعمیر کی جو "قصر غُمدان" کے نام سے صدیوں تک مشہور رہی ہے۔ عرب مؤرخین کا بیان ہے کہ اسکی ۲۰ منزلیں تھیں اور ہر منزل ۳۶ فٹ بلند تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انکو اپنے انبیاء کے ذریعہ توحید اور اپنے احکام کی اطاعت کے ذریعہ نعمتوں کے شکر کرنے کا حکم دیا تھا۔ ایک مدت تک یہ لوگ اسی حال پر قائم رہے۔ پھر اِن میں عیش و عشرت نے

---

[1] قرآن حکیم کی تعبیر کے مطابق ہر طرف باغ ہی باغ نظر آتا تھا۔

غفلت وانکار پیدا کر دیا اللہ تعالیٰ نے اِن کی تنبیہ کے لئے مزید تیرہ اور پیغمبر بھیجے جنھوں نے ان کی فہمائش کی اور راہ راست پر لانے کی پوری کوشش کی مگر یہ لوگ اپنی بے ہوش غفلت سے باز نہ آئے۔ آخراِن پر سیلاب کا عذاب بھیجا گیا جس نے ان کے شہر اور باغات کو ویران کر دیا۔

امام احمدؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ قرآن میں جس سَبا کا ذکر ہے یہ کسی مرد یا عورت کا نام ہے یا زمین کے کسی خطہ کا نام ہے؟

آپؐ نے ارشاد فرمایا یہ ایک مرد کا نام ہے جس کی اولاد میں دس لڑکے ہوئے ہیں جن میں سے چھؔ یمن میں آباد رہے اور چار ملک شام چلے گئے۔ یمن میں رہنے والوں کے نام یہ ہیں:۔

مُذحِج، کِندَہ، اَزْد، اَشعری، اَنمار، حِمْیر (ان چھ لڑکوں سے چھؔ قبیلے بنے جو انہی مذکورہ ناموں سے معروف ہیں)

اور شام میں بسنے والوں کے یہ نام ہیں:۔

لَخَم، جُذام، عَامِلَہ، غسّان (انکی نسل کے قبائل انہی ناموں سے مشہور ہوئے)

(مسند احمد، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن عبدالبر، ترمذی)

ابن کثیرؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ دسؔ لڑکے سبا کے صلبی اور بلا واسطہ بیٹے نہیں تھے بلکہ سبا کی دوسری یا چوتھی نسل میں یہ لوگ ہوئے ہیں پھر انکے قبیلے شام و یمن میں پھیلے اور انہی ناموں سے مشہور ہوئے۔ سبا کا اصلی نام عبدشمس تھا شجرہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

سَبا عبدشمس بن یشخب بن یَعْرُب بن قحطان۔

مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ سبا عبدشمس نے اپنے زمانے میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اپنی قوم کو سنائی تھی۔ ممکن ہے اسکو اس بات کا علم قدیم کتابوں تورات یا انجیل سے حاصل ہوا ہو جنمیں آپؐ کی علامات اور تشریف آوری کے تذکرے موجود تھے۔ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کی شان میں اس نے چند اشعار بھی کہے ہیں جن میں آپکی بعثت کا ذکر کر کے یہ تمنا ظاہر کی ہے کہ کاش میں اُن کے زمانے میں ہوتا تو اُنکی بھرپور مدد کرتا اور اپنی قوم کو اُن پر ایمان لانے کی تلقین کرتا۔

اور حدیث میں یہ جو مذکور ہے کہ سبا کے دس لڑکوں میں سے چھ یمن میں آباد ہوئے اور بقیہ چار ملک شام میں چلے گئے۔ یہ واقعہ اِن پر سیلاب کا عذاب آنے کے بعد کا ہے۔ (ابن کثیر)

امام قرطبیؒ نے نقل کیا ہے کہ قوم سبا پر سیلاب کا عذاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی زمانے میں آیا تھا جسکو زمانہ فَترت کہا جاتا ہے۔

ابن کثیرؒ نے اس سیلاب کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:۔

سیلِ عرم اور سدّ مآرب

سیل کے معنی سیلاب اور عرم کے معنی بند کے ہیں جو پانی روکنے کے لئے بنایا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہی معنی منقول ہیں۔

یمن کے موجودہ دارالحکومت صنعاء سے تین منزل کے فاصلہ پر ایک شہر مآربؔ نامی تھا جسمیں قوم سبا رہتی تھی۔ یہ شہر دو پہاڑوں کے درمیان وادی میں آباد تھا اور ہمیشہ سیلابوں کی زد میں رہتا تھا ملکہ بلقیس نے اِن دو پہاڑوں کے درمیان ایک بند نہایت مستحکم تعمیر کر دیا تھا۔ اس بند نے پہاڑوں کے درمیان سے آنے والے سیلابوں کو روک کر پانی کا ایک عظیم الشان ذخیرہ بنا دیا تھا۔ بارش کا پانی بھی اسمیں جمع ہونے لگا۔ اس بند سے پانی نکالنے کے لئے تین بڑے دروازے رکھے گئے تھے تاکہ یہ ذخیرۂ آب انسانی ضرورت کے علاوہ باغات اور آب پاشی کے لئے کام آسکے۔

بند کے نیچے ایک بہت بڑا تالاب تعمیر کیا گیا تھا جس سے پانی کی بارہ نہریں شہر کے اطراف واکناف چلتی تھیں۔ شہر کے داہنے

اور بائیں جو دو پہاڑ تھے اِن کے کناروں پر باغات لگائے گئے تھے جن میں پانی کی نہریں جاری تھیں ان باغوں میں ہر طرح کے درخت اور ہر قسم کے پھل اس کثرت سے پیدا ہوتے تھے کہ بعض ائمہ سلف جیسے امام قتادہؒ وغیرہم سے مروی ہے کہ اِن باغوں میں اگر ایک عورت اپنے سر پہ خالی ٹوکری لیکر چلتی تو درختوں سے ٹوٹ کر گرنے والے پختہ پھلوں سے وہ ٹوکری خود بخود بھر جاتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے ذریعہ اس قوم کو یہ حکم دیا تھا کہ اللہ کے اس رزق سے خوب کھاؤ پیو اور اسکی شکر گزاری میں احکام الٰہیہ کی پابندی کرو اللہ نے تمہارے لئے اس شہر کو "بَلْدَۃٌ طَيِّبَۃٌ" پاکیزہ شہر بنایا ہے۔ جسمیں سردی وگرمی کا بھی اعتدال تھا۔ موذی جانوروں سے بھی یہ شہر پاک تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ایسی وسیع نعمتوں اور انبیاء علیہم السلام کی مسلسل تنبیہات کے باوجود اس قوم نے سرکشی اور روگردانی بدستور باقی رکھی تو اُن پر سیلِ عَرِم چھوڑ دیا گیا۔ عَرِم اُس بند (ذخیرۂ آب) کا نام تھا جس پر شہر مآرب کی خوشحالی کا انحصار تھا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آفت ومصیبت بنا دیا۔ آخر بند کا تمام پانی پوری وادی میں پھیل گیا۔ شہر مآرب کے تمام مکانات منہدم ہوگئے۔ درخت و باغات تباہ ہوگئے۔ کھیتیاں بہہ گئیں، انسانی آبادی سیلاب کی نذر ہوگئی۔ پھر اللہ نے وہاں ان کے بے شمار پھلوں اور درختوں کے بدلے ایسے درخت اُگا دیئے جن کے پھل بدمزہ تھے اور خار دار تھے۔ قرآن حکیم نے اِن درختوں کے لئے تین لفظ استعمال کئے ہیں۔

خَمْطٍ، اَثْلٍ، سِدْرٍ

خمط ہر ایسے درخت کو کہا جاتا ہے جو خار دار بھی ہو اور کڑوا بھی، اور اَثل جھاؤ کے درخت کو کہتے ہیں جسپر کوئی پھل کھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ بعضوں نے اس کا ترجمہ ببول اور کیکر کا درخت کیا ہے۔ سِدر کے معنی بیری کے ہیں۔ یہ دو قسم کی ہوتی ہے ایک وہ جو باغات میں اہتمام سے

لگائی جاتی ہے۔ اس کا پھل خوش ذائقہ ہوتا ہے اور اسکے درخت میں کانٹے کم اور پھل زیادہ ہوتے ہیں۔ دوسری قسم جنگلی بیری کی ہے جو خودرو ہوتی ہے اسمیں کانٹے زیادہ اور پھل کم ہوتے ہیں اور بدمزہ ہوتی ہے۔ آیت مذکورہ میں یہی دوسری قسم مراد ہے۔ لفظ سِدْرٍ کے ساتھ قلیل کا لفظ بھی مذکور ہے جو اسی جانب اشارہ کر رہا ہے۔

قرآن حکیم نے یہ بات بھی نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کی ہے کہ یہ سزا اُنھیں ناشکری اور انکار کی وجہ سے دی گئی۔ نعمت جسقدر بڑی ہوتی ہے شکر گزاری بھی اُتنی ہی بڑی چاہتی ہے اور اس کا انکار بھی بڑے عواقب و نتائج پیدا کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص بھی اللہ تعالےٰ کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے وہ گویا زبانِ حال سے یہ کہتا ہے کہ الٰہی! میں اِن نعمتوں کا مستحق نہیں ہوں۔ اسی طرح جو قوم اللہ تعالےٰ کے فضل سے غلط فائدہ اُٹھاتی ہے وہ گویا اپنے رب سے دُعا کرتی ہے کہ پروردگار یہ نعمتیں ہم سے سلب کرلے کیونکہ ہم اِن کے قابل نہیں ہیں۔ نعوذ باللہ منہٗ۔

اس طرح اللہ تعالےٰ کے غضب نے اس قوم کو انتہائی عروج سے گرا کر اُس گڑھے میں پھینک دیا جہاں سے پھر کوئی مغضوب قوم کبھی سر نہیں نکال سکی ہے۔

قرآنی مضمون

قرآن حکیم نے اس عبرتناک واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے:۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ الخ

(سبا آیات ۱۵ تا ۲۱)

سبا کے لئے اُن کے اپنے مسکن ہی میں ایک نشانی موجود تھی۔ دو باغ دائیں اور بائیں۔ کھاؤ اپنے رب کا دیا ہوا رزق اور شکر بجالاؤ اُس کا۔ ملک ہے عمدہ و پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشش والا۔

مگر وہ منہ موڑ گئے، آخرکار ہم نے اُن پر بند توڑ سیلاب بھیج دیا اور ہم نے اُن کے دو باغوں کی جگہ دو ایسے باغ بدل دیئے جن کے

کڑوے کسیلے پھل اور جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ تھوڑی سی بیریاں۔ یہ تھا اُن کے کفر کا بدلہ جو ہم نے اُن کو دیا اور ناشکرے انسان کے سوا ایسا بدلہ ہم اور کسی کو نہیں دیتے۔

اور ہم نے اُن کے اور اُن بستیوں (ملک شام) کے درمیان جن کو ہم نے برکت عطا کی تھی نمایاں بستیاں بسا دی تھیں اور اُن میں سفر کی مسافتیں ایک اندازے پر رکھ دی تھیں، چلو پھرو اِن راستوں میں رات دن پورے امن کے ساتھ، مگر اُنھوں نے کہا اے ہمارے پروردگار ہمارے سفر کی مسافتیں لمبی کر دے۔ اُنھوں نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا۔ آخر کار ہم نے انھیں افسانہ بنا کر رکھ دیا اور اُنھیں بالکل پارہ پارہ کر دیا۔ یقیناً اسمیں نشانیاں ہیں ہر اُس کے لئے جو بڑا صابر و شاکر ہو۔

اُن کے معاملہ میں ابلیس نے اپنا گمان صحیح پایا پس انھوں نے اُسی کی پیروی کی بجز ایک تھوڑے سے گروہ کہ جو مومن تھا۔

ابلیس کو اُن پر کوئی اقتدار حاصل نہ تھا مگر جو کچھ ہوا وہ اس لئے ہوا کہ ہم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کون آخرت کا ماننے والا ہے اور کون اس کی طرف سے شک میں پڑا ہوا ہے اور تیرا رب ہر شئے پر نگران ہے۔

نتائج و عبر

قرآنی تذکیر:-

اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب قرآن عظیم میں وعظ و نصیحت کے عموماً چار طریقے استعمال کئے ہیں۔ حسب موقع و محل انہی چاروں میں سے ایک طریقہ عبرت و نصیحت کے لئے اختیار فرمایا ہے۔

(۱) تذکیر بآلاء اللہ۔

یعنی اللہ کی نعمتوں کو یاد دلاکر نصیحت کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جن نعمتوں کی ارزانی فرمائی ہے اُن کو یاد دلاکر اطاعت وانقیاد کی جانب توجہ دلائی گئی ہے۔

سورہ اعراف آیت ۶۹، ۷۴ میں ارشاد ہے :-

فَاذْكُرُوْا آلَاءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

فَاذْكُرُوْا آلَاءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔

پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔

(۲) تذکیر بایام اللہ۔

یعنی گزشتہ قوموں کے حالات بیان کر کے نصیحت وعبرت دلانا۔

جن قوموں نے اللہ تعالےٰ اور اُسکے رسولوں کی اطاعت وانقیاد کی اور دنیا وآخرت کی فلاح پائی۔ اُن کے تذکرے بیان کر کے انسانوں کو نصیحت کی گئی، یا جن قوموں نے سرکشی وبغاوت کی اور اُسکے نتیجے میں عذاب الٰہی کے مستحق ہوئے اُن کے تذکرے بیان کر کے عبرت دلائی گئی۔ سورہ ابراہیم میں اسی تذکیر کا ذکر کیا گیا ہے۔

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ (آیت ۵)

اے نبی ان کو نصیحت کیجئے قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ یاد دلاکر۔

(۳) تذکیر بآیات اللہ۔

یعنی اللہ کی نشانیاں دکھلاکر خالق کائنات کی ہستی اور اسکی وحدت کا اعتراف کروانا۔

سورۂ یوسف میں ارشاد ہے :-

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ (آیت ۱۰۵)

اور زمین اور آسمان میں اللہ کے بہت سے نشانات ہیں کہ جن پر وہ بے توجہی کے ساتھ گزر جاتے ہیں اور پروا بھی نہیں کرتے۔

(۴) تذکیر بما بعد الموت۔

یعنی عالمِ برزخ اور آخرت اور قیامت کے حالات سنا کر وعظ و نصیحت کرنا۔

سورۂ قٓ میں ارشاد ہے:۔

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ۔ (آیت ۴۵)

پس قرآن کے ذریعہ نصیحت کرو اُس شخص کو جو اللہ کی وعید یعنی بعد الموت کے عذاب سے ڈرتا ہے۔

قوم سبا کا یہ واقعہ تذکیر بایّام اللہ سے تعلق رکھتا ہے اور ہم کو یہ سبق دیتا ہے کہ جب کوئی قوم عیش و عشرت طاقت و ثروت کے گھمنڈ میں آکر نافرمانی اور سرکشی پر آمادہ ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ابتداءً اسکو مہلت دیتا ہے اور راہ راست پر لانے کے لئے اپنی حجّت کو آخری حد تک پورا کرتا ہے اسپر بھی اگر وہ قوم غفلت و بغاوت پر قائم رہتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا قانونِ مکافات آگے بڑھتا ہے اور ایسی بد بخت قوم کو پارہ پارہ کر دیتا ہے اور اس قوم کی تباہی تاریخ کی ایک داستان بن کر رہ جاتی ہے۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ۔ (النمل آیت ۶۹)

اے نبی آپ اُنھیں کہہ دیجئے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ مجرمین کا کیا انجام ہوا۔

باخبر حکمرانی اور قیامت:۔

قوم سبا کا یہ قصہ اس حقیقت کو ذہن نشین کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانونِ مکافات اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ دنیا کا یہ نظام کوئی اندھے کی لاٹھی نہیں جو اندھا دھند

جس کو چاہے لگ جائے۔ بلکہ اس پر ایک سننے و دیکھنے والے اللہ عزوجل کی فرمانروائی ہے جو شکر کی راہ اختیار کرنے والوں کے ساتھ ایک معاملہ کرتا ہے اور ناشکری کی راہ چلنے والوں کے ساتھ بالکل ہی دوسرا معاملہ کرتا ہے۔ کوئی سبق لینا چاہے تو اسی تاریخ سے یہ سبق لے سکتا ہے کہ جس حکیم مطلق کی سلطنت کا یہ مزاج ہے اُسکی حکومت میں نیکی اور بدی کا انجام کبھی یکساں نہیں ہوسکتا۔ اسکے عدل و انصاف کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ ایک وقت ایسا آئے جب نیکی کا پورا اجر اور بدی کا پورا بدلہ دیا جائے اور یہی دن قیامت کا ہوگا۔

بگڑے انسانوں کے نرالے طور طریق :-

قوم سبا کے دارالسلطنت مآرب سے ملک شام و فلسطین تک شاہراہ عام پر یہ اللہ تعالٰی نے سینکڑوں بستیاں قائم کردی تھیں۔ یہ بستیاں بہت زیادہ فاصلہ پر نہ تھیں بلکہ متصل تھیں۔ ایک بستی کے آثار ختم ہونے کے بعد دوسری بستی کے آثار نظر آنے لگتے تھے۔ سفر کی مسافتوں کو اللہ تعالٰی نے اپنے حکیمانہ اندازے نے اس طرح قائم فرمادیا تھا کہ ایک مسافر کو اتنے دُور دراز کا سفر طے کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی تھی وہ رات دن مسلسل چلنے کے باوجود کوئی تھکن یا تکلیف محسوس نہیں کرتا تھا۔ اس کے علاوہ جا بجا مسافر خانے، سایہ دار درخت، میٹھے پانی کے چشمے، پھل دار درخت اتنی کثرت سے تھے کہ ایک مسافر کو درمیان راہ کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ یہ سب اللہ تعالٰی کے خاص انعامات تھے جو اس قوم کو میسّر تھے لیکن اس قوم نے ان نعمتوں پر اللہ تعالٰی کا شکر ادا کرنے کے بجائے بنی اسرائیل کی طرح ناک بھوں چڑھا کر یہ کہنا شروع کردیا کہ یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ انسان سفر کے ارادے سے گھر سے نکلے تو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ حالتِ سفر میں ہے یا اپنے گھر میں۔ وہ بھی کیا خوش نصیب انسان ہیں جو ہمت مردانہ کے ساتھ سفر کی ہمہ قسم تکالیف اُٹھاتے، پانی اور غذا کے لئے بے چین ہوتے۔ اس طرح اسباب راحت و آرام کے مہیّا نہ ہونے کی وجہ سے لذّتِ سفر کا ذائقہ چکھے، اے کاش ہمارا سفر بھی ایسا ہی ہو جائے۔ ہمارے سفر کی مسافتیں دراز ہو جائیں تاکہ ہم دُوری منزل کا لُطف اُٹھا سکیں، لُطف تو اسی میں ہے کہ کہیں زاد راہ ختم ہوگیا۔ کہیں پیاس ہے، کہیں چوروں کا اندیشہ اور کہیں منزل کا اشتیاق۔

قرآن حکیم نے انکی اس تمنا کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا الآیۃ (سبا آیت ۱۹)

اے ہمارے رب ہمارے سفر کی مسافتیں لمبی کر دے۔

یہ دعا انھوں نے اپنی ظاہری زبان سے کی ہو یا زبانِ حال سے، حقیقت یہ ہے کہ بگڑے انسانوں کے طور طریقے نرالے ہوتے ہیں جو شخص بھی اللہ تعالےٰ کی دی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے وہ گویا زبانِ حال سے یہ کہتا ہے الٰہی! میں اِن نعمتوں کا مستحق نہیں ہوں۔ اور اسی طرح جو قوم اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے غلط فائدہ اُٹھاتی ہے۔ وہ گویا اپنے رب سے یہ دُعا کرتی ہے کہ اے پروردگار یہ نعمتیں ہم سے سلب کرلے کیونکہ ہم اسکے قابل نہیں ہیں۔ قوم سبا کا بھی یہی حال تھا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کا غلط فائدہ اُٹھایا۔

ابلیس کے بال و پَر:۔

قوم سبا کی بے راہ روی اور اُن کا پورے طور پر گمراہ ہوجانا ایک ایسا حادثہ تھا جس نے ابلیس کے گمان کو صحیح کر دکھایا۔ کیونکہ ابلیس نے راندۂ درگاہ ہوتے وقت یہ گمان کیا تھا کہ میں آدم کی ذریت کو گمراہ کر دوں گا اور ان کو گمراہ کرنے کے لئے ہر چار سمت سے حملہ کر دوں گا۔

اس کا یہ گمان صحیح نکلا اور قوم سبا اسی کی راہ چلے بجز چند ایمان داروں کے جو حق پر قائم رہے۔ اسکے بعد اللہ تعالےٰ نے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ ابلیس کو ایسا کوئی اقتدار نہیں دیا گیا ہے جو بنی آدم پر نافذ ہوکر ہی رہے۔ وہ صرف وسوسہ یا ترغیبات ہی دے سکتا ہے۔ اُسکو یہ قدرت حاصل نہیں کہ کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا ارادہ کرے اور وہ اسکو زبردستی ہاتھ پکڑ کر نافرمانی کی راہ پر کھینچ لائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسکو جو کچھ بھی اختیار دیا ہے وہ صرف اسی حد تک ہے کہ وہ انسانوں کو بھکائے اور ایسے تمام لوگوں کو اپنے پیچھے لگالے جو خود اُسکی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔

اور اغوا کے یہ مواقع ابلیس کو اس لئے دیئے گئے ہیں تاکہ آخرت کے ماننے والوں اور اسکی آمد میں شک کرنے والوں کا فرق کُھل جائے کہ کون آخرت کا یقین رکھتا ہے اور کون اس سے غافل ہے۔

قرآن حکیم نے ابلیس کی اس قوتِ بازو کو اس طرح بیان ہے :-

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ الخ

(سبا آیت ۲۰ ، ۲۱)

قوم سبا کے معاملہ میں ابلیس نے اپنا گمان صحیح پایا اور انہوں نے اُسی کی پیروی کی بجز ایک تھوڑے سے گروہ کے جو مومن تھا۔

ابلیس کو ان پر کوئی اقتدار حاصل نہ تھا مگر جو کچھ ہوا وہ صرف اس لئے ہوا کہ ہم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کون آخرت کا ماننے والا ہے اور کون اُسکی طرف سے شک میں پڑا ہوا ہے اور تیرا رب ہر چیز پر نگراں ہے۔ دوسرے الفاظ میں شیطان ابلیس کی قوتِ بازو کو اس آیت میں اسطرح بیان کیا گیا کہ وہ گمراہ کرنے میں بے قوت و بے طاقت ہے۔ اسکو ایسا کوئی اقتدار نہیں دیا گیا کہ وہ انسانوں کو گمراہ کر دے اور راہِ حق سے دور کر دے۔ وہ صرف ترغیبات اور وسوسے بُرائی کے مواقع فراہم کرتا ہے اور مکر و فریب کے ذریعہ بُرائی کے قریب لے آتا ہے۔ شیطان کی قوتِ بال و پر کو قرآن حکیم نے خود اُسکی زبان سے اس طرح ادا کروایا ہے۔

وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ الخ (ابراہیم آیت ۲۲)

اور جب قیامت میں تمام مقدمات کا فیصلہ ہو جائیگا (یعنی اہل ایمان جنت میں اور کفار جہنم میں بھیج دیئے جائیں گے) تو (سب اہل جہنم شیطان کے پاس جو جہنم ہی میں کہیں پڑا ہوگا جا کر ملامت کریں گے (کہ کمبخت تو تو ڈوبا ہی تھا ہم کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبا اُس وقت شیطان جواب میں) کہے گا مجھ پر تمہاری ملامت ناحق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تم سے جتنے وعدے کئے تھے سب سچے وعدے کئے تھے (کہ قیامت ہوگی کفر سے ہلاکت ہوگی اور ایمان سے نجات ہوگی) اور میں نے بھی تم سے کچھ وعدے کئے تھے (کہ قیامت نہ ہوگی اور تمہارا عمل بھی تم کو

نجات دے گا وغیرہ وغیرہ)

سو میں نے وہ وعدے جھوٹے کئے تھے اور میرا تم پر اور کچھ تو زور چلتا نہ تھا سوائے اسکے کہ میں نے تم کو صرف دعوت دی تھی اور تم نے اپنے اختیار سے میرا کہنا مان لیا (اسمیں میرا کیا زور تھا) لہذا تم مجھ پر ملامت نہ کرو (قصور تمہارا ہی ہے) تم خود اپنے آپ پر ملامت کرلو اب نہ تو میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں اور نہ تم میری مدد کرسکوگے۔ میں خود تمہارے اس عمل سے بیزار ہوں کہ تم اس سے پہلے دنیا میں مجھکو اللہ تعالےٰ کا شریک قرار دیتے تھے۔ یقیناً ظالموں کے لئے دردناک عذاب مقرر ہے۔

نیز قرآن حکیم نے اس حقیقت کا بھی اظہار کیا ہے کہ شیطان کی پیروی صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو عقیدۂ آخرت سے غافل ہیں یا پھر وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ کیونکہ عقیدۂ آخرت ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو اللہ اور اُسکے رسول کی بتائی ہوئی تعلیمات پر قائم رکھ سکتی ہے۔ کیونکہ جو شخص یہ یقین رکھتا ہے کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔ تو وہ لازماً شیطان کی راہ پر نہیں چل سکیگا۔ اس لئے شیطان کا سب سے بڑا حربہ یہی ہوتا ہے کہ انسان کو آخرت سے غافل کردے۔ اور دنیا میں جو بھی گمراہ ہوا ہے وہ اسی وجہ سے کہ وہ یا تو آخرت کا منکر تھا یا وہ اس بارے میں شک کرتا تھا۔

قرآن حکیم نے قوم سبا کی آخرت فراموشی کو شیطان کے اسی حربہ کا سبب قرار دیا ہے کہ وہ انسان کو دنیا کی ترغیبات اور خواہشات کی ترغیب دیکر آخرت سے غافل کردیتا ہے۔

اب اس آیت کا ترجمہ پھر یکبار پڑھ لیجئے۔

ابلیس کو ان پر کوئی اقتدار حاصل نہ تھا مگر جو کچھ ہوا وہ اسلئے ہوا کہ ہم دیکھنا چاہتے تھے کہ کون آخرت کا یقین کرنے والا ہے اور کون اُس کی طرف سے شک میں پڑا ہوا ہے اور تیرا رب تو ہر چیز پر نگراں ہے۔

(سبا آیت ۲۱)

تذکرہ
اَصحابُ الاُخدُود (خندق والے)
اور
قومِ تُبَّع

اُخدُود اُخدود کے معنی گڑھے، کھائی خندق کے ہیں۔ یہ مفرد لفظ ہے جس کی جمع اخاوید آتی ہے۔

چونکہ زیر بحث واقعہ میں کافر بادشاہ اور اسکے ارکان سلطنت نے گڑھے کھدوا کر اور ان میں آگ دہکا کر عیسائی مؤمنین کو زندہ جلادیا تھا۔ اسی نسبت سے ان کافروں کو اصحاب اُخدود کہا گیا (خندق والے)

اَصحابُ الاُخدُود اور قرآنِ حکیم قرآن حکیم میں صرف ایک ہی جگہ (سورۂ بروج) میں اصحاب الاُخدود کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

قصص و واقعات کے سلسلے میں قرآن حکیم کا جو اسلوب خاص ہے اسی حد تک اس واقعہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے یعنی اس واقعہ کا صرف وہی حصہ بیان کیا گیا ہے جو رُشد و ہدایتِ انسانی کے لئے باعثِ عبرت تھا۔ باقی وہ تفصیلات جو محل وقوع اور زمانہ اور دیگر تاریخی امور سے تعلق رکھتی ہیں عمداً ترک کردی گئیں۔ کیونکہ اسکی وضاحتیں نصیحت و عبرت کے لئے ضروری نہیں تھیں۔

اصحاب الاخدود کے واقعہ میں مفسرین نے متعدد واقعات نقل کئے ہیں مگر ان میں دو واقعات زیادہ مشہور اور قابل اعتماد سمجھے گئے ہیں۔ امام احمد نے اپنی کتاب مُسند میں اور امام مُسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں، اسی طرح امام ترمذی اور امام نسائی نے اپنی اپنی کتابوں میں حضرت صہیب رومیؓ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ قصہ سنایا کہ گزشتہ زمانہ میں ایک بادشاہ تھا اسکے دربار میں

ایک جادوگر اس کا ہمنشیں تھا جسکی وہ عزت کیا کرتا تھا جب وہ بوڑھا ہوگیا تو بادشاہ سے اپنی ایک تمنا کا اظہار کیا کہ اب میں بوڑھا ہوگیا ہوں اور موت کا وقت قریب ہے۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ آپ ایک ایسے لڑکے کا انتخاب کریں جو ذہین اور فہیم ہونے کے علاوہ اعلےٰ خاندان سے بھی تعلق رکھتا ہو تا کہ میں اسکو اپنا یہ فن (جادوگری) سکھادوں۔ بادشاہ نے ایک ایسے ہی لڑکے کو اُسکے سپرد کردیا۔ اس لڑکے نے اس بوڑھے ساحر سے سحر کی تعلیم سیکھنا شروع کردیا۔ ہر روز یہ لڑکا جادوگر کے ہاں آیا کرتا تھا۔ درمیان راہ اسکو ایک راہب (حق پرست عیسائی عابد) کی کُٹی ملتی تھی جسکو جاتے آتے دیکھا کرتا تھا۔ ایک روز اس عابد کو عبادت کرتے دیکھا تو اسکی یہ عبادت لڑکے کو بہت پسند آئی اور وہ اسکی کٹی میں داخل ہوگیا اور راہب کے اخلاق و عادات سے متاثر ہوا۔ پھر ہر روز کچھ دیر کے لئے جاتے آتے اُس راہب سے ملنے لگا۔ اب جب دیر ہونے لگی تو ساحر اور بادشاہ مقررہ آمد و رفت میں تاخیر کرنے پر غصہ ہونے لگے۔ لڑکے نے راہب سے اس بات کی شکایت کی، راہب نے کہا کہ اس معاملہ کو پوشیدہ رکھنے کی صرف یہی صورت ہے کہ جب بادشاہ باز پرس کرے تو یہ عذر کردینا کہ جادوگر کے ہاں تاخیر ہوگئی اور جب جادوگر ناراض ہو تو کہدینا کہ بادشاہ کے پاس تاخیر ہوئی۔ غرض یہ سلسلہ عرصہ تک یونہی چلتا رہا اور لڑکا راہب سے دین و اخلاق سیکھتا رہا اور جادوگر کے ہاں بھی جاتا آتا رہا۔

ایک دن راہ میں ایک عجیب حادثہ پیش آیا ایک ہیبت ناک اور عظیم الجثہ درندہ لوگوں کی راہ روکے ہوئے ہے اور کسی کو یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ سامنے سے گزر جائے لڑکے کے دل میں خیال آیا کہ یہ بہترین وقت ہے اس بات کا کہ میں جانچ کروں آیا جادوگر کا مذہب سچا ہے یا راہب کا دین سچا ہے؟ یہ سوچ کر اُس نے ایک پتھر اُٹھایا اور دُعا کی الٰہی اگر تیرے نزدیک جادوگر کے مقابلہ میں راہب کا دین سچا ہے تو میرے اس پتھر سے اس جانور کو ہلاک کردے۔ یہ کہکر اُس نے درندے کو پتھر مارا۔ پتھر کا لگنا ہی تھا کہ وہ موذی اُسی وقت ہلاک ہوگیا اور لوگ راستہ پاگئے۔

پھر اُس لڑکے نے راہب سے سارا قصہ کہہ سنایا۔ راہب نے کہا صاحبزادے تم مجھ پر سبقت لے گئے ہو لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ تم کہیں آزمائش میں نہ ڈال دیئے جاؤ۔ اگر ایسا وقت آگیا تو خبردار میرا ذکر نہ کرنا اور نہ میرے ہاں آنے جانے کی کسی کو خبر کرنا۔ اور

تم صبر و استقامت کا دامن نہ چھوڑنا۔

اِدھر بہت جلد لوگوں میں لڑکے کی یہ کرامت اور جرأت مشہور ہوگئی اور یہ خیال عام ہوگیا کہ لڑکے کو عجیب وغریب علم حاصل ہے جسکے ذریعہ سے وہ بڑے بڑے کام انجام دے سکتا ہے اسپر لوگوں کا ہجوم ہوگیا پُرانے پُرانے مریض حتیٰ کہ اندھے اور جذامی آنے لگے لڑکا اللہ کا نام لے کر انھیں اچھا کر دیتا تھا۔

بادشاہ کا ایک درباری نابینا تھا اُس نے لڑکے کی جو شہرت سُنی تو بکثرت تحفے تحائف لیکر اُس کے پاس آیا اور بینا کر دینے کی درخواست کی، لڑکے نے کہا میرے ہاں کوئی طاقت نہیں شفا کا دینے والا اللہ واحد ہے اگر تم اسپر ایمان لے آؤ اور اُسکے سوا کسی کی پرستش نہ کرو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے لئے دُعا کروں گا اور اللہ تم تمہیں بینائی عطا کر دے گا۔ درباری یہ سنکر اللہ واحد پر ایمان لے آیا اور مسلمان ہوگیا' پھر لڑکے کی دُعا سے وہ بینا ہوگیا۔

دوسرے دن جب دربار میں آیا تو بادشاہ کو تعجب ہوا پوچھا کہ تجھ کو یہ بینائی کس طرح حاصل ہوئی ؟

درباری نے جواب دیا بادشاہ ! میرے رب نے مجھے شفا دی ہے۔

بادشاہ نے کہا تیرا رب تو میں ہوں، درباری نے جواب دیا نہیں ! بلکہ میرے اور تیرے اور کل جہاں کے رب نے شفا دی ہے۔ بادشاہ نے غصہ میں کہا کیا میرے سوا بھی تیرا کوئی رب ہے ؟

درباری نے کہا ہاں اے بادشاہ میرا اور تیرا رب وہ ہے جس نے زمین و آسمان اور کل کائنات کو پیدا کیا ہے۔

اسپر بادشاہ نے اُس درباری کو گرفتار کر کے طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ آخر کار ایک سخت آزمائش پر درباری نے لڑکے کا قصہ کہہ سنایا۔ بادشاہ نے لڑکے کو طلب کیا اور پوچھا بیٹا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو سحر کے ذریعہ اندھوں کو بینا اور جذامی کو شفا دیتا ہے ؟

لڑکے نے جواب دیا بادشاہ مجھ میں اتنی طاقت کہاں ؟ یہ تو اللہ واحد کے شفا دینے سے شفایاب ہوتے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا کیا میرے سوا بھی تیرا کوئی اِلٰہ ہے ؟

لڑکے نے جواب دیا وہ ذات جو واحد و یکتا ہے میرا اور تیرا دونوں کا رب ہے۔

پھر بادشاہ نے اُس کو بھی عذاب میں مبتلا کر دیا مجبور ہو کر اُس لڑکے نے راہب سے متعلق تمام واقعہ بیان کر دیا۔ بادشاہ نے راہب کو طلب کیا اور اُس کو مجبور کرنے لگا کہ وہ اپنے دین سے پھر جائے مگر راہب نے کسی طرح بھی یہ بات قبول نہ کی۔ آخر کار اُسکے سر پر آرہ چلوا دیا جس سے وہ شہید ہو گیا، اسکے بعد لڑکے کی جانب متوجہ ہوا کہ وہ بھی راہب کے دین سے پھر جائے لیکن لڑکے نے صاف صاف انکار کر دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اسکو کسی پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر وہاں سے گرا دیا جائے تاکہ اِس کا سر پاش پاش ہو جائے۔ جب سرکاری کارندے لڑکے کو پہاڑ پر لے کر چڑھے تو لڑکے نے دُعا کی الٰہی! تو ان لوگوں کے مقابلہ میں میری مدد فرما! چنانچہ اُسی وقت پہاڑ پر زلزلہ آگیا اور سرکاری کارندے گر گر کر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح و سالم بادشاہ کے سامنے حاضر ہو گیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تیرے ساتھ والے کہاں گئے؟ لڑکے نے کہا کہ اللہ واحد نے اُن کے مقابلہ میں میری مدد کی اور وہ ہلاک ہو گئے ہیں۔ بادشاہ نے غضبناک ہو کر حکم دیا کہ اسکو لیجاؤ اور کسی گہرے دریا میں غرق کر دو۔ سرکاری کارندے جب اسکو دریا کے بیچ لے گئے تو لڑکے نے پھر وہی دُعا کی الٰہی! مجھ کو اِن سے نجات دے! دریا میں اچانک طوفان اُٹھا اور وہ سب آدمی غرق ہو گئے اور لڑکا صحیح و سالم بادشاہ کے ہاں جا کھڑا۔

بادشاہ نے پھر وہی سوال کیا لڑکے نے وہی پہلا جواب دیا اور پھر کہنے لگا اے بادشاہ اس طرح تو مجھ پر ہرگز کامیاب نہ ہو سکے گا البتہ جو تدبیر میں بتا دوں اگر اس کو اختیار کرے تو یقیناً تو مجھ کو قتل کر سکتا ہے بادشاہ نے لڑکے سے وہ تدبیر دریافت کی، لڑکے نے کہا اے بادشاہ شہر کی تمام آبادی کو ایک بلند جگہ پر جمع کر جب سب جمع ہو جائیں تو اس وقت مجھ کو درخت پر سُولی دینا اور میرے ترکش سے ایک تیر لے کر بِسْمِ اللّٰہِ رَبِّ الْغُلَامِ (اللہ کے نام سے جو لڑکے کا پروردگار ہے) کہہ کر میرے سینے پر مارنا۔ تب ہی میں مر سکتا ہوں۔

بادشاہ نے لڑکے کی بات پر عمل کیا اور جب تمام اہل شہر جمع ہو گئے تو لڑکے کو سولی پر لٹکا کر لڑکے کی بتائی ہوئی عبارت پڑھکر تیر مار اگیا۔ لڑکا تیر کھا کر جان بحق ہو گیا۔ اہل شہر نے جب یہ دیکھا تو سب نے بیک آواز نعرہ بلند کیا:-

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ، اٰمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ۔
ہم لڑکے کے پروردگار پر ایمان لائے، ہم لڑکے کے پروردگار پر ایمان لائے۔

اس طرح پورا شہر مسلمان ہوگیا۔ اہلِ دربار کہنے لگے بادشاہ جس بات کا تمہیں اندیشہ تھا آخر وہی ہوکر رہا تمام رعایا مسلمان ہوگئی ہے۔ بادشاہ یہ دیکھ کر جامہ سے باہر ہوگیا اور حکم دیا کہ شہر کے ہر محلہ اور گلی کوچہ میں خندقیں کھودی جائیں اور اِن میں آگ دہکائی جائے۔ پھر ہر محلہ کے لوگوں کو جمع کیا جائے اور ان سے کہا جائے کہ وہ اس دین سے باز آجائیں۔ جو باز آجائے انھیں چھوڑ دیا جائے اور جو انکار کر دے اسکو دہکتی آگ میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ لوگ جوق در جوق جمع ہوتے اور دینِ حق سے باز نہ رہنے کا اقرار کرتے ہوئے دہکتی آگ میں کود پڑتے اور یہ منظر بادشاہ اور اسکے مصاحبوں کو بہت پسند آتا تھا۔ انہی لوگوں میں ایک عورت لائی گئی جسکی گود میں شیرخوار بچہ تھا۔ عورت بچے کی محبت میں کچھ تامل کر رہی تھی کہ بچہ معجزانہ طور پر گویا ہوا اماں صبر سے کام لے اور بے خوف خندق میں چلی جا، تو حق پر ہے اور یہ لوگ باطل پر ہیں۔ (مسلم، ترمذی، نسائی، مسند احمد)

اسلامی مؤرخ محمد بن اسحٰق نے لکھا ہے کہ اس طرح ظالم بادشاہ کے حکم پر بیس ہزار سے زائد مظلوم انسانوں کو جامِ شہادت نوش کرنا پڑا، یہ واقعہ یمن کے شہر نجران میں پیش آیا۔ اس لڑکے کا نام عبداللہ بن تامر تھا اور اس کافر بادشاہ کا نام ذونواس اور اصلی نام زُرعہ تھا۔ مگر تخت نشین ہونے کے بعد یوسف ذونواس کے نام سے مشہور ہوا، اسکے باپ کا نام تبّان اسعد اور ابوکرب کنیت تھی۔ یمن کے ان بادشاہوں کا لقب "تبع" ہوا کرتا تھا۔ اس لئے کتب تاریخ میں یہ خاندان تبابعہ یمن کہلاتا ہے۔ ان میں ابوکریب وہ پہلا تبع ہے جس نے بت پرستی چھوڑ کر یہودیت کو قبول کر لیا تھا۔ اسی نے مدینہ منورہ پر حملہ کرکے اسپر قبضہ کر لیا تھا مگر بنی قریظہ کے دو یہودی عالم کی تلقین پر سچے دین موسوی کو قبول کر لیا، اور مدینے سے واپس چلا آیا اور پھر مکہ مکرمہ پہنچ کر خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا اور اُن دونوں یہودی علماء کو اپنے

ساتھ یمن سے لایا اُنھوں نے یمن میں دین موسوی کی تبلیغ کی اور آہستہ آہستہ اہل یمن اسلام کو قبول کرتے چلے گئے۔

بادشاہ ذونواس نے جس دن نجران میں بیس ہزار حق پرستوں کو شہید کر دیا اِن میں ایک دَوس نامی شخص کسی طرح جان بچا کر نکل بھاگا تھا اور ملک شام میں مقیم قیصر روم کے دربار پہنچ کر نجران کے اس ہوش رُبا واقعہ کو بیان کیا۔ قیصر روم نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو لکھا کہ وہ یمن پر فوراً حملہ کر کے ذونواس کے اس ظلم کا انتقام لے۔ نجاشی نے یمن پر حملہ کیا اور ذُو نواس کو شکست دیکر سارے یمن پر قبضہ کر لیا۔ ذونواس دریا کے راستے فرار ہونیکی کوشش میں غرق ہو گیا۔

محدّث ابن ابی حاتمؒ نے حضرت انسؓ کے صاحبزادے حضرت ربیعؒ سے ایک حدیث نقل کی ہے۔ حضرت ربیع رہ فرماتے ہیں کہ اصحاب اخدود کے بارے میں ہم نے یہ سنا ہے کہ یہ واقعہ (زمانۂ فترت) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیانی زمانہ میں پیش آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی ایک جماعت نے جب یہ دیکھا کہ زمانہ بہت ہی خراب ہو چلا ہے فتنوں اور معصیت کا دور دورہ ہے اور دینِ حق گروہ بندیوں کا شکار ہو گیا ہے۔ ہر شخص ذاتی رائے کا تابع ہو گیا ہے تو آپس میں مشورہ کیا کہ عام آبادی سے بہت دور ایک چھوٹی سی بستی آباد کر لی جائے اور اسمیں سچی عیسائیت کے مطابق زندگی گزاری جائے چنانچہ اِن لوگوں نے ایسے ہی کیا اور شہر سے دور ایک ویرانے میں اپنا قیام کر لیا۔ لیکن ان کا یہ معاملہ پوشیدہ نہ رہ سکا۔ شدہ شدہ اُس زمانے کے بت پرست بادشاہ تک ان کا حال پہنچ گیا۔ اُس بادشاہ نے ان کی بستی کا محاصرہ کر لیا اور اِن کو توحید الٰہی کے خلاف بت پرستی پر مجبور کرنے لگا لیکن ان حق پرستوں پر اسکی سختیوں کا مطلق اثر نہ ہوا اور انھوں نے شرک وبت پرستی سے صاف انکار کر دیا۔ تب بادشاہ نے غضبناک ہو کر خندقیں کھدوائیں اور ان میں آگ دہکانے کا حکم دیا پھر

جو شخص بت پرستی سے انکار کرتا جاتا اسکو آگ میں جھونک دیا جاتا تھا۔ یہ حق پرست لوگ بے خوف آگ میں کود پڑتے تھے اور اپنے بچوں کو تسلّی دیتے جاتے تھے کہ آج کا دن خوف کا دن نہیں ہے یہ آگ ہمارے لئے جہنم کی آگ سے محفوظ رہنے کا پیش خیمہ ہے۔ چنانچہ تمام حق پرستوں نے توحید پر قربان ہوجانا پسند کیا مگر شرک وبت پرستی پر راضی نہ ہوئے۔ اللہ تعالےٰ نے دنیا میں بھی اپنا یہ فضل فرمایا کہ جب وہ آگ میں ڈالے جاتے تو آگ میں پہونچنے اور اسکی تکلیف سہنے سے قبل ہی اُن کی روح قبض کر لی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں خندق کی آگ اس درجہ بھڑک رہی تھی کہ اتنے انسانوں کے اسمیں گرے جانے کے باوجود سرد نہ پڑی بلکہ بے قابو ہوکر کچھ اس طرح پھیل پڑی کہ بت پرست ظالم بادشاہ اور اُسکے تمام لشکری سب کے سب اسکے اندر گھر گئے اور جل بھن کر وہیں سیاہ خاک ہوگئے۔

قرآن کریم کی یہ آیت قُتِلَ اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ (البروج آیت ۴ء۵)

اسی واقعہ کا تذکرہ کر رہی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۹۳)

حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ یہ واقعہ ملکِ فارس میں پیش آیا جب کہ فارس کے بادشاہ نے دینِ حق چھوڑ کر بت پرستی اختیار کر لی اور (غالباً تاریخ عالم میں پہلی دفعہ) اپنے اہل محرم (ماں، بہن، بیٹی وغیرہ) سے نکاح کرنا جائز قرار دے دیا تو اُن کے بعض علمارحق نے بادشاہ کو اس بے حیائی سے منع کیا۔ بادشاہ نے حق کے سامنے سرِتسلیم خم کرنے کے بجائے غضبناک ہوکر یہ حکم دیا کہ خندقیں کھدوائی جائیں اور جو شخص بھی ایسے نکاح کو باطل کہے آگ میں جھونک دیا جائے۔ چنانچہ اہل حق کی ایک بڑی جماعت نذر آتش کر دی گئی۔ غالباً اسی وجہ سے

پارسیوں میں آج تک بھی نکاحِ محرم کو جائز سمجھا جاتا رہا ہے۔

امام تفسیر مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ اُخدود کے تین واقعے ہیں۔ ایک یمن کے شہر نجران میں پیش آیا (جسکی تفصیل آچکی ہے)
دوسرا شام کے علاقہ فلسطین میں اور تیسرا ملک فارس میں پیش آیا۔ ان واقعات میں مظلوم و بے گناہ انسانوں کو دہکتی آگ میں ڈالا گیا۔ ملک شام کا واقعہ انطناتوس رومی کے ہاتھوں پیش آیا۔ اور ملکِ فارس کا بختنصر کے ہاتھوں اور نجران کا واقعہ یوسف ذونواس کے ہاتھوں پیش آیا، لیکن ملکِ فارس اور شام کے واقعات کا ذکر قرآن حکیم میں نہیں ہے البتہ نجران کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔
(تفسیر ابن کثیر ج ۴ سورۃ بروج)

قرآنی مضمون

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ وَالۡیَوۡمِ الۡمَوۡعُوۡدِ الخ

(بروج آیات ۱ تا ۱۶)

قسم ہے آسمان کی جس میں بُرج ہیں اور اُس دن کی جس کا وعدہ ہے (یعنی قیامت کا دن) اور اُس دن کی جو حاضر ہوتا ہے (یعنی جمعہ کا دن) اور اُس دن کی جس میں لوگوں کی حاضری ہوتی ہے یعنی (عرفہ کا دن) ملعون ہوگئے خندق کھودنے والے یعنی بہت سی ایندھن کی آگ والے، جس وقت وہ لوگ اسکے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے، اور وہ جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کر رہے تھے اُسکو دیکھ رہے تھے، اور ان مسلمانوں سے بدلہ نہیں لیتے تھے مگر صرف اس بات کا کہ وہ یقین لائے اللہ پر جو زبردست ہے تعریفوں کا مستحق ہے جسکی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔ بیشک جنھوں نے مسلمان مرد اور مسلمان عورتوں کو تکلیف پہنچائی پھر توبہ نہیں کی تو

اُن کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور اُن کے لئے جلنے کا عذاب ہے۔
بیشک جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل کئے اُنکے لئے باغ ہیں جنکے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ بڑی کامیابی ہے۔ بیشک تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے اور دوبارہ پیدا کرے گا۔ اور وہی بڑا بخشنے والا بڑی محبت کرنے والا ہے عظمت والے عرش کا مالک ہے۔ وہ جو چاہے سب کر گزرتا ہے۔

دو عجیب و غریب قصے

ابن کثیرؒ نے مشہور محدث ابوبکر بن ابی الدنیا کے واسطے سے بروایت محمد بن جعفر بن ابی طالب یہ حکایت نقل کی ہے کہ انھوں نے بعض اہل علم سے سنا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ نے جب ملک اصفہان فتح کر لیا اور شہر میں فاتحانہ داخل ہوئے تو شہر پناہ کا معائنہ کیا۔ دیکھا کہ ایک جانب میں دیوار شکستہ ہے اُسپر اُنھوں نے حکم دیا کہ دیوار کا یہ حصہ درست کر دیا جائے لیکن جب دیوار کو درست کر دیا گیا تو وہ ٹھیر نہ سکی اور یکلخت پھر گر گئی۔ چنانچہ دوبارہ مرمت کی گئی مگر پھر وہ منہدم ہو گئی۔ تب بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ اس مقام پر کسی مرد صالح کی قبر معلوم ہوتی ہے۔ یہ سوچ کر جب بنیاد کو کھدوایا گیا تو دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہے اور اُس کے ہاتھ میں تلوار ہے اور جس پر ایک عبارت کندہ ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے "میں حارث بن مضاض ہوں جس نے اصحاب اُخدود سے انتقام لیا ہے۔"

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ نے اسکو وہاں سے نکال کر قبرستان میں دفن کر دیا اور دیوار کی تعمیر کرادی جسکے بعد وہ صحیح و سالم رہی۔
(تفسیر ابن کثیرؒ ج ۴)

دوسرا واقعہ مشہور محدث محمد بن ابی بکر بن حزمؒ نے بغیر سند کے بیان کیا ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانے میں نجران (یمن) کا ایک شخص زمین کھود رہا تھا اچانک ایک قبر ظاہر ہوگئی۔ اندر جھانک کر دیکھا تو ایک نعش کو اس طرح بیٹھے ہوئے پایا کہ وہ اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے ہے۔ جب لوگوں نے اُس کے ہاتھ کو سر سے ہٹایا تو اُس سے خون بہنے لگا اور جب ہاتھ کو اُسی طرح رکھ دیا تو خون بند ہوگیا۔ اس شخص کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی اور اسکے نگینے پر یہ عبارت کندہ تھی "رَبِّیَ اللّٰہُ" اُس واقعہ کی اطلاع حضرت عمرؓ کو دی گئی آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ اس شخص کو اسکی موجودہ حالت پر ہی رہنے دو اور اسی جگہ دفن کر دیا جائے۔

چنانچہ ایسے ہی کیا گیا اُس زمانے کے لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ یہ نعش عبداللہ بن تامر کی ہے، جسکو ظالم بادشاہ نے تیر سے قتل کروادیا تھا جس کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔

حارث بن مضاض کے بارے میں مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ عرب کے خاندان جُرہُم کا ایک بادشاہ تھا جس نے ثابت بن اسمٰعیل (علیہ السلام) کی اولاد سے مکہ مکرمہ کی حکومت لے کر حکمرانی کی تھی اور یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے تقریباً پانچ سو سال بعد کا زمانہ ہے۔ اس لحاظ سے اصحاب اخدود کا واقعہ بہت قدیم زمانے سے متعلق ہو جاتا ہے۔ حالانکہ مشہور یہ ہے کہ یہ واقعہ زمانہ فترۃ (یعنی نبی کریمؐ اور حضرت عیسٰیؑ کی درمیانی مدت) کا ہے۔

چونکہ یہ تاریخی روایت ہے اور اسکی سند بھی منقطع ہے لہذا اسکی حیثیت ایک حکایت سے زیادہ نہ ہوگی۔ اگر یہ واقعہ صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو ہوسکتا ہے کہ یہ اُن مختلف واقعات میں سے ایک واقعہ ہو جن کا ذکر قرآن حکیم میں نہیں ہے مگر وہ آیاتِ بروج کے مصداق میں داخل ہیں۔ واللہ اعلم۔

نتائج و عبر

تفسیری نکات :-

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ الخ قرآن حکیم کی ان آیات میں اصحابُ الاخدود کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اُسکو چند ایک قسموں سے مؤکد کیا گیا ہے اور اسکے لئے لفظ واؤ جو قسم کے معنی میں آتا ہے چند چیزوں پر داخل کیا گیا ہے۔ ان آیات کے علاوہ قرآن حکیم کی متعدد سورتوں میں مختلف اشیاء پر قسم کھا کر آگے کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔ عام طور پر ان مقامات کی تفسیر میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ جس طرح ہم آپس میں قسمیں کھاتے ہیں یا ایسی چیز کی قسم کھاتے ہیں جو ہمارے لئے بہت زیادہ عزت و عظمت کے لائق ہو جیسے اللہ کا نام یا اُسکے باعزت صفات کے نام پر قسم کھائی جاتی ہے تاکہ بات کی اہمیت کو پختہ کیا جائے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں مخاطب کے لحاظ سے بعض واقعات اور بعض اہم مضامین کو لفظ قسم کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لیکن ہمارے قسمی محاورے اور قرآنی قسم میں یہ فرق ضرور ہے کہ ہم ایسی چیز کی قسم کھاتے ہیں جو ہماری نگاہ میں سب سے زیادہ برتر واعلیٰ اور باعظمت ہو جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُسکے صفات، لیکن اللہ برتر کی ذات سے کوئی برتر نہیں اسلئے اللہ تعالیٰ جس چیز کی بھی قسم کھائیں اُس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ وہ چیز اللہ تعالےٰ کے ہاں بھی نہایت باعظمت و برتر ہوگی۔

قرآن حکیم میں جہاں جہاں بھی قسم کا مضمون آیا ہے وہاں قسم کو بطور تاکید کلام کے لایا گیا ہے یا بطور شہادت واستشہاد پیش کیا گیا ہے مثلاً کسی کلام میں ایسی بات کہی گئی ہے جس کے متعلق یہ اندیشہ ہے کہ وہ بات جس کے لئے گفتگو شروع کی گئی ہے دلنشین ہوجائے اس صورت میں لفظ واو (یعنی قسم) بطور تاکید آتا ہے۔ اسی طرح اگر متکلم کی جانب سے کوئی ایسی بات کہی گئی ہے جسکا سمجھنا مخاطب کے لئے اس وقت تک مشکل ہے جب تک اس بات سے متعلق ایسے شواہد پیش کئے جائیں مشکل ہے

جو اس بات کو دل نشین بنا سکیں تو ایسے موقعہ پر لفظ قسم کیساتھ

ایسے امور کو بیان کیا جاتا ہے جو اس مضمون کو مخاطب کے قلب میں پیوست کرنے کے لئے مدد دے سکیں جس کے لئے متکلم مخاطب سے کلام کر رہا ہو اور ایسے موقعہ پر قسم کا لفظ واؤ بمعنی شہادت کے ہو جاتا ہے اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں جن جن چیزوں پر قسم کھائی ہے وہ ضروری نہیں کہ حقیقتاً بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں محترم و معظم ہوں بلکہ صرف "تاکیدی مضمون" یا شہادت و استشہاد کے لئے مفید اور موقعہ کے مناسب حال ہوگا۔

پس قرآن حکیم میں جن مقامات پر لفظ قسم سے کلام کی ابتدا کی گئی ہے ان تمام مقامات میں قسم سے مراد متعارف قسم (رواجی قسم) مراد نہیں ہوگی بلکہ قرآنی محاورہ میں اکثر مقامات پہ واؤ بمعنی شہادت ہے اور بعض مقامات میں بمعنی تاکید ہے۔

مثلاً سورہ والتین میں اول تین چیزوں کو بطور شہادت کے پیش کیا گیا پھر اصل مضمون کو واضح کیا گیا ہے:-

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ الآیۃ

قسم ہے انجیر اور زیتون کی (یعنی بیت المقدس ملک شام)

کا وہ مقام جہاں بکثرت انجیر اور زیتون کے درخت و باغات پائے جاتے ہیں)۔ اس بات کے لئے شہادت دے رہا ہے کہ اس جگہ اللہ کا وہ سچا ہادی پیدا ہوا جس کا نام عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) ہے۔

اسی طرح قسم ہے طور سینا کی (خوبصورت پھل دار درختوں والا پہاڑ) جہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے کلام سے سرفرازی ہوئی۔

اور اسی طرح اس بلد امین مکہ مکرمہ کی قسم جسکے آغوش میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی مقدس ہستی اللہ کے آخری پیغمبر کی حیثیت سے پیدا ہوئے۔ یہ سب شہادت دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بلاشبہ انسان کو بہترین مخلوق کیا ہے پھر اس کو اسکی نافرمانی و بغاوت کے جرم میں "اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ" ذلت کے انتہائی گڑھے میں پھینک دیا ہے۔

ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ (التین آیت ۵)

البتہ جس نے ایمان باللہ اور عمل صالح کو اختیار کیا یعنی اسلام کو راہ عمل بنایا اُس نے اپنی انسانیت اور بہترین مخلوق کے شرف و امتیاز کو بچالیا اُس کے لئے اللہ کے پاس

ختم نہ ہونے والا اجر و ثواب ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ۔

یہ ہے مطلب قرآنی قسموں کا جو اس ایک مثال سے ظاہر ہے لہذا قرآن حکیم کی باقی قسمیں بھی اسی طرح اپنی اپنی سورت میں بیان کردہ مضمون کو غیر مشکوک بنانے کے لئے مناسب حال شواہد و نظائر کا کام دیتی ہے اور بعض مقامات پر مضمون کی تاکید کا حق ادا کرتی ہیں۔

اس وضاحت کے بعد سورہ بروج کی قسموں کی تفسیر بہت سہولت کے ساتھ ذہن و فکر میں آسکتی ہے اس سورہ میں چند چیزوں کو واو قسم کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:-

(۱) وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ

برجوں والے آسمان کی قسم یعنی بڑے بڑے ستاروں والے آسمان کی قسم۔

(۲) وَالْیَوْمِ الْمَوْعُوْدِ

قیامت کے دن کی قسم۔

(۳) وَشَاهِدٍ

جمعہ کے دن کی قسم۔

(۴) وَمَشْهُوْدٍ

عرفہ کے دن کی قسم۔ (ترمذی)

اسکے بعد کہا گیا:-

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ الخ

یعنی باطل پرستوں نے خندقیں کھدوا کر اور ان میں آگ دہکا کر اہل ایمان کو توحید پرستی کے جرم میں زندہ جلادیا اور خود کناروں پر بیٹھے اس انسانیت سوز حرکت کا تماشہ دیکھ رہے تھے حالانکہ انجام کے لحاظ سے ہلاکت و بربادی انہی ظالموں کے حصہ میں آئی اور دائمی سرور و کامرانی ان مظلوم بے گناہوں نے پائی۔

گویا اب پوری سورت کا یہ مطلب ہوا برجوں والا آسمان جو اپنی حیرت افزا صنعت کیساتھ اللہ واحد کی وحدانیت کا اقرار کررہا ہے اور وہ قیامت کا دن جس دن میں اللہ قہار

کے سوا کسی کا اقتدار باقی نہ رہے گا اور وہ جمعہ کا دن اور عرفہ کا دن جس میں لاکھوں انسان اللہ واحد کے سامنے سربسجود ہوتے ہیں۔ یہ سب اس بات کے لئے شاہد و گواہ ہیں کہ اصحاب الاخدود اپنے ظلم کے نتیجے میں ناکام رہے اور ہلاک و برباد ہوئے اور مظلوم کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں فوز و فلاح رہی۔

الغرض اصحاب الاخدود کے اس انجامِ بد کی تاکید کے لئے چار چیزوں کی قسم کھائی گئی تاکہ کلام میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے اور مخاطب اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرے۔ واللہ اعلم۔

تذکرہ اَصحابُ الفِیل (ہاتھی والے)

اصحابُ الفیل

امام الحدیث والتاریخ ابن کثیرؒ نے اصحاب الفیل کا واقعہ اس طرح نقل کیا ہے:-

"ملک یمن پر خاندان حِمیَر کا قبضہ تھا۔ یہ لوگ مذہباً مشرک تھے ان کا آخری بادشاہ یوسف ذو نواس تھا جس نے یمن کے اہل حق نصاریٰ پر شدید مظالم کئے تھے اور توحید پرست عیسائیوں کو خندقوں میں زندہ جلادیا تھا۔ اصحابُ الاخدود کا مشہور واقعہ اسی بادشاہ سے منسوب ہے۔ جس کا تذکرہ قرآن حکیم کی سورۃ البُروج میں آچکا ہے۔ خندق کے عذاب سے بچکر کسی طرح دو آدمی نکل بھاگے تھے اور انھوں نے ملک شام کے بادشاہ سے فریادرسی کی کہ یوسف ذو نواس نے اہل ایمان پر ایسا ایسا ظلم کیا ہے۔ شام کے بادشاہ نے اپنے حلیف بادشاہ حبشہ کو خط لکھا کہ وہ اس کا انتقام لے اور ساتھ ہی ایک بہت بڑے لشکر کو دو کمانڈر اریاط اور ابرہہ کی قیادت میں یمن کے اس ظالم بادشاہ کے مقابلہ پر روانہ کردیا۔ یہ عظیم الشان لشکر یمن پر ٹوٹ پڑا اور پورے یمن کو حِمیَر خاندان کے اثر سے آزاد کرالیا۔ ملک حمیر ذو نواس بھاگ نکلا اور ایک دریا پار کرتے ہوئے غرق ہوگیا۔

اس طرح اریاط اور ابرہہ کے ذریعہ یمن پر حبشہ کے بادشاہ کا قبضہ ہوگیا جو خود نصرانی المذہب تھا۔

یہ واقعہ ۵۲۵ء میں پیش آیا تھا جس نے حمیری خاندان کا خاتمہ

کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد ان دونوں کمانڈروں میں نزاع پیدا ہوگئی اور باہمی جنگ میں اریاط مارا گیا اور ابرہہ غالب آگیا اور پھر وہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی جانب سے ملک یمن کا حاکم (گورنر) مقرر ہوگیا۔

ابرہہ ذاتی طور پر کٹر عیسائی تھا اسکے عزائم میں یہ بات بھی شامل تھی کہ سارے عرب کو عیسائیت میں تبدیل کر دیا جائے اس طرح کہ مکہ مکرمہ کی عالمی مرکزی حیثیت بھی ختم ہو جائے۔ مذہبی جنون میں اس نے یمن کے شہر صنعاء میں ایک ایسا شاندار کنیسہ (گرجا گھر) بنایا جسکی نظیر اس وقت دنیا بھر میں نہ تھی، مؤرخ سہیلیؒ لکھتے ہیں کہ ابرہہ نے اس کی تعمیر پر یمن کی بے اندازہ دولت اور بیش بہا زر و جواہر صرف کئے۔ یہ قیمتی پتھروں کی بہت ہی خوبصورت طویل و عریض عمارت تھی۔ عجیب وغریب زر کار نقوش سے منقش، جواہر ریزوں سے مزین، ہاتھی دانت کی نفیس جالیاں، سونے چاندی کے اوراق سے در و دیوار کو سجایا گیا تھا۔ اس سے ابرہہ کا یہ مقصد تھا کہ یمن کے عرب لوگ جو ہر سال حج کرنے مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ یہ لوگ اس کنیسہ کی شان و شوکت سے مرعوب ہو کر کعبۃ اللہ کے بجائے اس کا طواف اور حج کریں، کچھ عرصہ بعد اُس نے پوری مملکت میں اعلان کروا دیا کہ اب یمن سے کوئی شخص بھی حج کرنے کے لئے مکہ مکرمہ نہ جائیگا۔ ایسا شخص اسی کنیسہ میں آئے اور اس کا طواف کرے۔ عرب میں اگرچہ بت پرستی غالب آگئی تھی مگر دین ابراہیمی اور کعبۃ اللہ کی عظمت و محبت اُن کے دلوں میں پیوست تھی۔ اس لئے عدنان، قحطان، اور قریش کے قبائل میں اس اعلان سے سخت غم وغصہ کی لہر پیدا ہوگئی۔ اگرچہ اس وقت خانہ کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود وہ لوگ اسکو اللہ تعالیٰ کا مقدس گھر اور عبادت کا مرکز خیال کرتے تھے

مؤرخ محمد بن اسحٰق کا بیان ہے کہ ابرہہ کے اُس اعلان پر غضبناک ہو کر ایک عرب تاجر نے کسی نہ کسی طرح کلیسہ میں گھس کر

رفع حاجت کر ڈالی۔

ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ یہ فعل ایک قریشی نے کیا تھا۔ مقاتل بن سلیمان کی روایت ہے کہ قریش کے بعض نوجوانوں نے جاکر اُس گرجاگھر میں آگ لگادی تھی۔ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی واقعہ پیش آیا ہو تو کوئی تعجب خیز نہیں کیونکہ ابرہہ کا یہ اعلان یقیناً سخت اشتعال انگیز اور مفسدانہ تھا اور قدیم جاہلیت کے دور میں اسپر کسی عرب یا قریشی یا چند نوجوانوں کا مشتعل ہوکر کلیسا کو گندا کردینا یا اسمیں آگ لگادینا ناقابل فہم بات نہیں ہے۔

لیکن بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ عرب کے چند مسافروں نے کلیسا کے قریب اپنی ضرورت کے لئے آگ جلائی تھی جہاں اُن کا قیام تھا اتفاقاً ہواؤں کی لہر سے آگ کلیسا میں جاگری اور کلیسہ جل گیا۔

ابرہہ کو جب اسکی اطلاع ملی کہ خانہ کعبہ کے معتقدین نے یہ حرکت کی ہے تو غیض و غضب میں عہد کیا کہ اُس وقت تک چین نہ لوں گا جب تک خانہ کعبہ کو ڈھا نہ دوں۔

اسکے بعد اُس نے ۵۷۰ء یا ۵۷۱ء میں اپنے بادشاہ نجاشی سے اجازت طلب کی کہ وہ انہدام کعبہ کی مہم کے لئے حجاز جانا چاہتا ہے۔ نجاشی نے اسکو اجازت دیدی اور خصوصی تعاون کے طور پر اپنی فوج کا سب سے طاقتور بلند و بالا ہاتھی جس کا نام محمود تھا ابرہہ کی مدد کیلئے روانہ کردیا اور اس ہاتھی کے تعاون کے لئے مزید سات آٹھ ہاتھی اور دئیے۔ ابرہہ ساٹھ ہزار فوج لیکر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا۔

عرب میں جب اس حملے کی خبر پھیلی تو سارا عرب مقابلہ کے لئے تیار ہوگیا۔ یمن کے عربوں میں ایک شخص ذونفر نامی تھا اُس نے عربوں کی قیادت اختیار کی اور بہت سے عرب قبائل اسکے گرد جمع ہوکر ابرہہ کے خلاف جنگ کئے لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ ابرہہ نے ان کو شکست دیدی اور ذونفر کو قید کرلیا اور آگے روانہ ہوگیا۔ پھر قبیلہ خثعم کے

مقام پر پہنچا تو اس قبیلے کا سردار نفیل بن حبیب خثعمی اپنے قبیلے کو لے کر ابرہہ کے مقابلہ کے لئے آیا مگر ابرہہ کے لشکر نے اسکو بھی شکست دیدی اور نفیل بن حبیب کو گرفتار کر لیا اور اسکے قتل کا ارادہ کیا مگر یہ سمجھکر زندہ رکھا کہ اُس سے مکّہ کے اہم راستوں کا پتہ معلوم کر لیا جائے گا۔

پھر جب یہ لشکر طائف کے قریب پہنچا تو طائف کے باشندے پچھلے قبائل کی جنگ اور ابرہہ کی فتح کے واقعات سن چکے تھے۔ انھوں نے اپنی خیر منانے کا فیصلہ کیا اور ابرہہ سے گزارش کی کہ وہ ان کے مشہور معبود "لات" کا مندر تباہ نہ کرے۔ چنانچہ ان کا سردار مسعود ثقفی ایک وفد کو لے کر ابرہہ سے ملا اور کہا کہ ہمارا بُت کدہ وہ معبد نہیں ہے جس کو آپ ڈھانے آئے ہیں وہ تو مکّہ مکرمہ میں ہے اس لئے آپ ہمارے معبد کو چھوڑ دیں ہم مکّہ مکرمہ کا راستہ بتانے کے لئے آپکو ایک آدمی فراہم کر دیتے ہیں جو قریب کے راستہ سے مکّہ تک رہنمائی کرے گا۔ ابرہہ نے یہ بات قبول کر لی اور بنو ثقیف نے اُبو رِغال نامی شخص کو ان کے ساتھ کر دیا۔ جب مکّہ مکرمہ تین کوس کے فاصلہ پر رہ گیا تو المغمس نامی مقام پر پہنچ کر ابو رغال فوت ہو گیا (اہل عرب زمانہ جاہلیت میں مدتوں اسکی قبر پر سنگ باری کرتے رہے ہیں اور بنو ثقیف کو بھی وہ عرصہ دراز تک طعنہ دیتے رہے ہیں کہ انھوں نے لات کے مندر کو بچانے کے لئے بیت اللہ پر حملہ کرنے والوں کا تعاون کیا تھا)

محمد بن اسحٰق کی روایت ہے کہ المغمس سے ابرہہ نے اپنے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھایا جہاں قریشِ مکہ کے اونٹ چر رہے تھے۔ ابرہہ کے اس لشکر نے ان پر چھاپہ مارا اور سب اونٹ ہانک لے گئے۔ ان میں حضرت عبدالمطلب کے بھی دو سو اونٹ شامل تھے۔ اسکے بعد ابرہہ نے اپنے ایک سفیر حناطہ حمیری کو شہر مکّہ روانہ کیا اور اسکے ذریعہ اہل مکّہ کو یہ پیغام دیا کہ میں تم سے لڑنے نہیں آیا ہوں بلکہ اس گھر (کعبہ)

کو ڈھانے آیا ہوں اگر تم لوگ جنگ نہ کرو تو میں تمہاری جان و مال سے کوئی تعرض نہ کروں گا نیز اس سفیر کو یہ بھی ہدایت دی کہ اہل مکہ اگر بات کرنا چاہیں تو اُن کے سردار کو میرے پاس لے آنا، اُس وقت مکہ مکرمہ کے سب سے بڑے سردار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب تھے۔ سفیر نے اُن سے ملکر ابرہہ کا پیغام پہنچایا۔ عبدالمطلب نے کہا کہ ہم میں ابرہہ سے لڑنے کی قطعاً طاقت نہیں ہے یہ اللہ کا گھر ہے اور اسکے خلیل کا بنایا ہوا وہ چاہے گا تو اپنے گھر کی حفاظت خود کرلے گا۔ سفیر نے کہا کہ آپ میرے ساتھ ابرہہ کے پاس چلیں اور اُس سے بات کریں۔ وہ اسپر راضی ہوگئے۔

حضرت عبدالمطلب اسقدر وجیہ اور پُر وقار آدمی تھے کہ ابرہہ ان کو دیکھ کر متأثر ہوگیا اور اپنی جگہ سے اُتر کر اُن کو اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ میرے جو اونٹ پکڑ لئے گئے ہیں وہ مجھے واپس دیدیئے جائیں! ابرہہ نے کہا کہ آپ کو دیکھ کر تو میں بہت متأثر ہوا تھا مگر آپ کی بات نے آپکو میری نظر سے گرادیا کہ آپ اپنے اونٹوں کا مطالبہ کر رہے ہیں اور یہ گھر (کعبہ) جو آپ کے دین آبائی کا قبلہ ہے اسکے بارے میں کچھ نہیں کہتے؟ خواجہ عبدالمطلب نے کہا میں تو صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اور انہی کے بارے میں آپ سے درخواست کرنے آیا ہوں۔ رہا یہ گھر (کعبہ) تو اس کا ایک رب ہے وہ خود اسکی حفاظت کرلے گا۔ ابرہہ کو خواجہ عبدالمطلب کی یہ بات معمولی سی محسوس ہوئی اُس نے کہا تمہارا رب اُس کو میرے ہاتھ سے نہ بچا سکے گا۔ خواجہ عبدالمطلب نے کہا پھر تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔

اور بعض روایات میں ہے کہ عبدالمطلب کے ساتھ قریش کے چند سردار بھی تھے۔ انھوں نے ابرہہ کے آگے یہ پیش کش کی کہ اگر آپ بیت اللہ پر دست اندازی نہ کریں اور لوٹ جائیں تو ہم

پورے تہامہ (حجاز) کی ایک تہائی پیداوار آپ کو بطور خراج ادا کرتے رہیں گے۔ مگر ابرہہ نے اس بات کو قبول نہ کیا۔ خواجہ عبدالمطلب اپنے اونٹ لے کر واپس چلے آئے اور سیدھے بیت اللہ میں داخل ہوئے اور چوکھٹ کا حلقہ پکڑ کر دُعا میں مشغول ہو گئے۔ قریش کی ایک بڑی جماعت بھی ساتھ تھی۔

محمد بن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ ابرہہ کے لشکر گاہ سے واپس آکر خواجہ عبدالمطلب نے اہل قریش سے کہا کہ اپنے بال بچوں سمیت پہاڑوں پر چلے جائیں تاکہ ان کا قتل عام نہ ہو جائے۔ پھر وہ اور قریش کے چند سردار حرم پاک میں حاضر ہوئے اور کعبہ کے دروازے کا کنڈا پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں کہ وہ اپنے گھر اور اُسکے خادموں کی حفاظت فرمائے۔ اُس وقت خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بُت موجود تھے مگر یہ لوگ ان نازک گھڑی میں بھی اُن سب کو بھول گئے اور صرف اللہ واحد کے آگے دست سوال پھیلایا، اُن کی جو دعائیں کتب تاریخ میں منقول ہیں اُن میں اللہ واحد کے سوا کسی دوسرے کا نام تک نہیں پایا جاتا۔ ابن ہشامؒ نے سیرت میں خواجہ عبدالمطلب کے جو اشعار نقل کئے ہیں وہ اس کی شہادت دیتے ہیں۔

اسی طرح مؤرخ سہیلیؒ نے روض الانف میں اور امام ابن جریرؒ نے طبری میں وہ اشعار نقل کئے ہیں۔

یہ دعائیں مانگ کر خواجہ عبدالمطلب اور ان کے ساتھی بھی پہاڑوں پر چلے گئے۔ دوسرے روز ابرہہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کیلئے آگے بڑھا مگر اُس کا وہ خاص ہاتھی محمود نامی جو آگے آگے تھا یکایک بیٹھ گیا اسکو بہت تبر مارے گئے تیر سے کچوکے دیئے گئے یہاں تک کہ اسکو زخمی کر دیا گیا مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ آخر اسکو جنوب شمال مشرق کی طرف موڑ کر چلانے کی کوشش کی جاتی تو وہ دوڑنے لگتا مگر مکہ مکرمہ کی طرف موڑا جاتا تو فوراً بیٹھ جاتا کسی طرح آگے بڑھنے کیلئے تیار نہ ہوتا

اتنے میں پرندوں کی قطاریں آتی نظر آئیں جن میں سے ہر ایک کے پاس تین کنکریاں چنے یا مسور کی دال کے برابر تھیں ایک چونچ میں اور دو کنکریاں پنجوں میں۔

واقدیؒ کی روایت ہے کہ یہ پرندے عجیب طرح کے تھے جو اس سے پہلے کہیں بھی نہیں دیکھے گئے۔ بدن کبوتر سے کچھ چھوٹے تھے اور پنجے سُرخ قسم کے تھے، ان کی آواز بھی کچھ ارتعاش انگیز تھی کہ دل کپ کپائے جاتے تھے۔ پرندوں کے یہ جُھنڈ کے جُھنڈ نے ابرہہ کے لشکر پر سنگریزوں کی بارش کر دی۔ جسپر بھی یہ کنکر گرتے جسم سے پار ہو جاتے اور جسم گلنا شروع ہو جاتا۔

حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت ہے کہ کنکری کے لگتے ہی گوشت اور خون پانی کی طرح بہنے لگتا اور ہڈیاں نکل آتی تھیں۔ خود ابرہہ کے ساتھ بھی یہی ہوا اسکا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر رہا تھا پورے لشکر میں افراتفری پیدا ہو گئی۔ لشکر کے لوگ یمن کی طرف بھاگنا شروع ہو گئے۔ نفیل بن حبیب خثعمی جسکو ابرہہ راہنما کے طور پر ساتھ لے آیا تھا اسکو تلاش کر کے درخواست کرنے لگا کہ واپسی کا راستہ بتایئے مگر اُس نے صاف انکار کر دیا اور کہا

اَیْنَ الْمَفَرُّ وَ الْاِلٰہُ الطَّالِبُ

وَالْاَشْرَمُ الْمَغْلُوْبُ لَیْسَ الْغَالِبُ

اب بھاگنے کی جگہ کہاں ہے جبکہ اللہ تعاقب کر رہا ہے۔

اور نکٹا (ابرہہ) مغلوب ہے غالب نہیں ہے۔

اس بھگڈر میں یہ لوگ گر گر کر مرتے گئے اور مر مر کر گرتے جاتے تھے۔ عطاءؒ بن یسارؒ کی روایت ہے کہ سب کے سب اُسی وقت ہلاک نہیں ہوئے بلکہ ایک بڑی تعداد تو وہیں ہلاک ہو گئی اور کچھ بھاگتے ہوئے ہلاک ہوئے۔ ابرہہ بھی انتہائی بُری حالت میں بلادِ خثعم پہنچکر مرا۔ ابرہہ کے ہاتھی محمود کے ساتھ دو ہاتھی بان مکہ مکرمہ میں رہ گئے مگر اس طرح کہ دونوں اندھے

اپاہج ہو گئے تھے۔

محمد بن اسحٰق نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتی تھیں کہ میں نے اُن دونوں کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ وہ اندھے اپاہج تھے اور بھیک مانگتے پھرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بہن حضرت اسماءؓ بھی یہ بات نقل کیا کرتی تھیں۔

اصحاب الفیل کا یہ واقعہ مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان وادی محصب کے قریب مقام مُحسّر پر پیش آیا تھا۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مزدلفہ سے منیٰ کی طرف چلے تو وادی محسّر میں آپؐ نے اپنی رفتار تیز کر دی تھی۔ امام نووی اسکی شرح میں لکھتے ہیں کہ اصحاب الفیل کا واقعہ اسی وادی میں پیش آیا تھا اور اسی جگہ اُن پر ابابیل مسلّط کر دیئے گئے تھے۔ اس لئے سنت یہی ہے کہ آدمی یہاں سے جلد گزر جائے اور اس عذاب کی جگہ قیام نہ کرے۔

نیز امام مالکؒ اپنی کتاب موطا میں ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مزدلفہ پورا کا پورا ٹھہرنے کا مقام ہے سوائے وادی مُحسّر۔ (الحدیث)

اصحاب الفیل کا یہ عبرتناک واقعہ ماہ محرم میں پیش آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اس واقعہ کے چالیس یا پچاس دن بعد ہوئی۔

اہل عرب میں یہ واقعہ اس درجہ مشہور و معروف تھا کہ اُنھوں نے اس سال کا نام "عام الفیل" (ہاتھیوں والا سال) رکھ دیا۔ قرآن حکیم نے اس حادثہ کو اپنے معجزانہ کلام میں اس طرح بیان کیا ہے:-

قرآنی مضمون | اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ. الخ

(سورۃ الفیل)

کیا تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔

کیا اس نے ان کی تدبیر کو اکارت نہیں کر دیا؟

اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے۔ جو ان پر پکّی ہوئی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے پھر ان کا یہ حال کر دیا جیسے جانوروں کا کھایا ہوا بھوسا۔

نتائج و عبر

آنکھوں دیکھا حال

عرب کا مشہور شاعر نفیل بن حبیب جو اصحاب الفیل کا چشم دید گواہ ہے۔ اپنے اشعار میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم نے بیان کیا ہے۔

محمد بن اسحٰق نے اپنی تاریخ میں اس کے چند ایک اشعار نقل کئے ہیں:-

رُدَیْنَۃُ لَوْ رَأَیْتِ وَلَا تَرَیْہِ — لَدٰی جَنْبِ الْمُحَصَّبِ مَا رَأَیْنَا

اے رُدینہ کاش تو دیکھتی اور تو نہیں دیکھ سکیگی — جو کچھ ہم نے وادی محصب کے قریب دیکھا ہے

حَمِدْتُ اللّٰہَ اِذْ اَبْصَرْتُ طَیْرًا — وَخِفْتُ حِجَارَۃً تُلْقٰی عَلَیْنَا

میں نے اللہ کا شکر کیا جب پرندوں کو دیکھا — اور میں ڈر رہا تھا کہ کہیں پتھر ہم پر نہ آپڑیں

وَکُلُّ الْقَوْمِ یَسْأَلُ عَنْ نُفَیْلٍ — کَاَنَّ عَلَیَّ لِلْحُبْشَانِ دَیْنًا

اُن لوگوں میں سے ہر ایک نفیل کو ڈھونڈ رہا تھا — گویا کہ مجھ پر حبشیوں کا کوئی قرض آتا ہے۔

عرب کا ایک دوسرا شاعر عبداللہ بن الزبعریٰ اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے:-

سِتُّوْنَ اَلْفًا لَمْ یَؤُبُوْا اَرْضَہُمْ — وَلَمْ یَعِشْ بَعْدَ الْاِیَابِ سَقِیْمُہَا

ساٹھ ہزار تھے جو اپنی سرزمین کیطرف واپس جا سکے — اور نہ واپس ہونیکے بعد انکا بیمار (ابرہہ) زندہ رہا

کَانَتْ بِہَا عَادٌ وَجُرْہُمُ قَبْلَہُمْ — وَاللّٰہُ مِنْ فَوْقِ الْعِبَادِ یُقِیْمُہَا

یہاں اس سے پہلے قوم عاد اور جُرہم تھے — اور اللہ بندوں کے اوپر موجود ہے جو اسے قائم رکھے ہوئے ہے۔

ابو قیس بن اسلت اس طرح بیان کرتا ہے:۔

فَقُومُوا فَصَلُّوا رَبَّكُمْ وَتَمَسَّحُوا ۔۔۔ بِأَرْكَانِ هٰذَا الْبَيْتِ بَيْنَ الْأَخَاشِبِ

اُٹھو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور مکہ و منیٰ کی پہاڑیوں کے درمیان بیت اللہ کے کونوں کا بوسہ لو۔

فَلَمَّا أَتَاكُمْ نَصْرُ ذِي الْعَرْشِ رَدَّهُمْ ۔۔۔ جُنُودُ الْمَلِيكِ بَيْنَ سَافٍ وَحَاصِبِ

جب عرش والے کی مدد تمہیں پہنچی تو اُس بادشاہ کے لشکروں نے اُن لوگوں کو اس حال میں پھیر دیا کہ کوئی خاک میں پڑا ہوا تھا اور کوئی سنگسار کیا ہوا۔

كونُوا سِرَاعًا هَارِبِينَ وَلَمْ يَؤُبْ ۔۔۔ إِلَىٰ أَهْلِهِ بِحَبَشٍ غَيْرُ عَصَائِبِ

پھر سارا لشکر شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا ۔۔۔ ان میں چند ایک کے سوا کوئی بھی ملک حبشہ نہیں پہنچ سکا۔

جب ستایا بتوں نے تو.....

اسلامی مؤرخ محمد بن اسحٰق بیان کرتے ہیں، ابرہہ سے گفتگو کرنے کے بعد خواجہ عبد المطلب واپس آئے اور اعلان کروا دیا کہ سب لوگ اپنے اپنے خاندان کے ساتھ پہاڑوں پر چلے جائیں کہیں انکا قتل عام نہ ہو جائے اسکے بعد وہ اور قریش کے چند سردار حرم مکّی میں حاضر ہوئے اور کعبہ کی چوکھٹ پکڑ کر اللہ تعالےٰ سے دعائیں مانگیں کہ وہ اپنے گھر اور اسکے خادموں کی حفاظت فرمائے۔

اِس وقت خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت موجود تھے اور بزعم قریش ہر ایک بُت ایک ایک حاجت کا مالک تھا مگر یہ لوگ اُس نازک گھڑی میں اُن سب خداؤں کو بھول گئے صرف اللہ واحد کے سوا کسی دوسرے کا نام تک نہیں لیا، صرف اللہ صرف اللہ واحد کے آگے دستِ سوال پھیلایا۔

یہی نہیں بلکہ حضرت ام ہانی رضا اور حضرت زبیر بن العوام کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس واقعہ کے بعد قریش نے دس سال تک اللہ وحدہٗ لا شریک کے سوا کسی کی بھی عبادت نہیں کی۔

(طبرانی، حاکم، بیہقی، ابن عساکر)

حَابِسُ الفیل :۔

بخاری شریف میں حدیبیہ کے واقعہ سے متعلق جو طویل روایت موجود ہے اُس کا ایک ٹکڑا اصحاب فیل کے واقعہ پر مزید روشنی ڈالتا ہے۔

۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مدینہ منورہ سے جنگ کی نیت سے نہیں بلکہ زیارت بیت اللہ (عمرہ) کے مقصد سے مکہ مکرمہ جا رہے تھے مگر مشرکین نے یہ سمجھا کہ جنگ کا ارادہ ہے اس لئے خالد بن ولید (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) مکہ سے مقدمۃ الجیش بنکر راہ روکنے کے لئے ایک چھوٹے دستے کے ساتھ آگے بڑھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ دیکھا تو کہا واللہ ہمارا ارادہ کعبہ کی زیارت کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اگر مشرکین مکہ ہمارے اس نیک مقصد میں حائل ہوتے ہوں تو ہم بلاشبہ ان کا مقابلہ کریں گے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راہ بدل کر چلو تاکہ خالد کو پتہ نہ چلے کہ ہم کس طرف سے ہو کر آ رہے ہیں اور ایک لخت انکے سر پہ پہنچ جائیں۔ چنانچہ مسلمان ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں سے اچانک خالد بن ولید کے دستہ پر حملہ کیا جا سکتا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی (قصواء) بیٹھ گئی۔ صحابہ کرام نے ہر چند اسکو اٹھانا چاہا مگر وہ ہرگز تیار نہ ہوئی۔ اسپر لوگوں نے کہا قصواء بھڑک گئی ہے اور بے قابو ہو گئی ہے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا قصواء نہ بھڑکی ہے نہ بے قابو ہوئی اور نہ یہ اُسکی عادت ہے بلکہ اسکو اُسی نے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں والوں کو روک دیا تھا۔

زبانِ رسالت کے یہ الفاظ ہیں :۔

مَا خَلَأَتْ وَمَا ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ وَلٰكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ)

اسکے بعد آپؐ نے فرمایا اُس ذات کی قسم جسکے دستِ قدرت میں میری جان ہے مشرکین مکہ بیت اللہ کی عظمت کے سلسلے میں

جس بات کے بھی طالب ہوں گے میں اسکو پورا کروں گا۔

پھر آپؐ نے اونٹنی کو حرکت دی وہ فوراً کھڑی ہوگئی اور حدیبیہ کے آخری کنارے پر جا پہنچی۔ (بخاری غزوۃ الحدیبیہ)

جس طرح اصحاب فیل کو حرم کعبہ اور بیت اللہ کی بربادی سے اللہ تعالیٰ نے روک دیا اور اُنکا وہ ہاتھی جو فتح اور کامیابی کی علامت سمجھا جاتا تھا بیٹھ گیا۔ اسی طرح خالد بن ولید کے آمادۂ جنگ ہونے اور حضرت صدیق اکبرؓ کے ارادۂ مقابلہ نے حدود حرم میں صورتِ حال کو جنگ کے قریب کر دیا تو عظمتِ حرم کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ (اونٹنی) بیٹھ گئی تاکہ آپؐ کی زبان مبارک سے یہ اعلان کروایا جائے کہ مشرکین مکّہ سے جنگ کا ارادہ نہیں ہے اور تمام سرزمین حرم میں ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ جنگ کے سلسلے میں شعائر اللہ کی حرمت وعظمت میں کوئی فرق آجائے۔ یہاں کعبۃ اللہ ہے۔ مقام ابراہیم ہے۔ مسجد حرام ہے۔ میزاب رحمت اور صفا و مروہ کے مقدّس شعائر ہیں۔

چند تفسیری نکات :۔

(۱) أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ۔

(الفیل آیت ۱)

کیا آپؐ نے (اے نبیؐ) نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟

آیت میں خطاب بظاہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر اصل مخاطب اہل مکہ بلکہ عرب کے عام لوگ ہیں۔ یہ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اس واقعہ کے کم وبیش پچاس دن بعد ہوئی ہے۔

اس لئے اسکے اصل مخاطب اُس وقت کے عام لوگ ہیں۔

اس سلسلے میں قرآن حکیم کا اپنا ایک مخصوص طرز ہے وہ جا بجا واقعات وقصص کے سلسلے میں "أَلَمْ تَرَ" (کیا آپؐ نے نہیں دیکھا) کے الفاظ استعمال کرتا ہے اور اس سے مقصود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بلکہ عام انسانوں کو مخاطب کرنا ہوتا ہے مثال کے طور پر۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ

بِالْحَقِّ۔ الخ (ابراہیم آیت ۱۹)

کیا آپؐ (اے نبیؐ) نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان و زمین کو بالکل ٹھیک ٹھیک پیدا کیا ہے اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور ایک دوسری نئی مخلوق پیدا کرے اور یہ اللہ پر کچھ بھی مشکل نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ الخ (الحج آیت ۱۸)

کیا آپؐ کو (اے نبیؐ) معلوم نہیں کہ اللہ کے سامنے سب عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی بھی اور بہت سے ایسے بھی ہیں جن پر عذاب ثابت ہو گیا ہے اور اللہ جسکو ذلیل کرے اُس کا کوئی عزت دینے والا نہیں۔ بیشک اللہ جو چاہے کرے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّۃً۔ (الحج آیت ۶۳)

کیا آپ کو (اے نبیؐ) خبر نہیں کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا جس سے زمین سرسبز ہو گئی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ۔ الخ (النور آیت ۴۱)

کیا آپؐ کو (اے نبی) معلوم نہیں کہ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں وہ سب جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور پرندے جو پر پھیلائے ہوئے ہیں سبکو اپنی اپنی دُعا اور اپنی تسبیح معلوم ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّہَارِ وَیُوْلِجُ النَّہَارَ فِی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی۔ الخ (لقمٰن آیت ۲۹)

کیا آپؐ نے (اے نبیؐ) نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں

اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور اُس نے سورج و چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ الخ (الزمر آیت ۲۱)

کیا آپ نے (اے نبیؐ) نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اسکو زمین کے چشموں میں داخل کر دیا پھر اسکے ذریعہ کھیتیاں پیدا کرتا ہے جسکی مختلف قسمیں ہیں۔ الخ

یہ اور اس طرح کی کئی آیات ہیں جن میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا لیکن اصل مخاطب عام لوگ ہیں۔ یہ قرآن حکیم کا اپنا خاص طرز ہے جس سے اُس بات کی اہمیت کو زیادہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔

ایسے ہی اصحاب الفیل کے واقعہ میں آپؐ سے خطاب کیا گیا مقصود اُس وقت کے عام لوگ ہیں۔ مکہ اور اطراف مکہ بلکہ مکہ سے یمن تک ایسے بہت سے لوگ اُس وقت زندہ موجود تھے جنھوں نے اپنی آنکھوں سے اصحاب الفیل کی تباہی کا واقعہ دیکھا تھا کیونکہ اس واقعہ کو گزرے ہوئے چالیس پچاس سال سے زیادہ زمانہ نہیں ہوا تھا اور یہ واقعہ لوگوں کے لئے آنکھوں دیکھا حال کی طرح یقینی تھا۔

(۱) اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ :-

کیا اُن کے کید کو ضائع نہیں کر دیا؟

عربی زبان میں لفظ کید خفیہ تدبیر اور خفیہ چال کو کہا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہاں خفیہ کیا چیز تھی؟ ساٹھ ہزار کا لشکر کئی ہاتھی لئے علانیہ طور پر یمن سے مکہ آیا تھا اور اُس نے یہ بات بھی چھپا نہیں رکھی تھی کہ وہ خانہ کعبہ کو ڈھانے آیا ہے۔ چنانچہ ابرہہ نے اسکا اظہار مکہ کے سردار خواجہ عبد المطلب سے بھی کر دیا تھا۔ لہذا قرآن حکیم کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی خفیہ تدبیر کو ناکام کر دیا کوئی معنی نہیں رکھتا؟

حقیقت یہ ہے کہ ابرہہ اور اسکے لشکر کی یہ غرض تھی کہ وہ کعبۃ اللہ کو ڈھا کر قریش کی مرکزی حیثیت ختم کر دے اور یمن میں عیسائی کعبہ کو اسکی جگہ دی جائے تاکہ سارے

عالم کا رُخ بجائے مکّہ مکرمہ کے یمن کی طرف ہوجائے۔ یہ اُن کی خُفیہ بات تھی جسکو لیکر خانہ کعبہ ڈھانے آئے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی ایک چھوٹی سی مخلوق سے اُن کو فنا کے گھاٹ پہنچادیا۔

(۲) تَضْلِیْل :۔

کے معنی گمراہی میں ڈالنا، گُم کر دینا، حیران و پریشان کر دینا کے آتے ہیں لیکن عربی محاورے میں کسی تدبیر کو گمراہ کر دینے کا مطلب اُس کو ضائع اور ناکام کر دینے کے ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ایسا استعمال بکثرت آیا ہے۔

وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ۔ (المؤمن آیت ۲۵)

اور کافروں کی تدبیر اکارت ہی گئی۔

وانّ اللہ لا یھدی کید الخائنین۔ (یوسف آیت ۵۲)

اور بیشک اللہ خیانت کرنیوالوں کی تدبیر کو کامیابی کی راہ پر نہیں لگاتا۔

وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ۔ (المؤمن آیت ۳۷)

اور نہیں تھی فرعون کی تدبیر سوائے (اُس کی اپنی ہی) تباہی میں (یا) اور فرعون کی تدبیر غارت ہی گئی۔

وَمَا دُعَآءُ الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلَالٍ۔

اور کافروں کی دُعا محض بے اثر ہے۔ (المومن آیت ۵۰) (الرعد آیت ۱۴)

(۳) طَيْرًا اَبَابِيْلَ :۔

طیر کے معنی پرندے کے ہیں اور اَبَابیل اَبَالہ کی جمع ہے جسکے معنی متفرق گروہ کے ہیں جو پے در پے مختلف سمتوں سے ٹوٹ پڑیں۔ یہ گروہ خواہ آدمیوں کے ہوں یا جانوروں کے ہوں۔

حضرت عکرمہؒ اور قتادہؒ کہتے ہیں کہ یہ جھُنڈ کے جھُنڈ پرندے بحر احمر کی طرف سے آئے تھے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ اور حضرت عکرمہؒ کہتے ہیں کہ اس قسم کے پرندے نہ پہلے کبھی دیکھے گئے تھے اور نہ بعد میں دیکھے گئے۔

حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ انکی چونچیں پرندوں جیسی تھیں اور پنجے کتّوں جیسے۔

حضرت عکرمہؒ کا یہ بھی بیان ہے کہ ان کے سر شکاری پرندوں کے سروں جیسے تھے۔ اور تقریباً سب راویوں کا متفقہ بیان ہے کہ ہر پرندے کی چونچ میں ایک ایک کنکر تھا اور پنجوں میں دو دو کنکر۔

مکّہ مکرمہ کے بعض لوگوں کے پاس یہ کنکر عرصہ دراز تک محفوظ رہے۔ چنانچہ محدّث ابونعیم نے نوفل بن ابی معاویہ کا بیان نقل کیا ہے کہ میں نے وہ کنکر دیکھے ہیں جو اصحاب الفیل پر پھینکے گئے تھے وہ مٹر کے چھوٹے دانے کے برابر، سیاہی مائل سُرخ تھے۔ محدث ابن مردویہ کی روایت ہے کہ وہ بکری کی مینگنی کے برابر تھے۔

(۴) بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ :۔

سجیل کے معنی پکّی مٹّی کے ہیں یعنی وہ کنکریاں پکّی (آگ میں جلائی ہوئی) مٹی کے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ دراصل فارسی کے الفاظ سنگ اور گِل کا مجموعہ ہے۔ یعنی وہ پتھر جو مٹی کے گارے سے بنایا گیا ہو اور آگ میں پک کر سخت ہوگیا ہو۔

قوم لوط پر جن پتھروں کی بارش ہوئی تھی اُن کو بھی حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ کہا گیا ہے۔

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ الآیۃ۔ (ہود آیت ۸۲)

اور ہم نے اُس بستی پر پکّی مٹی کے پتھر یکے بعد دیگرے برسائے جن میں سے ہر پتھر تیرے رب کے ہاں نشان زدہ تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ عذابِ الٰہی کے لئے اس قسم کے پتھروں سے کام لیا گیا ہے۔

(۵) مقصود کلام :۔

جو تاریخی تفصیلات اوپر درج کی گئی ہیں اُن کو نگاہ میں رکھ کر سورۂ فیل پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس سورہ میں نہایت اختصار کے ساتھ بغیر کسی تفصیلات اصحاب الفیل پر عذاب کا ذکر کر دینے پر کیوں اکتفا کیا گیا ہے؟ اسکی وہ تفصیلات جو عام

طور پر ہر ایک کی زبان پر تھیں حذف کر دی گئیں۔ یہ اس لئے کہ اصحاب الفیل کا واقعہ اہل مکہ اور اُسکے اطراف واکناف کے لئے کچھ زیادہ قدیم نہ تھا۔ مکے کا بچہ بچہ اسکو جانتا تھا۔ عرب کے لوگ عام طور پر اس سے واقف تھے بلکہ اس واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والوں کی بھی اُس وقت کمی نہ تھی۔ شعراء اپنے اشعار میں اور قصہ گو اپنی کہانیوں میں اسکو ایک واقعہ وحادثہ کے طور پر بیان کیا کرتے تھے۔ قریش کے سرداروں نے ابرہہ کے اس حملے سے کعبہ کی حفاظت کے لئے کسی دیوی دیوتا یا خود خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے ۳۶۰ خداؤں سے دُعا نہیں مانگی تھی بلکہ صرف اللہ واحد کا نام لیا تھا حتیٰ کہ چند سال تک قریش کے لوگ اس واقعہ سے اسقدر متأثر رہے کہ انھوں نے اللہ واحد کے سوا کسی کی عبادت بھی نہ کی۔ اس لئے سورہ فیل میں واقعہ کی تفصیلات کے ذکر کرنیکی ضرورت نہ تھی بلکہ صرف واقعہ کو یاد دلانا کافی تھا تاکہ قریش کے لوگ خصوصاً اور اہل عرب اور عالم کے انسان عموماً اس بات پر غور کریں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کی طرف دعوت دے رہے ہیں وہ آخر اسکے سوا اور کیا ہے کہ تمام معبودوں کو چھوڑ کر صرف اور صرف رب کعبہ کی عبادت کی جائے جو اُن کا اور ان کے تمام آباء واجداد اور کائنات کا رب ہے۔

نیز اس واقعہ میں یہ بھی تنبیہ ہے کہ دعوتِ حق کو دبانے کے لئے اگر انھوں نے زور اور زبردستی سے کام لیا تو جس ذات نے اصحاب الفیل کو جانوروں کے چارے کی طرح بھوسا کر دیا تھا اُسی کے غضب میں وہ بھی گرفتار ہو سکتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ
اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ (ھود آیت ۱۰۲)

اور آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہی سخت ہے جب وہ کسی بستی والوں پر گرفت کرتا ہے جبکہ وہ ظلم وکفر کیا کرتے ہوں بلاشبہ اُس کی گرفت شدید دردناک ہے (یعنی ظالموں کو لمبی مہلت دی جاتی ہے جب کسی طرح باز نہیں آتے تو پکڑ کر گلا دبا دیا جاتا ہے۔)

(۶) بیت اللہ:۔

خانہ کعبہ اللہ کا گھر کہلاتا ہے اسکے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس گھر میں ساکن ہے یا

وہ گھر کا محتاج ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُس نے اپنی عبادت کی غرض سے سچے عبادت گزاروں کے لئے کعبہ کو مرکز اور جہت (سمت) قرار دیا ہے۔ یہ اس لئے کہ جب اللہ تعالےٰ جہات سے وراء الوراء اور پاک ہے اور انسان اپنے ہر کام میں جہات میں سے کسی جہت کا محتاج ہے تو اس لئے اللہ تعالےٰ نے بندگی خالص کے لئے ایک مرکز اور عمارت بنوائی تاکہ اہل توحید اپنی عبادت میں اللہ کی مقرر کردہ جہت کو اپنا مرکز بنائیں اور اُس طرف رُخ کرکے اُسکی عبادت کریں اور اللہ واحد کی عبادت کے لئے جہت واحد کو اپنا قبلہ تسلیم کریں۔ یہ مقدس عمارت اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے مقدس بیٹے اسماعیل علیہ السلام نے دنیا میں سب سے پہلے صرف اللہ واحد کی عبادت کے لئے تعمیر کیا تھا اور جو توحید کے اعلان کی سب سے پُرانی یادگار ہے۔

(۷) ابدی غیرفانی مرکز:-

ابرہہ مذہباً عیسائی تھا اس لئے وہ بیت اللہ (کعبہ) کی عظمت کو کسی طرح برداشت نہیں کرتا تھا اور اس کا وجود ایک کانٹے کی طرح اس کے دل میں کھٹک رہا تھا۔ اس نے خیال کیا کہ خانہ کعبہ پتھروں اور مٹی کی سادہ عمارت ہے۔ اگر اسکے مقابلہ میں ایک ایسی خوبصورت اور بے نظیر عمارت بشکل کلیسا (گرجا) تیار کردی جائے جو بیش بہا قیمتی پتھروں اور جواہرات سے مزیّن ہو تو اس سے سارے عرب کی توجہ کعبہ سے ہٹا سکوں گا اور اس جدید معبد کو مرکز عالم بنا سکوں گا۔

یہ سوچ کر اُس نے یمن کے دارالحکومت صنعاء میں ایک بے نظیر گرجا (القُلیس) بنوایا۔ پھر ایک معمولی واقعہ کو حیلہ بنا کر خانہ کعبہ کی بربادی کا تہیہ کر لیا۔

لیکن اُسکو یہ معلوم نہ تھا کہ توحید خالص کا یہ مرکز پتھر و مٹی کی عمارت کا نام نہیں ہے بلکہ وہ سمت وجہت ہے جو ایک اللہ کی عبادت کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی جابر وظالم کعبہ کی موجودہ عمارت کو تہس نہس کردے تب بھی مسلمانوں کا قبلہ وہی جہت برقرار رہے گا اور اُس کی عالمی ابدی مرکزیت میں کچھ بھی فرق نہیں آئے گا۔ چنانچہ علاماتِ قیامت والی احادیث میں یہ خبر بھی ملتی ہے کہ قُرب قیامت میں ایک حبشی غلام کعبہ کی عمارت کو ڈھادے گا۔

لیکن اسکے باوجود کعبہ بدستور کعبہ برقرار رہے گا۔

ادیانِ عالم میں صرف اور صرف اسلام کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کا قبلہ "ابدی غیر فانی" مرکزیت کا حامل ہے۔

ایک عارف نے اسی ابدی مرکزیت کی طرف اشارہ کیا ہے :-

"قبلہ کو اہل نظر قبلہ نُما کہتے ہیں۔"

تذکرہ
سیدنا عیسیٰ علیہ السلام
(کلمۃ اللہ)

تعارف حضرت عیسیٰ علیہ السلام جلیل القدر اور اولو العزم پیغمبروں میں سے ہیں اور جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و رسل کے خاتم ہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں۔ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں جسقدر بھی نبی ہوئے ہیں اُن سب کے آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

تمام اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیانی زمانے میں کوئی نبی اور رسول مبعوث نہیں ہوئے اور درمیان کا یہ زمانہ جسکی مدت تقریباً ۵۷۰ سال ہے زمانۂ فترۃ (انقطاعِ وحی کا زمانہ) کہلاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جلالتِ قدر اور عظمتِ شان کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل پر کتاب تورات کے علاوہ "انجیل" سے زیادہ عظیم المرتبت دوسری کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ نزولِ تورات کے بعد یہودیوں نے جو قسم قسم کی گمراہیاں دین حق میں ایجاد کر لی تھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ کتاب تورات کی شرح بنکر بنی اسرائیل کو اِن گمراہیوں سے بچنے کی تعلیم دی۔ اس طرح اس کتاب نے تکمیلِ تورات کا فرض انجام دیا۔ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فراموش شدہ پیغامِ ہدایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی نے دوبارہ تازہ کیا۔

علاوہ ازیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سرور کائنات رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے مُنادی اور مُبشر بھی ہیں جیسا کہ قرآن حکیم نے انکشاف کیا ہے۔

قرآن حکیم نے جن مقدس ہستیوں کے واقعات سے بہت زیادہ بحث کی ہے اُنہیں ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں۔ قرآن حکیم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات

اور واقعات کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ان کی حیاتِ طیّبہ کے سلسلے میں بطور دیباچہ اِن کی والدہ محترمہ سیّدہ مریم علیہا السلام کی واقعاتِ زندگی پر بھی روشنی ڈالی ہے تاکہ قرآن حکیم کا مقصد "تذکیر باَیام اللہ" پورا ہو۔ ان ہر دوؑ کی حیات طیّبہ دلیل، برہان، آیت، ہدایت، درس و نصیحت سب کچھ ہے۔

یہ ذکر پاک قرآن حکیم کی چودہ‎۱۴ سورتوں میں آیا ہے کہیں تفصیل کے ساتھ اور کہیں اختصار و اجمال کے ساتھ۔ ان میں کسی جگہ اسم مبارک "عیسیٰ" سے یاد کیا گیا ہے اور کہیں "مسیح" اور "عبد اللہ" کے لقب سے اور کسی مقام پر کنیت "ابن مریم" اور کہیں کلمہ اور "روح" سے ذکر کیا گیا۔

قرآن حکیم کی وہ چودہ سورتیں حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ البقرہ ——— آیات ۸۷، ۱۳۶، ۲۵۳
۲۔ آل عمران ——— " ۴۲ تا ۶۴، ۸۴
۳۔ النساء ——— " ۱۵۶ تا ۱۵۹، ۱۷۱، ۱۷۲
۴۔ المائدہ ——— " ۱۷، ۴۶، ۷۲، ۷۵، ۷۸، ۱۱۰ تا ۱۲۰
۵۔ الانعام ——— آیت ۸۵
۶۔ التوبہ ——— آیات ۳۰، ۳۱
۷۔ مریم ——— ۱۶ تا ۳۵
۸۔ الانبیاء ——— آیت ۹۱
۹۔ المؤمنون ——— " ۵۰
۱۰۔ الاحزاب ——— " ۷
۱۱۔ الشوریٰ ——— " ۱۳
۱۲۔ الزخرف ——— آیات ۵۷، ۶۳
۱۳۔ الحدید ——— آیت ۲۷
۱۴۔ الصف ——— آیات ۶، ۱۴

مریم بنت عِمران

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرے سے قبل حضرت سیّدہ

مریم کا ذکر اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ ہیں اور اسکے علاوہ ایک ایسی مقدّس خاتون بھی ہیں جن کا تذکرہ قرآن حکیم نے مستقل طور پر کیا ہے۔

قوم بنی اسرائیل میں حضرت عمران ایک عابد و زاہد شخص تھے اور اُسی زہد و عبادت کی وجہ سے مسجد اقصیٰ میں نماز کی امامت بھی اِن ہی کے سپرد تھی۔ ان کی بیوی سیدہ حنّہ بھی بہت ہی نیک اور پارسا خاتون تھیں۔ اپنی نیکی اور شرافت کی وجہ سے دونوں قوم میں بہت زیادہ احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔

حضرت عِمران صاحبِ اولاد نہ تھے انکی بیوی حضرت حنّہ بہت زیادہ متمنی تھیں کہ اُن کے اولاد ہو اور اس کے لئے وہ ہمیشہ درگاہ الٰہی میں دست بدُعا اور قبولیت دُعا کے لئے منتظر رہتی تھیں، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حنّہ اپنے مکان کے صحن میں چہلقدمی کر رہی تھیں دیکھا کہ ایک پرندہ اپنے بچّے کو بھرّا رہا ہے اور محبّت و پیار سے اس کو چوم رہا ہے۔ پیار و محبت کے اس منظر نے حضرت حنّہ کو بہت ہی متاثر کیا اولاد کی تمنّا نے دل کو مزید بیقرار کر دیا۔ حالتِ اضطراب میں دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیئے۔ عرض کیا:-

"پروردگار اسی طرح مجھ کو بھی اولاد عطا کر جو ہماری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بنے۔"

بیقرار دل کی دُعا نے قبولیت کا جامہ پہنا اور حضرت حنّہ نے چند روز بعد محسوس کیا کہ وہ پُر اُمید ہیں۔ حضرت حنّہ کو اس احساس سے اس درجہ مسرّت ہوئی کہ اُنھوں نے نذر مان لی کہ جو بچہ پیدا ہوگا اُسکو ہیکل (مسجد اقصیٰ) کی خدمت کے لئے وقف کر دونگی۔[۱]

بہر حال اللہ تعالیٰ نے حضرت عمران کی بیوی حضرت حنّہ کی دُعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور وہ مسرّت و شادمانی کے ساتھ اُمید بَر آنے کی گھڑی کا انتظار کرنے لگیں۔

محمد بن اسحٰق اور حافظ ابن عساکر اور اکثر اہل علم کا اسپر اتفاق ہے کہ حضرت عمران حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اسی طرح انکی بیوی حضرت حنّہ بھی حضرت داؤد علیہ السلام کی ذرّیت میں سے ہیں۔

ولادتِ مریم

حضرت حنّہ کی مدّتِ حمل جب پوری ہوگئی تو ولادت کا وقت آپہنچا

[۱] بنی اسرائیل کے مذہبی رسوم میں یہ رسم بہت ہی مقدّس سمجھی جاتی تھی کہ اپنی اولاد کو مقدس ہیکل کی خدمت کیلئے وقف کر دیا جائے۔

ولادت کے بعد حضرت حنّہ کو اطلاع دی گئی کہ ان کے بطن سے لڑکی پیدا ہوئی ہے۔

جہاں تک اولاد کا تعلق ہے حضرت حنّہ کے لئے یہ لڑکی بھی لڑکے سے کم نہ تھی مگر اُن کو شدت سے یہ احساس ہوا کہ میں نے جو نذر مانی تھی وہ پوری نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ لڑکی مسجد اقصےٰ کی خدمت کیوں کر انجام دے گی؟ یہ کام تو مرد ہی انجام دے سکتے ہیں۔

لیکن اللہ تعالےٰ نے بطور الہام یا ہاتف غیبی اُن کے افسوس کو مسرت سے یہ کہہ کر بدل دیا کہ ہم نے تیری لڑکی کو ہی قبول کر لیا ہے اور اسکی وجہ سے تیرا خاندان اور بھی معزّز اور مبارک قرار پائے گا۔

حضرت حنّہ نے لڑکی کا نام مریم رکھا اور دُعا کی کہ "اے پروردگار اسکو اور اسکی اولاد کو شیطان کے ہر فتنہ سے محفوظ فرما۔"

سُریانی زبان میں مریم کے معنی خادم کے ہیں۔ چونکہ یہ مسجد اقصےٰ کی خدمت کے لئے وقف کر دی گئی تھیں اس لئے یہ نام موزوں سمجھا گیا۔

بعض کہتے ہیں کہ مریم کے معنی "بلند" اور "عبادت گزار" کے ہیں۔

بشر بن اسحٰق کہتے ہیں کہ سیدہ حنّہ ابھی حاملہ ہی تھیں کہ اُن کے شوہر حضرت عمران کا انتقال ہو گیا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۶۴)

بعض دوسرے مؤرخین لکھتے ہیں کہ سیدہ مریم ابھی شیر خوار ہی تھیں کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔

یتیم بچّی مریم کی پرورش ماں نے بہت اچھے طریقے پر کی۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم بھی قدم قدم پر شاملِ حال رہا۔ جب وہ سنِ شعور کو پہنچیں اور نذر کے مطابق بیت المقدس کی عبادت گاہ (ہیکل) میں داخل کر دی گئیں تو یہ سوال پیدا ہوا کہ ہیکل کی یہ مقدس امانت کس کے سپرد کی جائے اور کون اس کا کفیل و نگراں ہو؟ ہیکل کے کاہنوں میں سے ایک نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اس مقدس امانت کا کفیل مجھ کو بنایا جائے۔ ایک دوسرے کاہن نے کہا کہ اس امانت کو میرے حوالہ کیا جائے۔ بیت المقدس کے مقیمین اور عابدین میں حضرت زکریا علیہ السلام بھی تھے۔ انھوں نے بھی اس کا مطالبہ کیا اور وجہ ترجیح

یہ بیان کی کہ میری بیوی اِس لڑکی کی خالہ ہوتی ہیں اور خالہ بمنزلۂ ماں کے ہوتی ہے اور ماں کے بعد خالہ ہی پرورش کی حقدار ہے۔ لہٰذا مجھکو اس بچی کا کفیل قرار دیا جائے۔ لیکن دوسرے مقدس کاہنوں نے اس دلیل کو قبول نہ کیا۔ آخرکار طے پایا کہ قرعہ اندازی کے ذریعہ اس کا فیصلہ کیا جائے۔ اُس زمانے میں قرعہ اندازی کو ایک سند و دلیل سمجھا جاتا تھا اور اُس کا ایک خاص طریقہ تھا جو اس وقت رائج تھا[1]۔ اُسی رواج کے مطابق ہر خواہشمند نے اپنے اپنے قلم دریا میں ڈالے مگر قرعہ کے مطابق ہر مرتبہ حضرت زکریا علیہ السلام کا ہی نام نکلا۔ بعض روایات کے مطابق یہ قرعہ اندازی تین مرتبہ کی گئی۔ مقدّس کاہنوں نے جب یہ معاملہ دیکھا تو سب نے یقین کر لیا کہ حضرت زکریا (علیہ السلام) کے ساتھ تائیدِ غیبی ہے۔ پھر سب نے دست برداری اختیار کر لی اور مقدس امانت (مریم) حضرت زکریا علیہ السلام کے سپُرد کر دی گئی۔ اس طرح سیدہ مریم کی پرورش اور نگرانی حضرت زکریا علیہ السّلام کے تحت ہو گئی۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے سیدہ مریم کے لئے مسجد کا ایک محراب (حجرہ) منتخب کیا اور اُس میں اُن کا قیام طے پایا۔ گزشتہ زمانے میں گرجاؤں اور کلیساؤں میں عبادت گاہ کی عمارت سے متصل سطح زمین سے کچھ بلندی پر حُجرے بنائے جاتے تھے جن میں عبادت گاہ کے منتظمین، خدّام اور معتکف حضرات رہا کرتے تھے انھیں محراب کہا جاتا تھا۔ اسی قسم کے کمروں میں سے ایک میں سیدہ مریم بھی معتکف تھیں۔ وہ تمام دن عبادت اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتیں۔ رات کو حضرت زکریا علیہ السلام انھیں اپنے گھر لاتے اور وہ اپنی خالہ کے گھر رات بسر کرتیں۔ (رُوح المعانی، آل عمران)

---

[1] وہ اس طرح کہ بانس کے قلم جو تورات کے لکھنے میں کام آتے تھے ان پر تورات ہی کے چند کلمات لکھ کر دریا میں ڈال دیا جاتا تھا۔ قلم عموماً دریا ہی کے رُخ بہنے لگتے۔ لیکن بعض قلم دریا کے مخالف رُخ کو بہتے اور رہی مخالف رُخ کامیابی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

ہیکل (مسجد اقصیٰ) کی تاریخ میں یہ ایک نئی بات تھی کہ کسی لڑکی کو مسجد کی خدمت کے لئے منتخب کر لیا گیا ہو۔

مسیحی روایات کے مطابق سیدہ مریم تین سال کی عمر میں ہیکل کی خادمہ کی حیثیت سے داخل ہوئیں جہاں عبادت گاہ کے چھوٹے بڑے سب خادم اس کمسن بچی کو دیکھ دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام ویسے بھی ہیکل کے افسر اعلیٰ تھے۔ اس لحاظ سے ہر خادم کی نگرانی کرنا اُن کے فرائض میں شامل تھا اور پھر سیدہ مریم کے تو آپ عزیز قریب اور قابل اعتماد سرپرست بھی تھے۔ اِن کے حجرے میں قدرتاً آپکی آمد و رفت رہا کرتی تھی۔ قرآن حکیم کا ایک لفظ "کُلَّمَا دَخَلَ" اس سارے مفہوم کو ادا کرتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام جب بھی حجرۂ مریم میں آتے وہاں قسم قسم کے پھل میوے رکھے ہوئے دیکھتے بلکہ بعض تو پھل ایسے ہوتے کہ جن کا ان دنوں موسم بھی نہ ہوتا تھا۔ تعجب سے پوچھتے اے مریمؑ یہ "رزق" کہاں سے آیا ہے؟

سیدہ مریمؑ جواب دیتیں کہ یہ اللہ کی جانب سے آجاتا ہے۔ بیشک اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دے دیتا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو اپنے گھر سے سیدہ مریم کیلئے کھانے پینے کی چیزیں لانے کی نوبت نہیں آتی تھی۔

الغرض سیدہ مریمؑ شب و روز عبادت الٰہی میں رہتیں اور جب ہیکل کی خدمت کا وقت آتا تو اسکو بھی بخوبی انجام دیتی تھیں حتیٰ کہ اُن کا زہد و تقویٰ بنی اسرائیل میں ضرب المثل ہوگیا اور آنکی زہد و عبادت کی مثالیں دی جانے لگیں، حضرت زکریا علیہ السلام بھی ان کے تقویٰ و طہارت سے بیحد متاثر تھے کہ اللہ تعالےٰ نے اس یتیم لڑکی کی عظمت و جلالتِ قدر کو بہت بلند کیا ہے۔

سیدہ مریمؑ کا یہ مقام اور شب و روز تائید الٰہی دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام کے قلب میں اسی طرح نیک و صالح اولاد کی تمنا پیدا ہوئی ابھی تک یہ لاولد تھے۔ سیدہ مریمؑ کے پاس بے موسم پھل آتے دیکھ کر یہ احساس شدید تر ہوگیا کہ یہ مقام مبارک اور نزولِ رحمت کا ہے دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیئے:-

پروردگار مجھے بھی اپنی عنایت سے اُسی طرح دے جیسے کہ

تو بے موسم تر و تازہ میوے مریمؑ کو عطا کرتا ہے۔"

حضرت زکریا علیہ السلام کی یہ دُعا ایسے وقت ہوئی جبکہ وہ اپنی عمر کے آخری حصہ میں تھے اور بیوی محترمہ بانجھ تھیں۔ اللہ تعالےٰ نے بے موسم میووں کی طرح حضرت زکریا علیہ السلام کو فرشتوں کے ذریعہ یہ بشارت سُنائی کہ عنقریب تمہیں بھی ایک لڑکا ہوگا جو بلند مرتبہ نبیوں میں شامل ہوگا۔ چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے (تفصیل تذکرۂ سیدنا زکریا و یحییٰ علیہما السلام میں آچکی ہے)

سیدہ مریم چونکہ نہایت عابدہ وزاہدہ اور تقویٰ وطہارت میں ضرب المثل تھیں اور جبکہ عنقریب اُن کو ایک جلیل القدر نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہونے والا تھا تو منجانب اللہ اُن کی تقدیس وتطہیر (آیت تطہیر) کا یہ اعلان فرشتوں کے ذریعہ اُنھیں پہنچایا گیا:۔

اے مریم بیشک آپ کو اللہ نے پسند کر لیا ہے اور پاک کردیا ہے اور آپ کو دنیا جہان کی عورتوں کے مقابلہ میں منتخب (مقبول) کیا ہے۔
اے مریم اپنے پروردگار کی (اسی طرح) اطاعت کرتی رہیئے اور سجدہ کرتی رہیئے اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہیے۔ (آل عمران آیت ۴۲)

عمران کی بیوی سیدہ حنّہ (والدہ مریم) کا تذکرہ سیدہ مریم کی ولادت، اُن کی پرورش، ہیکل کی خدمت، حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت، حضرت مریم کی ز[illegible]بادت اور اللہ تع[illegible] کی خصوصی عنایت وکرم کا یہ تذکرہ قرآن حکیم کی آیاتِ ذیل میں اسطرح بیان کیا گیا ہے:۔

قرآنی مضمون

اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿ۙ۳۳﴾

(آل عمران آیات ۳۳ تا ۳۸)

بے شک اللہ نے پسند کیا ہے آدمؑ اور نوحؑ اور خاندانِ ابراہیمؑ اور خاندانِ عمران کو سارے دُنیا جہان سے۔
یہ ایک سلسلہ کے لوگ تھے جو ایک دوسرے کی نسل سے پیدا ہوئے تھے اور اللہ سمیع وعلیم ہے۔

(اللہ تعالیٰ اس وقت سُن رہا تھا) جب عمران کی بیوی نے عرض کیا اے میرے پروردگار میں نے تیری نذر مانی ہے اس بچّہ کی جو میرے پیٹ میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جائے گا (یعنی تیری ہی خدمت وعبادت کے لئے وقف رہے گا) سو تو مجھ سے یہ قبول کرلے بیشک تو خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے۔ (یعنی میری دُعاؤں کا سننے والا اور میرے اخلاص کا جاننے والا ہے۔)

پھر اُس نے جب (مریم کو) جنا تو بولی کہ اے میرے پروردگار میں نے تو لڑکی جنی ہے (اور لڑکی کس طرح تیرے گھر کی خدمت کر سکے گی؟) اور اللہ تو خوب جانتا تھا کہ اُس نے کیا جنا ہے (یعنی اس مولود سے جو عظمتیں وابستہ تھیں اُن کی خبر بیچاری ماں کو کیا ہو سکتی تھی اِن سے تو بس اللہ ہی خوب واقف تھا) اور لڑکا (اس) لڑکی جیسا نہیں ہو سکتا تھا (یعنی اللہ اس سے خوب واقف تھا)

اور (اے رب) میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اُسے اور اُسکی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں (کہ خدمتِ دین میں وہ کسی طرح بھی منحرف نہ ہونے پائے)

پھر اُس کے پروردگار نے اسکو بخوشی قبول کر لیا (یعنی خدمتِ ہیکل کی ساری تاریخ میں یہ ایک نئی بات تھی)

اور اس لڑکی کو اچھا نشوونما دیا اور اُس کا سرپرست زکریاؑ کو بنایا (یعنی جسمانی واخلاقی وروحانی اعتبار سے مریم کا اچھا نشوونما ہوا) جب کبھی زکریاؑ ان کے پاس حجرے میں آتے تو ان کے پاس کوئی چیز کھانے پینے کی پاتے (اور اس پر وہ قدرۃً حیرت کرتے اور ایک بار) بولے اے مریم یہ کہاں سے تجھے مل جاتی ہیں؟ وہ بولیں یہ اللہ کی طرف سے آجاتی ہیں بیشک اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

(بس) وہیں زکریاؑ اپنے پروردگار سے دُعا کرنے لگے عرض کیا اے میرے پروردگار مجھے اپنے پاس سے کوئی پاکیزہ اولاد عطا کر

(جو میرے کارِ نبوت کو آگے چلا سکے) بیشک تو دُعا کا بڑا سننے والا ہے (یعنی بڑا قبول کرنے والا ہے)

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ. الخ (آل عمران آیات ۴۲ تا ۴۴)

اور وہ وقت یاد کرو جب فرشتوں نے کہا اے مریم بیشک آپ کو اللہ نے پسند کر لیا ہے اور پاک کر دیا ہے اور آپ کو دنیا جہان کی عورتوں کے مقابلہ میں منتخب کر لیا ہے۔

اے مریمؑ اپنے پروردگار کی اطاعت کرتی رہو اور سجدہ کرتی رہو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہو۔

یہ (واقعات) غیب کی خبروں میں سے ہیں جو ہم آپؐ کے اوپر وحی کر رہے ہیں اور آپ تو (اے نبیؐ) اُن لوگوں کے پاس تھے نہیں جب کہ وہ لوگ اپنے قلم (قرعہ کے لئے دریا میں) ڈال رہے تھے کہ اُن میں سے کون مریمؑ کی سرپرستی کرے؟ اور نہ آپؐ اُن کے پاس اُس وقت تھے جب وہ باہم اختلاف کر رہے تھے۔ (یعنی یہ سب باتیں آپکو وحی الٰہی سے بتلائی جا رہی ہیں)

بشارتِ مسیحؑ

انبیاء و رسل کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ اُولوالعزم انبیاء کی پیدائش سے قبل بشارتیں، الہام، غیبی اشارے ظاھر ہوئے ہیں اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ انبیاء سابقین اپنی وفات سے پہلے آنے والے نبی و رسول کی بشارت و خبر دے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت موسیٰؑ و یحییٰؑ و عیسیٰ علیہم السلام کے اسماء گرامی لئے جا سکتے ہیں جنھوں نے اپنی حیاتِ طیبہ ہی میں اپنے بعد آنے والے اُولوالعزم نبیوں کی بشارت دے گئے ہیں۔ یہ اس لئے بھی کہ اُن کی آمد سے پہلے دعوتِ حق کے لئے زمین ہموار رہے اور انسانیت کیلئے زیادہ سے زیادہ ہدایت فراہم ہو سکے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اُن چند اولوالعزم مقدس رسولوں میں سے ایک ہیں اور اسی بنا پر انبیاء بنی اسرائیل میں سے متعدد انبیاء کرام انکی بعثت سے قبل بشارت سناتے رہے ہیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن حکیم نے خاص طور پر یہ صراحت کی ہے کہ وہ "مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ" یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنے والے تھے۔
(آل عمران آیت ۳۹)

"عابدہ وزاہدہ پاک مریم اپنے خلوت کدہ میں مشغول عبادت رہتی اور ضروری حاجات کے علاوہ باہر نہ نکلتی تھیں، ایک مرتبہ مسجد اقصیٰ (ہیکل) کے مشرقی جانب لوگوں کی نگاہ سے دور ایک گوشہ میں مشغول عبادت تھیں کہ اچانک اللہ کا فرشتہ (جبرئیلؑ) انسانی شکل میں ظاہر ہوا۔ سیدہ مریمؑ نے ایک اجنبی آدمی کو اس طرح خلوت کدہ میں اچانک آتے دیکھا تو گھبرا گئیں اور کہنے لگیں اگر تجھ کو ذرا بھی اللہ کا خوف ہے تو میں تجھ کو اللہ رحمٰن کا واسطہ دے کر تجھ سے پناہ چاہتی ہوں۔ فرشتے نے کہا مریم! خوف نہ کھا میں انسان نہیں بلکہ اللہ کا فرستادہ فرشتہ ہوں اور تجھکو بیٹے کی بشارت دینے آیا ہوں۔"

سیدہ مریم نے جب یہ سُنا تو انتہائی تعجب سے کہنے لگیں، میرے لڑکا کیسے ہوگا جبکہ آج تک مجھے کسی بھی شخص نے ہاتھ نہیں لگایا، اس لئے کہ میں نے نہ تو نکاح کیا ہے اور نہ میں کوئی بدکار ہوں۔

فرشتے نے جواب دیا میں تو تیرے رب کا قاصد ہوں اُس نے مجھے اسی طرح کہا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ تجھ کو اور تیرے لڑکے کو کائنات کے لئے اپنی قدرت کا "نشان" بنادوں گا اور لڑکا میری جانب سے "رَحْمَۃً" ثابت ہوگا اور میرا یہ فیصلہ اٹل ہے۔

اے مریمؑ! اللہ تعالیٰ تجھ کو ایک ایسے لڑکے کی بشارت دیتا ہے جو اُس کا "کَلِمَۃ" ہوگا اسکا لقب "مسیح" اور اس کا نام "عیسیٰ" ہوگا اور وہ دنیا و آخرت دونوں میں عظمت والا اور باوجاہت ہوگا۔ اور وہ

"مُقربین" میں سے ہوگا اور وہ اللہ کے نشان کے طور پر شیر خوارگی کے زمانے
میں لوگوں سے باتیں کرے گا اور بڑھاپے (کا ابتدائی دور) بھی پائے گا۔
اللہ تعالیٰ کا قانون قدرت ہے کہ جب وہ کسی شئی کو وجود میں لانا چاہتا
ہے تو اس کا محض یہ ارادہ اور حکم کہ "ہو جا" اُس شئی کو عدم سے وجود میں
کر دیتا ہے۔ لہٰذا اے مریم! یہ یوں ہی ہو کر رہے گا اور اللہ تعالیٰ اسکو
اپنی کتاب عطا کرے گا، اسکو حکمت سکھائے گا اور اسکو بنی اسرائیل
کی رُشد و ہدایت کے لئے رسول اور اُولوالعزم پیغمبر بنائے گا۔"

قرآن حکیم نے ان واقعات کو معجزانہ اسلوب بیان کے ساتھ سورۂ آل عمران اور سورہ مریم میں اس طرح ذکر کیا ہے:-

قرآنی مضمون

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ الخ

(آل عمران آیات ۴۵ تا ۴۹)

(اور وہ وقت یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ آپکو خوشخبری دے رہا ہے اپنی طرف سے ایک کلمہ کی۔ ان کا نام (ولقب) مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا دُنیا اور آخرت دونوں میں معزز مقربوں میں سے ہوگا۔ اور وہ لوگوں سے گفتگو کرے گا گہوارہ میں بھی اور پختہ عمر میں بھی اور صالحین میں سے ہوگا۔

وہ بولیں اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح ہوگا جبکہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا ہے؟

ارشاد ہوا ایسے ہی اللہ پیدا کر دیتا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے، جب وہ کسی بات کو پورا کرنا چاہتا ہے تو بس اس سے کہتا ہے ہو جا سو وہ چیز ہو جاتی ہے۔ (خواہ اسباب کے واسطے سے ہو یا بلا کسی سبب)
اور اللہ اُسے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھا دے گا۔
اور وہ پیغمبر ہوگا بنی اسرائیل کے لئے (جیسا کہ ہر پیغمبر اپنی

اپنی قوم کی جانب مبعوث ہوتا رہا ہے)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا الخ (مریم آیات ۱۶ تا ۲۱)

اور (اے نبیؐ) اس کتاب میں مریمؑ کا حال بیان کرو جبکہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہوکر شرقی جانب گوشہ نشین ہوگئی تھی۔

پھر اُس نے ان لوگوں کی طرف سے پردہ کرلیا۔ پس ہم نے اُس کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا اور وہ ایک انسان کامل کی شکل میں نمودار ہوا۔

(مریم اُسے دیکھ کر گھبرا گئی) بولی اگر تو کوئی خدا ترس آدمی ہے تو میں تجھ سے اللہ رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔

اُس نے کہا میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ مریم نے کہا میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے اور نہ میں کوئی بدکار عورت ہوں۔

فرشتے نے کہا ایسا ہی ہوگا تیرا رب فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لئے بہت آسان ہے اور ہم یہ اس لئے کریں گے کہ اُس لڑکے کو لوگوں کے لئے ایک نشانی بنائیں اور اپنی طرف سے ایک رحمت خاص اور یہ ایسی بات ہے جس کا پورا ہونا طے شدہ ہے۔

ولادتِ مسیحؑ جبرئیل امین نے سیدہ مریمؑ کو یہ بشارت سُنا کر اُن کے گریبان میں پھونک دیا۔ اس طرح اللہ کا حکم اُن تک پہنچ گیا۔ پھر سیدہ مریم نے کچھ عرصہ بعد خود کو حاملہ محسوس کیا تو بہ تقاضۂ بشری اُن پر ایک اضطرابی کیفیت طاری ہوگئی اور دن بدن اُن کا یہ اضطراب بڑھتا چلا گیا اور اس کیفیت نے اُس وقت شدید صورت اختیار کرلی جب اُنھوں نے دیکھا کہ مدتِ حمل ختم ہوکر ولادت کا وقت قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ انھوں نے سوچا کہ اگر یہ بات قوم کے اندر رہ کر پیش آئی اور چونکہ قوم حقیقتِ حال سے واقف نہیں اس لئے معلوم نہیں کہ وہ کس کس طرح بدنام اور بہتان طرازیوں سے پریشان کرے گی۔

اس لئے اب اس مقام سے کہیں دُور چلے جانا چاہیئے اور اسکے لئے وہ بیت المقدس سے تقریباً نو میل کوہِ سَراۃ کے ایک ٹیلے پر چلی گئیں جو آج "بیت اللحم" کے نام سے مشہور ہے۔

سیدہ مریم کا اپنے اعتکاف گاہ سے نکل کر وہاں جانا ایک فطری امر تھا۔ بنی اسرائیل کے مقدس ترین خاندان بنی ہارون کی لڑکی اور پھر وہ جو بیت المقدس میں اللہ کی عبادت کے لئے وقف ہو کر بیٹھی تھی یکایک حاملہ ہوگئی۔ اس حالت میں اگر وہ اپنی جائے اعتکاف پر بیٹھی رہتیں اور ان کا حمل لوگوں پر ظاہر ہوجاتا تو خاندان والے ہی نہیں قوم کے دوسرے لوگ بھی اِن کا جینا مشکل کر دیتے اس لئے پاک مریم اس شدید آزمائش میں مبتلا ہونے کے بعد خاموشی کے ساتھ اپنے اعتکاف کا حجرہ چھوڑ کر نکل کھڑی ہوئیں تاکہ جب تک اللہ کی مرضی پوری ہو قوم کی لعنت اور عام بد نامی سے تو بچی رہیں۔ "بیت اللحم" پہنچ کر چند گھنٹوں بعد دردِ زہ شروع ہوا تو تکلیف اور اضطراب کی حالت میں کھجور کے ایک درخت کے نیچے تنے کے سہارے بیٹھ گئیں اور پیش آنے والے نازک حالات کا اندازہ کر کے انتہائی قلق اور بے چینی میں کہنے لگیں کاش کہ میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور میرا نام ونشان بھی گم ہوجاتا۔

سیدہ مریم کی زبان سے یہ الفاظ دردِ زہ کی تکلیف کے علاوہ اُس گہری فکر کی وجہ سے بھی ظاہر ہوئے کہ اللہ تعالٰے نے جس آزمائش میں اُنھیں ڈالا ہے اس سے وہ کس طرح بخیریت عہدہ برآ ہوں گی؟ حمل تو اب تک کسی نہ کسی طرح چُھپالیا اب اس بچے کو کہاں لیجائے اور کس طرح لوگوں کو یقین دلائے؟

حقیقت یہ ہے کہ اگر سیدہ مریم شادی شدہ لڑکی ہوتیں تو کوئی بات نہ تھی کیونکہ شادی شدہ لڑکی کے ہاں پہلا بچہ پیدا ہو رہا ہو تو وہ چاہے تکلیف سے کتنی ہی تڑپے اور بے چین ہو لیکن اُسے رنج وغم کبھی لاحق نہیں ہوا کرتا کیونکہ ولادت ایک خوشی کا پیام بھی ہوتی ہے۔

اسی کرب وبیقراری میں نخلستان کے نشیب سے اللہ کے وہی فرشتے نے پھر آواز دی، مریمؑ غمگین نہ ہو تیرے پروردگار نے تیرے لئے پانی کا چشمہ جاری کر دیا ہے اور کھجور کا تنہ پکڑ کر اپنی جانب حرکت دے تو پکے اور تازہ کھجور تجھ پر گرنے لگیں گے پس تو کھا پی اور اپنے بچے کے نظارے سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر اور رنج وغم کو بھول جا۔

سیدہ مریمؑ چونکہ اس سے پہلے اس فرشتے کو دیکھ چکی تھیں اور اسکی آواز سے بھی

مانوس تھیں فوری سمجھ گئیں کہ یہ وہی فرشتہ ہے جو چند ماہ پہلے خلوت کدہ میں اچانک آکر خوشخبری دے گیا تھا۔

فرشتے کی اس تسلّی اور پاکیزہ بچّے کی حسین وجمیل صورت نے کچھ دیر کیلئے رنج وغم اور تنہائی کے احساس کو دُور کر دیا، بچّے کو گود میں لیا اور اللہ کی نازل شدہ نعمت کھجور اور پانی استعمال کیا۔ بچّے کو لیکر ایک محفوظ جگہ آ بیٹھیں، قدرے سکون ہوا تاہم یہ خیال ضرور کھٹکتا رہا اگرچہ اہل خاندان کو میری عصمت و پاکدامنی کا یقین ہے لیکن اُن کی اس حیرت کو کس طرح دُور کیا جا سکے گا کہ بن باپ کے کس طرح بچّہ پیدا ہو سکتا ہے؟

مگر جس اللہ برتر نے اُن کو یہ بزرگی اور برتری بخشی وہ پاک مریم کو اس بے چینی میں کیوں بتلا رہنے دیتا؟ اُس نے پھر فرشتے کے ذریعہ سیدہ مریمؑ کے پاس پیغام بھیجا کہ اے مریم جب تو اپنی قوم میں پہنچے اور وہ لوگ تجھ سے اِس معاملہ کے متعلق سوالات کریں تو خود جواب نہ دینا بلکہ اشارہ سے اُن کو بتا نا کہ میں روزہ ہوں اور آج کسی سے بات نہیں کر سکتی تم کو جو کچھ دریافت کرنا ہو اس بچّے سے دریافت کر لو۔

سیّدہ مریم وحی الٰہی کے اِن پیغامات پر مطمئن ہو کر بچّہ گود میں لئے بیت المقدس کو روانہ ہو گئیں۔ جب شہر میں پہنچیں اور لوگوں نے اس حالت میں دیکھا تو چہار جانب سے اُنھیں گھیر لیا اور کہنے لگے، مریم یہ کیا ہوا؟ تو نے تو عجیب بات کر دکھائی اور بڑی تہمت کا کام کر گزری ہے۔ اے ہارون کی بہن[1]! نہ تو تیرا باپ بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدچلن تھی پھر تو یہ کیا کر بیٹھی؟

سیّدہ مریمؑ نے اللہ کی ہدایات کی تعمیل کرتے ہوئے بچّے کی جانب اشارہ کیا کہ جو کچھ دریافت کرنا ہو اس سے معلوم کر لیں۔ میں تو آج روزہ ہوں (بنی اسرائیل کے ہاں روزے میں خاموشی بھی داخل عبادت تھی)

لوگوں نے یہ دیکھ کر انتہائی تعجب سے کہا۔ ہم اس بچے سے کیا بات کر سکتے ہیں جو گہوارے میں پڑا ہوا ہے؟ مگر بچّہ فوراً بول اُٹھا، میں اللہ کا بندہ ہوں، اللہ نے (اپنے فیصلۂ تقدیر میں) مجھ کو کتاب (انجیل) دی ہے اور نبی بنایا ہے اور اُس نے مجھے مبارک بنایا خواہ میں کسی حال میں اور کسی بھی جگہ ہوں اور اُس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں یہی میرا شعار ہو گا اور اُس نے مجھکو اپنی ماں کا خدمتگذار بنایا ہی

[1] یعنی اے خاندان ہارون کی چشم وچراغ۔

خود سر اور نافرمان نہیں بنایا اور اُس کی جانب سے مجھ کو سلامتی کا پیغام ہے جس دن کہ میں پیدا ہوا اور جس دن کہ میں وفات پاؤں گا اور جس دن پھر زندہ اُٹھایا جاؤں گا۔

پھر آگے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

"یہ ہے عیسیٰ (علیہ السلام) مریم کا بیٹا، وہ سچی بات جسمیں آج لوگ شک کر رہے ہیں اللہ کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے وہ اس سے پاک ہے۔ البتہ جب وہ کسی بات کا فیصلہ کرلیتا ہے تو کہتا ہے ہوجا اور بس وہ ہو جاتی ہے۔"

یہاں جو بات واضح کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں "ابن اللہ" ہونے کا جو عقیدہ اختیار کرلیا ہے وہ باطل ہے۔ جس طرح ایک معجزے سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش نے اُن کو اللہ تعالےٰ کا بیٹا نہیں بنا دیا اُسی طرح ایک دوسرے معجزے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی ایسی کوئی بات نہیں ہے جس کی بنا پر اُنھیں اللہ کا بیٹا قرار دیا جائے۔

یہ عیسائیوں کا غلو ہے کہ وہ ایک معجزے سے پیدا ہونے والے حضرت یحییٰ ؑ کو اللہ کا بندہ کہتے ہیں (جیسا کہ ان کا عقیدہ ہے) اور دوسرے معجزے سے پیدا ہونے والے (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو اللہ کا بیٹا بنا بیٹھے ہیں۔

اس لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ عیسیٰ ہمارے کلمۂ کُن سے پیدا ہوئے ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور اُسکی تفصیلات کو سورۂ انبیاء، سورۂ تحریم، سورہ مریم میں اس طرح بیان کیا ہے:-

قرآنی مضمون

وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۔ (الانبیاء آیت ۹۱)

اور اُس عورت (مریم) کا معاملہ جس نے اپنی پاکدامنی کو قائم رکھا، پھر ہم نے اُس میں اپنی روح (حکم) کو پھونک دیا اور اُس کو اور اُسکے بیٹے (عیسیٰ) کو تمام جہاں والوں کے لئے "نشان" ٹھہرایا۔

وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا

فِيهِ مِن رُّوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ۔ (تحریم آیت ۱۲)

اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی عصمت و پاکدامنی کو محفوظ رکھا پس ہم نے اُس میں اپنی طرف سے روح پھونک دی اور اُس نے اپنے رب کے ارشادات اور اُس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزار لوگوں میں سے تھی۔

فَحَمَلَتْهُ فَانتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا الخ (مریم آیات ۲۲ تا ۲۸)

پھر اُس ہونے والے فرزند کا حمل ٹھیر گیا۔ وہ (اپنی حالت چھپانے کے لئے) لوگوں سے الگ ہوکر دور چلی گئی۔ پھر اسکو دردِ زِہ (کا اضطراب) کھجور کے ایک درخت کے نیچے لے گیا (اور وہ اسکے تنہ کے سہارے بیٹھ گئی) اُس نے کہا کاش میں اس سے پہلے مرچکی ہوتی اور مجھکو لوگ یکقلم بھول گئے ہوتے۔

اس وقت (ایک پکارنے والے فرشتے نے) اُسے نشیب سے پکارا، غمگین نہ ہو تیرے پروردگار نے تیرے تلے چشمہ جاری کردیا ہے اور کھجور کے درخت کا تنہ پکڑکر اپنی جانب ہلا، تازہ اور پکے پھل کے خوشے تجھ پر گرنے لگیں گے۔ کھاپی (اور اپنے بچّہ کے نظارے سے) اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر، پھر اگر کوئی آدمی نظر آئے (اور کچھ پوچھ کچھ کرنے لگے) تو (اشارہ سے) کہدے میں نے اللہ رحمٰن کے حضور روزہ کی منت مان رکھی ہے۔ میں آج کسی آدمی سے بات چیت نہیں کرسکتی۔

پھر ایسا ہوا کہ وہ لڑکے کو ساتھ لے کر اپنی قوم کے پاس آئی لڑکا اُسکی گود میں تھا، لوگ دیکھتے ہی بول اُٹھے اے مریم تونے عجیب بات کر دکھائی اور بڑی تہمت کا کام کر گزری، اے ہارون کی بہن (کہتے ہیں کہ ہارون مریم کے خاندان میں ایک عابد وزاہد اور بہت ہی نیک نفس مشہور آدمی تھے (تفسیر ابن کثیر) نہ تو تیرا باپ بُرا آدمی تھا نہ تیری ماں بدچلن تھی (تو یہ کیا کر بیٹھی)

اس بات پر مریم نے لڑکے کی طرف اشارہ کر دیا (کہ یہ تمہیں بتا دیگا کہ حقیقت کیا ہے)

لوگوں نے کہا بھلا ہم اس سے کیا بات کریں جو ابھی گہوارے کا شیر خوار بچہ ہے۔ مگر لڑکا بول اُٹھا میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا اُس نے مجھے بابرکت کیا خواہ میں کسی جگہ رہوں۔ اُس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جبتک زندہ رہوں (یعنی مستقبل کی ایک پیشگوئی تھی) اُس نے مجھے اپنی ماں کا خدمت گزار بنایا اور اُس نے مجھکو سرکش بدبخت نہیں بنایا، اور مجھ پر (اللہ کی جانب سے) سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میں مروں گا اور جس روز میں (قیامت میں) زندہ کر کے اُٹھایا جاؤں گا۔ یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم، میں (بالکل) سچی بات کہہ رہا ہوں جسمیں یہ (افراط و تفریط کرنے والے) جھگڑ رہے ہیں۔

اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنی اولاد بنائے، وہ بالکل پاک ہے (کیونکہ اُسکی یہ شان ہے کہ) وہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو بس اسکو اتنا فرما دیتا ہے کہ ہوجا سو وہ ہوجاتا ہے۔

بیشک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے صرف اُسی کی عبادت کرو اور یہی سیدھا راستہ ہے۔

مگر پھر مختلف گروہ باہم اختلاف کرنے لگے سو جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے لئے وہ وقت بڑی تباہی کا ہوگا جبکہ وہ ایک بڑا دن دیکھینگے جب وہ ہمارے سامنے حاضر ہوں گے اس روز تو اُن کے کان بھی خوب سن رہے ہوں گے اور آنکھیں بھی خوب دیکھتی ہوں گی مگر آج یہ ظالم کھُلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

اور آپ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اِن لوگوں کو حسرت کے دن سے ڈرائیے جبکہ اخیر فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور وہ لوگ غفلت میں ہیں اور وہ ایمان نہیں لاتے۔

بیشک تمام زمین اور اسکے رہنے والوں کے ہم ہی وارث

رہ جائیں گے اور یہ سب ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے۔ (انتہیٰ)

بہر حال لوگوں نے ایک شیر خوار بچے کی زبان سے جب یہ حکیمانہ کلام سُنا تو حیرت میں رہ گئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ سیدہ مریم علیہا السلام کا دامن ہر قسم کی بُرائی اور تہمت سے پاک ہے اور اس بچہ کی پیدائش کا معاملہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی ایک "عظیم نشانی" ہے۔ یہ خبر ایسی نہیں تھی کہ پوشیدہ رہجاتی قریب و بعید سب جگہ اس حیرت زدہ واقعہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت کے چرچے ہونے لگے۔

ایک اسرائیلی روایت

قرآن حکیم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے حالات میں سے صرف اسی اہم واقعہ (گہوارے میں کلام) کا ذکر کیا ہے باقی بچپن کے دوسرے واقعات جن کا ذکر قرآن حکیم کے مقصدِ تذکیر و موعظت سے تعلق نہیں رکھتے نظرانداز کر دیا ہے لیکن اسرائیلیات کے مشہور ناقل حضرت وہب بن مُنَبِّہ سے جو واقعات منقول ہیں اور انجیل میں بھی جن کا ذکر موجود ہے ان میں سے یہ واقعہ بھی ہے کہ:۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو اُسی شب ملکِ فارس کے بادشاہ نے آسمان پر ایک نیا ستارہ روشن دیکھا، بادشاہ نے درباری نجومیوں سے اسکے متعلق دریافت کیا تو اُن لوگوں نے بتایا کہ اس ستارے کا طلوع ہونا کسی عظیم الشان ہستی کی پیدائش کی خبر دیتا ہے اور یہ ملک شام کی جانب معلوم ہوتا ہے۔ اسپر بادشاہ نے خوشبوؤں کے عمدہ تحفے تحائف دیکر ایک وفد کو ملک شام روانہ کیا کہ وہ اُس بچہ کی ولادت کے متعلق حالات و واقعات معلوم کریں۔ وفد جب ملک شام پہنچا اور اُس نے وہاں کے یہودیوں سے دریافت کیا کہ ہم کو اُس بچہ کی ولادت کا حال سناؤ جو مستقبل قریب میں روحانیت کا بادشاہ ہوگا۔

یہود نے اہل فارس کی زبان سے یہ کلمات سنے تو اپنے بادشاہ ہیرودیس کو خبر کی۔ بادشاہ نے وفد کو دربار میں طلب کیا اور انکی زبانی واقعہ سن کر بہت گھبرایا اور پھر وفد کو اجازت دی کہ وہ اس بچہ کے متعلق مزید معلومات حاصل کریں۔ پارسیوں کا یہ وفد بیت المقدس پہنچا اور جب اُس لڑکے مسیح کو دیکھا تو اپنے رسم ورواج کے مطابق انکو سجدۂ تعظیم کیا اور پھر مختلف قسم کی خوشبوئیں اُن پر نثار کیں اور چند روز وہاں قیام کیا، دوران قیام وفد کے بعض آدمیوں نے خواب دیکھا کہ ملک شام کا یہودی بادشاہ ہیرودیس اس بچہ کا دشمن ہوگیا ہے اور یہ کہ وفد کی فوری واپسی ضروری ہے صبح کو وفد نے واپسی کا ارادہ کرتے ہوئے سیدہ مریم علیہا السلام کو اپنا خواب سنایا اور بتایا کہ بادشاہ کی نیت خراب ہوچکی ہے اور وہ اس مقدس بچہ کا دشمن ہے اس لئے مناسب ہے کہ تم اسکو ایسی جگہ لیجا کر رکھو جو اُس یہودی بادشاہ کی دسترس سے باہر ہو، اس مشورہ کے بعد سیدہ مریمؑ نے اپنے بچے عیسیٰ کو اپنے بعض عزیزوں کے پاس ملک مصر لے گئیں اور وہاں سے شہر ناصرہ چلی گئیں جو ان کا آبائی وطن ہے اور جب حضرت عیسیٰ کی عمر مبارک تیرہ سال ہوئی تو اُن کو لیکر دوبارہ بیت المقدس آگئیں۔

یہی روایات یہ بھی ظاہر کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے واقعات اور حالات زندگی بھی غیر معمولی تھے اور اُن سے طرح طرح کی کرامات کا صدور ہوتا رہتا تھا۔ واللہ اعلم۔ (تاریخ ابن کثیر ج ۲ صـــــ)

حضرت مریم بنت عمران بن ماثان والدۂ مسیح قوم بنی اسرائیل کے ایک معزز خاندان سے تھیں سال وفات مسیحی روایات کے مطابق ۶۳ئہ ہے۔ (تفسیر ماجدی ج ۱)

اعلانِ رسالت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل بنی اسرائیل ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا تھے، انفرادی اور اجتماعی عیوب و نقائص کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا جو ان میں موجود نہ ہو۔ بُرے اعمال کے ساتھ اعتقادی گمراہیوں کا مرکز

بن گئے تھے۔ حتیٰ کہ دین بیزاری کا مرض یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ اپنے ہی قوم کے ہادیوں اور پیغمبروں کے قتل پر جری اور دلیر ہو گئے تھے۔ یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس نے حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کو محض اپنی محبوبہ کے اشارہ پر قتل کروا دیا تھا۔ اس کا یہ سفاکانہ اقدام صرف نیکی کی دعوت دینے اور بُرائی سے منع کرنے کے سلسلے میں ہوا تھا۔

یہ مظلومانہ حادثہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابتدائی زندگی ہی میں پیش آچکا تھا۔ اُن کے علمار اور احبار نے دنیا کے حرص وہوس میں اللہ کی کتاب تورات تک کو تحریف کئے بغیر نہ چھوڑا۔ معمولی قیمت پر بھی اللہ کی آیات کو فروخت کر ڈالتے تھے۔ عوام سے نذر و نیاز حاصل کرنے کے لئے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بتاتے، بُرائی کو آنکھوں سے دیکھتے اور پھر صرفِ نظر کر جاتے، بُروں کے ساتھ خلا ملا رکھتے اور اُن کے حرام امور میں بے حجاب شرکت کرتے، سود اور رشوت کو پاک وحلال بتاتے، اہل شرک وکفر سے محبت رکھتے اور اُن کو اپنا دوست بناتے تھے۔

اس تاریک ماحول میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سنِ رُشد کو پہنچتے ہی یہ اعلان کر دیا کہ:-

"وہ اللہ واحد کے پیغمبر و رسول ہیں اور رُشد و ہدایتِ خلق
ان کا فرضِ منصبی ہے۔"

اس اعلان نے قوم میں ہلچل پیدا کر دی لوگ ارد گرد جمع ہو گئے پوچھا کہ تمہارا کیا پیغام ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعوت کا خلاصہ اس طرح بیان فرمایا:-

"لوگو! اللہ نے مجھے اپنا رسول اور قاصد بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے اور تمہاری اصلاح کی خدمت میرے سپرد کی ہے۔ میں اُسکی جانب سے پیغامِ ہدایت لے کر آیا ہوں۔

تمہارے ہاتھ میں اللہ کا جو قانون (تورات) ہے اور جسکو تم نے اپنی نادانی اور غفلت سے پسِ پشت ڈال دیا ہے میں اسکی تصدیق کرتا ہوں۔ اللہ نے اس کتاب کی مزید تکمیل کے لئے ایک اور کتاب انجیل دی ہے۔ یہ کتاب تورات کی تصدیق کرتی ہے اور

اسکے حق کو حق ثابت کرتی ہے اور باطل کو باطل، سنو اور سمجھو اور اطاعت کے لئے خدا کے حضور جھک جاؤ یہی دنیا اور آخرت کی فلاح ہے۔"

قرآن حکیم نے ان حقائق اور انکے عواقب و نتائج کو اس طرح بیان کیا ہے جو قرآن حکیم کا مقصدِ عظیم ہے :-

قرآنی مضمون

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِن بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ الخ (بقرہ آیات ۸۷، ۸۸)

اور بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) عطا کی اور اسکے بعد ہم تم میں پیغمبر بھیجتے رہے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلے معجزے عطا کئے۔ اور ہم نے اُسکو روح پاک (جبرئیل) کے ذریعہ قوت و تائید عطا کی۔

تو کیا جب کبھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ان احکام کے ساتھ آیا جو تمہارے نفس کو نہ بھائے تو تم اکڑنے لگے، پھر بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو تم قتل ہی کرنے لگے (اور اس پیغمبر کی اطاعت و اتباع سے عار کرنے لگے) اور یہ کہتے ہو کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں (یعنی پیغمبروں کی دعوت ہم پر کچھ اثر نہیں کرسکتی) (نہیں) بلکہ اللہ نے اُن پر لعنت کر رکھی ہے اُن کے کفر کے باعث پس بہت تھوڑے سے ہیں جو ایمان لے آئے ہیں۔

وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنكَ إِذْ جِئْتَهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ

(المائدہ آیت ۱۱۰)

اور (اے عیسیٰ) جب ہم نے بنی اسرائیل (کی گرفت اور ارادہ قتل) کو تجھ سے باز رکھا اس وقت جبکہ تو ان کے پاس کھلے معجزے لیکر آیا تو کہا بنی اسرائیل میں سے اُن لوگوں نے، یہ کچھ نہیں مگر کھلا جادو ہے۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿٥٠﴾ (آل عمران آیات ۵۰ تا ۵۴)

اور میں تصدیق کرنے والا ہوں اپنے سے پیشتر آئی ہوئی توراۃ کی اور میں (اس لئے آیا ہوں) کہ تم پر جو کچھ حرام کر دیا گیا تھا اُس میں سے تم پر کچھ حلال کر دوں (بہ ارشاد خداوندی)

اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان لے کر آیا ہوں (اپنی نبوت اور رسالت کا) سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو؛

بیشک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے سو اُسکی عبادت کرو یہی سیدھی راہ ہے (جسکی تعلیم ابتدا سے لیکر آخر تک سارے ہی پیغمبر دیتے آئے ہیں)

پھر جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے انکار ہی پایا (اپنی سعی و تبلیغ کے باوجود) تو بولے میرا کون مددگار ہوگا اللہ کے لئے؟ حواری بولے ہم ہیں اللہ کے مددگار ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور آپ گواہ رہیئے گا کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے ہیں اس پر جو کچھ تو نے نازل کیا ہے اور ہم نے پیروی اختیار کی رسول کی سو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو تصدیق کرنے والے ہیں۔

اور انھوں نے بھی خُفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب خُفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے۔ (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر کے سولی دینا چاہا اور اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہمشکل بنا دیا اور حضرت عیسے علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھالیا اور وہ ہمشکل سولی پر چڑھا دیا گیا)
(النساء آیت ۱۵۷، ۱۵۸)

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ الخ۔ (الحدید آیت ۲۷)

پھر ان کے (نوح و ابراہیم) کے بعد ہم نے اپنے رسول بھیجے اور ان کے بعد عیسیٰ بن مریم کو رسول بنا کر بھیجا اور ان کو کتاب انجیل عطا کی اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی اُن کے دلوں میں ہم نے نرمی اور رحم ڈال دیا، اور رہبانیت (ترک دنیا) انھوں نے خود ایجاد کر لی، ہم نے اُسے اُن پر فرض نہیں کیا تھا، مگر اللہ کی خوشنودی کی طلب میں انھوں نے آپ ہی آپ اسکو اختیار کر لیا اور پھر اُسکی پابندی کرنے کا جو حق تھا اُسے ادا نہ کیا۔ اُن میں سے جو لوگ ایمان لائے ان کا اجر ہم نے انکو عطا کیا مگر ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَ عَلٰى وَالِدَتِكَ الخ (المائدہ آیت ۱۱۰)

وہ وقت یاد رکھو جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم سے کہے گا کہ (اے عیسیٰ) میرا انعام اپنے اوپر اور اپنی والدہ کے اوپر یاد کرو جبکہ میں نے تمہاری تائید روح القدس (جبرئیل) کے ذریعہ سے کی تھی۔ تم آدمیوں سے کلام (ماں کی) گود میں بھی کرتے تھے اور بڑی عمر میں بھی، اور جبکہ میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی۔

وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ الخ (الصف آیت ۶)

اور وہ وقت یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل بلاشبہ میں تمہاری جانب اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں تصدیق کرنے والا ہوں تورات کی جو میرے سامنے ہے اور بشارت سنانے والا ہوں ایک پیغمبر کی جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

معجزات اربعہ زمانۂ قدیم سے "سُنّۃُ اللّٰہ" یہ جاری رہی ہے کہ جب کسی قوم کی

ہدایت یا کائناتِ انسانی کی صلاح و فلاح کے لئے نبی اور رسول مبعوث ہوتا ہے تو اس کو منجانب اللہ دلائل اور براہین اور معجزات سے نوازا جاتا ہے۔ وہ جہاں اللہ کے وحی اور پیغام سے زندگی کے طور وطریقے سکھاتا ہے وہاں دوسری جانب معجزات (خدائی نشانات) کے ذریعہ اپنی صداقت اور "مؤید من اللہ" ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ نیز ہر ایک پیغمبر کو اُسی قسم کے معجزات و نشانات عطا کئے جاتے ہیں جو اُس زمانے کے مناسب حال ہوتے ہیں اور جو انسانوں کی قدرت سے بالاتر ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کو پرندوں کی بولیاں، تسخیر جن وانس اور تسخیر ہوا، لوہے کا ہاتھ میں نرم ہوجانا وغیرہ وغیرہ۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو "تسع آیات" نو معجزات دیئے گئے۔

جن میں سے دو نشان "عصا" اور "ید بیضا" کو قرآن حکیم نے بڑے نشان کہا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دہکتی آگ کے شعلوں کو "بَرْدًا وَّسَلَامًا" بنا دیا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے لئے "ناقۃ اللہ (اونٹنی) کو نشان بنایا۔

حضرت نوح وہود علیہما السلام سے اُن کی قوم نے عذاب طلب کیا پیغمبر کی دُعا سے ایسا عبرتناک عذاب آیا جو آنے والے انسانوں کے لئے عبرت ثابت ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن جیسا معجزہ عطا کیا گیا جس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ نیز بدر کے معرکہ میں مٹھی بھر خاک کو ایک ہزار دشمنوں کی آنکھوں کا آزار بنادیا اور "شق القمر" کا معجزہ عطا ہوا۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب انسانی ہدایت ورشد کیلئے منتخب کیا گیا تو جہاں انھیں حجت و برہان (انجیل) عطا کی اُس زمانے کے مخصوص حالات کے مناسب چند ایسے معجزات بھی عطا کئے گئے جو اس زمانے کے اربابِ کمال اور انکی پیروی کرنیوالوں پر اثر انداز ہوئے بغیر نہ رہے اور انھیں اعتراف کئے بغیر چارہ نہ ہوا کہ بلاشبہ یہ اعمال ذاتی یا اکتسابی نہیں ہیں بلکہ محض اللہ کی جانب سے اُس کے رسول کی تائید میں رُونما ہوئے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اِن معجزات میں سے جن کا مظاہرہ قوم کے سامنے ہوا قرآن حکیم نے چار معجزات (معجزاتِ اربعہ) کا صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(۱) وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مُردہ انسانوں کو زندہ کر دیا

کرتے تھے۔

(۲) پیدائشی نابینا کو بینا اور کوڑھی وجذامی کو چنگا کر دیا کرتے تھے۔

(۳) مٹی سے پرندہ بنا کر اُس میں پھونک دیتے اور وہ اللہ کے حکم سے اُڑنے لگتا تھا۔

(۴) وہ یہ بھی بتا دیا کرتے تھے کہ کس نے کیا کھایا ہے اور گھر میں کیا ذخیرہ محفوظ کر رکھا ہے؟

اُس وقت قوم میں ایسے مسیحا موجود تھے جن کے علاج ومعالجہ وتدابیر خصوصی سے مریض شفا پاتے تھے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن لوگوں کے سامنے کسی اسباب و وسائل اور تدابیر اختیار کئے بغیر جب ان امور کا مظاہرہ کیا تو حق و باطل، ہدایت وضلالت، نور وظلمت قدرتی تقسیم کے مطابق یہی اثر پڑا کہ جس شخص کے قلب میں حق کی طلب موجود تھی اُس نے اقرار کیا کہ بلاشبہ اس قسم کا مظاہرہ انسانی وبشری طاقت سے باہر ہے اور گزشتہ نبیوں کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تائید ونصرت میں جاری ہوا ہے۔ اور جن لوگوں کے قلوب میں جحود وانکار اور بغض وعناد تھا اُن کے تعصب نے وہی کہنے پر مجبور کیا جو اُنکے پیشرو انبیاء ورسل کے بارے میں کہتے رہے ہیں۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ

کچھ نہیں یہ سب کچھ جادو اور نظربندی ہے۔

ان معجزات اربعہ کے علاوہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی ایک "عظیم الشان نشانی" تھی جسکی تفصیل گزر چکی ہے۔

قرآن حکیم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اِن معجزات اربعہ کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ سننے والے کو موعظت وعبرت کا درس ملتا ہے اور اِن واقعات کی تذکیر سے قرآن حکیم کا یہی عظیم مقصد ہے۔

قرآنی مضمون

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ الخ (آل عمران ۴۸ تا ۵۱)

اور اللہ اُسے کتاب اور حکمت اور تورات و انجیل سکھا دیگا۔
(اور وہ پیغمبر ہوگا بنی اسرائیل کیلئے (اور کہیگا) میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، میں تمہارے لئے مٹی سے پرندوں کی مانند صورت بنا دیتا ہوں پھر اُس میں دم کردیتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ اور میں اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں۔ اور میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں۔ اور تم جو کچھ کھاتے ہو اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو وہ تمہیں بتلا دیتا ہوں۔ بیشک ان سارے واقعات میں تمہارے لئے ایک نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو؟
اور میں اس لئے آیا ہوں کہ تم پر جو کچھ حرام کر دیا گیا تھا اُس میں سے تم پر کچھ حلال کر دوں، اور میں تمہارے پاس تمہاری پروردگار کے ہاں سے نشان لے کر آیا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو بیشک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے سو اسکی عبادت کرو یہی سیدھی راہ ہے۔

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِيْ الخ (مائدہ آیات ۱۱۰، ۱۱۱)

(اور اے عیسیٰ بن مریم میری اس نعمت کو یاد کرو) جبکہ تم مٹی سے پرندہ جیسی شکل میرے حکم سے وجود میں لاتے تھے۔ پھر اُس کے اندر پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا اور تم مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے اور جب تم مُردوں کو میرے حکم سے نکال کھڑا کرتے تھے اور جبکہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے روک رکھا جب تم اِن کے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے تھے۔ پھر اِن میں سے جو کفر اختیار کئے رہے وہ بولے کہ یہ تو کچھ نہیں ایک کھُلا جادُو ہے۔
اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب میں نے حواریوں کو حکم

دیا کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر تو وہ بولے کہ ہم ایمان لے آئے اور آپ شاہد رہیں کہ ہم پورے فرمانبردار ہیں۔

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىۃِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ

(الصف آیت ۶)

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ عیسیٰ ابن مریمؑ نے کہا اے بنی اسرائیل بیشک میں اللہ کا پیغمبر ہوں تمہاری طرف (بھیجا گیا ہوں) تصدیق کرنے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئیگا جس کا نام احمد ہوگا۔ پھر جب وہ اُن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لیکر آیا تو انھوں نے کہا یہ تو صریح دھوکا ہے۔

خلاصہ تعلیمات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو دعوت دی اور جسکی وہ تبلیغ کرتے رہے اس کا خلاصہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کی توحید پر ایمان، انبیاء و رسل کی تصدیق، آخرت پر ایمان، ملائکۃ اللہ پر ایمان، تقدیر پر ایمان، اللہ کی کتابوں پر ایمان، اخلاق حسنہ کا اختیار اور اعمال سیئہ کا پرہیز و اجتناب، عبادت سے رغبت، دنیا و مافیہا اور اسمیں انہماک سے نفرت، مخلوق سے محبت، یہی وہ تعلیم و تلقین تھی جو اُن کی زندگی کا مشغلہ اور فرض منصبی بنا ہوا تھا وہ بنی اسرائیل کو تورات و انجیل اور حکیمانہ پند و نصائح کے ذریعہ اِن امور کی جانب توجہ دیتے مگر بے نصیب یہود اپنی کج فطرت اور مسلسل سرکشی و بغاوت کی بدولت اس درجہ سخت دل ہو گئے تھے کہ انبیاء و رسل کو قتل کرنا ان کا پسندیدہ عمل ہو گیا تھا۔ ایک مختصر جماعت کے سوا ان کی بڑی اکثریت مخالفت اور انکار ہی پر قائم رہی۔

قرآن حکیم نے آنجناب کی تعلیمات کو آیات ذیل میں اس طرح بیان کیا ہے:۔

قرآنی مضمون

وَلَمَّا جَآءَ عِیْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُکُمْ بِالْحِکْمَۃِ وَلِاُبَیِّنَ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ تَخْتَلِفُوْنَ

فِيْهِ .الخ (زخرف آیت ۶۳ تا ۶۵)

اور جب عیسیٰ (علیہ السلام) صریح نشانیاں لے کر آئے تو انھوں نے کہا (اے قوم) بلاشبہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ تم پر بعض باتوں کی حقیقت کھول دوں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو، لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی اُسی کی تم عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

مگر (اُن کی واضح تعلیم کے باوجود) گروہ بندیوں نے آپس میں اختلاف کیا، پس تباہی ہے اُن لوگوں کے لئے جنھوں نے زیادتی کی ایک تکلیف دہ دن کے عذاب سے۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ الخ۔

(الصّف آیت ۶، ۷)

اور (یاد کرو) عیسیٰ بن مریم کی وہ بات جو اُس نے کہی تھی کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں تصدیق کرنے والا ہوں اُس تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے اور خوشخبری دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام (نامی) احمدؐ ہوگا۔)

پھر جب وہ رسول ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انھوں نے کہہ دیا کہ یہ صریح دھوکا ہے۔ اب بھلا اُس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹی تہمت باندھے۔ حالانکہ اسکو اسلام کی دعوت دی جا رہی ہو؟ اور ایسے ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں دیا کرتے ہیں۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ .الخ (آل عمران آیت ۵۲، ۵۳)

پھر جب عیسیٰ (علیہ السلام) نے اُن (بنی اسرائیل) سے کفر و انکار محسوس کیا تو کہا۔

کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہوتا ہے؟ حواریوں نے جواب دیا، ہم ہیں اللہ کے (دین کے) مددگار! ہم اللہ پر ایمان لے آئے اور تم گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔

اے ہمارے پروردگار جو تو نے نازل کیا ہے اُس پر ہم ایمان لے آئے اور ہم نے رسول کی پیروی کی۔ پس تو ہم کو (دینِ حق کی) گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔

حَوَارِیُّونَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد کتبِ حدیث میں نقل ہوتا آرہا ہے کہ ہر نبی کے چند حواری (مددگار) رہے ہیں اور میرے حواری میں (شامل) زبیرؓ ہیں۔

ایک دوسری روایت بھی اس مضمون کو اس طرح ادا کرتی ہے کہ ہر نبی کے دو مددگار زمین پر اور دو مددگار آسمان پر رہے ہیں اور میرے زمینی مددگار ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں اور آسمانی مددگار جبرئیلؑ اور میکائیلؑ ہیں۔

قرآن حکیم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھی حواریوں کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے آنجنابؑ کی رفاقت اور اُن کی دعوت و تبلیغ میں سرگرم حصہ لیا اور دینِ حق کی تائید و نصرت میں بڑے بڑے خطرات سے دوچار ہوئے۔ دینِ حق کی سربلندی اور کامیابی کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ اکثر و بیشتر حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ رہ کر تبلیغ و دعوت کو سرانجام دیتے تھے۔ ان کے اس ایثار و جاں نثاری کی بدولت وہ حواری (رفیق) اور "انصار اللہ" (اللہ کے دین کے مددگار) کے مقدس القاب سے موسوم ہوئے۔ چنانچہ ان بزرگ ہستیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کو اپنا اسوہ بنایا اور سخت سے سخت اور نازک حالات میں بھی اُن کا ساتھ نہ چھوڑا اور ہر طرح کے معاون و پشت پناہ ثابت ہوئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یہ حواری بیشتر غریب و مزدور طبقہ میں سے تھے اور انبیاء کرام کی دعوت و تبلیغ پر اوّلاً لبیک کہنے والے اور حق کی آواز پر جان نثاری

کا مظاہرہ کرنے والے اکثر غریب و مزدور طبقہ ہی کے افراد ہوئے ہیں۔ مال و دولت والے اور اہل اقتدار اُس وقت آگے آئے ہیں جبکہ حق کا تسلط ہر طرف نظر آنے لگا اور انھیں اپنی خیر اسی میں نظر آنے لگی کہ اب اطاعت و انقیاد کے بغیر کوئی چارہ نہیں، الا ماشاء اللہ تعالیٰ۔

قرآن حکیم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی منقبت بیان کی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے جب دینِ حق کی نُصرت اور تائید کے لئے اُنھیں پکارا ہے تو سب سے پہلے جنھوں نے "نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ" کا نعرہ بلند کیا ہے وہ یہی غریب غرباء کی جماعت تھی۔

سورۂ صف میں اللہ رب العالمین نے جب مسلمانوں کو مخاطب کرکے "كُونُوا اَنْصَارَ اللّٰهِ" (اللہ کے دین کی مددگاری کے لئے اُٹھ کھڑے ہوجاؤ) کی ترغیب دی اور ماضی کے جن فداکاروں کا تذکرہ کیا ہے ان میں انہی مقدس حواریوں کا ذکر ہے اور ان کے قبولِ ایمان اور دعوتِ حق کے سامنے انقیاد و تسلیم کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ بھی ان کے خلوص، حق طلبی، حق کوشی کی زندہ جاوید تصویر ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے اسی بناء پر آیت زیر بحث کی تفسیر کرتے ہوئے اس تاریخی شہادت کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:-

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اِن کے یاروں (حواریوں) نے بڑی محنتیں کی ہیں تب ان کا دین نشر ہوا۔"

ہمارے حضرت کے پیچھے بھی خُلفاء نے اس سے زیادہ کیا۔

(تفسیر موضح القرآن)

اگرچہ ہر مصلح اور پیغمبر کی جماعت میں ایک چھوٹا سا گروہ منافقین کا عموماً رہا ہے جو اپنی دنیاوی اغراض کی خاطر ظاہرداری کے طور پر شریک جماعت ہونا مفید سمجھا ہے مگر ایک مُصلح اور پیغمبر کے درمیان ہمیشہ یہ فرق رہا ہے کہ مصلح خواہ اپنی جماعت کے منافقین سے پوری طرح آگاہ نہ ہوسکے لیکن نبی و رسول کو "وحی الٰہی" کے ذریعہ شروع ہی میں مخلص و منافق کی اطلاع دے دی جاتی ہے تاکہ ایک منکر و کافر سے زیادہ جس گروہ سے جماعتِ حق اور اسکی دعوت و تبلیغ کو ضرر پہنچ سکتا ہے نبی اُس کے حالات سے غافل نہ رہے۔ اسی وجہ سے کوئی منافق کسی وقت اور کسی حالت میں نبی اور رسول کا محبوب، معتمد اور مقرب نہیں ہوا ہے۔

البتہ یہ جُدا بات ہے کہ نبی دینِ حق کی مصلحتوں اور اسکے عارضی تقاضوں کی بناء

پر ایسے منافق کے ساتھ اعراض، درگزر، عفو و کرم کا معاملہ مناسب سمجھا ہو، جیساکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک مخلص صحابیؓ کے اس سوال پر کہ

یارسول اللہ جب آپ منافقین کے نفاق وکفر سے واقف ہیں
تو پھر اِن کا مقابلہ کر کے انہیں کیفرِ کردار تک کیوں نہیں پہنچا دیتے؟
تاکہ اسلام اور مسلمانوں کو اِن اندرونی فساد سے نجات ملے۔

اسپر آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ:۔

اُن کے ظاہری ایمانداری کے بعد ہمارے سخت گیر طریقہ کے متعلق غیر مسلموں کو یہ دھوکا نہ ہو اور وہ یہ کہہ اُٹھیں (محمدؐ) اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کرنے سے نہیں چوکتے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ۔

الغرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو کچھ عہد کیا تھا ان کی موجودگی میں اور ان کے بعد بھی سچی وفاداری کے ساتھ نبھایا اور مؤمنین صادقین ثابت ہوئے اور اس لئے اللہ تعالےٰ نے بھی ان کی مدد فرمائی اور انکو حق کے دشمنوں کے مقابلہ میں کامیاب کیا۔

قرآن حکیم نے حواریوں کی اس اطاعت وانقیاد کا اس طرح ذکر کیا ہے:۔

قرآنی مضمون

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ۔

(مائدہ آیت ۱۱۱)

اور (اے عیسیٰ وہ وقت یاد کرو) جبکہ میں نے حواریوں کی جانب (تیری معرفت) یہ وحی بھیجی کہ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ تو انھوں نے جواب دیا، ہم ایمان لائے اور (اے اللہ) تو گواہ رہنا کہ ہم بلاشبہ مسلمان ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ

(الصف آیت ۱۴)

اے ایمان والو تم اللہ کے دین کے مددگار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ بن مریمؑ نے حواریوں سے کہا تھا۔

اللہ کے راستہ میں کون میرا مددگار ہے؟

تو حواریوں نے جواب دیا ہم ہیں اللہ کی راہ کے مددگار، پھر بنی اسرائیل کی ایک جماعت ایمان لے آئی اور ایک گروہ نے کفر اختیار کیا سو ہم نے ایمان والوں کی اُن کے دشمنوں کے مقابلہ میں تائید کی پس وہ ایمان والے غالب رہے۔

نزولِ مائدہ

مخلص اور فداکار حواریوں کی جماعت اگرچہ صادق الایمان تھی لیکن علم وفہم کی کمی اور سادہ لوحی اور دنیاوی سروسامان کے اعتبار سے غرباء ومساکین کی جماعت تھی۔ دین حق کی تائید ونصرت کے لئے جہاں ایثار و قربانی ضروری ہے وہاں فارغ البالی اور کسب معاش سے یکسوئی بھی اہمیت رکھتی ہے۔

ان غریب فداکاروں کے ہاں ایسا کوئی سامانِ زندگی نہ تھا جو اُن کو یکسوئی کیساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ میں ممد و معاون ثابت ہوتا۔ رزق فردا تو کیا رزق اِمروز بھی بیسترنہ تھا۔ وہ بارہا حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات اور تائیدات غیبی کو دیکھ چکے تھے۔ خود حضرت مسیح علیہ السلام کا وجود اقدس بھی اللہ تعالیٰ کا ایک مستقل نشان تھا۔ مخلص حواریوں نے ازراہِ سادگی یہ درخواست پیش کر دی کہ

اے عیسیٰ ابن مریم کیا آپ کا پروردگار ہم پر آسمان سے کھانے کا ایک خوان (مائدہ) اُتار سکتا ہے؟

ان پڑھ اور کم علم انسانوں کا لب ولہجہ علم وادب والوں سے بالکل مختلف ہوتا ہے وہ علمی ومجلسی گفت وشنید کے طور طریقوں سے بالکل ناآشنا ہوتے ہیں اُن میں ادب واحترام ضرور ہوتا ہے لیکن اُس کا اظہار غیر مہذب اور گنوار پن جیسا ہوتا ہے۔ بسا اوقات ان کا یہ طرز بے ادبی اور گستاخی کے حدود میں آجاتا ہے۔ ایسا ہی کچھ عنوان حواریوں سے صادر ہو گیا۔ منشاء تو ان کا یہ تھا کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کی تصدیقِ نبوت کے لئے بیشمار معجزات اور انعامات ظاہر فرمائے ہیں وہی ذات ہمارے لئے غیب کا ایک "خوانِ نعمت" (مائدہ) بھی

نازل کردے تاکہ ہم روزی کمانے کی فکر سے آزاد ہوکر شب و روز دینِ حق کی تائید و نصرت اور آنجناب کی دعوت و تبلیغ میں مشغول رہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی یہ فرمائش سنکر پہلے تو یہ نصیحت فرمائی کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طاقت و قدرت بے حد و حساب ہے لیکن کسی نیک بندے کے لئے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اس طرح اللہ تعالیٰ کو آزمائے، پس ایسے بے جا مطالبات سے ڈرو اور ایسے خیالات سے بچو۔

حواریوں نے جب یہ سُنا تو متنبہ ہوئے اور عرض کرنے لگے حاشا و کلّا ہمارا تو یہ مقصد نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و طاقت کو آزمائیں ہم صرف یہ چاہتے تھے کہ رزق کی جدوجہد سے دل کو فارغ کرکے اللہ تعالیٰ کی اس "عطا" کو زندگی کا سہارا بنالیں اور آپ کی تصدیق میں ہم کو اس خوانِ غیب سے اعتقادِ راسخ حاصل ہوجائے اور ہم اس پر کائناتِ انسانی کے لئے شہادت دینے والے بن جائیں۔

جواب معقول تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے اخلاص اور اصرار کو دیکھا تو قوم کو حکم دیا کہ وہ تیس دن کے روزے رکھیں پھر آپ نے دُعا کی :۔

"الٰہی ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل کردے جو ہمارے لئے اور ہمارے اگلوں پچھلوں کے لئے خوشی کا موقع قرار پائے اور آپ کی طرف سے یہ ایک عظیم نشانی ہوجائے۔ ہم کو رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔"

اس دُعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی۔

اے عیسیٰ! تمہاری دعا قبول ہیں اسکو نازل کردوں گا لیکن یہ واضح رہے کہ اس کھُلی نشانی کے نازل ہونے کے بعد اگر ان میں سے کسی نے ہمارے حکم کی خلاف ورزی کی تو پھر ان کو عذاب بھی ایسا ہی ہولناک دوں گا جو کائنات کے کسی مخلوق کو نہیں دیا گیا ہو۔"

قرآن حکیم نے حواریوں کی فرمائش اور اپنا جواب اس طرح نقل کیا ہے :۔

قرآنی مضمون | اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ

رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ الخ

(المائدہ آیت ۱۱۲ تا ۱۱۵)

اور یہ واقعہ بھی یاد رہے کہ جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ بن مریم کیا آپ کا پروردگار ایسا کرسکتا ہے کہ آسمان سے ہم پر ایک خوان اُتار دے؟ (یعنی ہماری روزمرہ کی غذا کے لئے آسمان سے غیبی انتظام کردے) عیسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اللہ سے ڈرو (اور ایسی فرمائش نہ کرو) اگر تم ایمان والے ہو۔

حواریوں نے جواب دیا (مقصود اس سے قدرتِ الٰہی کا امتحان کرنا نہیں ہے بلکہ) ہم چاہتے ہیں (ہمیں غذا میسر آئے تو) اسمیں سے کھائیں اور ہمارے دل سکون پائیں اور ہم جان لیں کہ آپ نے ہم سے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے اور اسپر ہم گواہ ہو جائیں۔

اس پر عیسیٰ بن مریمؑ نے دُعا کی اے اللہ، اے ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے ایک خوان بھیجدے کہ اِس کا آنا ہمارے لئے اور ہمارے اگلوں اور پچھلوں سب کے لئے عید قرار پائے اور تیری طرف سے (فضل وکرم کی) ایک نشانی ہو، ہمیں روزی دے تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں تمہارے لئے خوان بھیجوں گا لیکن جو شخص اسکے بعد بھی (راہ حق سے) انکار کرے گا تو میں اسے (پاداشِ عمل میں) عذاب دوں گا ایسا عذاب کہ تمام دنیا میں کسی آدمی کو بھی ویسا عذاب نہیں دیا جائے گا۔

ضروری نوٹ | یہ آسمانی خوان (مائدہ) نازل ہوا یا نہیں؟ قرآن حکیم اسکے متعلق کوئی تفصیل بیان نہیں کرتا اور نہ کسی مرفوع حدیث میں اس کا کوئی تذکرہ پایا جاتا ہے۔ البتہ بعض اقوال صحابہ وتابعین میں اسکے متعلق تفصیلات ملتی ہیں:-

امام مجاہد وحسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مائدہ کا نزول نہیں ہوا

کیونکہ حواریوں نے بعد کی خوفناک دھمکی سُن کر اپنی درخواست واپس لے لی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی لغزش یا خلاف ورزی کی بدولت دردناک عذاب سے دوچار ہو جائیں۔

علاوہ ازیں اگر مائدہ کا نزول ہوا ہوتا تو وہ ایسا نشان ثابت ہوتا کہ نصاریٰ اسپر جسقدر بھی فخر کرتے وہ کم تھا اور ان کے ہاں اس کی جسقدر بھی شہرت ہوتی وہ بے جا نہیں ہوتی تاہم نصاریٰ کے ہاں اس نزول کا کوئی تذکرہ نہیں پایا جاتا۔

حضرت ابن عباس اور حضرت عمار بن یاسرؓ سے منقول ہے کہ یہ واقعہ پیش آیا اور مائدہ کا نزول ہوا۔ جمہور مفسرین کا رجحان بھی اسی طرف ہے البتہ اسکی تفصیلات میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں مثلاً یہ "خوانِ نعمت" صرف ایک دن نازل ہوا۔ بعض حضرات بیان کرتے ہیں چالیس دن تک نازل ہوتا رہا پھر بند ہوگیا۔ اور اس کا یہ سبب ہوا کہ اس کے نزول پر یہ حکم بھی ہوا تھا کہ اس کو فقیر و مسکین اور مریض ہی کھائیں امیر و تندرست نہ کھائیں مگر چند روز تعمیل کے بعد لوگوں نے آہستہ آہستہ اسکی خلاف ورزی شروع کی۔ اور بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ اس نزول کے ساتھ یہ حکم تھا کہ اسکو کھائیں مگر اگلے روز کے لئے ذخیرہ نہ کریں۔ مگر کچھ عرصہ بعد اسکی خلاف ورزی ہونے لگی اور نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف مائدہ کا نزول ہی بند ہوگیا بلکہ خلاف ورزی کرنے والے خنزیر اور بندر کی شکل میں مسخ کر دیئے گئے۔ واللہ اعلم۔

لیکن یہ واضح رہے کہ جن اقوال میں خلاف ورزی اور اسکے متعلق عذاب کا ذکر ہے ان کا تعلق حواریوں میں سے کسی کی جانب مطلق نہیں ہے کیونکہ یہ بات قرآنی تصریحات کے خلاف پڑتی ہے۔ خلاف ورزی کرنے والے عوام الناس تھے۔

خوانِ نعمت آثار صحابہ میں خوان نعمت کے تعلق سے جو تفصیلات ملتی ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کی دُعا قبول فرمائی تو لوگوں نے دیکھا کہ اللہ تعالےٰ کے فرشتے فضاء آسمانی سے ایک خوان لئے اُتر رہے ہیں۔ اُدھر فرشتے آہستہ آہستہ اسکو لئے اُتر رہے تھے اِدھر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام انتہائی خشوع و خضوع کیساتھ درگاہِ الٰہی میں دست بدُعا تھے کہ مائدہ آپہنچا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے اوّل دو رکعت نماز شکر ادا کی اور پھر مائدہ کھولا تو اُس میں تلی ہوئی مچھلی اور ترو تازہ پھل اور روٹیاں موجود پائیں اور خوان کھولتے ہی ایسی نفیس خوشبو نکلی کہ اسکی مہک نے سب کو بےخود کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ کھائیں مگر لوگوں نے اصرار کیا کہ ابتداء آپ کریں، آپؑ نے ارشاد فرمایا یہ میرے لئے نہیں ہے تمہاری طلب پر نازل ہوا ہے۔ یہ سُن کر سب گھبرائے کہ نہ معلوم اس کا کیا انجام ہو اللہ کا رسول تو نہ کھائے اور ہم کھائیں۔ آپ نے یہ دیکھ کر ارشاد فرمایا تو اچھا فقراء اور مساکین اور معذورین کو بلاؤ یہ ان کا حق ہے۔ تب ہزارہا غرباء و مساکین نے شکم سیر ہوکر کھایا مگر مائدہ کی مقدار میں کوئی فرق نہ آیا۔ شاہ عبد القادر صاحب موضح القرآن میں لکھتے ہیں کہ یہ خوانِ نعمت یکشنبہ (اتوار کے دن) کو اترا تھا اس لئے نصاریٰ نے اتوار کا دن عبادت کا مقرر کرلیا۔ جیسا کہ اسلام میں جمعہ کا دن مقدس ہے اور شاید حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی اس دُعا کا یہ اثر ہے کہ امتِ نصاریٰ میں آسودگی مال ہمیشہ سے رہی ہے۔

حضرت عمّار بن یاسرؓ کا ایک بلیغ خطاب

حضرت عمار بن یاسرؓ جلیل القدر صحابہ کرام میں شمار کئے جاتے ہیں۔ نزول مائدہ کا تذکرہ کرنے کے بعد موعظت و عبرت سے لبریز یہ ایک خطاب اسطرح فرمایا:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے اُن کی قوم نے نزول مائدہ کی درخواست کی تو اللہ تعالےٰ کی جانب سے جواب ملا کہ تمہاری درخواست اس شرط کے ساتھ منظور کی جاتی ہے کہ نہ اسمیں خیانت کرنا، نہ اسکو چھپانا اور نہ اسکو ذخیرہ کرنا ورنہ یہ بند کردیا جائے گا اور تم کو ایسا عبرت ناک عذاب دوں گا جو کسی کو نہ دیا جائے گا۔

اے عرب کی جماعت تم اپنی حالت پر غور کرو کہ اونٹوں اور بکریوں کی دُم پکڑ کر جنگلوں میں چراتے پھرتے تھے۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمت سے تمہارے درمیان ہی میں سے ایک برگزیدہ رسول مبعوث فرمایا جس کے حسب ونسب سے تم اچھی طرح واقف ہو اُس نے تم کو خبر دی ہے کہ عنقریب تم عجم پر غالب آجاؤ گے اور اس پر اپنا تسلط قائم کردو گے اور اس لئے اُس رسول نے تم کو سختی سے منع کیا ہے کہ مال و دولت کی فراوانی دیکھ کر تم ہرگز چاندی اور سونے کے خزانے جمع نہ کرنا، مگر اللہ کی قسم کچھ زیادہ دن نہیں گزریں گے کہ تم ضرور سونے چاندی کے خزانے جمع کرلو گے اور پھر اللہ برتر وبالا کے دردناک عذاب کے مستحق بنو گے۔" (تفسیر ابن کثیر ج ۲ سورۂ مائدہ)

آسمانی ہجرت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نہ شادی کی اور نہ رہائش کے لئے گھر بنایا۔ وہ شہر شہر اور قریہ قریہ اللہ تعالیٰ کے دین کا پیغام سناتے اور دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے اور جس جگہ بھی رات آپہنچتی وہیں بغیر کسی سامانِ راحت کے شب بسر کرلیتے۔

چونکہ اُن کی ذات بابرکت سے اللہ کی مخلوق جسمانی اور روحانی دونوں طرح کی شفا اور تسکین پاتی تھی اس لئے جس جانب بھی اُن کا گزر ہوتا انسانوں کا انبوہ اُن کے اردگرد جمع ہوجاتا اور عقیدت ومحبت کے ساتھ اُن پر نثار ہوجانے کے لئے ہجوم کرجاتے۔

یہودیوں کو اُنکی یہ دعوت حق اور اُن کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کانٹے کی طرح چُبھ رہی تھی اور وہ بغض وعناد میں اندھے ہوئے جارہے تھے۔ اِنھیں یہ اندیشہ ہر وقت بے قرار کئے رہتا تھا کہ "عیسائیت" غالب ہوجائے گی اور ہماری سرداری وحکمرانی کسی وقت بھی ختم ہوسکتی ہے تو اِن کے سرداروں اور مذہبی عہدہ داروں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف سازش شروع کردی اور آخر یہ طے پایا کہ کامیابی حاصل کرنے کی بجز اس کے اور کوئی صورت نہیں کہ بادشاہِ وقت کو مشتعل کرکے (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کو دار پر چڑھادیا جائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے مخالفین (یہودیوں) کا یہ

معرکہ ملک شام کے صوبۂ فلسطین میں پیش آیا۔ شام اس وقت رومی سلطنت کا ایک جز تھا اور یہاں کے یہودی باشندوں کو اپنے معاملات میں نیم آزادی اور نیم خود مختاری حاصل تھی۔ روم کے بادشاہ کی طرف سے ایک نائب سارے ملک شام کا گورنر تھا اور اسکے ماتحت ایک امیر صوبۂ فلسطین کا تھا۔

اہل روم کا مذہب اگرچہ شرک و بت پرستی تھا لیکن یہودیوں کو اتنا اختیار تھا کہ اپنے مقدمات اپنی مذہبی عدالتوں میں لائیں لیکن سزاؤں کے نفاذ کے لئے پھر اپنے مجرموں کو رومی عدالت میں لانا پڑتا تھا اور سزائے موت وغیرہ صرف رومی حکومت ہی دیتی تھی۔

یہودی اگرچہ روم کے اس بت پرست بادشاہ سے متنفر ضرور تھے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف اُن کے قلوب میں بغض و حسد کی آگ نے انھیں ایسا اندھا کر دیا کہ انجام اور نتیجہ سے بے فکر ہو کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

عالی جاہ! یہ شخص نہ صرف ہمارے لئے بلکہ حکومت کے لئے بھی خطرہ بنتا جا رہا ہے اگر اس کا فوراً انسداد نہ کیا جائے تو نہ صرف ہمارا دین صحیح و سالم باقی رہ سکے گا بلکہ اندیشہ ہے کہ آپ کے ہاتھ سے حکومت کا اقتدار بھی چلا جائے۔ اس لئے کہ اس شخص (عیسیٰ علیہ السّلام) نے عجیب و غریب شعبدے (معجزات) دکھا کر مخلوق کو اپنا گرویدہ بنالیا ہے اور ہر وقت اس تاک میں ہے کہ عوام کی اس طاقت کے بل پر آپ کو شکست دیدے اور خود بنی اسرائیل کا بادشاہ بن جائے۔ اس شخص نے لوگوں کو نہ صرف دینی حیثیت سے گمراہ کر دیا ہے بلکہ اس نے ہمارے دین (یہودیت) تک کو بدل ڈالا ہے اور لوگوں کو بددین بنانے میں شب و روز مشغول ہے۔ لہٰذا اس کا انسداد ضروری ہے تاکہ بڑھتا ہوا یہ فتنہ ابتدائی منزلوں ہی میں کچل ڈالا جائے۔"

غرض کافی گفت و شنید کے بعد بادشاہ (پیلاطیس) نے ان کو اجازت دیدی کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کریں اور شاہی دربار میں مجرم کی حیثیت سے پیش کریں۔ بنی اسرائیل کے سردار اور کاہن یہ حکم نامہ لیکر بیحد مسرور ہوئے اور فخر کے ساتھ ایک

دوسرے کو مبارکباد دینے لگے اور کہنے لگے کہ اب موقعہ کا انتظار کیا جائے اور مناسب وقت تنہائی میں حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کر لیا جائے تاکہ عوام میں ہیجان نہ ہونے پائے۔ انجیل یوحنا میں اس واقعہ کے متعلق اس طرح مذکور ہے :۔

"پس سردار کاہنوں اور فریسیوں نے صدر عدالت کے لوگوں کو جمع کر کے کہا ہم کرتے کیا ہیں ؟ یہ آدمی تو بہت معجزے دکھاتا ہے اگر ہم اسے یوں ہی چھوڑ دیں تو سب اس پر ایمان لے آئینگے اور اہلِ روم آکر ہماری جگہ اور قوم دونوں پر قبضہ کر لیں گے۔ ان میں سے کائفا نامی ایک شخص نے جو اس سال سردارِ کاہن تھا کہا تم نہیں جانتے اور یہ نہ سوچتے ہو کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ ایک آدمی امت کے واسطے مرے نہ کہ ساری قوم ہلاک ہو۔" (باب ۱۱ آیات ۴۷ تا ۵۱)

مرقس کی انجیل میں اس طرح ہے :۔

"دو دن کے بعد عید ہونے والی تھی اور سردار کاہن اور فقیہہ موقع ڈھونڈ رہے تھے کہ اُسے کیونکر فریب سے پکڑ کر قتل کریں، کیونکہ کہتے تھے کہ عید کو کہیں ایسا نہ ہو کہ بلوہ ہو جائے۔"

(باب ۱۳ آیت ۲)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کے حواریوں کے مکالمہ کو سورۂ آل عمران اور سورۂ صف کے حوالے سے نقل کیا جا چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب یہودیوں کے کفر وعناد اور ریشہ دوانیوں کو محسوس کیا تو ایک جگہ اپنے حواریوں کو جمع کیا اور اُن سے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے سرداروں اور کاہنوں کی سرگرمیاں تم سے پوشیدہ نہیں ہیں مجھکو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آزمائش اور امتحان کا وقت قریب آگیا ہے اب میں تم سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اس وقت کون اللہ کے دین کا ناصر و مددگار ثابت ہوگا؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ سوال سنکر حواریوں نے بڑے جوش وخروش اور صداقت ایمانی کے ساتھ جواب دیا :۔

"ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں۔ آپ گواہ رہیے کہ ہم اطاعت کرنے والے ہیں۔" (الصف آیت ۱۴)

پھر حواریوں نے بارگاہِ الٰہی میں اس طرح دعا کی :۔

"اے پروردگار ہم تیری نازل کی ہوئی کتاب پر ایمان لے آئے اور سچے دل کے ساتھ تیرے رسول کی پیروی کی ہے۔ لہذا اے اللہ تو ہمیں فداکاروں کی فہرست میں شامل کرلے۔"

حواریوں کا یہ جواب ایسا ہی تھا جیسا کہ ہر نبی کے اصحاب نے ایسے موقعوں پر اپنے نبی کو دیا ہے۔

الغرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انھیں دُعا دی اور پھر اللہ تعالےٰ کی وہ وحی پڑھکر سُنائی جو اُن پر نازل ہوئی تھی۔

اللہ تعالےٰ نے یہودیوں کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ وعدے فرمائے تھے۔

پہلا وعدہ یہ تھا کہ اِن کی موت یہودیوں کے ہاتھوں قتل کے ذریعہ نہ ہوگی۔

دوسرا وعدہ۔ فی الحال عالم بالا کی طرف اُٹھالیا جائے گا۔

تیسرا وعدہ۔ اِن کو دشمنوں کی تہمت سے پاک کردیا جائے گا۔

چوتھا وعدہ۔ آپ کی پیروی کرنے والے مخلصوں کو قیامت تک اُن کے دشمنوں پر غالب رکھا جائے گا۔

پانچواں وعدہ۔ قیامت کے دن اللہ تعالےٰ ان کے باہمی مذہبی اختلافات کا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ (آل عمران آیت ۵۵)

حقیقت یہ ہے کہ کفار او رمشرکین کی مخالفت اور عداوت تو ہر نبی کے ساتھ رہی ہے اور سُنّت اللہ یہی رہی ہے کہ جب کسی نبی کی قوم اپنے انکار اور ضد پہ قائم رہی اور پیغمبر کی بات نہ مانی اور اِن کے معجزات دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہیں لائی تو دو صورتوں میں سے ایک صورت نافذ ہوکر رہی ہے۔

(۱) یا تو اُس قوم پر آسمانی عذاب بھیج کر سب کو فنا کردیا گیا جیسے عاد وثمود اور قوم لوطؑ و قوم صالحؑ کے ساتھ معاملہ کیا گیا۔

(۲) یا پھر یہ صورت ہوتی ہے کہ اللہ اپنے نبی کو اس دار الکفر سے

ہجرت کر جانے کا حکم دیتا ہے اور وہاں اُس نبی کو ایسی قوت و تائید نصیب ہوتی ہے کہ وہ پھر اپنی قوم پر فتح پاتا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے ہجرت کی اور ملک شام میں پناہ لی۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے ہجرت کر کے مَدْیَنْ میں قیام کیا۔ اور آخر میں حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں مقیم ہو گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہی دوسری صورت اختیار فرمائی اور انھیں یہودیوں کے نرغہ سے بچانے کے لئے آسمان پر اُٹھا لیا اور ان کی ہجرت گاہ آسمان قرار پایا۔ اور یہ خصوصی موقف اس لئے قرار پایا کہ انھیں قیامت کے قریب دوبارہ زمین پر آنا تھا۔

الغرض یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے یا سُولی دینے کی سازشوں میں مشغول تھے اور اپنی دانست میں ایسی تدبیریں اور مکر و فریب اختیار کر رہے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس طرح زندہ باقی نہ رہیں لیکن خالقِ کائنات نے ان مخالفین اور معاندین کی ساری تدبیریں، ساری سازشیں اُلٹ دیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی کی موت سے بچا لیا۔

اہلِ کتاب یہود اور نصاریٰ دونوں کا مشترک بیان ہے کہ یہودیوں کے سردار اور کاہنوں کو یہ اطلاع ملی کہ اس وقت حضرت مسیح علیہ السلام لوگوں کی بھیڑ سے الگ اپنے شاگردوں کے ساتھ ایک بند مکان میں موجود ہیں۔ یہ موقع انھیں بہتر نظر آیا فوراً ہی ایک ہجوم مکان پر پہنچ گیا اور چاروں طرف سے مکان کا محاصرہ کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر لیا اور توہین و تذلیل کرتے ہوئے بادشاہ پیلاطیس کے دربار میں لے گئے تاکہ وہ اِن کو سُولی دے دے۔ اِدھر ملک کی عدالت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر قوم دشمنی اور مذہبی اختلاف کی وجہ سے واجب القتل ہونے کا فیصلہ صادر کر دیا تھا۔ یہودیوں کے اصرار پر بادشاہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب سپاہی بھیجے کہ اُنھیں سُولی کا لباس پہنا کر لایا جائے۔ یہودی سپاہی جب قید خانے میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اُنہی میں کے ایک شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت و شکل میں

تبدیل کر دیا اور وہ بالکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت و شکل جیسا ہوگیا۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی قاہرانہ قدرت کے ذریعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھا لیا۔ قرآن حکیم کے یہ واضح الفاظ ہیں:۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۔الآیۃ

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۔الآیۃ (النساء آیت ۱۵۷)

حالانکہ نہ وہ آپ کو قتل کر سکے اور نہ آپ کو سولی ہی پر چڑھا سکے بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا۔ اور یقینی بات ہے کہ انھوں نے آپ کو قتل نہیں کیا، البتہ اللہ نے آپ کو اپنی طرف اٹھا لیا۔

تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سزائے موت اگرچہ رومی عدالت سے ملی اور وہی مُلکی عدالت نفاذِ سزا پر قادر تھی لیکن آپ کو سزا دلوانے میں اور آپ کیلئے سزائے موت سنوانے میں تمامتر یہودی ہاتھ کام کر رہا تھا۔ اسی لئے قرآن حکیم نے اقدامِ قتل کی ذمہ داری یہود ہی پر رکھی ہے۔

چاروں انجیل اتنے جزء پر تو متفق ہیں کہ رومی عدالت کا حاکم پیلاطیس (جو عیسائی تھا) آپ کو سزا دینا ہرگز نہیں چاہتا تھا بلکہ اس سے برابر بچ رہا تھا۔ یہ یہودی ہی تھے کہ انھوں نے جھوٹا استغاثہ گھڑا، گواہیاں فراہم کیں اور بلوہ و فساد کی دھمکی دے دیکر عدالت کو سزائے موت سنانے پر مجبور کیا۔

انجیل متیٰ کا ایک مختصر بیان یہ ہے:۔

جب پیلاطیس نے دیکھا کہ کچھ نہیں بن پڑتا بلکہ اُلٹا بلوہ ہوا جاتا ہے تو پانی لے کر لوگوں کے روبرو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا کہ میں راست باز کے خون سے بری ہوں، تم جانو! سب لوگوں نے کہا اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر، اس پر اس نے برّابا کو ان کی خاطر چھوڑ دیا اور یسوع کو کوڑے لگوا کر حوالہ کر دیا تاکہ صلیب دی جائے۔ (انجیل آیت ۲۴، ۲۵، ۲۶)

انجیل لوقا میں مزید یہ صراحت ملتی ہے:۔

حاکم نے ملزم کو سزائے موت سے بچانے کی تین بار کوشش کی لیکن یہود نے ہر دفعہ اُسکی بات کو رد کر دیا۔ (آیت ۲۲، ۲۳)

اسی طرح قدیم تاریخوں میں خود یہودیوں کی لکھی ہوئی عبارتوں میں اس بات پر فخر کا اظہار کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح کو ہلاک کرنے کی ساری جدوجہد ہمارے ہی سر ہے۔

قرآن حکیم نے صراحت و وضاحت کے ساتھ یہ بتایا کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے قتل یا صلیب کی پوری داستان سرتاسر غلط اور جھوٹ ہے بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جسمانی زندگی کے ساتھ آسمان کی جانب اُٹھا لیا گیا اور اسکے بعد دشمن مکان کے اندر گھس پڑے تو اُن پر صورتِ حال مشتبہ کر دی گئی اور وہ کسی طرح بھی نہ جان سکے کہ آخر اس مکان میں سے مسیح (علیہ السلام) کہاں چلا گیا۔

قرآن حکیم نے "رفع الی السماء" کے اس معجزانہ واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے:۔

قرآنی مضمون

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۔الخ (النساء آیات ۱۵۷، ۱۵۸)

(اور یہود ملعون قرار دیئے گئے) اپنے اس قول پر کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول کو قتل کر ڈالا۔ حالانکہ انھوں نے نہ انکو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ (اللہ کی خُفیہ تدبیر کی بدولت) اصل معاملہ اُن پر مشتبہ ہو کر رہ گیا اور جو لوگ ان کے قتل کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں بلاشبہ وہ اس (عیسیٰ) کی جانب سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس حقیقتِ حال کے بارے میں ظنّ (اٹکل) کی پیروی کے سوا علم کی روشنی نہیں ہے اور انھوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی جانب اٹھا لیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

امام تفسیر ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ جب یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تو آپ کے حواری ایک جگہ جمع ہوئے اور حضرت مسیح علیہ السلام بھی اُن کے ہاں تشریف لائے۔ ابلیس شیطان نے یہودیوں کی اُس جماعت کو جو حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کے لئے تیار کھڑی تھی حضرت مسیح علیہ السلام کا پتہ دیا۔ اسپر چار ہزار آدمیوں

آدمیوں نے مکان کا محاصرہ کر لیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایک شخص اس بات کے لئے آمادہ ہے کہ وہ باہر نکلے اور اُسکو قتل کر دیا جائے پھر وہ جنّت میں میرے ساتھ ہوگا۔ اِن میں سے ایک شخص نے اپنے آپ کو اسکے لئے پیش کیا آپ نے اپنا عمامہ اور کرتا اسکو عطا کیا پھر اُس شخص پر اللہ کی جانب سے حضرت مسیحؑ کی شباہت ڈال دی گئی۔ جب وہ شخص باہر نکل آیا تو یہود نے اُسے پکڑ لیا اور سولی پر چڑھا دیا اِدھر اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھا لیا۔

بعض روایات میں یہ بھی صراحت ملتی ہے کہ یہودیوں نے ایک شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے واسطے بھیجا تھا جب وہ شخص اُس مکان میں داخل ہوا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پایا اور باہر نکلا تو اُسکی شکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی تھی یہودیوں نے اسکو پکڑ لیا اور اُس کے لاکھ انکار کے باوجود اُس کو عیسیٰ سمجھ کر قتل کر دیا۔ (مظہری)

قتل کے بعد بھی بعض یہودیوں کو احساس ہوا انھوں نے آپس میں کہا کہ ہم نے اپنے ہی آدمی کو قتل کیا ہے اس لئے کہ یہ مقتول چہرے میں تو مسیح بن مریم کے مشابہ ہے لیکن باقی جسم اُن جیسا نہیں ہے۔ اور یہ کہ اگر یہ مقتول مسیح ہیں تو ہمارا آدمی کہاں ہے؟ اور اگر یہ آدمی ہمارا ہے تو مسیح کہاں گیا؟ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ الآیۃ کی ایک تفسیر یہ بھی ہے۔

الغرض حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کر کے طرح طرح کے دعوے کیے گئے اور یہ سب شک اور اٹکل کی باتیں تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف بلا لیا۔

اس واقعہ کے اختتام پر قرآن حکیم میں یہ آیت موجود ہے:۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ الآیۃ

(نساء آیت ۱۵۹)

آیت کی دو تفسیریں منقول ہیں ایک یہ کہ مَوْتِهٖ کی ضمیر اہل کتاب کی جانب مانی جائے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ یہود (اہل کتاب) اپنی موت سے چند لمحے پیشتر جب کے

عالم برزخ کو دیکھیں گے تو عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لے آئیں گے اگرچہ اُس وقت کا ایمان لانا انھیں کوئی نفع نہ دے گا جس طرح کہ فرعون کو اُسکے اس ایمان نے فائدہ نہ دیا جو غرق ہونے کے وقت لایا تھا۔

دوسری تفسیر جسکو صحابہ و تابعین کی ایک بڑی جماعت نے اختیار کیا اور ایک حدیث صحیح سے بھی اُس کی تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مَوْتِہٖ کی ضمیر کو حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف راجع کیا جائے۔ اب آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اگرچہ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لاتے ہیں لیکن جب قیامت کے قریب وہ زمین پر نازل ہوں گے تو یہ سب اہل کتاب اُن پر صحیح طور پر ایمان لے آئیں گے۔ اُس وقت کفر اپنی تمام اقسام کے ساتھ دنیا سے فنا کر دیا جائے گا اور زمین پر صرف اسلام ہی کی حکمرانی ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ایک عادل حکمراں بنکر زمین پر نازل ہوں گے اور وہ دجّال اور خنزیر کو قتل کر دیں گے۔ صلیب کو توڑ ڈالیں گے۔ اُن کے زمانے میں عبادت صرف رب العالمین ہی کی ہوگی۔

اسکے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اگر تم چاہو تو قرآن حکیم کی یہ آیت بھی پڑھ لو جسمیں اس حقیقت کا ذکر کیا گیا ہے کہ اہل کتاب میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا مگر یہ کہ وہ اُن پر اُن کی موت سے پہلے ایمان لے آئے گا۔ یہ کلمہ آپ نے تین بار دہرایا۔ "قَبْلَ مَوْتِ عِیْسٰی"
(قرطبی)

اس تفسیر کی بنا پر یہ آیت وضاحت کرتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ابھی نہیں ہوئی وہ قیامت کے قریب جب آسمان سے نازل ہوں گے اور اپنی ذمہ داریاں پوری کریںگے تب اس زمین پر ان کی وفات ہوگی۔ اس حقیقت کی تائید مزید سورۂ زخرف کی آیت سے بھی ہوتی ہے:۔

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ۔

(زخرف آیت ۶۱)

یعنی عیسیٰ (علیہ السلام) قیامت کے یقین کا ایک ذریعہ ہیں۔ لہذا تم قیامت کے آنے میں شک نہ کرو اور میرا کہا مانو یعنی جب وہ قیامت کے قریب آسمان سے اُتر پڑیں گے یہ حقیقت خود بخود ثابت ہو جائے گی کہ قیامت کا عقیدہ حق ہے۔ اس آیت کی ایک دوسری قرأت "لَعَلَمٌ" بھی منقول ہے۔ اس سے یہ معنی اور زیادہ واضح ہو جاتے ہیں۔ عَلَم کے معنی علامت کے ہیں۔ (یعنی حضرت عیسیٰ قیامت کی علامت ہیں) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس علامت سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو قیامت سے پہلے تشریف لائیں گے۔ (ابن کثیر)

شاهد یوم القیامہ قیامت کے دن عام انسانوں سے پہلے تمام انبیاء و رسل کو جمع کیا جائے گا اور ان سے جواب طلب کیا جائے گا کہ تمہاری امتوں نے تمہاری دعوت و تبلیغ پر تم کو کیا جواب دیا؟

یہ وقت اُمتوں کے لئے بڑا نازک اور ہوش رُبا ہوگا۔ کیونکہ وہاں ہر امت اپنے نبی کی سفارش و شفاعت کے انتظار میں ہوگی اور یہ توقع لگائے ہوئے ہونگے کہ نجات کا کوئی ذریعہ ہے تو بس یہی ایک صورت ہے لیکن جب رب العالمین سے خود یہ سوال سنا جائیگا کہ بتاؤ تمہاری امتوں نے تم کو کیا جواب دیا۔ تو رہی سہی توقع بھی ختم ہو جائیگی۔ رب العالمین کا یہ ابتدائی سوال تمام رسولوں سے بحیثیت مجموعی ہوگا۔ پھر ایک ایک رسول سے الگ الگ شہادت لی جائیگی۔ اس سلسلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو سوال کیا جائے گا اُسکو قرآن حکیم نے بطور خاص نقل کیا ہے۔

قرآنی مضمون وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ـ الخ (مائدہ آیات ۱۱۶ تا ۱۲۰)

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) فرمائیں گے اے عیسیٰ بن مریم کیا تم نے اُن لوگوں سے

کہدیا تھا کہ مجھکو (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) اور میری ماں (سیدہ مریمؑ) کو بھی اللہ کے علاوہ معبود قرار دے لو۔ عیسیٰ (علیہ السلام) عرض کریں گے کہ (توبہ توبہ) میں تو (خود اپنے عقیدے میں) آپکو (شریک سے) منزّہ سمجھتا ہوں (تو ایسی حالت میں) مجھکو کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جسکے کہنے کا مجھکو کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے (واقع میں) کہا ہوگا تو آپ کو اس کا (یقیناً) علم ہوگا۔

آپ تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتے ہیں۔ اور میں تو (دیگر مخلوقات کی طرح اتنا عاجز ہوں کہ) آپکے علم میں جو کچھ ہے اسکو نہیں جانتا۔ پس تمام غیبوں کے جاننے والے آپ ہی ہیں۔

میں نے تو اُن سے اور کچھ نہیں کہا صرف وہی بات جو آپنے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور میں ان (کی حالت) پر مطلع رہا جب تک ان میں موجود رہا پھر جب آپ نے مجھکو اُٹھالیا تو آپ اُنکے احوال پر مطلع رہے (اسوقت کی مجھکو کچھ خبر نہیں) اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں۔ اگر آپ اُن کو سزا دیں یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف فرمائیں تو آپ زبردست (قدرت والے) ہیں اور حکمت والے ہیں۔ (اسکے بعد) اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے یہ وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے ان کا سچا ہونا ان کے کام آئے گا۔ اُن کو باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ اُن سے راضی اور خوش اور یہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور خوش ہیں یہ بڑی بھاری کامیابی ہے۔"

آیات بالا کی تفسیر میں مشہور محدث حافظ ابن عساکرؒ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے ایک حدیث صحیح نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو تمام انبیاء علیہم السلام کو اور ان کی امتوں کو بلایا جائے گا اور عیسیٰ علیہ السلام بھی بلائے

جائیں گے۔ اللہ تعالےٰ پہلے ان کے سامنے اپنی ان نعمتوں کو شمار کرائینگے جو دنیا میں اُن پر نازل ہوتی رہی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن سب کا اعتراف کریں گے۔ اسکے بعد اللہ تعالےٰ ارشاد فرمائیں گے

ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔ الآیہ

اُے عیسیٰ کیا تم نے اپنی قوم سے یہ کہا تھا کہ مجھکو اور میری ماں مریم کو اللہ کے علاوہ معبود قرار دے لو؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کا انکار فرمائیں گے۔ پھر نصاریٰ کو بلایا جائے گا اور اُن سے یہی سوال کیا جاتے گا۔ یہ لوگ دروغ بیانی کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہاں عیسیٰ نے ہم کو یہی تعلیم دی تھی۔ یہ سنکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سخت خوف طاری ہو جائے گا، بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے اور خشیتِ الٰہی سے سجدہ ریز ہو جائیں گے اور یہ مدت ان کو ایک ہزار سال معلوم ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نصاریٰ کے خلاف حجت قائم کر دی جائیگی اور اُن کی خود ساختہ صلیب پرستی کی حقیقت کھول دی جائیگی اور اس کے بعد اُن سب کو جہنم میں جھونک دیا جائیگا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ سورۂ مائدہ)

نتائج و عبر

حُلیہ مُبارک بخاری کی حدیثِ معراج میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

میری ملاقات حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی تو میں نے اُن کو درمیانہ قد، سُرخ وسپید پایا۔ بدن ایسا صاف شفاف تھا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ابھی حمام سے نہا کر آئے ہیں۔ اور بعض دوسری روایات میں ہے کہ آپ کے زُلف کاندھوں تک لٹکے ہوئے تھے۔ (بخاری شریف)

حضرت مسیح علیہ السلام کا حلقہ دعوت و تبلیغ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنہیں کتاب انجیل دی گئی تھی۔ یہ کتاب دراصل تورات کا تکملہ تھی یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمی اساس اگرچہ تورات ہی پر قائم تھی مگر یہودیوں کی گمراہیوں اور مذہبی بغاوتوں اور تورات میں تحریفات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی معرفت انجیل کی شکل میں ایک اصلاحی کتاب نازل کی جو یہودیوں کی عملی اور اعتقادی گمراہی کے لئے اصلاح کا کام دیتی تھی۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے مبعوث ہو کر ان سب کی اصلاح کے لئے قدم اُٹھایا تاہم چند اہم بنیادی باتیں خصوصیت کے ساتھ قابل اصلاح تھیں جنکی اصلاح و درستگی کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام بہت زیادہ سرگرم عمل رہے۔

یہودیوں میں بنیادی طور پر چار مختلف نظریات کی جماعتیں یا افراد پیدا ہو گئے تھے جو بے دینی اور مذہبی انتشار کے باعث تھے۔

(۱) ان میں کی ایک جماعت کا یہ خیال تھا کہ انسان کے اعمال خواہ نیک ہوں یا بد اس کی سزا اسی دنیا میں مل جاتی ہے باقی قیامت، آخرت، حشر و نشر، حساب کتاب یہ سب باتیں غلط ہیں۔ اس نظریہ کی جماعت "صدوقی" کہلاتی تھی۔

(۲) دوسری جماعت اگرچہ آخرت اور حشر و نشر کو حق سمجھتی تھی مگر ساتھ ہی یہ یقین رکھتی تھی کہ اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے لذاتِ دنیا اور اہل دنیا سے کنارہ کش ہو کر زہد کی زندگی اختیار کی جائے۔ چنانچہ اس قسم کے لوگ شہروں اور آبادیوں سے دُور خانقاہوں اور بیابانوں میں رہنا پسند کرتے تھے مگر یہ جماعت حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت سے کچھ پہلے اپنی یہ حیثیت بھی کھو چکی تھی اور اب ترک دنیا کے پردے میں دنیا کی ہر قسم کی گندگی میں آلودہ تھی۔ ظاہر حال صوفیوں اور زاہدوں کا سا تھا مگر خلوت کدوں میں وہ سب کچھ ہوتا تھا جن سے رندانِ بادہ خوار بھی ایک مرتبہ حیا و شرم سے آنکھیں بند کرلیں۔ یہ فرقہ "فریسی" کہلاتا تھا۔

(۳) تیسری جماعت قوم کے مذہبی راہ و رسم اور خدمت ہیکل (مسجد) سے متعلق تھی لیکن ان

کا بھی یہ حال تھا کہ جن رسوم و خدمات کو لوجہ اللہ کرنا چاہیئے تھا اور جن اعمال کے نتائج خلوص و تقوٰی پر مبنی تھے اِن کو تجارتی کاروبار بنالیا تھا اور جب تک ہر ایک رسم پر بھینٹ اور نذرانہ نہ لیتے تھے قدم نہ اُٹھاتے حتیٰ کہ اس مقدس کاروبار کے لئے انھوں نے تورات کے احکام تک میں تحریف کر دی تھی۔ یہ لوگ "کاہن" کہلاتے تھے۔

(۴) چوتھی جماعت ان سب پر حاوی اور مذہب کی اجارہ دار تھی۔ اس جماعت نے عوام میں آہستہ آہستہ یہ عقیدہ پیدا کر دیا تھا کہ مذہب اور دین کے اصول و اعتقادات کچھ نہیں ہیں مگر وہ جن پر یہ لوگ صاد کر دیں اِن کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دیں ضرورت اور تقاضہ کے وقت اضافہ یا کمی کر دیں، جس کو چاہیں جنت کا پروانہ لکھ دیں اور جس کو چاہیں جہنم کی سند تحریر کر دیں اللہ کے ہاں اِن کا یہ فیصلہ اٹل اور قطعی ہوتا ہے۔ یہ "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ" بنے بیٹھے تھے اور تورات کی لفظی و معنوی تحریف میں اس درجے جری اور حریص تھے کہ اسکو دنیا طلبی کا مستقل ذریعہ اور سرمایہ بنالیا تھا۔ عوام اور خواص کی خوشنودی کیلئے معمولی معمولی نفع کے لئے احکام دین کو بدل ڈالنا ان کا مشغلۂ دینی تھا۔ یہ لوگ "اُحبار یا فقیہ" کہلائے جاتے تھے۔

یہ تھیں وہ جماعتیں اور یہ تھے ان کے وہ عقائد و اعمال جنکی اصلاح کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ آپ نے ہر ایک جماعت کے فاسد عقائد و اعمال کا جائزہ لیا۔ رحم و شفقت کے ساتھ اُن کے عیوب و نقائص پر متنبہ کیا۔ اصلاح حال کے لئے ترغیب دی اور اسکے لئے آپ نے اپنی زندگی وقف کر دی مگر اِن بدبختوں نے اپنے اعمال سیاہ کی اصلاح کا یکسر انکار کر دیا اور نہ صرف یہ بلکہ آپ کو "مسیح ضلالت" کہہ کر انکی پاکیزہ دعوت و تبلیغ کے دشمن ہو گئے اور ان کے خلاف سازشیں کر کے ان کی جان کے درپے ہو گئے۔

قرآن حکیم کی آیاتِ ذیل اِن کے اِن اعمال بد اور اعتقاد باطل کا اس طرح تذکرہ کرتی ہیں۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا الایہ (بقرہ آیت ۷۹)

پس ہلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھوں سے شریعت کا نوشتہ لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے تاکہ اسکے معاوضہ میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کریں۔

اورلوگ یہ بھی کہتے تھے کہ دوزخ کی آگ ہمیں ہرگز نہیں چھونے والی ہے الا یہ کہ چند روز کی سزا مل جائے تو مل جائے۔

یہ یہودیوں کی عام غلط فہمی تھی جسمیں ان کے عامی اور عالم سب بتلا تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم خواہ کچھ کریں بہرحال ہم اللہ کے بیٹے ہیں لہذا دوزخ کی آگ ہم پر حرام ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (آل عمران آیت ۷۱)

اے اہل کتاب! کیوں حق کو باطل کا رنگ چڑھا کر مشتبہ بناتے ہو؟ کیوں جانتے بوجھتے حق کو چھپاتے ہو؟

وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ الآیۃ (آل عمران آیت ۷۸)

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِندَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ۔ (المائدہ آیت ۴۳)

اے نبی یہ لوگ آپ کو کیسے حَکَم (فیصلہ کرنے والا) بناتے ہیں جبکہ ان کے پاس تورات موجود ہے جس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے اور پھر یہ اس سے منہ موڑ رہے ہیں۔

یہاں خاص طور پر جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ تھا کہ خیبر کے معزز یہودی خاندان میں سے ایک عورت اور ایک مرد کے درمیان ناجائز تعلق پایا گیا۔ تورات کی رُو سے ان کی سزا سنگساری تھی لیکن یہودی علماء اس سزا کو نافذ کرنا نہیں چاہتے تھے اس لئے انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس مقدمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکم بنایا جائے اگر وہ سنگساری کے سوا کوئی اور حکم دیں تو قبول کر لیا جائے اور اگر سنگساری ہی کا حکم دیں تو قبول

نہ کیا جائے۔ چنانچہ یہ مقدمہ آپ کے پاس آیا آپ نے قرآنی حکم کے مطابق سنگساری ہی کا حکم دیا لیکن اُن لوگوں نے حکم ماننے سے انکار کیا۔ اسپر آپ نے پوچھا کہ تمہارے مذہب میں اسکی کیا سزا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ کوڑے مارنا اور منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کرا دینا۔ آپؐ نے اُنکے علمار کو قسم دے کر پوچھا کیا توراۃ میں شادی شدہ زانی، زانیہ کی یہی سزا ہے؟ اسپر اُن علمار نے پھر وہی جھوٹ بولا لیکن اُن میں ایک شخص ابن صُوریا نامی خود یہودیوں کے مطابق اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالم تھا خاموش رہا۔ آپؐ نے اُس سے مخاطب ہو کر فرمایا میں تجھے اُس اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے تم لوگوں کو فرعون سے بچایا اور کوہ طور پر تمہیں شریعت عطا کی۔ کیا واقعی توراۃ میں زنا کی یہی سزا لکھی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ اگر آپ مجھے ایسی بھاری قسم نہ دیتے تو میں نہ بتاتا۔ واقعہ یہ ہے کہ زنا کی سزا تو سنگساری ہی ہے مگر ہمارے ہاں جب زنا کی کثرت ہوئی تو ہمارے حکام نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ بڑے لوگ زنا کرتے تو انھیں چھوڑ دیا جاتا اور چھوٹے لوگوں سے یہی حرکت سرزد ہوتی تو انھیں سنگسار کر دیا جاتا تھا۔ پھر جب عوام میں اس یکطرفہ عمل سے ناراضی پیدا ہو گئی تو ہم نے توراۃ کے قانون ہی کو بدل دیا اور یہ قاعدہ بنا لیا کہ زانی اور زانیہ کو کوڑے لگائے جائیں۔ اور انھیں منہ کالا کر کے گدھے پر اُلٹے منہ سوار کرایا جائے۔

جب یہ حقیقت کھُل گئی تو یہودیوں کو کچھ بولنے کی گنجائش نہ رہی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زانی اور زانیہ کو سنگسار کر دیا گیا۔

قرآن حکیم کی اس آیت نے اِن لوگوں کی بددیانتی کو بےنقاب کر دیا اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے جس نے ایک گمشدہ حقیقت کو برمحل ظاہر کر دیا اور یہودی علمار نے بھی اسکی تصدیق کر دی۔

وَلَمَّا جَاۤءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ الخ

(بقرہ آیت ۸۹)

اور جب اُن کے پاس ایک کتاب اللہ کی جانب سے پہنچ گئی (قرآن حکیم) جو تصدیق کرنے والی اُس (کتاب) کی جو اُن کے پاس (پہلے سے) موجود ہے۔ (توراۃ) اور یہ لوگ اُس کتاب کی آمد سے پہلے خود کفار کے مقابلہ میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے مگر جب وہ چیز

آگئی جسکو وہ پہچان بھی گئے تو انھوں نے ماننے سے انکار کر دیا، اللہ کی لعنت اِن انکار کرنے والوں پر۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے یہودی بے چینی کے ساتھ اُس نبی کے منتظر تھے جسکی بعثت کی پیشین گوئیاں اُن کے انبیاء نے کی تھیں۔ یہی نہیں بلکہ دُعائیں مانگا کرتے تھے کہ وہ نبی جلد مبعوث ہو جائے تاکہ کفار کا غلبہ ختم ہو جائے اور ہم اُن کا ساتھ دیکر اپنے عروج کا دور شروع کریں۔ خود اہل مدینہ اس بات کے شاہد تھے کہ بعثت محمدی سے پہلے ان کے ہمسایہ یہودی ظلم ومصیبت کے وقت یہ کہا کرتے تھے کہ اچھا اب تو جس جس کا جی چاہے ہم پر ظلم کر لے جب وہ نبی آئے گا تو ہم اِن سب ظالموں کو دیکھ لیں گے۔

اہل مدینہ کو یہودیوں کی یہ باتیں خوب یاد تھیں۔ چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اہل مدینہ نے آپس میں کہا کہ دیکھنا کہیں یہودی اسلام لانے میں ہم سے سبقت نہ لے جائیں چلیں ہم ہی پہلے اُس نبی پر ایمان لائیں۔ مگر ان کیلئے یہ عجیب بات تھی کہ وہی یہودی جو آنے والے نبی کے انتظار میں گھڑیاں گِن رہے تھے اُن کے آنے پر سب سے بڑھکر اُن کے مخالف ہو گئے۔

اس سلسلے کی سب سے زیادہ قابل اعتماد شہادت ام المومنین سیدہ صفیہؓ کی ہے جو خود ایک بڑے یہودی عالم کی بیٹی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو میرے باپ اور چچا جو دونوں بڑے عالم تھے آپؐ سے ملنے کے لئے گئے بڑی دیر تک آپؐ سے گفتگو کی پھر گھر واپس آئے تو میں نے خود اپنے کانوں سے ان دونوں کو یہ یہ گفتگو کرتے سنا۔

چچا نے کہا کیا یہ واقعی وہی نبی ہیں جس کی خبریں ہماری کتابوں میں دی گئی ہیں؟
باپ نے کہا اللہ کی قسم یہ وہی معلوم ہوتے ہیں۔ چچا نے پوچھا کیا آپ کو اس کا کامل یقین ہے؟

والد نے کہا! ہاں ایسے ہی یقین ہے جیسے کہ ہم اپنے بچوں کو اپنا ہی سمجھتے ہیں۔
اسپر چچا نے پوچھا پھر آپ کا کیا ارادہ ہے؟
والد نے جواب دیا حقیقت تو یہی ہے لیکن جب تک جان میں جان ہے انکی مخالفت کروں گا اور انکی بات چلنے نہ دوں گا۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۵)

واقعہ یہ ہے کہ یہودی علمار یہ چاہتے تھے کہ آنے والا نبیؐ ان کی اپنی قوم بنی اسحاق میں پیدا ہوا مگر جب وہ دوسری قوم بنو اسمٰعیل میں پیدا ہوا جسے وہ اپنے مقابلہ میں ہیچ سمجھتے تھے تو اُسکے انکار پر آمادہ ہوگئے۔

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. الآیۃ (المائدہ آیت ۶۲)

تم دیکھتے ہو کہ اِن میں سے بکثرت لوگ گناہ اور ظلم و زیادتی کے
کاموں میں دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں اور حرام کے مال کھاتے ہیں،
بہت بُری حرکات ہیں جو یہ کر رہے ہیں۔

تعجب تو یہ ہے کہ ان کے علمار و مشائخ بھی ان کو اِن بُرے کاموں سے روکا نہیں کرتے تھے بلکہ کہیں چپ سادھ لیتے تھے اور کبھی خود بھی شریکِ گناہ ہو جاتے، یہ قوم کے راہنما تھے۔ چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی ؟

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ الآیۃ (توبہ آیت ۳۱)

انھوں نے اپنے علمار اور مشائخ کو اللہ کے سوا اپنا رب
بنا لیا ہے اور اسی طرح مسیح بن مریم کو بھی حالانکہ ان کو صرف ایک معبود
کے سوا کسی کی بندگی کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔

مشہور سخی حاتم طائی کے بیٹے عدی بن حاتمؓ مشرف باسلام ہو کر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو منجملہ سوالات ایک سوال یہ بھی کیا تھا یا رسول اللہ قرآن حکیم نے یہودیوں کو یہ الزام دیا ہے کہ انھوں نے اپنے علمار و مشائخ کو معبود بنا لیا ہے حالانکہ یہودیوں کی پوری تاریخ اس واقعہ سے خالی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ انکے علمار و مشائخ جو کچھ بھی لوگوں پر حرام کر دیتے اسکو یہ لوگ حرام مان لیتے تھے اور جو کچھ بھی یہ حلال کر دیتے اسکو لوگ حلال مان لیتے تھے۔ اسپر عدی بن حاتمؓ نے عرض کیا ہاں یہ تو ضرور ہوتا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا بس یہی تو ان کو معبود بنا لینا ہوا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ
لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الخ
(توبہ آیت ۳۴)

اے ایمان والو اِن اہل کتاب کے اکثر علماء و مشائخ کا یہ حال
ہے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور انھیں اللہ کی
سیدھی راہ سے روکتے ہیں۔

یعنی ظالم صرف یہی نہیں کرتے کہ رشوتیں کھاتے، نذرانے لوٹتے، سود کھاتے بلکہ ایسے ایسے طریقے ایجاد کرتے جو اللہ تعالےٰ کی سیدھی راہ سے پھیرنے والے ہوتے اور جس میں انکو اپنا اور صرف اپنا ہی اقتدار نظر آتا۔ اپنی معمولی معمولی اغراض کی خاطر یہ خلقِ خدا کو گمراہیوں کے چکر میں پھنسائے رکھتے۔ یہ عمل انکی زندگی کے لیل ونہار تھے۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَأْخُذُوْنَ عَرَضَ
هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا الآیہ (اعراف آیت ع۱۶۹)

پھر اگلی نسلوں کے بعد ایسے ناخلف لوگ ان کے جانشین ہوئے
جو کتاب الٰہی کے وارث ہوکر اسی دنیائے دنی کے فائدے سمیٹتے رہے اور
یہ کہتے رہے کہ ہمیں توقع ہے کہ معاف کر دیا جائے گا اور اگر وہی متاعِ دنیا
پھر سامنے آجاتی تو پھر لپک کر اُسے لے لیتے۔

یعنی گناہ کرتے اور جانتے کہ یہ گناہ ہے مگر اس بھروسے پر اس کا ارتکاب کر لیتے کہ کسی نہ کسی طرح بخشش ہو جائیگی اور اسی گمراہی کا نتیجہ یہ ہوتا کہ گناہ کر کے شرمندہ نہیں ہوتے بلکہ پھر ویسے ہی گناہ کا موقع سامنے آجاتا تو پھر اُس میں مبتلا ہو جاتے۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ الآیۃ (مائدہ آیت ع۴۲)

جھوٹ کے بڑے سننے والے، حرام کے بڑے کھانیوالے۔

یہ دو لفظ مبالغہ کے ہیں یعنی یہ نہیں کہ یہ لوگ کبھی کبھی جھوٹ میں پڑجاتے ہیں اور کبھی کبھی رشوت وحرام بھی لے لیتے ہیں بلکہ یہ دو صفت گویا اُن کے خمیر وسرشت میں داخل ہو گئے ہیں یعنی جھوٹ اور حرام کھانے کے ماہر ہیں۔

یہ وصف یہود کے خواص اور علماء دونوں میں پیدا ہو گئے تھے جو رشوت اور نذرانے لے لے کر غلط سلط احکام بتاتے اور حق کو مسخ کر دینے کے عادی ہو گئے تھے۔

علامہ رازی نے سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ کے معنی سَمّٰعُوْنَ لِاَجْلِ الْكَذِبِ بیان کئے ہیں یعنی یہودیوں کے یہ علماء ومشائخ اسلام کی خبریں اس لئے سنتے ہیں کہ جھوٹ بولیں اور

اسکی غلط شہرت دیں۔ (کبیر)

اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ۔ اکّال، اکل سے ماخوذ ہے لیکن اسکے معنی میں مبالغہ شامل ہے یعنی مال حرام اور رشوت کے تھوڑے حصے پر مطمئن ہونے والے نہیں بلکہ رشوت کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹنے والے اور اس پر بھی بس کرنے والے نہیں، دراصل جب حرام خوری کی عادت ہو جاتی ہے تو پھر بھوک اور بڑھ جاتی ہے۔

اناجیلِ اربعہ

حضرت مسیح علیہ السلام پر جو کتاب انجیل نازل ہوئی تھی کیا موجودہ چاروں انجیل وہی ہیں یا یہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد کی تصانیف ہیں؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جسپر صدیاں گزر جانے کے بعد بھی سوال بدستور باقی ہے۔ اور عیسائیت پر اسلام کا یہ ایسا بھاری قرضہ ہے جسکی ادائیگی کے لئے وہ عاجز و درماندہ ہے۔

تمام اہل علم کا جسمیں علماء نصاریٰ بھی شامل ہیں اتفاق ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی انجیل نہیں ہے اور نہ اس کا خالص ترجمہ ہے۔

موجودہ چاروں انجیلوں کے متعلق نصاریٰ کے ہاں ایسی کوئی سند یا دستاویز نہیں جسکی بنا پر وہ یہ کہہ سکیں کہ ان کی روایات کا سلسلہ یا ان کی ترتیب و تالیف کا زمانہ حضرت مسیح علیہ السلام یا ان کے شاگردوں (حواریوں) تک پہنچتا ہے۔ خود عیسائیت کی مذہبی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ پہلی صدی عیسوی سے چوتھی صدی عیسوی کے اوائل تک عیسائیوں میں اکیس[۲۱] سے زیادہ انجیلیں الہامی یقین کی جاتی تھیں۔ لیکن ۳۲۵ء میں "نائسیا" کی کونسل نے اِن میں سے صرف چار کو منتخب کر کے باقی کو متروک اور غیر معتبر قرار دے دیا اور یہ انتخاب بھی کسی تاریخی یا علمی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک طرح کی فال نکالی گئی اور اس کو الہامی اشارہ تسلیم کر لیا گیا۔ ساری انجیلوں کو ایک تخت پر رکھ دیا گیا اور انجیل کی آیات اور اللہ کا نام اور اُس سے استعانت طلب کرتے ہوئے ایک ایک پر ہاتھ رکھا گیا جو زمین پر گرتے چلی گئی وہ نامقبول قرار پائی اور جو باقی رہی وہ حقیقی کتاب مقدس سمجھی گئی۔ اسطرح چار کتابیں گرنے سے رہ گئیں اور وہ یہ ہیں:-

(۱) ان بقیہ چاروں انجیل میں سب سے قدیم متیٰؑ کی انجیل تسلیم کی جاتی ہے لیکن اسکے باوجود نصاریٰ کے قدیم علماء اس بات کے قائل ہیں کہ یہ انجیل متیٰ اصلی نہیں بلکہ اسکا

ترجمہ ہے اس لئے کہ اصل کتاب عبرانی زبان میں تھی جواب ناپید اور ضائع ہوگئی ہے اور موجودہ ترجمہ کے بارے میں قطعی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ یہ اصل زبان کا ترجمہ ہے جبکہ مترجم کا نام تک معلوم نہیں اور نہ یہ پتہ کہ کس زمانے میں یہ ترجمہ ہوا ہے؟

(۲) دوسری انجیل مرقس کی ہے اسکے متعلق مشہور عیسائی عالم پطرس گواناگ اپنی کتاب "مُروج الاخبار فی تراجم الابرار" میں مرقس کی سوانح حیات پر لکھتا ہے کہ یہ نسلاً یہودی لاوی اور پطرس حواری عیسیٰ کا شاگرد تھا۔ رومیوں نے جب عیسائیت اختیار کرلی تو ان کے مطالبہ پر یہ انجیل تصنیف کی۔ ۶۸ء میں اسکندریہ کے قید خانے میں بت پرستوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔

(۳) تیسری انجیل سینٹ لوقا کی انجیل ہے۔ جس قدر اختلاف علماء نصاریٰ میں متی کی انجیل کے بارے میں ہے اس سے بھی زیادہ لوقا کی انجیل کے بارے میں اختلاف موجود ہے۔ خود لوقا نے اپنی انجیل کی ابتداء میں یہ لکھا ہے کہ یہ انجیل اس نے تاوفیلس کے ساتھ خط و کتابت کی بناء پر لکھی ہے وہ اسکو مخاطب کرکے لکھتا ہے کہ مسیح کی باتیں جن لوگوں نے کانوں سے سنی تھیں انھوں نے ہم تک جسطرح پہنچائی ہیں اُن کو بہت سے لوگ ہم سے نقل کررہے ہیں اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کو خود ہی صحیح طریقہ پر جمع کردوں تاکہ تم کو صحیح حقیقت معلوم ہوجائے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لوقا نے حضرت مسیح کا زمانہ نہیں پایا۔ نیز علماء نصاریٰ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ لوقا کی انجیل مرقس کی انجیل کے بعد وجود میں آئی اور پطرس اور پولوس کے مرنے کے بعد تصنیف کی گئی ہے۔ (قصص الانبیاء للنجار ص۴۷۷)

اصل بات یہ ہے کہ لُوقا شہر انطاکیہ میں طب کا پیشہ کرتا تھا۔ اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو نہیں دیکھا اور مسیحیت کو سینٹ پال (پولوس) سے سیکھا اور سینٹ پال کے متعلق یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ وہ اصلاً متعصب یہودی تھا اور عیسائیت کا بدترین دشمن تصور کیا جاتا تھا اُسنے نصاریٰ کے خلاف علی الاعلان اپنی جدوجہد جاری رکھے ہوئے تھا مگر جب اس نے یہ دیکھا کہ اسکی ہمہ قسم مخالفتوں اور رکاوٹوں کے باوجود مسیحیت ترقی کرتے جارہی ہے اور رو کے نہیں رکتی تب اُس نے مکر وفریب سے کام لیا اور اچانک اعلان کیا کہ مجھ سے ایک عجیب معجزہ سرزد ہوا میں

بحالتِ صحت تھا کہ ایک دم اس طرح زمین پر گرا جیسا کہ کوئی کشتی میں پچھاڑ دیتا ہے اور اسی حالت میں حضرت مسیح علیہ السلام نے مجھ کو چھوا اور پھر سخت زجر وتنبیہ کی کہ آئندہ تو ہرگز میرے پیروی کرنے والوں کے خلاف کوئی اقدام نہ کرنا۔ پس میں اسی وقت حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لے آیا اور حضرت مسیح کے حکم سے مسیحی دنیا کی خدمت کے لئے مامور ہوگیا ہوں۔ حضرت مسیحؑ نے مجھ سے فرمایا کہ میں لوگوں کو مسیح کی انجیل کی بشارت سنادوں اور اسکے اتباع کی ترغیب دوں۔ چنانچہ اس نے آہستہ آہستہ "کلیسا" پر ایسا قبضہ کیا کہ دین عیسوی کی اصل صداقتوں کو مٹاکر بدعتوں اور رسومات کا مجموعہ بناڈالا۔ اُلوہیت مسیح، تثلیث، ابنیّت، کفارہ کی بدعتوں کو ایجاد کرکے پوری مسیحیت کو بُت پرستی میں تبدیل کردیا۔ آج جو مسیحیت قائم ہے وہ اسی پولوس کی ایجاد کردہ مسیحیت ہے۔

اسکے بعد کون دعویٰ کرسکتا ہے کہ پولوس کے شاگرد لوقا کی انجیل الہامی انجیل ہے؟ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ لوقا کی انجیل میں بیس سے زیادہ مواقع پر متی کی انجیل سے اضافہ ہے اور مرقس کی انجیل سے تو اس سے بھی کہیں زیادہ اِن تمام دلائل سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ لوقا کی انجیل ہرگز الہامی نہیں ہے اور نہ کسی حواری عیسیٰ کی تصنیف ہے۔

۴) چوتھی انجیل یوحنا کی ہے اسکے متعلق نصاریٰ کا عام عقیدہ یہ ہے کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کے محبوب شاگرد یوحنا زبدی کی تالیف ہے۔ زبدی صیاد یوحنا کے والد کا نام تھا۔ خلیل کے بیت صیدا میں ولادت ہوئی اور حواری عیسیٰؑ کا شرف پایا۔ نصاریٰ میں مشہور بارہ [12] حواریوں میں سے سب سے زیادہ انہی کو تقدیس وشرف حاصل ہے۔ عیسائی علماء لکھتے ہیں کہ جس زمانے میں شیر نیطوس اور انکی جماعت اپنے عقیدہ کی تشہیر کررہی تھی کہ اُلوہیت مسیح (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں) کا عقیدہ باطل ہے۔ وہ بشر تھے اور سیدہ مریم کے بطن سے پیدا ہوئے اور سیدہ مریم سے قبل وہ عالم وجود میں نہیں تھے۔ یہ زمانہ ۹۶ء کا ہے۔ اس وقت پادریوں اور لاٹ پادریوں کی مجلس مشاورت ہوئی اور انھوں نے یوحنا کی خدمت میں حاضر ہوکر درخواست پیش کی کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی باتیں تحریر کردیں

اور جو باتیں دوسری انجیلوں میں پائی جاتی ہیں ان کے سوا جو کچھ معلوم ہو وہ لکھیں، خصوصیت سے اُلوہیت مسیح کا مسئلہ ضرور لکھیں تاکہ شیرینطوں وغیرہ کی جماعت کے خلاف ہمارے ہاتھ مضبوط ہوں۔ تب یوحنا انکی بات ٹال نہ سکے اور یہ انجیل لکھنے پر مجبور ہوئے۔

مگر اس کے مقابلہ میں بہت سے مسیحی علماء یہ دعوی کرتے ہیں کہ یوحنا کی انجیل یوحنا کی تصنیف ہرگز نہیں ہے۔ مؤلف قصص الانبیاء نے چند ایسے مشہور و نامور علمائے مسیحی کے نام اپنی کتاب میں حوالوں کے ساتھ لکھے ہیں۔

اِن اناجیل اربعہ کا یہ مختصر تعارف ہے جس سے ان کی حقیقت سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ علاوہ ازیں اِن کتابوں کے الہامی نہ ہونے کی دو اور واضح دلائل یہ بھی ہیں کہ ان چاروں انجیلوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کے حالات میں ان کی گرفتاری، ان کا صلیب پر چڑھایا جانا، ان کا قتل، مرکر دوبارہ زندہ ہونا اور حواریوں سے کلام کرنا وغیرہ کے حالات بھی موجود ہیں۔ اگر یہ اناجیل اربعہ حضرت مسیح علیہ السلام کی الہامی انجیل ہوتیں یا اس کا کوئی حصہ ہوتا تو ان باتوں کا تذکرہ ناقابل فہم بات ہے یہ واقعات تو حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد شاگرد جمع کرتے نہ کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام؟

لہٰذا ان اناجیل کی حیثیت ایک تاریخی کتاب کی ہوئی نہ کہ "کتاب اللہ" کہلانے کی مستحق ہوتی ہے۔

دوسری دلیل اِن اناجیل کے غیر الہامی ہونے کی یہ ہے یہ اناجیل اربعہ جن جن زبانوں میں منقول ہوئیں ہیں ان کی عبارات و کلمات کے بقاء و تحفظ کی کبھی پرواہ نہیں کی گئی بلکہ ایک ہی زبان کے مختلف ایڈیشنوں اور اشاعتوں میں بہ کثرت الفاظ اور جملوں کی تبدیلی کمی بیشی موجود ہے۔

ان تحریفات لفظی اور معنوی اور تضاد بیان کی تفصیلات و تصریحات کو بنظر وسیع مطالعہ کرنا ہو تو مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب "میزان الحق" اور حافظ ابن قیم کی کتاب "ہدایۃ الحیاری" اور علامہ باجی زادہ کی کتاب "الفارق بین الخالق والمخلوق" اور مولانا آل نبی امروہی کی کتاب "اظہار حق" لائق دید کتابیں ہیں۔ علاوہ ازیں

ان کے مطالعہ سے مسیحیت بے نقاب بھی ہو جاتی ہے۔

الغرض موجودہ چاروں انجیلیں نہ الہامی ہیں نہ ان کے الہامی ہونے کی کوئی مستند سند ہے اور نہ اُن کے مرتبین کے بارے میں قطعی یا یقینی علم حاصل ہے اور نہ زمانۂ تالیف ہی متعین ہے۔ علاوہ ازیں یہ ایک ایسی زبان کے ترجمے ہیں جن کا وجود دنیا سے مٹ چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

قرآن حکیم اور انجیل

قرآن حکیم نے حضرت مسیح علیہ السلام کی شان کو سراہا اور اعتراف کیا کہ وہ بھی اولو العزم رسولوں میں شامل ہیں اور ان کی الہامی کتاب انجیل "کتاب اللہ" ہے جسمیں نور و ہدایت اور صراط مستقیم کی تعلیمات ہیں لیکن ساتھ ہی جگہ جگہ غیر مبہم طور پر یہ بھی بتلایا کہ علماء اہل کتاب نے اس سچی تعلیم کو بدل ڈالا اور ہر قسم کی لفظی و معنوی تحریفات کر کے اسکی تعلیمات کو کفر و شرک کی تعلیم بنا دیا ہے۔

عہد نبوت میں قرآن حکیم نے بعض بعض مقامات پر اہل کتاب کو تورات و انجیل کے خلاف عمل کرتے ہوئے متنبہ بھی کیا اور ساتھ ہی تورات اور انجیل کے حوالے بھی دیئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت تورات اور انجیل کے اصل نسخے بھی اگرچہ محرف شکل میں ہی کیوں نہ ہوں پائے جاتے تھے اور یہود اور نصاریٰ کے علماء قرآن حکیم کی اس تنبیہ پر چپ سادھ لیتے تھے بلکہ ایک موقعہ پر قرآن حکیم نے تحدی (چیلنج) کے طور پر فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ (آل عمران آیت ۹۳)

اگر تم سچے ہو تو تورات پڑھکر سناؤ۔

کا الزام دیا۔ بہرحال زمانۂ نبوّت میں یہ دونوں کتابیں تورات اور انجیل لفظی اور معنوی دونوں قسم کی تحریفات سے اس درجے مسخ ہو چکی تھیں کہ توراتِ موسیٰ اور انجیلِ عیسیٰ کہلانے کی مستحق نہیں رہی تھیں۔ چنانچہ قرآن حکیم نے اصل کتابوں کی عظمت اور اہل کتاب کے ہاتھوں اُن کی تحریف اور اُن کا مسخ دونوں کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ اس سلسلے کی چند آیات کا ذکر اس حقیقت کے اظہار کے لئے کافی ہے۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ
أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنْزَلَ

الْفُرْقَانَ۔ (آل عمران آیت ۳،۴)

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ نے آپ پر کتاب نازل کی حق کے ساتھ جو تصدیق کرنے والی ہے ان کتابوں کی جو ان کے سامنے ہیں اور اُس نے تورات اور انجیل کو بھی قرآن سے پہلے نازل کیا جو انسانوں کیلئے ہدایت ہیں اور نازل کی فرقان (حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب) یعنی قرآن حکیم۔

یَاَھْلَ الْکِتَابِ لِمَ تُحَاجُّوْنَ فِیْٓ اِبْرَاھِیْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرَاۃُ وَالْاِنْجِیْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِہٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔

(آل عمران آیت ۶۵)

اے اہل کتاب تم کس وجہ سے ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں جھگڑتے ہو (کہ وہ یہودی تھے یا نصرانی تھے؟) حالانکہ تورات اور انجیل کا نزول نہیں ہوا مگر ابراہیمؑ کے بعد کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟

وَقَفَّیْنَا عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ التَّوْرَاۃِ الخ (مائدہ آیت ۴۶، ۴۷، ۴۸)

اور ہم نے اُن (انبیاء بنی اسرائیل) کے پیچھے عیسیٰ بن مریمؑ کو بھیجا تصدیق کرنے والے اپنے سے قبل کی کتاب (یعنی) تورات کے اور ہم نے انھیں انجیل دی جس میں ہدایت اور نور ہے تصدیق کرنیوالی اپنے قبل کی کتاب (یعنی) تورات کی اور پرہیزگاروں کے لئے ایک ہدایت اور نصیحت۔ اور اہل انجیل پر لازم ہے کہ اللہ نے جو کچھ اسمیں نازل کیا ہے اُسکے مطابق فیصلہ کریں اور جو کوئی اللہ کے نازل کئے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں۔

اور ہم نے آپ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر یہ کتاب (قرآن) اُتاری ہے سچائی کے ساتھ تصدیق کرنے والی ان کتابوں کی جو اس سے پیشتر اُتر چکی ہیں اور اُن پر محافظ ہے (یعنی قرآن حکیم ہی سب کتابوں کے لئے معیار صداقت ہے)

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ الآیۃ (اعراف آیت ۱۵۷)

(نیکوکار) وہ لوگ ہیں جو پیروی کرتے ہیں رسول کی جو نبی اُمّی ہے اور جن کا ذکر وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ۔ (بقرہ آیت ۷۵)

توکیا تم اسکی توقع رکھتے ہو کہ وہ لوگ (یہود ونصاریٰ) (تمہارے کہنے سے) ایمان لے آئیں گے دراں حالیکہ اُن میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اللہ کا کلام سنتے ہیں پھر اسے کچھ کا کچھ کر دیتے ہیں بعد اسکے کہ اُسے سمجھ چکے ہیں۔

فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِیَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا الخ

(بقرہ آیت ۷۹)

سو بڑی خرابی ہے اُن لوگوں کے لئے جو کتاب الٰہی کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف ہے تاکہ اس سے قدرے قلیل معاوضہ حاصل کریں۔ سو خرابی ہے ان کے لئے اسکی بدولت جو وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور خرابی ہے ان کے لئے اس کی بدولت جو وہ حاصل کرتے ہیں۔

یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ الآیۃ (مائدہ آیت ۱۳)

وہ لوگ کلام کو اسکے موقع ومحل سے بدل دیتے ہیں اور جو کچھ اُنھیں نصیحت کی گئی تھی اس کا ایک بڑا حصہ بھلا بیٹھے ہیں۔ آپ کو اُن کے خیانت کی اطلاع ہوتی رہتی ہے۔

سورۂ مائدہ میں مزید ان کی بددیانتی کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ۔ (مائدہ آیت ۴۲)

یہ جھوٹ کے بڑے سننے والے، حرام کے بڑے کھانیوالے ہیں۔

حواری

حواری کے لفظی معنی کپڑا دھو کر اُسے صاف اور اُجلا کر دینے والے کے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے ابتدائی مُرید چونکہ عموماً دریا کے کنارے کام کرنے والے ماہی گیر تھے اس لئے آپ کے رفیقوں، شاگردوں کا بھی لقب پڑ گیا، مجازی اور مُرادی معنی مخلص و مددگار کے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں حضرت زبیرؓ کے لئے یہ لفظ آیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيٌّ وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ (الحدیث)

ہر نبیؑ کے حواری ہوا کرتے ہیں میرا حواری زبیر بن العوامؓ ہے (یعنی مخلص و مددگار)

حواریین عیسیٰؑ کا گزشتہ صفحات میں تفصیل سے ذکر آچکا ہے لیکن قرآن حکیم نے صرف "حواریوں" کہکر مجمل تذکرہ کیا ہے کسی کا نام مذکور نہیں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حواری کون کون تھے؟

البتہ انجیل متی نے ان کے بارہ (۱۲) نام شمار کئے ہیں اور چاروں انجیلوں سے خارج برنابا کی انجیل میں یہی تعداد مذکور ہے البتہ چند ناموں کا اختلاف پایا جاتا ہے۔

عورت اور نبوّت

سیدہ مریم کے تقدّس اور طہارت، عِفّت و عصمت کی شہادت قرآن حکیم نے جابجا دی ہے اور اُنھیں دنیا جہان کی عورتوں پر فوقیت دی گئی۔ اُن سے فرشتوں نے کلام کیا اور اللہ تعالےٰ کی وحی اُن کی جانب آئی گزشتہ صفحات میں یہ سب تذکرہ آچکا ہے۔

سلف میں محمد بن اسحٰق، شیخ ابوالحسن اشعری، امام قرطبی، ابن حزم وغیرہم اس جانب مائل ہیں کہ عورت نبی ہوسکتی ہے بلکہ ابن حزمؒ تو یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ سیدہ حوّاؓ، سیدہ سارہؓ، سیدہ ہاجرہؓ، سیدہ اُمّ موسیٰؓ، سیدہ آسیہؓ اور سیدہ مریمؓ یہ سب نبی تھیں۔

ان حضرات کے برعکس امام حسن بصریؒ امام الحرمین شیخ عبدالعزیزؒ اور قاضی عیاضؒ کا یہ رجحان ہے کہ عورت نبی نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا متذکرہ بالا خواتین بھی نبی نہیں تھیں۔ ابن کثیرؒ یہ بھی کہتے ہیں کہ جمہور علمار کا یہ ہی مسلک ہے۔ ان علمار کی یہ دلیل ہے۔ قرآن حکیم ایک موقعہ پہ فرماتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا
اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. (النحل آیت ۴۳)

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم سے پہلے جب بھی رسول بھیجے ہیں مرد ہی بھیجے ہیں جنکی طرف ہم اپنے پیغامات وحی کرتے تھے سو اگر تم کو علم نہیں تو (دوسرے) اہل علم سے پوچھ لو۔

اور خصوصیت کے ساتھ سیدہ مریم کی نبوت کے انکار پر یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ قرآن حکیم نے انھیں صدّیقہ کہا ہے۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ
الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ. (مائدہ آیت ۷۵)

بس مسیح ابن مریم تو ایک رسول ہیں جن سے پہلے بھی اور رسول گزر چکے ہیں اور ان کی والدہ صدّیقہ تھیں۔

اور سورۂ نساء میں قرآن حکیم نے اپنے انعام یافتہ بندوں کی جو فہرست دی ہے وہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ صدیقیت کا درجہ نبوت سے کم ہے۔

اور وہ علماء جو عورت کے نبی ہونے کے قائل ہیں اُن کی دلیل قرآن حکیم کی وہ آیات ہیں جنمیں سیدہ اُم موسیٰ اور سیدہ مریم کے واقعات کے ضمن یہ صراحت موجود ہے کہ اِن پر اللہ تعالےٰ کے فرشتے وحی لے کر نازل ہوئے اور ان کو بشارات سنائے اور اِن سے کلام کیا اور بعض عبادات کا حکم بھی پہنچایا۔ چنانچہ سیدہ سارا کے لئے سورہ ہود اور سورۂ الذاریات میں اور سیدہ ام موسیٰ کے لئے سورہ قصص میں اور سیدہ مریم کے لئے سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم میں فرشتوں کے ذریعہ اور بلا واسطہ بھی خطاب الٰہی موجود ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان مقامات پر وحی کے لغوی معنی (وجدانی ہدایت یا مخفی اشارہ) کے نہیں ہیں جیسا کہ آیت وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ الآیہ میں شہد کی مکھی کے لئے وحی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اور خصوصیت کے ساتھ سیّدہ مریم کے نبی ہونے کی واضح دلیل یہ ہے کہ سورۂ مریم میں ان کا ذکر اُسی اسلوب کے ساتھ کیا گیا جس طرح دیگر انبیاء و رسل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

مثلاً وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى، وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ، وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ، وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ، اسی طرح وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ (آیت ۱۶) یا مثلاً وَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا (مریم آیت ۱۷)

اور ہم نے مریم کی جانب اپنے فرشتہ جبرئیل کو بھیجا۔

الغرض عورت کے نبی ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں علماء اسلام کے دو نظریئے ہیں اور ہر ایک کے ہاں قرآنی دلائل اور اشارات ہیں جن کا یہ اجمالی ذکر غور و فکر کے لئے کافی ہے۔ علاوہ ازیں ہر دو نظریئے کی صحت اور سُقم میں کلام بھی کیا گیا ہے جو ہماری اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔

اس موضوع پر مشہور زمانہ محدث ابن حزمؒ کا مقالہ اہل علم کے لئے کافی بصیرت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ موصوف نے اپنی تالیف "کتاب الفصل" میں جس قوت اور تفصیل کے ساتھ اسپر کلام کیا ہے وہ قابل مطالعہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

"یہ فصل ایسے مسئلہ سے متعلق ہے جسپر ہمارے زمانے میں شہر قرطبہ (اندلس) میں شدید اختلاف برپا ہوا۔ علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عورت نبی نہیں ہوسکتی اور جو ایسا کہتا ہے کہ عورت نبی ہوسکتی ہے وہ ایک نئی بدعت ایجاد کرتا ہے۔ اور دوسری جماعت قائل ہے کہ عورت نبی ہوسکتی ہے اور نبی ہوئی ہے۔ اور ان دونوں سے الگ تیسری جماعت کا مسلک "توقف" ہے۔ وہ اثبات و نفی دونوں باتوں میں سکوت کو پسند کرتے ہیں۔

مگر جو حضرات عورت سے متعلق منصب نبوت کا انکار کرتے ہیں اُن کے پاس اس انکار کی کوئی دلیل نظر نہیں آتی۔ البتہ بعض حضرات نے اس آیت کو بنیاد بنایا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ الآية

(النحل آیت ۴۳)

(اور اے نبی ہم نے آپ سے پہلے بھی یہی مرد بھیجے تھے وحی کرتے تھے ہم ان کی جانب)

میں کہتا ہوں کہ اس بارے میں کس کو اختلاف ہے اور کس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو ہدایتِ خلق کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ یا اُس نے کسی عورت کو رسول بنایا ہے؟ بحث رسالت کے مسئلہ میں نہیں ہے بلکہ نبوت میں ہے (یعنی عورت نبی ہوسکتی ہے اور ہوئی ہے) لہٰذا حق طلبی کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے یہ غور کیا جائے کہ لغتِ عرب میں لفظ "نبوّت" کے کیا معنی ہیں؟ تو ہم اس لفظ کو "انبار" سے ماخوذ پاتے ہیں جسکے معنی اطلاع دینا ہیں۔ پس نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کسی معاملہ میں ہونے سے قبل بذریعہ وحی اطلاع دے یا کسی بھی بات کے لئے اس کی جانب وحی نازل فرمائے وہ شخص مذہبی اصطلاح میں بلاشبہ "نبی" ہے۔

آپ اس مقام پہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ وحی کے معنی اُس الہام کے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کی سرشت میں ودیعت کر دیا ہے جیسا کہ شہد کی مکھی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ الخ (النحل آیت ۶۸)

اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کی جانب وحی کی۔

اور نہ وحی کے معنی ظن اور وہم کے لے سکتے ہیں اس لئے کہ ان دونوں کو علم یقین سمجھنا (جو وحی کا قدرتی نتیجہ ہے) مجنون کے سوا اور کسی کا کام نہیں ہے۔ اور نہ یہاں وہ معنی مراد ہوسکتے ہیں جو "کہانت" سے تعلق رکھتے ہیں (یعنی یہ کہ شیاطین آسمانی باتوں کو سننے اور چرانے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر شہاب ثاقب کے ذریعہ رجم کیا جاتا ہے) اور جس کے متعلق قرآن یہ کہتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا۔ (انعام آیت ۱۱۲)

کیونکہ یہ "باب کہانۃ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت سے مسدود ہوگیا، اور نہ اس جگہ وحی کے معنی نجوم کے تجربات علمیہ

سے تعلق رکھتے ہیں جو خود انسانوں کے باہم سیکھنے سکھانے سے حاصل ہوجایا کرتے ہیں۔ اور نہ اسکے معنی اس رؤیا (خواب) کے ہوسکتے جن کے سچ یا جھوٹ ہونے کا کوئی قطعی علم نہیں ہے بلکہ ان تمام معانی سے جُدا وحی بمعنی "نبوّت" یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے قصد و ارادے سے ایک شخص کو ایسے امور کی اطلاع دے جن کو وہ پہلے سے نہیں جانتا ہو۔ اور مذکورہ بالا ذرائع علم سے الگ یہ امور حقیقت ثابتہ بنکر اُس شخص پر اس طرح منکشف ہوں جائیں گویا وہ آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اس علم خاص کے ذریعہ اُس شخص کو بغیر کسی محنت وکسب کے بداہتہً ایسا صحیح یقین عطا کردے کہ وہ ان امور کو اس طرح معلوم کرلے جس طرح وہ حواس اور بداہتہ عقل کے ذریعہ حاصل کرلیتا ہے اور اس کو کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور اللہ تعالیٰ کی یہ وحی یا تو اس طرح ہوتی ہے کہ فرشتہ آکر اُس شخص کو اللہ تعالیٰ کا پیغام سناتا ہے اور یا اس طرح کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست اس سے خطاب فرماتا ہے۔

لہذا اگر ان حضرات کے نزدیک جو عورت کے نبی ہونے کا انکار کرتے ہیں نبوّت کے معنی یہ نہیں ہیں تو وہ ہم کو سمجھائیں کہ آخر نبوّت کے معنی ہیں کیا؟

حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کے سوا اور کوئی معنی بیان ہی نہیں کرسکتے۔ اور جبکہ نبوت کے معنی وہی ہیں جو ہم نے بیان کئے تو اب قرآن کے اِن مقامات کو بغور مطالعہ کیجئے جہاں یہ مذکور ہے کہ اللہ عزوجل نے عورتوں کے پاس فرشتوں کو بھیجا اور فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اِن عورتوں کو "وحی حق" سے مطلع کیا۔ چنانچہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے امّ اسحٰق (سارہ علیہا السلام) کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت ولادت سنائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ۔ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ

شَیْخًا۔ اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ۔ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

(ہود آیت ۷۲، ۷۳)

ان آیات میں فرشتوں نے اُم اسحٰق کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت اسحٰق اور اُن کے بعد حضرت یعقوب کی بشارت سنائی اور حضرت سارہ رضؓ کے تعجب پر یہ کہہ کر دوبارہ خطاب کیا "اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ" تو یہ کیسے ممکن ہے کہ والدہ اسحٰق نبی تو نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ اُن سے اس طرح خطاب کرے (جیسا کہ مرد نبیوں سے کلام کیا ہے) اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل فرشتے کو اُم عیسیٰ مریم علیہا السلام کے پاس بھیجا ہے اور ان کو مخاطب کر کے یہ کہتا ہے:۔

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا۔

(مریم آیت ۱۹)

تو یہ "وحی حقیقی" کے ذریعہ نبوت نہیں تو اور کیا ہے؟ اور کیا اس آیت میں صاف طور پر نہیں کہا گیا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جبرئیل فرشتہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے پیغامبر بن کر آیا؟

نیز حضرت زکریا علیہ السلام جب کبھی معصوم مریم کے حجرہ میں آتے تو اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق پاتے تھے۔ اور انھوں نے اسی رزق کو دیکھ کر بارگاہِ الٰہی میں صاحب فضیلت لڑکا پیدا ہونے کی دعا کی تھی۔

کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْھَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَھَا رِزْقًا۔

(آل عمران آیت ۳۷)

اسی طرح ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے معاملہ میں دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل فرمائی کہ تم اس بچے (موسیٰ) کو دریا میں ڈال دو اور ساتھ ہی ان کو یہ بھی اطلاع دی کہ میں اس بچے کو تمہاری جانب واپس کروں گا اور اس کو نبی مرسل بناؤں گا۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْہِ الخ (قصص آیت ۷)

اِذْ اَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّكَ مَا يُوْحٰى (طٰہٰ آیت ۳۸)

پس کون شک کرسکتا ہے کہ یہ نبوت کا معاملہ نہیں ہے؟ معمولی عقل و شعور رکھنے والا آدمی بھی بآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ شرف نبوت سے وابستہ نہ ہوتا اور محض خواب کی بنا پر یا دل میں پیدا شدہ وسوسہ کی وجہ سے وہ ایسا کرتیں تو ان کا یہ عمل نہایت غیر معقول ہوتا اور اگر آج ہم میں سے کوئی ایسا کر بیٹھے تو ہمارا یہ عمل یا گناہ قرار پائے گا اور یا ہم کو مجنون اور پاگل کہا جائے گا اور علاج کے لئے پاگل خانہ بھیج دیا جائے گا۔ یہ ایک ایسی صاف اور واضح بات ہے جسمیں شک و شبہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تب یہ کہنا قطعاً درست ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی والدہ کا موسیٰؑ کو دریا میں ڈال دینا اسی طرح کی وحی الٰہی تھی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے رُؤیا (خواب) میں اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السّلام کا ذبح کرنا بذریعہ وحی معلوم کر لیا تھا۔ اس لئے اگر حضرت ابراہیم علیہ السّلام نبی نہ ہوتے اور اُن کے ساتھ وحی الٰہی کا سلسلہ وابستہ نہ ہوتا اور پھر وہ عمل محض ایک خواب، یا نفس میں پیدا شدہ ظن کی وجہ سے کر گزرتے تو ہر شخص ان کے اس عمل کو گناہ سمجھتا یا انتہائی خلافِ واقعہ یقین کرتا، تو اب بغیر کسی تردد کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُمّ موسیٰ علیہ السلام نبی تھیں۔

علاوہ ازیں سیدہ مریم علیہا السّلام کی نبوت پر ایک دلیل یہ بھی پیش کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ مریم میں ان کا ذکر انبیاءؑ علیہم السّلام کے زُمرہ میں کیا ہے اور اسکے بعد ارشاد فرمایا:۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا الآیۃ (مریم آیت ۵۸)

یہی ہیں وہ انبیاء آدم کی نسل سے اور اُن میں سے جن کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار کیا جن پر اللہ کا انعام و اکرام ہوا۔

تو آیت کے اس مفہوم میں سیدہ مریم علیہا السّلام کی تخصیص کر کے انکو

انبیاء کی فہرست سے الگ کر لینا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔

رہی یہ بات کہ قرآن حکیم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مریم علیہا السلام کے لئے یہ کہا:۔

وَ اُمُّہٗ صِدِّیْقَۃٌ الآیہ

اور موسیٰ کی والدہ صدیقہ تھیں۔

تو یہ لقب اُن کی نبوت کے خلاف نہیں۔ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے نبی و رسول ہونے کے باوجود ان کو صدیق کہا گیا۔

یُوْسُفُ اَیُّھَا الصِّدِّیْقُ الآیہ (سورۂ یوسف آیت ۴۶)

اور یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے (و باللہ التوفیق)

اب رہا حضرت سارہؓ، حضرت مریمؓ، حضرت اُمّ موسیٰؓ کے مسئلہ نبوت کے ساتھ فرعون کی بیوی حضرت آسیہؓ کو بھی شامل کر لیجئے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

کَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ کَثِیْرٌ وَّلَمْ یَکْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا اٰسِیَۃُ بِنْتُ مُزَاحِمٍ اِمْرَاَۃُ فِرْعَوْنَ وَمَرْیَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَاَنَّ فَضْلَ عَائِشَۃَ عَلَی النِّسَاءِ کَفَضْلِ الثَّرِیْدِ عَلٰی سَائِرِ الطَّعَامِ (بخاری)

یعنی مردوں میں سے تو بہت سے آدمی کامل ہوئے ہیں مگر عورتوں میں صرف دو ہی کامل ہوئی ہیں آسیہ بنت مزاحم اور مریم بنت عمران۔ اور عائشہ صدیقہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے کہ ثرید (کھانے کی ایک قسم) کی خوبی تمام کھانوں پر۔

اور واضح رہے کہ مردوں میں یہ درجۂ کمال (بعض) رسولوں ہی کو حاصل ہوا ہے اگرچہ اِن کے علاوہ انبیاء و رسل بھی درجہ نبوت و رسالت پر مامور ہیں لیکن ان مُتذکرہ کاملین کے درجے سے کم۔ اس لئے حدیث مذکور کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جن عورتوں کو منصب نبوت سے سرفراز فرمایا ہے اُن میں صرف اِن دو عورتوں کو ہی درجۂ کمال کی فضیلت حاصل ہے باقی کو فضیلت حاصل ہے لیکن اِس درجے سے کم۔

بہر حال اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اگرچہ بعض عورتیں بہ نصِ قرآنی نبی ہیں لیکن اِن میں سے اِن دو عورتوں کو کمال حاصل ہوا۔ درجات کے اس فرق کو خود قرآن حکیم اس طرح بیان کرتا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ الخ (بقرہ آیت ۲۵۳)

حقیقت یہ ہے کہ کامل اسکو کہا جاتا ہے جس کی نوع میں سے کوئی دوسرا اس درجے ہمسر نہ ہو۔ پس مردوں میں سے ایسے کامل چند ایک ہی رسول ہوئے ہیں جن کی ہمسری دوسرے انبیاء ورسل کو عطا نہیں ہوئی اور بلاشبہ ان ہی کاملین میں سے ایک ہمارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جن کے متعلق نصوص (قرآن وحدیث) نے اُن فضائلِ کمال کا اظہار کیا ہے جو دوسرے انبیاء ورسل کو حاصل نہیں ہیں۔ اسی طرح عورتوں میں سے وہی درجۂ کمال کو پہنچی ہیں جن کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں کیا ہے۔" (کتاب الفصل ج ۵ ص ۱۲، فتح الباری ج ۶ ص ۳۴۸)

خُلاصۂ کلام

امام ابن حزمؒ کے اس فاضلانہ کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ وحی کے اصطلاحی معنی جن کو قرآن حکیم نے انبیاء ورسل کیلئے مخصوص کیا ہے دو ہیں۔

ایک معنی وہ وحی جو انسانوں کی رشد وہدایت تعلیم وتبلیغ کے لئے جاتی ہو۔

دوسرے معنی وہ وحی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی شخص کو براہِ راست یا فرشتہ کے ذریعہ سے خطاب کی جائے جس میں بشارات ہوں یا کسی ہونے والے واقعہ کی اطلاع ہو یا خاص اُس شخص کی ذات کے لئے ہدایات ہوں۔ اب اگر پہلی صورت ہو تو یہ "نبوت مع الرسالۃ" ہوگی جو صرف مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ کسی عورت کو یہ منصب نہیں دیا گیا کہ وہ عام انسانی ہدایت کے لئے کام کرے۔ جیسا کہ سورۂ النمل کی آیت سے واضح ہے اور اسمیں قطعاً دو رائے نہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ الآیہ

اور اگر وحی الٰہی کی دوسری شکل ہو تو امام ابن حزمؒ اور ان کے موئدین علماء کی رائے

میں یہ بھی نبوت ہی کی ایک قسم ہے کیونکہ قرآن حکیم نے سورۂ شوریٰ میں انبیاء کرام پر نزولِ وحی کے جو طریقے بیان کئے ہیں وہ اس وحی پر بھی صادق آتے ہیں۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ.

(شوریٰ آیت ۵۱)

اور کسی انسان کے لئے یہ صورت ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس سے (بالمشافہ) گفتگو کرے مگر وحی کے ذریعہ یا پس پردہ کلام کے ذریعہ یا اس صورت سے کہ اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کو پیغامبر بنا کر بھیجے پھر وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے جسکو وہ چاہے اس بشر کو وحی لا کر سُنا دے۔ بلاشبہ وہ بلند و برتر حکمت والا ہے۔

وحی کی یہ دوسری قسم جہاں مردوں پر صادق آتی ہے عورتیں بھی اس میں شریک ہیں۔

لہٰذا جب قرآن حکیم نے وحی کی اس دوسری قسم کا اطلاق بہ نص صریح حضرت مریمؑ، حضرت سارہؑ، حضرت ام موسیٰؑ اور حضرت آسیہؑ پر کیا ہے جیسا کہ سورۂ ہود، قصص، مریم کی آیات سے ظاہر ہوتا ہے تو ان مقدس خواتین پر "نبی کا اطلاق" قطعاً صحیح ہے اور اسکو بدعت کہنا سرتاسر غلط ہے۔

ایک شبہ اور اُس کا جواب

وحی الٰہی کی اس تشریح پر جسکی وضاحت امام ابن حزمؒ اور ان کے موئد علماء نے کی ہے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن حکیم نے جس طرح صاف الفاظ میں مرد انبیاء کو نبی و رسول کہا ہے اس طرح عورتوں میں سے کسی کو نہیں کہا؟

جواب کا حاصل یہ ہے کہ جبکہ "نبوۃ مع الرسالۃ" جو مردوں ہی کے لئے مخصوص ہے کائنات انسانی کی رُشد و ہدایت، تعلیم و تبلیغ نوع انسانی سے متعلق ہوتی ہے تو اسکا قدرتی تقاضہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو اس شرف سے ممتاز کیا ہے اُس پر لازم ہے کہ وہ صاف صاف اعلان کر دے کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا نبی اور رسول ہوں تاکہ مخلوق

اسکی دعوت و تبلیغ کو قبول کرے اور اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہوجائے۔

اور چونکہ نبوت کی دوسری قسم جس کا اطلاق عورتوں پر بھی ہوتا ہے وہ عام نہیں ہوتی خاص اُس ہستی سے متعلق ہوتی ہے جسکو یہ شرف دیا جاتا ہے تو ایسی ہستی کے متعلق صرف یہی اظہار کر دینا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس سے کلام کیا ہے یا فرشتے نے بشارت دی ہے یا اسکو کسی حکم کا پابند کیا گیا ہے۔ اس مخصوص نبوّت سے چند خواتین کو بھی مشرّف کیا گیا ہے۔ اور چونکہ عورتوں کو مردوں کی دعوت و تبلیغ کے لئے مبعوث نہیں کیا گیا اس لئے قرآن حکیم نے عورتوں کو اَیُّھَا النَّبِیّ، اَیُّھَا الرَّسُوْل کہہ کر خطاب نہیں کیا۔

ضروری نوٹ

امام ابن حزمؒ کی یہ ساری بحث قرآن حکیم کی اُن آیات کی وجہ سے پیدا ہوئی جسمیں عورتوں کے لئے وحی، کلام، رسالۃ کے الفاظ آئے ہیں۔ ورنہ یہ اُن کا ہرگز مطلب نہیں اور نہ ہوسکتا ہے کہ "ختم نبوت" کے بعد وحی کی یہ دوسری صورت آج بھی ہوسکتی ہے۔

عورتوں کی نبوت کے اثبات و انکار کے علاوہ تیسری رائے اُن علماء کی ہے جو اس مسئلہ میں توقّف اور سکوت کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان میں شیخ تقی الدین سُبکی رح نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

فتح الباری میں اُن کا یہ قول مذکور ہے:-

قال السبکی اختلف فی ھذہ المسئلۃ ولم یصح عندی فی ذلک شیٔ الخ (فتح الباری ج ۶ کتاب الانبیاء)

علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ اس مسئلے میں علماء کی آراء مختلف ہیں اور میرے نزدیک اس بارے میں اثباتاً یا نفیاً کوئی بات ثابت نہیں ہے لہذا اس مسئلہ میں سکوت اختیار کرنا چاہیئے۔

ابن حزمؒ کی خدمت میں

عورت اور نبوت کے تحقیقی مقالہ کے ضمن میں امام ابن حزم کے اس مضمون پر نظر ثانی کی ضرورت

محسوس ہوتی ہے اور ہم کو اس کے مختلف پہلوؤں کا بھی جائزہ لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اصولی طور پر تو یہ بات طے ہے کہ عقائد کے سلسلے میں صرف اور صرف نقل و ثبوت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جتنے بھی عقائد ہیں وہ سب قرآن و حدیث سے ثابت اور منقول ہیں عقل و درایت کا اسمیں دخل نہیں ہوتا۔ ممکن ہے عقل و درایت سے کوئی بات ثابت ہو جائے لیکن کوئی عقیدہ ثابت نہیں ہوگا۔

عورت اور نبوت کا مسئلہ عقیدے سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اسکو دلائل سے ثابت نہیں کیا جائے گا بلکہ قرآن و حدیث سے نقل و ثبوت تلاش کیا جائے گا۔

علامہ ابن حزمؒ نے اس اعتقادی مسئلہ کو دلیل سے ثابت کرنیکی کوشش کی ہے جو اصولی طور پر صحیح نہیں ہے۔ عقل و درایت کی قوت کسی موقع پر پتھر کے ستون کو سونا ثابت کر دے ممکن ہے، لیکن پتھر پتھر ہی رہے گا سونا نہیں ہوگا۔ لہذا ہم امام موصوف کی خدمت میں ادباً عرض کریں گے کہ عورت کی نبوت پر نقلی دلیل پیش کریں۔

امام موصوف نے اپنے دلائل عقلیہ میں ایک دلیل نبوت کی لغوی تحقیق سے دی ہے جو کلامِ عرب سے متعلق ہے۔ یقیناً وحی کے لغوی معنی وہی ہیں جو امام موصوف نے لکھے ہیں لیکن چونکہ یہ مسئلہ تشریعی حیثیت رکھتا ہے اس لئے نبوت کے معنی کی تعیین میں کلامِ عرب کا سہارا لینا کچھ معقول نظر نہیں آتا۔

اسلام کے اس اساسی مسئلہ کو خالص اور خالص قرآنی آیات ہی سے حل کرنا چاہیئے تھا جو امام موصوف سے ایسا نہ ہو سکا۔

امام موصوف نے نبوت کی تقسیم رسالت اور غیر رسالت کر کے دوسری قسم کے عموم میں عورتوں کو بھی شامل کیا ہے اور اس نبوت کو غیر تشریعی قرار دیا ہے۔ یعنی سیدہ مریم، سیدہ ام موسیٰ، سیدہ ہاجرہ، سیدہ سارا، سیدہ آسیہ، سیدہ حوا، اگرچہ نبی تھیں لیکن ایسی نبی نہیں جو دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیں اور اپنی نبوت کا اعلان کریں گویا ان مقدس خواتین کی ذوات، رسالت کے منصب کی حامل نہیں بلکہ صرف منصب نبوت کی حامل تھیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ نبوت کی یہ تقسیم خود قابل غور ہے۔ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن مردوں کو صرف نبوت دی گئی تھی (جیسے سیدنا ہارونؑ

سیدنا زکریا، سیدنا اسحٰق، سیدنا شعیب علیہم السّلام وغیرہ) کیا ان مقدس انسانوں نے نبوت کا فریضہ (دعوت و تبلیغ) ادا نہیں کیا؟ اور کیا اِن بزرگوں نے اپنی نبوت کا اعلان نہیں کیا؟

ظاہر ہے تمام انبیاء کرام نے نہ صرف اپنی نبوت کا اعلان کیا بلکہ دعوت و تبلیغ کا کامل فریضہ بھی انجام دیا ہے تو پھر کس دلیل سے عورتوں کی نبوت کو پوشیدہ اور ساکت قرار دیا جائے گا؟

اگر یہ کہا جائے کہ وہ نبی چونکہ عورت ہے اس لئے مردوں کے سامنے کیسے آسکتی ہے؟ تو جواب دیا جائے گا کہ پردے کے احکام تو امت محمدیہ کی خواتین پر نازل کئے گئے ہیں مِلل سابقہ کی خواتین پر یہ پابندی نہیں تھی وہ مردوں کو بھی خطاب کر سکتی تھیں۔ ولو بالفرض مردوں سے اختلاط مناسب نہیں تھا تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورت جنسِ عورت کی جانب مبعوث کیوں نہ کی گئی؟ ہدایت کے لئے جیسے مرد محتاج ہیں عورتیں بھی محتاج ہیں اور انسانی آبادی انہی دو طبقات پر مشتمل بھی ہے۔

علامہ ابن حزمؒ کے اس استدلال کو قبول بھی کر لیا جائے کہ عورت بہرحال عورت ہے وہ نبوّت کے تقاضوں کو کیونکر پورا کر سکتی ہے تو ہم عرض کریں گے کہ یقیناً عورت کیلئے اعلانِ نبوت مناسب نہیں ہے لیکن کیا وہ اظہار نبوت بھی نہیں کر سکتی تھی؟ اظہار کرنے میں نہ کوئی شرعی محظور تھا نہ دُنیاوی مفسدہ تو پھر متذکرہ خواتین نے اپنی نبوت کا اظہار کیوں نہ کیا؟ بسوخت عقل زحیرت کہ این چہ بُوالعجبی۔

انبیاء کرام کی طویل فہرست ہے جو قرآن و حدیث اور تاریخ سے ثابت ہے۔ اگر ان میں ایک ہی عورت کے نبی ہونے کا ذکر ملتا تو علامہ ابن حزمؒ کے دعویٰ کے لئے کافی تھا لیکن پوری فہرست انبیاء اس وجود سے خالی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ علامہ ابن حزمؒ نے تو عورت کی نبوت کا دعویٰ کیا ہے لیکن کسی نبیہ نے اس کا اظہار تک بھی نہ کیا ہو؟ مدعی سُست گواہ چُست۔

علاوہ ازیں ان سب باتوں کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ایسی مقدس خواتین نے نہ اپنی نبوت کا اعلان کیا اور نہ اس کا اظہار کیا ہے تو ہم کو اسکی بھی تحقیق کرنی چاہیئے کہ کیا اُس دور کے نبی و رسول نے ایسی خواتین کو نبی تسلیم کیا ہے؟ جبکہ اِن بقدس

خواتین میں بعض تو خود ان کے شوہر نبی تھے جیسے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام، اور بعض کے صاحبزادے نبی تھے جیسے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام۔ اِن حضرات نے ان مقدّس خاتونوں کو کیا نبی کہا ہے اور کیا نبیوں جیسا معاملہ کیا ہے؟ انبیاء کرام کی پوری تاریخ اس ثبوت سے خالی ہے۔ یہاں پر ہمارا احساس اس حد تک ہوجاتا ہے کہ صرف عقل و درایت کی روشنی میں یہ مسئلہ حل کیا گیا ہے جبکہ یہ مسئلہ عقائد سے تعلق رکھتا ہے جسمیں ثبوت و نقل کی ضرورت تھی۔

قرآن حکیم نے سیدہ مریم کا جو تعارف کروایا ہے وہ بھی اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ سیدہ مریمؑ نبی نہ تھیں بلکہ وہ ایک مقدّس خاتون تھیں جنکی پاکدامنی، عفت و صداقت، غیر مشتبہ تھی۔ اُنپر یہودیوں نے جھوٹے الزامات عائد کئے اور اُنھیں متہم کیا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ سراپا صدق تھیں۔

قرآن حکیم نے سیدہ مریم کا تعارف اس طرح کروایا ہے:۔

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ الآیہ (مائدہ آیت ۷۵)

مسیح بن مریم (عیسیٰ علیہ السلام) سوائے نبی و رسول کے اور کچھ نہ تھے (نہ خدا نہ خدا کا بیٹا نہ شریک خدا) اور اُن کی ماں (مریم) صدّیقہ (ولی) تھیں۔

آیت مذکورہ میں قرآن حکیم نے اُس گمراہی کی تردید کی ہے جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بعض انسانوں کو شُبہ ہوگیا تھا کہ وہ شریک خُدا ہیں۔ اسی طرح سیدہ مریم سے بھی اُن الزامات کو دور کیا ہے جو دشمنوں نے اُن پر لگایا تھا۔

بہرحال اس خصوصی تعارف کے سلسلے میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو رسول کہا گیا ہے اور ان کی والدہ محترمہ کو صدیقہ کے لقب سے ظاہر کیا گیا ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ نبی تھیں جیسا کہ علامہ ابن حزمؒ کا خیال ہے تو ایسے موقع پر وَاُمُّهٗ نَبِيًّا کہنا کیا مشکل تھا؟ جبکہ اِن کے صاحبزادے کو واضح الفاظ میں رسول کہا گیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ صدیقیت نبوت سے کم درجہ منصب ہوتا ہے جیسا کہ آیت ۶۹ سورۃ النساء میں موجود ہے اور یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ ہر نبی صدیق ہوتا ہے۔ کیونکہ نبوت کے لئے صدیقیت لازم ہے لیکن ہر صدیق نبی نہیں ہوتا۔ اس اصولی بات کی موجودگی میں سیدہ مریم کو صدیقہ کہنا

واضح طور پر ظاہر کرتا ہے کہ وہ نبی نہ تھیں۔ اس مرحلہ پر یہاں دوسری بار بھی اظہار کر دینا غیر ضروری نہ ہوگا کہ جہاں انبیاء کرام نے ایسی خواتین کو نبی قرار نہیں دیا وہاں اللہ تعالیٰ کا کلام بھی اس کے اظہار سے ساکت ہے۔ اور اگر اظہار کرتا ہے تو صرف یہ کہ وہ صدیقہ تھیں۔

اب ہم علامہ ابن حزم کی اُس آخری دلیل پر کلام کرنا چاہتے ہیں جو آیاتِ قرآنی سے متعلق ہے۔ امام موصوف کی یہ ساری بحث قرآن حکیم کی اُن آیات کی وجہ سے پیدا ہوئی جس میں عورتوں کے لئے کلام، وحی، رسالت کے الفاظ آئے ہیں جیسا کہ ایسے ہی الفاظ مرد انبیاء کے لئے آئے ہیں۔ جس کا ماحصل یہ نکلتا ہے کہ جب مردوں کے لئے یہ عنوان نبوت اور رسالت کی دلیل ہے تو خواتین کے لئے نبوت کی دلیل کیوں نہیں ہوگی؟ غالباً امام موصوف کے عالمانہ خطاب کا محور یہی اشتباہ ہے اور اسی بنیاد پر اُنھوں نے عورتوں میں نبوت کا صرف امکان ہی نہیں بلکہ وقوع ثابت کیا ہے۔

امام ابن حزم کی اس دلیل پر غور کرنے سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ وحی کیلئے نبوت لازم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحی اُس شخص ہی کی جانب ہوتی ہے جو منصب نبوت سے سرفراز ہے یا سرفراز ہوتا ہے۔

اور چونکہ بعض خواتین کی جانب اللہ تعالیٰ کی وحی اور کلام آیا ہے اس لئے سیّدہ ام موسیٰ، سیدہ مریم، سیّدہ ہاجرہ وغیرہم منصب نبوت کے حامل قرار پاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ذہنی وفکری اشتباہ ہے جس نے خواتین کو بھی نبوت کی صف میں کھڑا کر دیا ہے۔

علامہ موصوف کی یہ دلیل کچھ زیادہ وزن نہیں رکھتی۔

پہلی وجہ تو یہ کہ خود علامہ نے قرآن حکیم کی وہ آیات بھی پیش کی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی وحی فرشتوں کے علاوہ حیوانات بلکہ جمادات تک میں آئی ہے۔

لہٰذا اس کا یہی تقاضہ ہونا چاہیئے کہ اِن اشیاء میں بھی نبوت کا کچھ نہ کچھ تصور قائم کیا جائے۔ ظاہر ہے نہ علامہ اسکے قائل ہوں گے اور نہ کوئی اور دوسرا۔ تو پھر ہم کس دلیل سے ان اشیاء کو نبوت میں حصہ دار بننے سے خارج کر دیں۔ خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ امام موصوف نے وحی کے معنی نبوت ہی بیان کئے ہیں۔ بہرحال خواتین میں نبوت کا تصور نہ قرآن حکیم کی آیات سے ثابت ہوتا ہے اور نہ تاریخ وسیرت کی کتابوں سے۔

رہی وہ آیات جن میں خواتین کی طرف اللہ تعالٰے کی وحی و کلام کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہ آیات ہمارے مقصد کے خلاف نہیں ہیں۔ کیونکہ خود امام ابن حزم نے فرشتوں، شہد کی مکھی اور زمین وآسمان کی جانب وحی کے معنی الہام، اشارہ، وجدان بیان کئے ہیں۔ اسی طرح عورتوں کی جانب وحی کے معنی الہام، اشارہ کے ہوسکتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالٰے نے سیدہ اُمّ موسیٰ، سیدہ مریم کی جانب الہام کیا۔ اور یہ بات واضح ہے اور حقیقت بھی ہے۔

اب ہم اپنے اس مقصد کے لئے قرآن حکیم کی ایک دلیل بھی پیش کرتے ہیں جہاں وحی کے معنی الہام ہی کے ہیں۔

سیّدنا یوسف علیہ السلام کو جب بھائیوں نے کنویں میں ڈال دیا تھا اُسوقت اللہ تعالٰے کی وحی آئی اور سیدنا یوسف علیہ السلام کو تسلّی دی گئی کہ آپ غم وفکر نہ کریں ایک وقت ایسا آئے گا کہ آپ کے یہی بھائی محتاج وفقیر بن کر آپ کے پاس آئیں گے اور آپ ان کو یہ کارروائی یاد دلائیں گے :۔

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ
وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۔

(یوسف آیت ۱۵)

سو جب اُن کو (یعنی یوسف کو) لے گئے اور سب نے پختہ ارادہ کر لیا کہ اِن کو کسی اندھیرے کنویں میں ڈال دیں اور ہم نے اُن (یوسف) کے پاس وحی بھیجی کہ تم اُن لوگوں (بھائیوں کو) یہ بات جتلاؤ گے اور وہ تم کو پہچانیں گے بھی نہیں (چنانچہ یہ وعدہ پورا ہوا)

یہاں قرآن حکیم نے سیّدنا یوسف علیہ السلام کی جانب أَوْحَيْنَا وحی کا لفظ استعمال کیا ہے حالانکہ اسوقت سیّدنا یوسف علیہ السلام نبوّت کے منصب سے سرفراز نہ تھے یہ اُن کے بچپن کا واقعہ ہے۔ منصبِ نبوت تو جوان ہونے کے بعد دی گئی ہے جیساکہ خود قرآن حکیم کی وضاحت موجود ہے :۔

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۔ (یوسف آیت ۲۲)

اور جب وہ (یوسف) جوانی کو پہنچے ہم نے اُن کو حکمت (نبوت)

اور علم عطا کیا۔
اور ظاہر ہے یہ سرفرازی کنویں سے نکلنے کے بعد کی ہے۔ لہٰذا کنویں میں سیّدنا یوسف علیہ السلام پر وحی آئی جس کا صاف اور واضح مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کنویں میں اُنپر الہام کیا اور اُنھیں تسلی دی۔ بہرحال وحی کے معنی الہام قرآن حکیم کی آیت میں موجود ہے۔
اس لحاظ سے ہم پورے وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ
وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى (قصص آیت ۷) وغیرہ
کے معنی یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی جانب الہام کیا یا فرشتہ کے ذریعہ اطلاع دی کہ بچے (موسیٰ) کے ساتھ یہ یہ معاملہ کرو۔ (تفصیل تذکرہ سیدنا موسیٰ میں آچکی ہے) اور ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کسی پر الہام کرنا یا اطلاع کر دینا نبوت کی دلیل نہیں ہے۔
لہٰذا متذکرہ مقدس خواتین نبی نہیں تھیں بلکہ صحابیات اور اولیاء اللہ میں شامل تھیں۔ وعِلمُ اللہ اعظمُ واکبر۔

قارئین کی عدالت میں

اب ہم ناظرینِ کتاب کی عدالت میں قرآن حکیم کی اُن آیات کا ترجمہ و مطلب پیش کرتے ہیں، جن کو امام ابن حزم ظاہریؒ نے اپنے مخصوص فکری رجحان کے ثبوت میں پیش کیا ہے اور جن میں وحی کے مختلف معنی پیدا ہوتے ہیں۔ البتہ اس سے قبل یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ ان آیات کا بے تکلف، سیدھا سادھا مفہوم بیان کر دیا جائے۔
اللہ تعالیٰ نے جن آیات میں خواتین کی جانب وحی، کلام، رسالت، حکم وغیرہ کے الفاظ نقل کئے ہیں اِن الفاظ کا سیدھا سادھا مفہوم یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ ام موسیٰؓ یا سیدہ مریم وغیرہا کی جانب الہام یا اشارہ اور ندا کی ہے اور ظاہر ہے الہام اور اشارہ یا ندا نبوت کی دلیل قرار نہیں پاتا تو پھر کیوں اس ظاہری مفہوم کو ترک کر کے وحی کے وہی معنی مراد لئے جائیں جو انبیاء و رسل کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔
ہم اپنے اس دعویٰ میں کہ نبوت خواہ کسی قسم کی ہو صرف اور صرف مردوں کا حصہ رہی ہے، عورتیں اس میں شامل نہیں رہی ہیں قرآن و حدیث کی دو دو دلیل پیش کرتے ہیں۔

اوّل: یہ کہ اللہ تعالےٰ نے مَردوں کو قوّام (حاکم اور صاحبِ اقتدار) بنایا ہے اور عورتیں محکوم اور ماتحت ہیں۔

رسالت اور نبوّت خواہ کسی بھی عنوان کے تحت ہو گی اگر عورتوں میں تسلیم کر لی جائے تو فی الجملہ عورتوں کی حاکمیت اور قوّامیّت ثابت ہو گی۔ کیونکہ نبی بہرحال اپنی امت میں حاکم اور قوّام ہوتا ہے۔ علامہ ابن حزمؒ کے اُس فکری رجحان کو قبول کرنے پر قرآنی منشاء فوت ہو جاتا ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورتیں بھی قوّام (حاکم) ہوئی ہیں۔

دوّم: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطاب میں عورتوں کو "ناقصاتِ عقل و دین" فرمایا ہے۔ ایک خاتونِ صحابیہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہماری عقل اور دین کیوں ناقص ہیں؟

آپ نے ارشاد فرمایا کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب میں قانونِ شہادت کے ضمن دوؔ عورتوں کو ایک مرد کے قائمقام قرار دیا ہے؟
اُن صحابیہ نے عرض کیا بیشک ایسے ہی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا یہ تمہارے عقل کے غیر کامل ہونیکی علامت ہے۔
پھر آپ نے فرمایا کیا تم ہر ماہ چند دن بغیر نماز روزے کے رہتی نہیں ہو؟
عرض کیا ہاں یہ واقعہ ہے۔
آپ نے ارشاد فرمایا یہ تمہارے دین کے نقصان (کمی) کا نتیجہ ہے۔ (ترمذی)
اب ہم قارئین کی عدالت میں یہ استغاثہ پیش کرتے ہیں اور غور و فکر کرنیکی دعوت دیتے ہیں کہ محکوم اور ماتحت و تابع اور ناقصاتِ عقل و دین کیا نبوت سے سرفراز ہو سکتا ہے؟

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ [1]

اب آپ قرآن حکیم کی اُن آیات کا ترجمہ و مطلب ملاحظ فرمائیے جنکو امام ابن حزمؒ نے اپنے مخصوص رجحان کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ پہلے وحی کے لغوی و شرعی معنی جاننا ضروری ہے۔

وحی کے لغوی معنی لطیف اشارہ، خُفیہ بات کے ہیں (راغب)

[1] جاننے والوں سے پوچھو اگر تم جانتے نہ ہو۔

یعنی ایسی بات جو اشارہ کرنے والے اور اشارہ پانے والے کے سوا تیسرے کو محسوس نہ ہو۔
اب اگر یہ وحی فرشتے کے ذریعہ سے ہو اور فرشتہ اسکو پڑھکر سنائے تو ایسی وحی کو کلام اللہ (قرآن) کہا جاتا ہے۔ اور اگر بغیر فرشتے کے راست قلب پر وحی ہو تو اسکو کلام رسول (حدیث شریف) کہا جاتا ہے۔ یہ ہر دو صورت صرف انبیائ ورسل کا حصّہ ہیں۔
اور اگر دل میں کوئی بات آگئی یا پختہ خیال آگیا یا خواب میں کوئی بات پالیا یا کوئی غیبی ندا آئی اور یہ سب واقعہ کے مطابق ثابت ہوئے تو اسکو کشف یا الہام یا وجدان و اشارہ کہا جاتا ہے۔ اس قسم کے اشارے انبیاء کرام کے علاوہ غیر نبی کو بھی ہوتے ہیں۔
گویا وحی کی بہت سی قسمیں قرار پاتی ہیں لیکن ان اقسام میں ایک مخصوص وحی وہ ہے جس سے انبیاء کرام نوازے جاتے ہیں اور یہ وحی اپنی خصوصیات میں دوسری تمام قسم کی وحی سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ یعنی انبیاء ورسل کی جانب جو وحی کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے قصد وارادہ سے نبی اور رسول کو ایسے امور کی اطلاع دیتا ہے جسکو وہ پہلے سے نہیں جانتے تھے اور وہ نبی ورسول اُس بات کو اپنے کانوں سے سنتے ہیں اور آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں اور دل کی گہرائی میں اسکو محسوس کرتے ہیں۔ ایسے طور پر کہ اسمیں شک وشبہ تو درکنار وسوسہ تک پیدا نہیں ہوتا۔ ایسی حقیقت ثابتہ کو انبیاء کرام کی وحی کہا جاتا ہے اور اس وحی کی یہ غرض ہوتی ہے کہ نبی اور رسول اسکے ذریعہ نوع انسانی کی رہنمائی کریں۔
قرآن حکیم میں وحی الٰہی کی مختلف نوعیتیں ملتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے جہاں انبیاء کرام کی جانب وحی کی ہے وہاں فرشتوں کی جانب، حیوانات کی جانب، جمادات کی جانب بھی وحی کا تذکرہ ملتا ہے۔
اور یہ بات ظاہر ہے کہ ہر ایک کی وحی کے معنی دوسرے سے مختلف ہوں گے۔
مثلاً: فرشتوں کی جانب وحی کا تذکرہ اس طرح ملتا ہے :۔

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَی الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ الخ

(انفال آیت ۱۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں فرشتوں کو مسلمانوں کی تقویت اور جمعیت خاطر کے لئے میدان بدر میں نازل کیا تھا اور اُن پر یہ وحی نازل کی یعنی حکم دیا کہ مسلمانوں کی ہمت بڑھائیں۔

یہاں وحی الی الملائکۃ کے معنی حکم اور ہدایت کے نکلتے ہیں۔

۲ حیوانات کی طرف وحی کا تذکرہ اس آیت میں ملتا ہے:۔

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ الخ (النحل آیت ۶۸)

اور تیرے رب نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کی کہ پہاڑوں میں گھر بنائے اور درختوں میں اور جو عمارتیں بناتے ہیں اُن میں (بھی اپنا گھر بنائے) پھر ہر قسم کے پھلوں کا رس چوسے اور اپنے رب کی ہموار کردہ راہ پر چلتی رہے۔

اس آیت میں شہد کی مکھی کی جانب وحی کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہاں وحی سے مراد الہام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ شہد کی فراہمی کے لئے دوڑ دھوپ کرے اور شہد کا ذخیرہ جمع کرے۔ اور اس عمل کے لئے اللہ تعالیٰ نے وہ تمام راہیں ہموار کر دیں جو اس کیلئے ضروری تھیں۔

۳ آسمانوں کی جانب وحی کا تذکرہ اس آیت میں ملتا ہے:۔

وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا (حم سجدہ آیت ۱۲)

اور ہر آسمان میں اللہ نے وحی بھیجدی۔

یہاں وحی سے مراد اپنا ارادہ ومنشا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ۲ دو دن میں سات آسمان بنا کر ہر آسمان میں اُس کے لئے جو مناسب کام تھا اُس کا انتظام کر دیا اور آسمانوں میں وہ سب کچھ محفوظ کر دیا جو اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی۔

۴ زمین کی جانب وحی کا تذکرہ اس آیت میں آیا ہے:۔

یَوْمَىِٕذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰی لَهَا (زلزال آیت ۴-۵)

قیامت کے دن زمین اپنے (اوپر گزرے ہوئے) واقعات بیان کرے گی۔ یہ اس لئے کہ تیرے رب نے اسکو کہنے کی وحی کی ہوگی۔

یہاں زمین کی جانب وحی سے مراد اللہ کا فیصلہ اور اشارہ ہے۔

ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور صحابہ سے دریافت کیا کیا تم جانتے ہو کہ زمین اپنے کیا واقعات بیان کرے گی؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا وہ واقعات یہ ہیں کہ زمین ہر انسان کے بارے میں گواہی دے گی کہ اس نے میری پشت پر یہ کام کیا اور اُس نے یہ کام کیا (یعنی نیکی و بدی کی شہادت دے گی) (ترمذی، نسائی)

علاوہ ازیں قرآن حکیم میں وحی کے ایک اور معنی بھی آئے ہیں جس کا ترجمہ وسوسہ اور خیال سے کیا جاتا ہے۔ ایسا عنوان عموماً شیاطین اور جنات کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔ سورۂ انعام میں حلال وحرام طعام کے سلسلے میں شیاطین الجنِ والانسِ کا یہ وسوسہ نقل کیا گیا اور مسلمانوں کو اس خطرناک شر سے آگاہ کیا گیا۔ قصہ یہ ہوا کہ مدینہ منورہ کے یہودی عالم مشرکین عرب کو جہاں اسلام کے خلاف آمادۂ بغاوت کیا کرتے تھے وہاں احکام اسلام کا بھی مذاق اڑانے کے لئے مشرکین کو یہ بات تلقین کرتے تھے کہ مسلمانوں سے پوچھا جائے آخر یہ کیا معاملہ ہے کہ جس جانور کو اللہ مار دے (یعنی اُسکی موت ہو جاوے) اس کا کھانا حرام ہے۔ اور جس جانور کو ہم ماریں (یعنی ذبح کریں) اس کا کھانا حلال ہے؟

یہ ایسا جاہلانہ سوال تھا جس سے سادہ ذہن مسلمان متأثر ہوسکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کجروی پر مسلمانوں کو اس طرح متنبہ کیا:-

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ

(انعام آیت ۱۲۱)

اُس جانور میں سے مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور بلاشبہ یہ گناہ کی بات ہے اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتے ہیں تاکہ (اے مسلمانو) وہ تم سے حجت کریں۔

آیتِ بالا میں شیاطین کے وسوسے اور خیال کو لفظِ وحی سے ظاہر کیا گیا ہے۔ چونکہ وحی کے معنی میں راز اور پوشیدگی بھی شامل ہیں اس لئے شیاطین کی اس کارروائی کو وحی کے لفظ سے ادا کیا گیا۔ علاوہ ازیں اور بھی آیات ہیں جن میں وحی کے مختلف معنی آئے ہیں۔

بہرحال وحی کے ایک معنی خیال اور وسوسہ کے بھی نکل آئے۔ اس طرح قرآن حکیم میں وحی کے حسب ذیل معنی استعمال کئے گئے ہیں:۔

(۱) لطیف اشارہ (۲) خُفیہ کلام (۳) کشف (۴) الہام (۵) حکم (۶) ظن و وہم (۷) وسوسہ و خیال (۸) وِجدان (۹) منشا ارادہ (۱۰) ندا (۱۱) کتابت وتحریر۔ (تفسیر ماجدی)

ہم پھر یکبار امام ابن حزم رح کی خدمت میں رجوع ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں۔

اے علومِ نبوت کے وارث! عورتوں کی جانب وحی کے معنیٰ نبوت، آپ نے کس دلیل سے اخذ کیا ہے؟

فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکیٰ۔

حقیقتِ گُمشُدہ

حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے متعلق تمام آیاتِ قرآنی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ قرآن حکیم نے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق یہود کی تفریط اور نصاریٰ کی افراط دونوں کے خلاف اپنا وہ فرض منصبی ادا کیا ہے جسکے لئے قرآن حکیم کی دعوت کا ظہور ہوا ہے۔ یہود اور نصاریٰ اس بارے میں قطعاً دو مخالف اور متضاد عقیدوں میں مبتلا ہو گئے تھے۔ یہود کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام مفتری کاذب اور شعبدہ باز تھے۔ نصاریٰ کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ خُدا، خدا کے بیٹے یا ثالث ثلٰثہ (تین خداؤں میں کا ایک) ہیں۔

قرآن حکیم نے چند لفظوں میں عیسائیوں کے عقیدۂ اُلوہیت مسیح کی ایسی صاف تردید کی ہے کہ اس سے زیادہ صفائی ممکن نہیں۔

مَا الْمَسِیْحُ بْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ وَ اُمُّہٗ صِدِّیْقَۃٌ کَانَا یَاْکُلَانِ الطَّعَامَ الآیہ۔

(مائدہ آیت ۷۵)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں اگر کوئی یہ معلوم کرنا چاہے کہ فی الحقیقت وہ کیا تھے تو اِن علامات سے بالکل غیر مشتبہ طور پر معلوم کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایک انسان تھے، ایک عورت کے بطن سے پیدا ہوئے، جن کا شجرۂ نسب تک موجود ہے اور جو انسانی جسم رکھتے تھے۔ وہ اُن صفات سے متصف تھے جو انسان کے لئے مخصوص ہیں۔ وہ سوتے تھے، کھاتے تھے، گرمی سردی محسوس کرتے تھے، اُنھیں بھوک پیاس بھی لگتی تھی، دُکھ درد سے بھی سابقہ پڑتا تھا، خوف و امید بھی طاری ہوتی تھی، اُن کو آزمائش میں بھی ڈالا گیا۔ اِن سب کے باوجود وہ اللہ کے نبی اور رسول بھی تھے۔

اس قرآنی تفصیل کے بعد کون معقول انسان یہ تصور کر سکتا ہے کہ وہ خود خدا یا خدائی میں شریک یا خدا کا بیٹا تھے؟ لیکن یہ انسانی ذہن کی انتہائی گمراہی ہے کہ عیسائی خود اپنی مذہبی کتابوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کو صریحاً ایک انسانی زندگی پاتے ہیں اور پھر بھی اِنھیں خدائی سے متصف قرار دینے پر اصرار کئے چلے جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اُس تاریخی اور حقیقی مسیح کے قائل ہی نہیں جو عالم وجود میں ظاہر ہوئے تھے بلکہ اُنھوں نے خود اپنے وہم و گمان سے ایک خیالی مسیح تصنیف کر لیا اور اسکو خُدا بنا لیا۔

تَعَالَى اللّٰہُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔

اب رہا حضرت مسیح علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا یہ کسی طرح بھی خدائیت کی دلیل نہیں بن سکتی۔ کیونکہ اِن کی مثال حضرت آدم علیہ السلام جیسی ہے کہ اللہ تعالٰے نے اُنہیں مٹی سے پیدا کیا اور پھر اپنے کلمۂ کُن سے وجود بخشا۔

اگر بِن باپ کے ہونا حضرت مسیح علیہ السلام کے خُدا ہونے کی دلیل ہو تو حضرت آدم علیہ السلام اِسکے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ وہ بغیر باپ و ماں کے پیدا ہوئے ہیں۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ
ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (آل عمران آیت ۵۹)

بیشک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے کہ اُن کو مٹی سے بنایا پھر کہا اُسکو کہ ہو جا وہ ہو گیا۔

حق بات وہی ہے جو تیرا رب کہے پھر تم شک کرنیوالوں سے نہ ہو۔

کَذَٰلِکَ کنواری مریم کو فرشتوں نے یہ بشارت دی :-

اے مریمؑ اللہ تجھے اپنے ایک فرمان کی خوشخبری دیتا ہے اُس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ دنیا اور آخرت میں معزز ہوگا اور اللہ کے مقرب بندوں میں شمار کیا جائے گا۔ لوگوں سے گہوارے میں بھی کلام کرے گا اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی اور وہ صالحین میں شمار ہوگا۔

یہ بشارت سنکر مریمؑ بولیں یارب میرے ہاں بچہ کہاں سے ہوگا (جبکہ) مجھے کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا ہے ؟

جواب ملا (کذٰلِک) "ایسے ہی" اللہ پیدا کر دیتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ جب وہ کسی بات کو پورا کرنا چاہتا ہے تو بس اُس سے کہتا ہے کہ "ہو جا" سو وہ ہو جاتی ہے۔ (آل عمران آیت ۴۵ تا ۴۷)

سورۂ مریم میں یہی بشارت اس طرح ہے :-

مریم نے کہا میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں۔

فرشتے نے جواب دیا (کذٰلک) "ایسے ہی ہوگا" تیرا رب فرماتا ہے ایسا کرنا میرے لئے بہت آسان ہے۔ (مریم آیت ۲۰، ۲۱)

اسی سورۂ مریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کے طلبِ اولاد پر اللہ تعالےٰ نے اُنھیں یحییٰؑ کی بشارت دی اسپر بوڑھے زکریا (علیہ السلام) نے تعجب کا اظہار کیا۔

عرض کیا پروردگار، بھلا میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہوگا جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو کر سوکھ چکا ہوں ؟

جواب ملا (کذٰلک) "ایسے ہی ہوگا" تیرا رب فرماتا ہے کہ یہ تو میرے لئے ایک ذرا سی بات ہے۔ آخر اس سے پہلے میں تجھے پیدا کر چکا ہوں جب کہ تو کوئی چیز نہ تھا۔ (مریم آیت ۸، ۹)

سورۂ ذاریات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتے ایک ذِی علم لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔

یہ سُنکر اُن کی بیوی سارہؓ تعجب سے چیختی ہوئی آگے بڑھی اور

اپنا منھ پیٹ کر کہنے لگی بوڑھی بانجھ کو ؟ فرشتوں نے جواب دیا (کذٰلک)
"ایسے ہی" تیرے رب کا ارشاد ہے وہ حکیم ہے سب کچھ جاننے والا ہے۔

(ذاریات آیت ۲۸، ۲۹، ۳۰)

اس ساری تقریر کا اصل مقصد عیسائیوں پر اُن کے اس عقیدے کی غلطی واضح کرنا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نہ خدا تھے اور نہ شریکِ خدا اور نہ خدا کا بیٹا۔ جس طرح حضرت زکریا علیہ السلام کو یحییٰ معجزانہ طور پر عطا ہوئے جبکہ اُن کی عمر سَو سال سے زائد تھی اور اُن کی بیوی نوّے سال کی اور بانجھ بھی ایسے ہی معجزانہ طور پر حضرت مسیحؑ بغیر باپ کے حضرت مریمؓ سے پیدا ہوں گے۔ اس سے اللہ تعالےٰ عیسائیوں کو یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ اگر یحییٰ کو ان کی اعجازی ولادت نے اِلٰہ نہیں بنایا تو مسیح محض اپنی غیر معمولی پیدائش کی بنا پر اِلٰہ کیسے ہو سکتے ہیں ؟

اور جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت پر ان کی بیوی حضرت سارہؓ تعجب سے کہتی ہیں کہ مجھ بوڑھی بانجھ کے ہاں بیٹا کیسے ہوگا جبکہ میرے شوہر بھی اپنی آخری عمر کو پہنچ چکے ہیں ؟

تو فرشتے اُن کو جواب دیتے ہیں کہ "ایسے ہی ہوگا" یعنی بڑھاپے اور بانجھ پن کے باوجود اولاد ہوگی۔ اگرچہ عادتاً اس عمر میں انسان کے ہاں اولاد پیدا نہیں ہوتی لیکن اللہ کی قدرت سے ایسا ہونا بعید نہیں ہے۔

اس وضاحت کے بعد سیدہ مریمؓ کو جو بشارت دی جارہی ہے کہ اے مریمؓ اللہ تجھکو بیٹے کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔

اسپر سیدہ مریمؓ کے تعجب پر فرشتے کا یہ کہنا کہ ایسا ہی ہوگا۔ اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ تیرے ہاں لڑکا ہوگا باوجود اسکے کہ تجھے کسی بشر نے نہیں چھوا ہے۔

الغرض سیدہ مریمؓ کو صنفی مواصلت کے بغیر بچّہ پیدا ہونے کی بشارت دی گئی تھی اور فی الواقع اسی صورت سے حضرت عیسیٰ کی پیدائش ہوئی ورنہ اگر بات یہی تھی کہ مریمؓ کے ہاں اُسی معروف فطری طریقہ سے بچہ پیدا ہونے والا تھا جس طرح دنیا میں عورتوں کے ہاں ہوا کرتا ہے تو یہ سارا بیان نعوذ باللہ قطعی مہمل ٹھیرتا ہے جو سورۂ آل عمران کے چوتھے رکوع سے چھٹے رکوع تک چلا گیا ہے اور وہ تمام بیانات بھی بے معنی قرار پاتے جو ولادتِ مسیح کے باب میں قرآن کے دوسرے مقامات پر ہمیں ملتے ہیں۔ عیسائیوں نے حضرت مسیٰ علیہ السلام

کو "اللہ" اور "ابن اللہ" اسی وجہ سے سمجھا تھا کہ اُن کی پیدائش غیر فطری طور پر بغیر باپ کے ہوئی تھی اور یہودیوں نے سیدہ مریم پر الزام بھی اسی وجہ سے لگایا کہ ایک لڑکی غیر شادی شدہ تھی اور اُس کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ اگر یہ سرے سے واقعہ ہی نہ تھا تب اِن دونوں گروہوں (یہود و نصاریٰ) کے خیالات کی تردید میں بس اتنا کہہ دینا بالکل کافی تھا کہ تم لوگ غلط کہتے ہو۔ وہ لڑکی شادی شدہ تھی۔ فلاں شخص اس کا شوہر تھا اور اُسی سے عیسیٰ پیدا ہوئے تھے۔ یہ مختصر سی دو ٹوک بات کہنے کے بجائے مسیح بن مریم کہنے کی آخر کیا ضرورت تھی ؟ جس سے بات سلجھنے کے بجائے اور اُلجھ جائے۔

نیز ولادت کے وقت سیدہ مریم کا اپنے جائے اعتکاف سے دور جنگل کی طرف نکل جانا خود اس بات کی بڑی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اور اگر سیدہ مریم شادی شدہ ہوتیں اور شوہر ہی سے ان کے ہاں بچہ پیدا ہو رہا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ میکے اور سسرال سب کو چھوڑ چھاڑ کر زچگی کے لئے تن تنہا ایک دور دراز مقام پر کیوں چلی جائیں ؟

پھر شادی شدہ لڑکی کے ہاں جب پہلا بچہ پیدا ہو رہا ہو تو وہ چاہے تکلیف سے کتنی ہی تڑپے اور پریشان ہو عزیز و اقارب سے دور نہیں ہو سکتی۔ یہ ساری تفصیل اس بات کو ظاہر کر رہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اُس عام طریقہ سے نہیں ہوئی جو عورتوں کو پیش آتی ہے (یعنی صنفی مواصلت کے ساتھ)

پس جو لوگ قرآن کو اللہ کا کلام مانتے ہیں اور پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اُن کی ولادت حسب معمول باپ اور ماں کے اتصال سے ہوئی تھی وہ لوگ گویا یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اظہار مافی الضمیر اور بیانِ مدّعا کی اتنی قدرت بھی نہیں رکھتا جتنی خود یہ حضرات رکھتے ہیں۔

تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا۔

اللہ کی باادب بندیاں

سیدہ مریمؓ کی والدہ سیدہ حنہؓ (قرآنی زبان میں اِمْرَأَةُ عِمْرَانَ) حضورِ رب میں یہ دُعا کر رہی ہیں۔

" اے میرے پروردگار میں نے تیری نذر مانی ہے اُس بچہ کی جو

میرے پیٹ میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جائے گا (ہر قسم کے دنیوی کاروبار سے اور تیری ہی خدمت اور عبادت کے لئے وقف رہے گا۔) سو تو اے اللہ یہ نذر مجھ سے قبول فرمالے۔ کیونکہ تو خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے (سننے والا میری دعاؤں کا جاننے والا میرے اخلاص کا)

والدۂ مریم کی توحید پرستی، اخلاص وللّٰہیت مناجات کے لفظ لفظ سے نمایاں ہو رہی ہے اللہ والوں اور اللہ والیوں کو اپنی اولاد کے لئے فکر اُن کے دینی و اخلاقی تحفظ کی ہوتی ہے۔ اور یہ بھی کہ اللہ والوں کی طرح اللہ والیاں بھی اپنی دُعاؤں میں کس درجہ باادب ہوتی ہیں۔

ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً حضرت زکریا علیہ السلام رشتہ میں سیدہ مریمؓ کے خالو ہوتے تھے۔ سیدہ مریمؓ کے والد حضرت عمرانؓ کے انتقال کے بعد مسجد اقصےٰ کے خادموں کی سرداری حضرت زکریا علیہ السلام کے حصہ میں آئی۔ آپ ایک تو سیدہ مریم کے عزیز قریب اور پھر خدام مسجد کے سردار بھی تھے۔ مسجد اقصیٰ کیلئے وقف شدہ معصوم مریم کی تربیت و نگرانی اللہ کی طرف سے آپ ہی کو سپرد کی گئی تھی۔

مسجد اقصیٰ کے خادموں کے رہنے اور عبادت کرنے کے لئے ہیکل (مسجد) کے اِدھر اُدھر حجرے یا خلوت خانے بنے ہوئے تھے جن کو محراب کہا جاتا تھا۔ انہی میں سے ایک حجرہ معصوم مریم کا تھا جسمیں وہ مشغولِ عبادت رہتیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام ایک تو یوں بھی سردارِ خدام تھے اور اس حیثیت سے ہر خادم و خادمہ کی نگرانی رکھنا آپکے فرائض میں داخل تھا اور پھر سیدہ مریم کے تو آپ عزیز قریب بزرگ سرپرست بھی تھے۔ اِن کے حجرے میں قُدرۃً آپ کی آمد و رفت رہا کرتی تھی۔ آپ جب کبھی بھی سیدہ مریم کے پاس حجرے میں آتے تو اُن کے پاس تر و تازہ میوے موجود پاتے۔ ایک بار بولے اے مریمؓ یہ پھل کہاں سے تجھے مل جاتے ہیں؟ وہ بولیں یہ اللہ کی طرف سے آجاتے ہیں بیشک اللہ جسکو چاہتا ہے بے حساب رزق دے دیتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام اس وقت تک بے اولاد تھے۔ اس صالحہ لڑکی کو دیکھ کر فطرۃً اِن کے دل میں اپنی وہ آرزو رقّت کے ساتھ پیدا ہوئی جو وارثِ نبوّت کے لئے عرصہ دراز سے قائم تھی۔ جس طرح اللہ تعالےٰ اپنی قدرت سے اس گوشہ نشین لڑکی کو رزق

پہنچا رہا ہے انھیں امید ہوئی کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو اس بڑھاپے میں بھی اِن کو اولاد دے سکتا ہے۔

بہر حال حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب کو بیقراری کے ساتھ پکارا۔

"پروردگار اپنی قدرت سے مجھے نیک اولاد عطا کر تو ہی دُعا کا سُننے والا ہے۔" (آل عمران آیت ۳۸)

یعنی مجھے بھی اپنی عنایت سے اُسی طرح دے جیسے یہاں بلا اسباب ظاہری تر و تازہ میوے پہنچ رہے ہیں۔ اولاد کی خواہش ایک امر طبعی ہے اور زُہد کیا کمالِ زہد کے بھی خلاف نہیں۔ قرآن حکیم نے بار بار پیغمبروں کی زبانی اس قسم کی دُعائیں نقل کی ہیں۔

وہ مذاہب حقیقت سے کتنی دُور ہیں جنھوں نے بیوی بچّوں کو ہر حال میں جنجال اور دنیا طلبی قرار دیا ہے۔ ہماری شریعت اسلامیہ نے اولاد کی خواہش کو سنتِ انبیاءؑ وصدیقین بتایا ہے۔ صحیح بخاری میں تو مستقل عنوانات طلبِ اولاد کے فضائل میں موجود ہیں۔

البتہ یہ حقیقت ضرور ہے کہ صرف اولاد طلبی مقصود نہیں ہوتی اہل اللہ کی نظر آخرت پر بہر حال رہتی ہے۔ اس لئے حضرت زکریا علیہ السلام نے محض اولاد ہی نہیں چاہا بلکہ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً نیک اولاد کی درخواست کی جو اُن کے بعد اُن کی دعوت و تبلیغ کے کام کو جاری رکھے۔

اثباتِ کرامت

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا۔ الآیہ (مریم آیت ۳۷)

جب کبھی زکریا مریم کے حجرہ میں آتے تو اُن کے پاس کوئی چیز کھانے کی پاتے۔ (مثلاً تر و تازہ میوے اور مشروبات)

سیدہ مریم اگر نبی تھیں جیسا کہ سلف کے ایک طبقے کی رائے ہے تو یہ غیبی رزق معجزہ اور آیت شمار ہوگا۔

اور اگر وہ نبی نہیں بلکہ صالحہ اور ولی اللہ خاتون تھیں جس میں کسی بھی اہل علم کا اختلاف نہیں ہے تو یہ غیبی رزق "کرامت" سمجھا جائے گا۔ اسی بنا پر محققین اہل سنت نے

آیت مذکورہ کو "کراماتِ اولیاء" کے اثبات میں نصِ قطعی قرار دیا ہے. جیسا کہ قرآن کی بعض دیگر آیات سے بھی ثبوت ملتا ہے۔

اسمہٗ احمد وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰۃِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ.

(الصف آیت ۶)

اور یاد کرو عیسیٰ بن مریم کی وہ بات جو انھوں نے کہی تھی کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں تصدیق کرنے والا ہوں اُس تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعارفی سلسلہ میں قرآن حکیم کی یہ آیت نہایت اہمیت رکھتی ہے اور یہ ایک ایسا اعلانِ عام تھا جو نزولِ قرآن کے وقت پوری عیسائی دنیا کے لئے ایک تحدّی (چیلنج) کی حیثیت رکھتا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت خاص طور پر ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں جہاں یہ سورت نازل ہوئی ہے یہود اور عیسائیوں کی مستقل آبادیاں تھیں انہی کے درمیان یہ آیت پڑھی گئی جسمیں بغیر کسی ابہام کے واضح طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کی یہ بشارت نقل کی گئی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس بشارت پر جسکو قرآن حکیم نے نقل کیا ہے نہ یہود نے تعجب کیا نہ نصاریٰ نے انکار کیا۔ جبکہ یہودی اور عیسائی دنیا ہر اُس موقعہ کی تاک میں تھی کہ قرآن حکیم کو غلط ثابت کیا جائے اور اُسکو خدائی کلام کے خلاف ایک انسانی کلام قرار دیا جائے۔

بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ قرآن حکیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک اہم اور خصوصی اعلان شائع کرے اور اُسپر کم از کم مدینہ طیبہ کے عیسائی خاموش اور زبان بند ہو جائیں اور کوئی اعتراض نہ کریں؟

یہ بات ایسی نہ تھی کہ اسکو نظر انداز کر دیا جاتا یا اسکو غیر اہم تسلیم کر لیا جاتا۔ یہ

آیت تو عیسائیت کی ساری بنیاد کو متزلزل کرنے والی تھی، اُن کے لئے ایک کھلا چیلنج تھا، ایک للکار تھی، ایک ایسی بات تھی جو عیسائیوں کی نیند اُڑا دینے کے لئے کافی تھی۔ اِن سب کے باوجود عیسائیوں کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے اور دعویٰ کر بیٹھتے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی زندگی میں کبھی بھی ایسی کوئی بشارت نہیں دی اور نہ ہم اُن کی کتاب انجیل میں ایسی کوئی تصریح پاتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے بلکہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت یہ بات مشہور و معروف تھی کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے بعد ایک عظیم نبی و رسول کے آمد کی اطلاع دے چکے تھے اور انجیل مقدس میں بھی اس کا تذکرہ موجود تھا اور بہت سے نیک فطرت عیسائی اُس نبی موعود کے انتظار میں تھے اور بعض تو تلاش میں اپنے ملکوں سے نکل چکے تھے۔ جنمیں مشہور عیسائی عالم عبد اللہ بن سلامؓ اور سلمان فارسیؓ اور نجران کے عیسائی علماء کی ایک بڑی جماعت شامل ہے۔ اور اِن سب سے بڑھکر وہ مشہور زمانہ واقعہ ہے جسمیں حبشہ کے مہاجرین صحابہؓ کو نجاشی بادشاہ نے اپنے دربار میں طلب کیا تھا۔ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سُنیں۔ اسکے بعد اُس نے یہ کہا

مَرحَبًا بِكُمْ وَبِمَنْ جِئْتُمْ مِنْ عِنْدِهٖ أَشْهَدُ أَنَّهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَأَنَّهُ الَّذِيْ نَجِدُ فِي الْإِنْجِيْلِ وَأَنَّهُ الَّذِيْ بَشَّرَ بِهٖ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ ؑ (مسند احمد)[1]

اِن سب نے اُس بات کی تصدیق کی جسکو قرآن حکیم نے نقل کیا ہے۔ اور آپ کی ذات بابرکات میں اُن علامات کو پایا جس کا تذکرہ انجیل مقدس میں وہ موجود پاتے تھے۔

قرآن حکیم کی اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی اَحْمَدُ نقل کیا گیا ہے تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک صرف محمدؐ ہی نہ تھا بلکہ اَحْمَدُ بھی تھا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:-

أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا الْحَاشِرُ۔

میں محمدؐ ہوں اور میں احمدؐ ہوں اور میں حاشر ہوں۔

اسی مضمون کی روایات امام بخاریؒ، امام مالکؒ، مسلمؒ، دارمیؒ، ترمذیؒ اور نسائیؒ رح نے

---

[1] مبارک ہو تم کو اور اُسکو جسکی جانب سے تم آئے ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ وہی ہیں جنکا تذکرہ کتاب

نقل کی ہیں۔ کتب مذکورہ کی مراجعت کرلی جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسم گرامی صحابہ کرام میں معروف تھا۔ چنانچہ حضرت حسان بن ثابتؓ کا یہ شعر کتب حدیث میں ملتا ہے:۔

صَلَّی الْإِلٰہُ وَمَنْ یَّحُفُّ بِعَرْشِہٖ وَالطَّیِّبُوْنَ عَلَی الْمُبَارَکِ اَحْمَدَ

اللہ تعالیٰ اور اُسکے حاملانِ عرش فرشتے اور سب پاکیزہ ہستیوں نے بابرکت احمدؐ پر درود بھیجا ہے۔

امام بخاری اپنی کتاب تاریخ صغیر میں روایت نقل کرتے ہیں کہ علی بن زید فرماتے ہیں کہ خواجہ ابوطالب یہ شعر پڑھا کرتے تھے:۔

وَشَقَّ لَہٗ مِنِ اسْمِہٖ لِیُجِلَّہٗ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّھٰذَا مُحَمَّدٌ

اللہ نے اپنے نام پاک سے آپکا نام بنایا تاکہ عظمت ظاہر ہو۔ پس عرش والا محمود ہے اور آپ محمدؐ ہیں

(فتح الباری ج۶ ص۴۰۴)

علامہ ابوجعفر بغدادی المتوفی ۲۴۵ھ نے لکھا ہے کہ حضور اکرم کی بعثت سے پہلے کل سات آدمی اس نام کے گزرے ہیں۔ اِن میں ایک محمد بن سفیان بن مجاشع کی بابت یہ لکھا ہے کہ اِن کے والد نے ایک شامی راہب سے یہی سُنکر کہ آئندہ پیمبر کا نام محمدؐ ہوگا یہ نام اپنے لڑکے کا رکھ دیا۔

احمد کے دو معنی آتے ہیں۔ ایک وہ شخص جو اللہ کی سب سے زیادہ تعریف کرنیوالا ہو۔ دوسرے معنی۔ وہ شخص جسکی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو یا بندوں میں سب سے زیادہ قابل تعریف ہو۔

قرآن حکیم میں آپؐ کا اسم گرامی محمدؐ بھی آیا ہے:۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (آل عمران آیت ۱۴۴)

محمدؐ کے لفظی معنی وہ شخص جسکی مدح بہت بار کی گئی ہو یا جو اعلیٰ صفات کا مجموعہ ہو۔

(راغب مفردات)

تاریخی طور پر ثابت ہے کہ آپ سے پہلے عرب میں اس نام کا رواج بہت ہی شاذ و نادر تھا۔ صاحب قاموس نے لفظ حمد کے ایک معنی قضاء الحق بھی لکھے ہیں۔ لہٰذا احمد کے معنی وہ ذات جس کا حق پورا کر دیا گیا۔ یعنی قدرت کی جانب سے نوع انسان کو جس جس سرحدِ کمال تک پہنچانا مقصود تھا وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا کر دیا گیا ہو۔

حضرت حسان بن ثابتؓ یوں مدح سرا ہوتے ہیں۔

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِیْ　　وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ　　كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

میری آنکھوں نے آپ جیسا حسین کبھی نہیں دیکھا　　اور آپ جیسا صاحب جمال کسی عورت نے پیدا نہ کیا

آپ ہر ہر عیب سے پاک صاف پیدا کئے گئے　　گویا آپ اپنی خواہش ومرضی کے مطابق پیدا کئے گئے

صاحب قاموس نے محمد کے ایک معنی یہ بھی لکھے ہیں:۔

مُحَمَّدُ الَّذِیْ يُحْمَدُ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ۔

یعنی جسکی تعریف کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوا ہو۔

صاحب قاموس نے محمدؐ کو تحمید سے مشتق سمجھا ہے جسکا خاصہ مبالغہ اور تکرار ہے یعنی کسی کام کو ایسے طور پر پورا ہونے کو ظاہر کرے کہ کوئی جزء متروک نہ ہو جیسے قَتَّلَهُ تَقْتِيْلاً ٹکڑے ٹکڑے کیا کوئی جزو باقی نہ رہا۔

ایسے ہی محمدؐ کے معنی یہ ہوئے: وہ ذات جس کا جزء جزء قابل حمد ہے۔

شہر بدایوں کے ایک غیر معروف شاعر لطفت بدایونی نے آپ کے جمال وکمال کو اس خوبصورتی سے ادا کیا ہے کہ اردو مدحت سرائی میں ایسا عنوان نظر نہیں آتا۔

رخ مصطفٰے ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

البتہ فارسی زبان میں اس عنوان کو اس طرح ادا کیا گیا ہے۔

آفاقہا گردیدہ اَم مہرِ بتاں ورزیدہ ام　　بسیار خوباں دیدہ اَم لیکن تو چیزے دیگری

وصلی اللہ علٰی سید المرسلین وخاتم النبیین وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

تذکرہ خاتم الانبیاء

سَیّدُنا مُحَمَّدُ بن عبدُاللہ

(صَلَّی اَللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ)

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ اور قرآنِ حکیم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چند حضرات نے سیدہ عائشہ صدیقہ رض سے سوال کیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کے متعلق کچھ تفصیل بیان فرمائیے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رض نے تعجب سے پوچھا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟

اُن لوگوں نے جواب دیا ہاں ضرور پڑھتے ہیں! فرمایا کہ آپؐ کی پوری زندگی قرآن ہی تو تھی۔ (یعنی قرآن حکیم کے جو تقاضے ہیں وہ آپؐ کی عملی زندگی میں موجود تھے۔

قرآن کلام الٰہی ہے اور خاتم الانبیاء اُسکے مہبط اور اُسکے اولین مخاطب ہیں، قرآن رُشد و ہدایت ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راشد و ہادی ہیں۔ قرآن دعوت و پیغام ہے اور نبی اکرم اُسکے داعی و پیغمبر ہیں۔

اس لئے قرآن حکیم کا ہر جملہ اور اُسکی ہر آیت کسی نہ کسی حیثیت میں آپؐ کے اخلاق وصفات سے تعلق رکھتی ہے تو اب کس طرح یہ بتایا جائے کہ قرآن حکیم میں آپ کا ذکر جمیل کتنی جگہ آیا ہے۔

البتہ قرآن حکیم نے جن آیات میں آپکے اسمار گرامی یا صفاتِ عالیہ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے یا آپ کو "یَاَیُّھَا النَّبِیُّ اور یَاَیُّھَا الرَّسُوْلُ" کہہ کر مخاطب کیا ہے اُس کی تفصیل قرآن حکیم کی (۱۱۴) سورتوں میں مختلف مقامات پر ملتی ہے۔ ذیل میں وہ اسمار وصفات درج کئے جاتے ہیں:-

(۱) ——— مُحَمَّدٌ ——— آل عمران آیت ۱۴۴، احزاب آیت ۴۰، سورہ محمد آیت ۲، الفتح آیت ۲۹

(۲) ——— اَحْمَدُ ——— الصف آیت ۶۔

۳ ــ عَبْدُ اللہ ــ الحدید آیت ۹، الجن آیت ۱۹، الکہف آیت ۱۔

۴ ــ شَاہِدٌ ــ الفتح آیت ۸، الاحزاب آیت ۴۵، المزمل آیت ۱۵۔

۵ ــ مُبَشِّرٌ ــ الاحزاب آیت ۴۵، الفتح آیت ۸، الفرقان آیت ۵۶۔

۶ ــ بَشِیْرٌ ــ الاعراف آیت ۱۸۸، ہود آیت ۲، سبا آیت ۲۸، فاطر آیت ۲۴، البقرہ آیت ۱۱۹۔

۷ ــ نَذِیْرٌ ــ العنکبوت آیت ۵۰، الاعراف آیت ۱۸۸، الاحزاب آیت ۴۵،
ہود آیت ۲، الحجر آیت ۸۹، فاطر آیت ۲۳، ۲۴، ۳۷، ۴۲،
الفتح آیت ۸، الذاریات آیت ۵۰، ۵۱، الملک آیت ۸، ۹، ۱۷، ۲۶،
الفرقان آیت ۵۶، البقرہ آیت ۱۱۹، سبا آیت ۲۸، ۴۶، احقاف آیت ۹۔

۸ ــ مُذَکِّرٌ ــ سورۃ الغاشیہ آیت ۲۱۔

۹ ــ سِرَاجٌ مُّنِیْرٌ ــ الاحزاب آیت ۴۶۔

۱۰ ــ دَاعِیٌ اِلَی اللہ ــ الاحزاب آیت ۴۶، احقاف ۳۲۔

۱۱ ــ حَقٌّ ــ سورۃ یونس آیت ۱۰۸۔

۱۲ ــ عَزِیْزٌ ــ سورہ توبہ آیت ۱۲۸۔

۱۳ ــ رَءُوْفٌ ــ سورہ توبہ آیت ۱۲۸۔

۱۴ ــ رَحِیْمٌ ــ سورہ توبہ آیت ۱۲۸۔

۱۵ ــ اَمِیْنٌ ــ سورہ دخان آیت ۱۸۔

۱۶ ــ نُوْرٌ ــ سورہ مائدہ آیت ۱۵۔

۱۷ ــ نِعْمَۃٌ ــ سورہ بقرہ آیت ۲۳۱، النحل آیت ۸۳۔

۱۸ ــ ھَادِیْ ــ سورہ روم آیت ۵۳۔

۱۹ ــ رَحْمَۃٌ ــ سورہ انبیاء آیت ۱۰۷۔

۲۰ ــ طٰہٰ ــ سورہ طٰہٰ آیت ۱

۲۱ ــ یٰسٓ ــ سورہ یٰسٓ آیت ۱

۲۲ ــ اَلْمُزَّمِّلُ ــ سورہ مزمل آیت ۱

۲۳ ــ اَلْمُدَّثِّرُ ــ سورہ مدثر آیت ۱

۲۴ ــ مُنْذِرٌ ــ سورہ نمل آیت ۹۲. صٓ آیت ۴، ۶۵

۲۵— خَاتَمَ النَّبِيِّينَ — سورہ احزاب آیت ۴۰

۲۶— نَبِیؐ — سورہ آل عمران آیت ۱۶۱، مائدہ آیت ۸۱، انفال آیت ۶۴، ۶۵، ۶۷، ۷۰، توبہ آیت ۶۱، ۷۳، ۱۱۳، ۱۱۷، حجرات آیت ۲، احزاب آیت ۱، ۶، ۲۸، ۳۲، ۳۸، ۴۵، ۵۰، ۵۳، ۵۶، ۵۹، تحریم آیت ۱، ۳، ۸، ۹، طلاق آیت ۱، الممتحنہ آیت ۱۲۔

۲۷— رَسُوْلؐ — سورہ آل عمران آیت ۳۲، ۸۱، ۸۶، ۱۰۱، ۱۳۲، ۱۵۳، ۱۷۲، ۱۷۹، ۱۸۳، نسار آیت ۱۳، ۱۴، ۵۹، ۶۱، ۶۴، ۶۹، ۷۹، ۸۰، ۱۰۰، ۱۱۵، ۱۷۰، ۱۷۲، مائدہ آیت ۱۵، ۳۳، ۴۱، ۵۵، ۵۶، ۶۷، ۸۳، ۹۲، ۹۹، اعراف آیت ۱۵۷، ۱۵۸، انفال آیت ۱، ۱۳، ۲۴، ۲۷، ۴۶، توبہ آیت ۱، ۳، ۷، ۱۲، ۲۴، ۲۶، ۲۹، ۳۳، ۶۱، ۵۴، ۵۹، ۶۳، ۶۵، ۸۰، ۸۱، ۸۴، ۸۶، ۸۸، ۹۱، ۹۴، ۹۷، ۹۹، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۲۸، النحل آیت ۱۱۳، الاسراء آیت ۹۳، الحج آیت ۷۸، المومن آیت ۷۸، الزخرف آیت ۲۹، العنکبوت آیت ۱۸، الحجرات آیت ۱، ۳، ۷، ۱۴، ۱۵، الفتح آیت ۹، ۱۲، ۱۳، ۱۷، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹۔ الاحزاب آیت ۱۲، ۲۱، ۲۹، ۳۱، ۳۳، ۳۶، ۴۰، ۵۳، ۵۷، دخان آیت ۱۳، الحدید آیت ۷، ۸، ۲۸، المجادلہ آیت ۴، ۵، ۸، ۹، ۱۲، ۱۳، ۲۰، ۲۲، محمد آیت ۳۲، ۳۳، المنافقون آیت ۱، ۵، ۷، ۸۔ تغابن آیت ۸، ۱۲، الفرقان آیت ۷، ۲۷، ۳۰، ۴۱۔ الطلاق آیت ۱۱، الجمعہ آیت ۲، الصف آیت ۹، ۱۱۔ الحشر آیت ۴، ۶، ۷، ۸۔ الممتحنہ آیت ۱، الجن آیت ۲۳، ۲۷، الحاقہ آیت ۴۰، النور آیت ۴۷، ۴۸، ۵۱، ۵۲، ۵۴، ۶۲، ۶۳، بقرہ آیت ۱۴۳، ۱۵۱۔

۲۸— شَہِیْدٌ — بقرہ آیت ۱۴۳، نسار آیت ۴۱، النحل آیت ۸۹، الحج آیت ۷۸۔

۲۹— عَبْدٌ — الفرقان آیت ۱، اسرار آیت ۱

۳۰— بُرْہَانٌ — نسار آیت ۱۷۵۔

قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جن صفات اور اسمار کا ذکر ہے اس پر

علمارِ اسلام نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ غالباً ان میں علاّمہ ابن دحیہؒ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے اس عنوان پر سب سے پہلے کتاب مرتب کی۔

ان کے علاوہ امام ابن کثیرؒ اور محدث بیہقی اور ابن عساکر جیسے محدثین نے اس سلسلے کی تمام احادیث اور آثار کو جمع کیا ہے جسمیں آپؐ کے اسمار اور صفات والقاب مذکور ہیں۔ مشہور محدث ابوبکر بن عربیؒ نے شرح ترمذی میں اُن کی تعداد چونسٹھ (۶۴) شمار کی ہے۔ بعض نے ننانوے (۹۹) اور بعض نے تین سو (۳۰۰) اور بعض نے ایک ہزار صفات تک شمار کیا ہے۔ مگر یہ کثرت اس لئے بھی درست نہیں ہے کہ اس شمار میں اُن تمام انتسابات کو بھی شامل کرلیا ہے جو کسی مناسب حال آپؐ کی جانب منسوب ہیں۔ اگرچہ بحیثیت اسمار وصفات یا القاب اُن کا اطلاق آپؐ کی ذاتِ اقدس پر صحیح نہیں ہوسکتا۔ مثلاً آپ نے انبیارِ کرام اور اپنے درمیان صفت نبوت کے تعلق کو ظاہر کرنے اور ختم نبوت کو واضح کرنے کے لئے خود کو قصر نبوت کی آخری لَبِنَہ (اینٹ) ظاہر فرمایا۔ تو جن بزرگوں کو آپؐ کے اسمار وصفات کی کثرت سے شغف تھا اُنھوں نے اس انتساب کو آپکی ایک صفت اَللَّبِنَۃُ بھی شمار کیا ہے جو یقیناً ایک حقیقت ہے لیکن اِس کا اطلاق ذاتِ نبوی پر درست نہیں ہوگا۔

بخاری کی ایک حدیث مرفوع میں آپ کا یہ ارشاد منقول ہے ارشاد فرمایا میرے پانچ نام ہیں:۔ محمدؐ، احمدؐ، ماحی (یعنی کفر وشرک مٹانے والا) حاشر (یعنی قیامت میں سب سے پہلے میرا حشر ہوگا) عاقب (بقول امام زہریؒ آخری پیغمبر)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ پانچ کا یہ عدد حصر کے لئے نہیں ہے بلکہ آپؐ نے اس جگہ اپنے اُن اسمار وصفات کا ذکر فرمایا ہے جو کتب سابقہ اور امم ماضیہ میں آپ سے متعلق مشہور ومعروف رہے ہیں اسکے علاوہ حسب ذیل صفات بھی بہت مشہور ومعروف ہیں:۔

اَلْمُتَوَکِّل، اَلْمُخْتَار، اَلْمُصْطَفٰی، اَلشَّفِیع، اَلْمُشَفَّع، اَلصَّادِق، اَلْمَصْدُوق۔

بہرحال محمدؐ اور احمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو آپ کے اسم گرامی ہیں اور باقی اسمار صفات یا القاب ہیں۔ قرآن حکیم میں آپؐ کے نام پاک کے انتساب سے ایک سورت کا نام محمدؐ ہے جسکے شروع ہی میں آپؐ کا یہ اسم گرامی موجود ہے۔ اور سورہ صف میں اسم احمد مذکور ہے۔

اور یہ حقیقت بھی قابل ذکر ہے کہ آپ کے یہ اسمار وصفات محض رسمی یا اصحاب واحباب کی عقیدت کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ ان اسمارِ صفات کا آپ کی عملی زندگی اور طبیعت

وفطرت کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے جیسا کہ آپؐ نے اپنے آپ کو ماحی (کفر و شرک کو مٹانے والا) اور حاشر و عاقب ظاہر فرمایا ہے حقیقت کا اظہار ہے۔ یا مثلاً محمدؐ اُس ذات کو کہتے ہیں جسکے تذکرے خوبی و نیکی کے ساتھ ہمیشہ ہوتے ہوں۔

صاحب قاموس نے محمدؐ کے ایک معنی یہ بھی لکھے ہیں وہ ذات جسکی تعریف کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوا ہو۔

اس اسم گرامی میں انبیاء سابقین کی بشارت اور مستقبل میں تذکرہ ہائے حیات کی جانب اشارہ ہے۔ اسی طرح احمدؐ کا اطلاق اُس ذات پر ہوتا ہے جو سب سے زیادہ حمد الٰہی کرتا ہو یا اُس شخصیت کو کہا جاتا ہے جسکی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو۔ یہ ہر دو اسم گرامی آپ کی عبدیت کاملہ کو ظاہر کرتے ہیں۔ بلاشبہ آپؐ خدا پرست انسانوں کے لئے مُبشّر و بشیر ہیں اور فتنہ جُو مفسدوں کے لئے مُنذِر و نذیر ہیں۔ روزِ قیامت صادق و کاذب دونوں پر شاہد و شہید ہیں۔ حقیقت طلب کرنے والوں کے لئے آپؐ مُذکِّر (ناصح) ہیں۔ راہِ حق سے بھٹکے ہوئے لوگوں کے لئے ہادی اور خدا بیزار انسانوں کے لئے داعی ہیں۔ آپ کا وجود کائنات کے لئے رحمۃٌ ہے جہل و شرک کے لئے نور ہیں اور پیغام الٰہی کے لئے نبی و رسول ہیں۔ مصائب و آلام میں عزیز ہیں اور نوع انسانی کی حیات کے لئے رؤف و رحیم ہیں۔ آپ کی صدا حق ہے اپنی ذات میں الصادق و الامین خدا کے آخری پیغام کے حامل ہونے کی وجہ سے خاتم النبیین اور قصر نبوت کے سراج منیر، فاتح عالم ہونے کے باوجود گدائے کملی پوش ہیں اس لئے مزملؐ اور مدثرؐ بھی ہیں۔ اللھم صل وسلم وبارک علیہ۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہ چند اشارات ہیں جو آپ کی ذات وصفات کے اظہار کے لئے شہادت دیتے ہیں کہ آپؐ کے یہ اسماء وصفات آپؐ کی ذات کے لئے سب سے بڑے "شاہد عدل" ہیں۔

بشاراتُ النّبیؐ

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ الآیہ۔

(آل عمران آیت ۸۱)

اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے (عالم ارواح میں) عہد لیا کہ میں تم کو جو کچھ کتاب اور حکمت عطا کروں پھر تمہارے پاس وہ پیغمبر آئے جو اِن کتابوں کی تصدیق کرتا ہو جو تمہارے پاس ہیں تم اُس پر ضرور ایمان لانا اور اُسکی ضرور مدد کرنا۔

(پھر) اللہ نے فرمایا کہ تم اس عہد کا اقرار کرتے ہو؟ اور اسکو میرا اہم عہد سمجھ کر قبول کرتے ہو؟ سب نے جواب دیا بیشک ہم نے اقرار کیا۔ اللہ نے فرمایا اب تم اس عہد پر گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ بنتا ہوں۔

قرآن حکیم کی زبان میں یہ آیت آیتِ میثاق کہلاتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جس عہد و پیمان کا ذکر ہے وہ عالم ازل (عالمِ آخرت کی ایک قسم) کا واقعہ ہے جہاں مبعوث ہونے والے تمام انبیاء و رسل کی ارواح کو جمع کیا گیا اور اُن سے یہ عہد لیا گیا کہ تم سب کے بعد ایک رسول آئیں گے جو تمہاری کتابوں اور شریعتوں کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔ تم اور تمہاری اُمتیں اُنپر ایمان لانا اور اگر اُن کا زمانہ پاؤ تو اُن کی بھرپور مدد بھی کرنا۔

اس عہد و پیمان کا سب نے اقرار کیا۔ اور دنیا میں جب کوئی نبی مبعوث ہوئے تو اُنھوں نے اپنی اپنی امتوں کو اس عہد کی یاد تازہ کروائی۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء و رسل کے کتابوں اور صحیفوں میں اس قسم کا ذکر بکثرت ملتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے تین قسم کا عہد لیا ہے۔

ایکؔ کا ذکر سورہ اعراف آیت ۱۷۲ میں اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے تحت کیا گیا ہے۔ اس عہد کا مقصد یہ تھا کہ تمام بنی نوع انسان اللہ کی ذات اور اسکی ربوبیت پر اعتقاد رکھیں۔

دوسرےؔ عہد کا ذکر وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ الخ (آل عمران آیت ۱۸۷) میں کیا گیا ہے۔ یہ عہد صرف اہل کتاب کے علماء سے لیا گیا تھا کہ وہ حق کو نہ چھپائیں بلکہ صاف صاف واضح طور پر لوگوں سے بیان کیا کریں۔

تیسراؔ عہد آیت میثاق ہے۔ جسکی تفسیر اوپر گزر چکی ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ آیت میثاق میں ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کیونکہ عالم دنیا میں کوئی بھی ایسا نبی نہیں گزرا۔ جس نے اپنی امت کو آپ پر ایمان لانے اور آپکی تائید و نصرت

کرنے کی وصیت نہ کی ہو۔ اور اگر آپ کی بعثت انبیاء کے زمانے میں ہوتی تو اُن سب کے نبی آپؐ ہی ہوتے اور وہ تمام انبیاء آپ کی امت میں شمار ہوتے۔ چنانچہ ایک حدیث صحیح میں خود آپؐ کا ارشاد منقول ہے:-

اگر آج موسیٰ (علیہ السلام) بھی زندہ ہوتے تو اُن کو بھی میری اتباع کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ آخری زمانے میں جب (عیسیٰ) (علیہ السلام) نازل ہوں گے تو وہ بھی قرآن حکیم اور تمہارے نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کے احکام پر عمل کریں گے (تفسیر ابن کثیرؒ)

یمن کے بادشاہ تُبّع کا گزر جب مدینہ منورہ پر ہوا تو اُس کے ہمراہ چار سو (۴۰۰) علماء تھے۔ سب علماء نے بادشاہ سے استدعا کی کہ ہم کو اس سرزمین پر رہ جانے کی اجازت دی جائے۔ بادشاہ نے اس کا سبب دریافت کیا۔ علماء تورات نے کہا کہ ہم نبیوں کے صحیفوں میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ آخر زمانے میں ایک نبی پیدا ہوں گے اُن کا نام محمدؐ ہوگا اور یہ سرزمین اُن کی دار الہجرت ہوگی۔

بادشاہ نے اُن سب کو قیام کی اجازت دیدی اور اپنی جانب سے ہر ایک کے لئے ایک ایک مکان تعمیر کروایا اور بہت سا مال و دولت بھی دیا اور ایک خاص مکان بھی تعمیر کروایا کہ جب نبی آخر الزماں یہاں ہجرت فرما کر آئیں گے تو وہ اس مکان میں قیام فرمائیں۔ اُس نے آپکے نام نامی ایک خط بھی لکھا تھا جسمیں اپنے اسلام لانے اور اشتیاقِ ملاقات کو ظاہر کیا ہے۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ احمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور اگر میری عمر نے وفا کی تو میں ضرور اُن کا مددگار ہونگا اور اُن کے دشمنوں سے جہاد کروں گا اور ان کے دل سے ہر غم کو دور کروں گا۔

یہ خط لکھ کر اُس نے اُس پر اپنی مُہر بھی لگائی اور ایک عالم کے سپرد کیا کہ اگر تم اُس نبی آخر الزماں کا زمانہ پاؤ تو میرا یہ عریضہ اُن کی

خدمت میں پیش کردینا ورنہ اپنی اولاد کو یہ خط سپرد کرکے وصیت کرنا جو میں تم سے کررہا ہوں۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ جن کے مکان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد قیام فرمایا تھا وہ اسی عالم کی اولاد میں سے ہیں اور یہ مکان بھی وہی تھا جسکو تُبّع شاہِ یمن نے اسی غرض کے تحت تعمیر کروایا تھا اور بقیہ انصارِ مدینہ انہی چارسو علماء کی اولاد ہیں۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے آپؐ کی تشریف آوری کے بعد وہ عریضہ تبّع کی جانب سے آپؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ (زرقانی ج ۱ صـ۲۵۶ زاد المعاد ج ۲ صفحہ ۵۵)

حضرت عروہ ابن زبیر بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منوّرہ کے یہودی علماء میں سب سے پہلے یاسر بن اخطب آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کا کلام سُن کر ایمان لے آئے اور اپنی قوم سے کہا کہ میرا کہا مانو یقیناً یہ وہی نبی ہیں جسکے ہم منتظر تھے وہ آگئے ہیں۔ لیکن ان کا بھائی حییّ بن اخطب جو قوم کا سردار تھا انکی مخالفت کیا اور قبول کرنے سے انکار کردیا۔

(فتح الباری ج ۷ صـ۲۱۳)

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے مدینہ منوّرہ کے یہودی بے چینی کے ساتھ اُس نبی کا انتظار کرتے تھے جن کے آمد کی پیشین گوئیاں وہ اپنی کتابوں میں درج پاتے تھے اور دُعائیں مانگا کرتے تھے کہ جلد وہ زمانہ آئے جسمیں وہ نبی موعود موجود ہوں تاکہ کفار و مشرکین کا خاتمہ ہو اور ہمارا دورِ عروج شروع ہو۔ مشرکین کے دباؤ اور ظلم کے وقت وہ یہ کہا کرتے تھے کہ اب جس جس کا جی چاہے ہم پر ظلم کرلے لیکن جب وہ نبی مبعوث ہوں گے تو پھر ہم اسکا بدلہ چکالیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل مدینہ کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات معلوم ہوئے تو اُنکی اکثریت بغیر کسی ترغیب و دباؤ کے آپ پر ایمان لے آئی۔ اور آپس میں یہ کہا کہ دیکھو کہیں یہودی ایمان لانے میں ہم سے بازی نہ لے جائیں۔

مگر یہ بدترین حادثہ تھا کہ وہی یہودی جو آنے والے نبی کے انتظار میں

گھڑیاں گن رہے تھے آپؐ کے آنے پر سب سے بڑے مخالف ہوگئے۔

قرآن حکیم انہی کے بارے میں یہ حقیقت ظاہر کرتا ہے۔

فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ الآیۃ (بقرہ آیت ۸۹)

جب وہ نبی اُن کے ہاں مبعوث ہوگئے تو انھوں نے انکار کر دیا۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ مشہور و معروف وہ واقعہ ہے جسکو ام المومنین حضرت صفیہ نے بیان فرمایا جو خود ایک بڑے یہودی عالم کی بیٹی تھیں فرماتی ہیں کہ :۔

"جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو میرے باپ اور چچا جو بڑے یہودی عالموں میں شمار ہوتے تھے آپ سے ملنے کیلئے گئے بڑی دیر تک آپ سے گفتگو کی۔ پھر جب گھر واپس آئے تو میں نے خود اپنے کانوں سے اِن دونوں کو یہ گفتگو کرتے سُنا۔

چچا کیا یہ وہی نبی منتظر ہیں جن کا تذکرہ ہم اپنی کتابوں میں پڑھتے ہیں؟

والد نے کہا خدا کی قسم یہ وہی معلوم ہوتے ہیں!

پھر چچا نے کہا کیا آپ کو اس کا یقین ہے؟

والد نے کہا اسمیں کوئی شک نہیں!

پھر چچا نے پوچھا تو آپ کا کیا ارادہ ہے؟

والد نے کہا جب تک جان میں جان ہے میں انکی مخالفت کروں گا اور ان کی بات چلنے نہ دوں گا۔ (سیرت ابن ہشام ج۲ ص۱۶۵)

حقیقت یہ ہے کہ مدینہ کے یہودیوں کا خیال اور زعم یہ تھا کہ نبوت ہمارے ہی خاندان میں رہے گی اور وہ نبی جسکی خبریں انبیاء بنی اسرائیل دیتے آئے ہیں ہمارے خاندان بنو اسحٰق سے ہوگا۔ مگر جب وہ بنی اسمٰعیل میں پیدا ہوئے جس کو یہ لوگ حقیر سمجھتے تھے تو انکار پر آمادہ ہوگئے۔

انجیل یوحنا میں صراحت کے ساتھ یہ مضمون موجود ہے کہ

مسیح علیہ السلام کی آمد کے زمانے میں بنی اسرائیل تین شخصیتوں کے منتظر تھے۔ ایک حضرت مسیح کے دوسرے ایلیاہ نبی (مع؛

حضرت الیاس کی آمد ثانی) کے تیسرے "وہ نبی"

(باب عل آیات ۱۹-۲۵) انجیل یوحنا۔

وہ نبی یا اُس نبی کا تذکرہ اس قدر کثرت سے تھا کہ نام یا لقب ظاہر کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی جاتی تھی تورات میں تو اُس نبی کا نام تک موجود تھا۔ لیکن یہودیوں نے اپنی کتابوں میں اور عیسائیوں نے اناجیل اربعہ میں دانستہ و نادانستہ اتنی کثرت سے ردوبدل، تحریف و تاویل کی کہ اصل حقیقت ہی گم ہو کر رہ گئی۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (ایڈیشن ۱۹۴۶ء) کے مضمون (بائبل) کا مصنف لکھتا ہے۔

"اناجیل میں ایسے نمایاں تغیرات دانستہ طور پر کئے گئے ہیں جیسے مثلاً بعض پوری پوری عبارتیں کسی دوسرے ماخذ سے لیکر کتاب میں شامل کر دی گئیں۔ یہ تغیرات ایسے لوگوں نے کئے جو اپنے آپ کو اس کا مجاز سمجھا کرتے تھے تاکہ اللہ کی اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ مفید اور مؤثر بنایا جائے۔ اس کے لئے اُنھوں نے کتاب کے مناسب جو بھی مواد مل گیا اُسکو کتاب میں شامل کر دیا۔ بہت سے اضافے دوسری صدی عیسوی میں ہو گئے اور کچھ نہیں معلوم کہ ان کا ماخذ کیا تھا۔"

اسکے باوجود انجیل یوحنا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بعد ایک آنے والے کی خبر دے رہے ہیں جسکے متعلق وہ کہتے ہیں کہ وہ دنیا کا سردار ہوگا ابد تک رہے گا، سچائی کی تمام راہیں دکھائیگا۔ اور خود اُن کی (یعنی حضرت عیسیٰ) کی تصدیق کرے گا۔

ساتویں صدی کے آغاز تک حبشہ کے بادشاہ نجاشی تک کو یہ معلوم تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک نبی کی پیشنگوئی کر گئے تھے اور ایسی صاف نشاندہی انجیل میں موجود تھی جسکی وجہ سے نجاشی کو یہ رائے قائم کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ نبی ہیں جسکی بشارت انجیل میں موجود ہے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ سے جن مسلمانوں نے حبشہ کی جانب پہلی ہجرت کی ہے وہاں کے بادشاہ نجاشی نے حضرت

مرحبا تم لوگوں کو اور اُس ہستی کو جسکے ہاں سے تم آئے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور وہ وہی ہیں جن کا ذکر ہم انجیل میں پڑھتے ہیں اور یہ وہی ہیں جنکی بشارت عیسیٰ بن مریم نے دی ہے۔

مَرْحَبًا بِكُمْ وَبِمَنْ جِئْتُمْ مِنْ عِنْدِهٖ، اَشْهَدُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَّهُ الَّذِیْ نَجِدُ فِی الْاِنْجِیْلِ وَاَنَّهُ الَّذِیْ بَشَّرَ بِهٖ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ۔ (مسند احمد)

اور قابل ذکر یہ بات بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور بشارات کا ذکر چاروں انجیلوں کے علاوہ ایک اور انجیل میں بھی ہے جسکو کلیسا نے غیر قانونی اور مشکوک الصحت قرار دیدیا ہے وہ انجیل برناباس ہے جسکو چھپانے کا خاص اہتمام کیا گیا اور جسکی تلاوت ممنوع قرار دیدی گئی اور یہ کتاب عرصہ دراز تک دنیا سے ناپید رہی۔ کیونکہ اسکا مرتب وہ واحد شخص تھا جو مسیح علیہ السلام کے بارہ[۱۲] حواریوں میں سے ایک ہے۔ وہ خود اپنے آپکو حواری لکھتا تھا اور یہ بھی کہتا تھا کہ میں شروع سے آخر وقت تک حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ رہا ہوں اور اس کتاب میں آنکھوں دیکھا حال اور کانوں سُنا اقوال نقل کر رہا ہوں۔ بلکہ کتاب کے آخر میں یہ بھی لکھتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت مجھ کو تاکیداً کہا تھا کہ میرے متعلق جو جو غلط فہمیاں لوگوں میں پھیل گئی ہیں انھیں تم دور کر دینا اور دنیا کے سامنے صحیح حالات پیش کر دینا۔

اس کتاب میں حضرت مسیح علیہ السلام کی بنیادی تعلیمات جو ہر نبی کی دعوت و تبلیغ میں موجود رہے ہیں پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہیں۔ توحید، عقیدۂ آخرت، حشر و نشر، کفر و شرک کی تردید۔ صفاتِ خداوندی کی تفصیل وغیرہ سب کچھ موجود ہیں۔ یہ کتاب صدیوں تک ناپید رہی۔ سولہویں صدی میں اسکے اطالوی ترجمہ کا صرف ایک نسخہ پوپ سکٹس کے کتب خانے میں پایا گیا لیکن کسی کو اسکے پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ اٹھارویں صدی کے آغاز میں ایک شخص جان ٹولینڈ کے ہاتھ یہ نسخہ لگا پھر مختلف جگہ گشت کرتا ہوا ۱۷۳۸ء میں ویانا کی امپیریل لائبریری میں پہنچ گیا اور ۱۹۰۷ء میں اس کا انگریزی میں ترجمہ آکسفورڈ کے کلیرنڈن پریس سے شائع ہوا۔ اس کا شائع ہونا ہی تھا کہ عیسائی دنیا کا سکر کلیسائی نظام

میں اضطراب و ہلچل پیدا ہوا اور یہ احساس شدت کے ساتھ پیدا ہوگیا کہ یہ کتاب عیسائیت ہی کی بنیاد ختم کردینے کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ اسمیں نبیوں کی بنیادی تعلیم توحید، عقیدۂ آخرت، صفات خداوندی، جنت دوزخ، حشر و نشر سب کچھ موجود ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہ سب کچھ موجود ہے جو ایک نبی کی شان کے مطابق ہوا کرتا ہے وہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ اور اُس کا فرستادہ رسول قرار دیتے ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ کی تعلیم دیتے ہیں۔ شرک و کفر کی تردید کرتے ہیں۔ عبادت کی روح اور اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور سبق آموز اور مؤثر طریقے پر مضامین بیان کرتے ہیں۔ ایک نبی کی زبان اور طرز بیان طبیعت و مزاج جو ہر ایک نبی کا حصۂ مشترک اور ورثہ ہے۔ وہ اس کتاب میں پایا جاتا ہے۔ بخلاف اناجیل اربعہ جسمیں بے سرو پا حکایات، بے ربط مضامین، حلال و حرام کی ساری قیود کا کالعدم ہونا، مسیح کی اُلوہیت اور ان کا ابن اللہ ہونا اور صلیب پر جان دیکر تمام اولادِ آدم کے گناہوں کا کفارہ ہوجانا وغیرہ وغیرہ جو ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ذاتی تعلیمات نہیں ہوسکتیں۔ یقیناً کسی کا تصنیف کردہ نقشہ ہے۔

الغرض انجیل برناباس جو عیسائیت کی حقیقت تھی اسکے نسخوں کو بڑے اہتمام سے غائب کردیا گیا اور کلیسا کے ذریعہ اسکو غیر مستند، ممنوع التلاوت اور جعلی قرار دیدیا گیا یہاں تک کہ اسکی دوبارہ اشاعت نہ ہوسکی۔

حقیقت یہ ہے کہ اسمیں جہاں حضرت مسیح علیہ السلام کا صحیح تعارف ہے وہاں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیشمار پیشین گوئیاں اور علامات موجود ہیں۔ جو موجودہ عیسائیت کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی ایسی تمام تعلیمات اور بشارات وغیرہ کی مکمل اور غیر مشکوک وضاحتیں علماء اسلام کی تصنیفات میں بکثرت موجود ہیں۔ خاص طور پر اس عنوان پر چار کتابیں مسلّم الثبوت اور بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

۱۔ میزان الحق۔ مؤلفہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی۔

۲۔ ہدایۃ الحیاریٰ۔ مؤلفہ امام ابن قیم رح۔

۳۔ الفارق۔ مؤلفہ باجی زادہ رح۔

۴۔ اظہار حق۔ مؤلفہ مولانا آلِ نبی امروہوی رح۔

انجیل برنا باس عیسائیت کی غیر مسلّم کتابوں میں اس لئے بھی شامل کر دی گئی کہ قدیم مسیحیت کے سرکاری عقیدے کے خلاف تھی۔ اس کا مرتب آغاز کتاب ہی میں لکھتا ہے کہ

میں اس کتاب کے ذریعہ اُن لوگوں کے خیالات کی اصلاح کرنا چاہتا ہوں جو شیطان کے دھوکہ میں آکر یسُوع (عیسیٰ) کو ابن اللہ قرار دیتے ہیں اور حرام کھانوں کو حلال کر دیتے ہیں۔ انہی دھوکہ کھانے والوں میں پولوس بھی ہے جسکی کتاب انجیل اناجیل اربعہ میں مستند سمجھی جاتی ہے۔

برنا باس لکھتا ہے کہ بائیبل میں جو چار انجیلیں قانونی اور معتبر قرار دی گئیں اُن میں سے کسی کا بھی لکھنے والا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحابی نہ تھا اور خود انھوں نے کبھی ایسا دعویٰ بھی نہیں کیا اُس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابیوں (حواریوں) سے حاصل کردہ معلومات اپنی انجیل میں درج کی ہے۔ بخلاف انجیل برنا باس جس کا مصنف دعویٰ کرتا ہے کہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے اولین بارہ۱۲ حواریوں میں سے ایک ہوں۔ شروع سے آخر تک حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ رہا ہوں اور آنکھوں دیکھا حال اور کانوں سنا اقوال اسمیں درج کر رہا ہوں۔ اور اپنی کتاب کے آخر میں یہ بھی تصریح کرتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے دُنیا سے رخصت ہوتے وقت مجھ کو وصیت فرمائی کہ میرے متعلق جو جو غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں اُن کو تم دور کرنا اور صحیح حالات سے لوگوں کو آگاہ کرنا تمہارا اولین فرض ہے۔

وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں موجود تھے اُس زمانے میں اُن کے معجزات اور عجیب وغریب واقعات کو دیکھ کر سب سے پہلے مشرک رومیوں نے اُن کو خدا اور بعض نے خدا کا بیٹا کہنا شروع کیا۔ پھر یہ گمراہ عقیدہ بنی اسرائیل کے عوام میں بھی پھیل گیا۔ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سخت پریشان ہوئے اور اُنھوں نے بار بار اس غلط عقیدے کی شدت کے ساتھ تردید کی اور لوگوں کو بتایا کہ وہ خدا یا خدا کے بیٹے نہیں ہیں۔ اللہ تعالےٰ ایسی تمام باتوں سے

پاک ہے۔ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں جیسا کہ اِن سے پہلے بھی انسان رسول ہوئے ہیں۔ برناباس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی بعض وہ تقریریں بھی نقل کی ہیں جو حضرت موصوف نے اِس عقیدے کے خلاف قوم کے سامنے کی تھیں۔

ان تقریروں میں حضرت مسیح علیہ السلام نے بڑی سختی کے ساتھ اس مشرکانہ عقیدے کی تردید کی ہے۔ مسیحی کتابوں میں جہاں کہیں بھی اس انجیل برناباس کا ذکر آتا ہے اسے یہ کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے کہ یہ جعلی انجیل ہے جسے کسی مسلمان نے تصنیف کر کے برناباس کی جانب منسوب کر دیا ہے۔ لیکن یہ ایک بڑا جھوٹ اور بہانہ ہے جو راہِ فرار کیلئے اختیار کیا گیا۔

اسکی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے تقریباً (۷۵) سال پہلے پوپ کلاسیس اوّل کے زمانے میں بدعقیدہ اور گمراہ کن کتابوں کی جو فہرست مرتب کی گئی اور ایک پاپائی فتوے کے ذریعہ سے جن کتابوں کا پڑھنا ممنوع کر دیا گیا تھا اُن میں انجیل برناباس بھی شامل تھی۔ سوال یہ ہے کہ اُس وقت کونسا مسلمان تھا جس نے یہ انجیل تصنیف کی؟

اسکے علاوہ خود عیسائی علماء نے تسلیم کیا ہے کہ ملک شام، اسپین، مصر وغیرہ ممالک کے ابتدار دورِ مسیحیت میں ایک مدت تک برناباس کی انجیل رائج رہی ہے اور اسکو چھٹی صدی عیسوی میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک بڑا جھوٹ اس لئے بول دیا گیا کہ اس میں جا بجا نبی آخرالزماں کے متعلق کثرت سے پیشین گوئیاں اور علامات موجود ہیں جنکو حضرت مسیح علیہ السلام نے بیان کیا تھا۔ اور اس میں چاروں انجیلوں کی بہ نسبت حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات اور واقعات زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں اور اس طرح بیان کیے گئے ہیں جیسے کوئی شخص فی الواقع وہاں موجود ہے۔ دیکھ اور سُن رہا ہے۔

اسمیں توحید کی تعلیم، شرک کی تردید، صفاتِ باری کی وضاحت، عبادات کی روح، اخلاق کا بیان بڑے ہی موزوں اور مؤثر انداز میں ملتا ہے۔ بخلاف اناجیل اربعہ جن کی بے ربط باتیں، متضاد حکایتیں عجب اور خود پسندانہ کلام، واضح طور پر ثبوت پیش کرتا ہے کہ ایسا طرز کلام کسی نبی و رسول کا نہیں ہوسکتا۔ الغرض انجیل برنا باس ہی اصل کتاب کے مشابہ تھی جسکو کلیسا نے غیر معتبر اور ممنوع تلاوت قرار دیا۔ اس کتاب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشین گوئیاں اور کثرت سے علامات موجود ہیں اور آپ کی ذات و صفات کی وضاحتیں اور آپکی اُنہی تعلیمات کا خلاصہ موجود ہے جسکو قرآن حکیم نے بھی بیان کیا ہے۔ ان تمام باتوں کی تفصیل متذکرہ بالا کتابوں میں جمع کر دی گئیں ہیں جنکے اُردو تراجم بھی ہو چکے ہیں۔

قرآن حکیم نے اِن حقائق کو اس طرح بیان کیا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی تعارف ہے۔

قرآنی مضمون

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ الآیہ

(اعراف آیت ۱۵۷، ۱۵۸)

وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اُس رسول کی جو نبی امّی ہے (امّی یا تو اُمّ (بمعنی والدہ) کی طرف منسوب ہے جسطرح بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور کسی کا شاگرد نہیں ہوتا۔ یا اُمّ القریٰ والا یعنی مکّی بھی اور امّتِ عرب والا بھی) جسے وہ اپنے ہاں لکھا ہوا پاتے ہیں تورات اور انجیل میں۔ (یعنی جسکی صفات و علامات کو وہ بالکل واضح اور غیر مشتبہ طور پر اپنی کتابوں تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اتنی تحریف و تبدیل کے بعد بھی یہ حوالے مروّجہ تورات و انجیل میں اب تک بالکل نہ گم ہو سکے ہیں) انھیں وہ نیک کرداری کا حکم دیتا ہے اور انھیں بدکرداری سے روکتا ہے اور اُن کے لئے پاکیزہ چیزیں

جائز بتاتا ہے اور اُن پر گندی چیزیں حرام رکھتا ہے اور اُن پر سے بوجھ اور قیدیں جو اُن پر (اب تک) تھیں اُتار دیتا ہے (اسکی شریعت تمام رسم و رواج اور سابقہ شریعتوں کی ناسخ اور اُن پر حاکم ہے) سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے اور اُن کا ساتھ دیا اور اُن کی مدد کی اور اُس نُور کی پیروی کی جو اُن کے ساتھ اُتارا گیا ہے (قرآن) سو یہی لوگ تو ہیں پوری فلاح پانے والے (دنیا اور آخرت دونوں میں)

آپ کہہ دیجئے کہ اے انسانو! بیشک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف اُسی اللہ کا جسکی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں (جس طرح اللہ کی اُلوہیت اور حکومت عام ہے اسی طرح اُسکے رسول کی بھی دعوت ہمہ گیر و ہمہ مُلکی ہے) سوائے اُس کے کوئی معبود نہیں وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ سو ایمان لاؤ اللہ اور اسکے امی رسول و نبی پر جو خود بھی ایمان رکھتا ہے اللہ اور اُس کے کلاموں پر اور اُس کی پیروی کرتے رہو تاکہ تم راہ پاؤ (یعنی راہ یابی، فلاح یابی، کامرانی جو کچھ بھی ہے اِس رسول امی کی پیروی و اتباع میں ہے۔

مثال کے طور پر ایک شاعر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ایک بہترین قصیدہ لکھ کر لاتا ہے جسمیں دُنیا بھر کے کمالات اور محاسن آپؐ کی ذات میں جمع کر دیتا ہے لیکن شاعر کا دل آپؐ کی رسالت کے اعتراف اور آپ کے اتباع سے یکسر خالی ہے تو وہ شاعر ہرگز اہل ایمان میں شامل نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی حُبِ رسولؐ میں سرشار ہوکر آپؐ کو سب کچھ سمجھ رہا ہے لیکن اتباع سے دُور ہے تو وہ بھی فلاح یابی و کامرانی سے دُور رہے گا۔

وہ کچی آگ ہے جسمیں دُھواں ہو   وہ جھوٹا عشق ہو جسمیں فُغاں ہو

وَلَمَّا جَاۤءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ الآیۃ

(بقرہ آیت ۸۹)

اور جب اُن کے پاس ایک کتاب اللہ کے پاس سے پہنچ گئی تصدیق کرنے والی اُسکی جو اُن کے پاس پہلے سے موجود ہے (باوجودیکہ

وہ تورات کی پیشینگوئیوں کی بنا پر اس ظہور کے منتظر تھے) اور کافروں کے مقابلہ میں ان کا نام لیکر فتح و نصرت کی دُعائیں مانگتے تھے لیکن جب وہی جانی بوجھی ہوئی بات سامنے آگئی تو صاف انکار کر گئے اور مخالفت پر کمر باندھ لی۔ پس ان لوگوں کے لئے جو دیدہ دانستہ کفر کی راہ اختیار کریں اللہ کی لعنت ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ الآیۃ (بقرہ آیت ۱۴۶)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے (مراد یہود و نصاریٰ) وہ آپؐ کو پہچانتے ہیں اس طرح جیسے کہ اپنی نسل کو پہچانتے ہیں۔ اور بیشک اُن میں سے کچھ لوگ حق کو چھپاتے ہیں۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ الآیۃ (الفتح آیت ۲۹)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ (صحابہ) اُن کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم خو ہیں (اے مخاطب) تو اِن کو دیکھے گا (اللہ کے سامنے) جُھکنے والے سجدہ کرنے والے اور اس طریقہ سے اللہ کے فضل اور اُسکی رضا کے خواہشمند ہیں۔ اُنکی نشانی یہ ہے کہ اُن کے چہروں (پیشانیوں) پر سجدے کے نشانات ہیں۔ تورات اور انجیل میں ان کا ذکر اسی طرح ہے۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۔ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۔ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۔ الآیۃ (الشعراء آیت ۱۹۲ تا ۱۹۷)

اور یقیناً یہ قرآن جہانوں کے پروردگار کا اُتارا ہوا ہے اسکو روح الامین (جبرئیل) نے اللہ کی جانب سے تیرے قلب پر نازل کیا تاکہ تو اللہ کے نافرمانوں کو ڈرانے والوں میں شامل ہو۔ یہ صاف ستھری عربی زبان میں ہے اور اس کا ذکر گزشتہ پیغمبروں کی کتابوں میں موجود ہے۔ کیا ان اہل مکہ کے لئے یہ نشانی نہیں ہے کہ اس نبیؐ کو

بنی اسرائیل کے علماء جانتے ہیں۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان ہی بشارات کے بارے میں اس جانب اشارہ فرمایا تھا۔

اَنَا دَعْوَۃُ اَبِیْ اِبْرَاھِیْمَ وَبُشْرٰی عِیْسٰی (الحدیث)

میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔

یعنی دعائے خلیل و نوید مسیحا،

قرآن حکیم نے دعائے ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ الآیۃ (بقرہ آیت ۱۲۹)

اے ہمارے پروردگار ان اہل عرب ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو اُن کو تیری آیات پڑھکر سنائے اور اُن کو کتاب (قرآن) اور حکمت سکھائے اور اُن کو ہر قسم کی برائیوں سے پاک کرے۔ بے شبہ تو غالب اور حکمت والا ہے۔

اور بشارتِ مسیح علیہ السلام کا ذکر اس طرح ہے :-

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللہِ اِلَیْکُمْ الآیۃ (الصف آیت ۶)

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب عیسیٰ بن مریم نے اپنی قوم بنی اسرائیل سے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری جانب اللہ کا رسول ہوں تصدیق کرنے والا ہوں تورات کی جو میرے سامنے موجود ہے اور بشارات دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا اُس کا نام احمد ہو گا۔ پس جب اُن کے پاس وہ اللہ کا پیغمبر آیات لیکر آیا تو کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے۔

صبح سعادت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر تقریباً چھ صدیاں گزر چکی تھیں دُنیا نے ایک لاکھ سے زائد انبیاء و رسل کی تعلیمات کو بھلا دیا تھا۔ کائناتِ انسانی حق پرستی کے بجائے مظاہر پرستی میں مبتلا ہو چکی تھی۔ ہر ہر ملک میں

نوعِ انسانی سے لے کر نوعِ جمادات تک کی پرستش مذہب اور ملت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ کوئی انسان کو خدا کہہ رہا تھا تو دوسرا کسی کو خدا کا بیٹا قرار دے رہا تھا۔ سورج کی پوجا، چاند ستاروں کی پرستش، حیوانوں درختوں، پتھروں کی عبادت، آگ، پانی، ہوا، مٹی کے سامنے سجدہ ریزی، غرض کائنات کی ہر شئی پرستش اور پوجا کے لائق تھی۔ اگر نہیں ہے تو صرف ذاتِ واحد قابلِ پرستش نہیں ہے۔ نہ احدیت کا تصور نہ صمدیت کا عقیدہ۔ اگر کسی نے کسی بھی شکل میں اللہ کا نام لیا ہے تو واسطہ اور وسیلہ کا سہارا لیکر۔ یہی وہ تاریک دور تھا جس کو "زمانۂ جاہلیت" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

کفر و شرک کے اس اندھیرے میں نورِ ہدایت نمودار ہوا۔ یہ سال "عام الفیل" کہلاتا ہے۔ مہینہ ربیع الاوّل کا دن دوشنبہ (پیر) وقت صبح کا، تاریخ میں مؤرخین نے ۸، ۹، ۱۲ ربیع الاوّل بیان کیا ہے۔ تحقیقی روایات ۹ ربیع الاوّل کی زیادہ مضبوط ہیں۔ سنِ عیسوی کے لحاظ سے ۲۰ اپریل ۵۷۱ء خواجہ ابوطالب کے مکان میں ولادت باسعادت ہوئی۔

(سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۷۲)

طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۶۴ کی ایک روایت حضرت عباس رضؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختون اور ناف بُریدہ پیدا ہوئے۔ خواجہ عبد المطلب کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا اور انھوں نے کہا کہ شاید میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہوگی۔

خود حضرت آمنہ کی روایت ہے کہ جب میرا یہ بچہ پیدا ہوا تو بدن نہایت صاف ستھرا پاک تھا جسم پر کسی قسم کی آلائش و گندگی نہ تھی۔

(زرقانی ج ۱ ص ۱۲۴)

خواجہ عبد المطلب نے ساتویں دن آپ کا عقیقہ کیا اور محمدؐ آپ کا نام تجویز کیا۔ خاندان کے لوگوں نے عبد المطلب سے پوچھا اے ابو الحارث آپ نے ایسا نام کیوں تجویز کیا جو آپ کے آبار و اجداد اور آپ کی قوم میں کسی نے آج تک نہیں رکھا؟

عبد المطلب نے جواب دیا میں نے یہ نام اس لئے رکھا کہ آسمانوں اور زمین میں انکی تعریف ہو۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۴)

سلسلۂ نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عربی النسل ہیں۔ عرب کے معزز قبیلہ قریش کی سب سے مقتدر اور صاحب عزت شاخ بنو ہاشم سے ہیں۔ عرب کے علمُ الانساب کے مشہور عالم و محدث علامہ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں کہ

علم انساب کے تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عدنان کی نسل سے ہیں۔ اور عدنان حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

آپؐ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے :۔

محمدؐ بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قُصی بن کلاب بن مُرّہ بن کعب بن لُوَیّ بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مُدرکہ بن الیاس بن مُضر بن نزار بن معد بن عدنان بن اُدد بن المقوم بن تارح بن یشجب بن یعرب بن ثابت بن اسمٰعیل بن ابراہیم علیہما السلام (فتح الباری ج ۷، ص ۱۲۵)

سلسلۂ نسب میں عدنان تک تمام مؤرخین متفق ہیں۔ عدنان سے اوپر حضرت اسمٰعیلؑ تک کتنے نام ہیں اسمیں بعض مؤرخین تیس ۳۰ نام لکھتے ہیں اور بعض چالیس ۴۰ نام۔ (واللہ اعلم)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا نسب بیان فرماتے تو عدنان تک ہی بیان فرماتے اور آگے یہ کہکر توقف فرماتے کَذَبَ النَّسَّابُوْنَ نسب والوں نے غلط کہا ہے۔ یعنی علم انساب کے جاننے والوں کا یہ دعویٰ کہ ہم کو تمام انساب کا علم ہے بالکل غلط بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حقیقی علم نہیں۔

(طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۸)

آپ کی والدہ محترمہ سیدہ آمنہ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے :۔

آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زُہرہ بن کلاب بن مُرّہ۔

(طبقات ابن سعد ج ۱، ص ۳۱)

اسطرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پدری اور مادری سلسلۂ نسب کلاب پر جمع ہوجاتا ہے۔

قرآنی مضمون

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ الآیہ (جمعہ آیت ۲ تا ۴)

اللہ وہی ہے جس نے اُمّیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے مبعوث کیا جو انھیں اللہ کی آیات پڑھکر سناتا ہے اور اُن کو بُرے اخلاق سے پاک کرتا ہے اور اُنھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ اُس رسول سے پہلے وہ لوگ کُھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے

اور اس رسول کی بعثت اُن کے لئے بھی ہے جو ابھی اُن لوگوں سے نہیں ملے ہیں (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت صرف اہل عرب ہی کیلئے نہیں ہے بلکہ دنیا جہان کے اُن انسانوں کیلئے بھی ہے جو ابھی آکر حلقہ بگوشِ اسلام نہیں ہوئے ہیں اور قیامت تک آنے والے ہیں) اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ (توبہ آیت ۱۲۸)

اے لوگو تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو بلحاظ نسب تم ہی میں سے ہیں جنکو تمہارے نقصان کی بات نہایت گراں گزرتی ہے (چاہتے ہیں کہ تم کو کوئی ضرر نہ پہونچے) جو تمہارے نفع کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں (خاص طور پر) ایمانداروں کے ساتھ تو بڑے ہی شفیق و مہربان ہیں۔ (ایسے رسول کو تسلیم نہ کرنا سخت محرومی کی بات ہے)

بعض مفسرین نے (اَنْفُسِكُمْ) میں (ف) پر زبر پڑھا ہے جسکے معنی نہایت شریف و اعلیٰ کے ہیں۔ اس قرأت پر آیت کا ترجمہ یہ ہوگا۔

بیشک تمہارے پاس ایک ایسا رسول آچکا ہے جو تم میں سب سے اعلیٰ اور اشرف خاندان کا ہے۔

اس مضمون کی تائید قیصرِ روم کی اُس تحقیق سے بھی ہوتی ہے جبکہ اُس نے ابوسفیان سے

(جو ابھی تک کافر تھے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب دریافت کیا تھا:-

كَيْفَ نَسَبُهُ فِيكُمْ ؟

اُن کا نسب کیا ہے ؟

ابو سفیان نے جواب دیا:-

هُوَ فِينَا ذُو نَسَبٍ !

وہ ہم میں بڑے خاندان والا ہے!

یہ جواب سنکر قیصر روم نے کہا:-

وَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِي أَحْسَابِ قَوْمِهَا۔

پیغمبر ہمیشہ شریف ہی خاندان سے ہوتے ہیں۔

(بخاری شریف ج۱)

وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا الآیہ (شوریٰ آیت ۷)

اور اسی طرح ہم نے آپ پر قرآن کو بہ زبان عربی اُتارا تاکہ آپ مکّہ والوں کو اور اسکے اطراف رہنے والوں کو آگاہ کر دیں۔ اور تاکہ آپ یکجا ہونے والے دن سے خبردار کریں جسکے آنے میں کوئی شک نہیں (یعنی قیامت) ایک گروہ جنت میں جائیگا اور دوسرا گروہ جہنم میں۔

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ۔ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ۔ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ۔ (الضحیٰ۔ آیت ۶ تا ۸)

اے پیغمبر کیا تم کو اللہ نے یتیم نہیں پایا؟ پھر اپنی آغوش رحمت میں جگہ دی۔ اور کیا تم کو حیران و ناواقف نہیں پایا؟ پھر کلماتِ انسانی کی ہدایت کے لئے رہنمائی کی۔ اور کیا تم کو ضرورت مند اور محتاج نہیں پایا؟ پھر ہر قسم کی سروری دیکر غنی بنا دیا۔

وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ

مُسْتَقِيْمٍ۔ (شوریٰ آیت ۵۲، ۵۳)

اور اسی طرح اے نبیؐ ہم نے اپنے حکم سے ایک رُوح آپکی طرف وحی کی ہے۔ آپ کو کچھ پتہ نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے؟ مگر اس رُوح کو ہم نے ایک نور بنا دیا جس کے ذریعہ ہم راہ دکھاتے ہیں۔ اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتے ہیں اور یقیناً آپ سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کر رہے ہو اُس اللہ کے راستے کی طرف جو زمین و آسمانوں کی ہر چیز کا مالک ہے۔ (اے لوگو) آگاہ ہو جاؤ سارے معاملات اللہ ہی کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ۔ الَّذِىْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ (سورہ الم نشرح آیت ۱ تا ۴)

کیا ہم نے قبولِ حق اور صداقت کے لئے آپؐ کا سینہ نہیں کھول دیا۔ اور معرفتِ الٰہی کی حقیقی طلب اور کائنات انسانی کی بے راہ روی پر اُن کی ہدایت کی تڑپ کا بوجھ ہم نے کیا آپؐ سے دور نہیں کر دیا۔ جس نے آپؐ کی کمر توڑ رکھی تھی اور ہم نے آپؐ کے ذکرِ خیر کو کائنات میں کیا بلند نہیں کر دیا؟

نبوت سے پہلے

عمر مبارک ابھی صرف چھ سال کی تھی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ آپؐ کو آپکے ننھیال (مدینہ) لیکر گئیں تھیں واپسی میں مقام ابواء پر بیمار ہوگئیں اور چند روز علیل رہ کر وہیں وفات پائی۔ والد ماجد عبد اللہ کا انتقال تو اُسی وقت ہو چکا تھا جبکہ آپ بطنِ مادر ہی میں تھے۔

عمر کے آٹھویں سال دادا عبد المطلب نے بھی دُنیا سے منھ موڑ لیا۔ اس طرح عہد طفلی ہی میں وہ سب سر پرستیاں ختم ہوگئیں جو دنیا میں ایک معصوم بچے کو میسر آتی ہیں بچپن کا یہ دور شفیق چچا ابو طالب کے حصے میں آیا۔ چچا نے اپنے اِس دُرِ یتیم کو وہ سب کچھ پیار و محبت دیا جو حقیقی ماں باپ دیا کرتے ہیں۔ ایسے طور پر کہ آپ کو بے سر پرستی کا احساس تک نہیں ہونے دیا۔

الغرض جب ولادت باسعادت ہوئی تو اس سے قبل ہی آپ کو یتیمی کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔ چنانچہ قرآن حکیم نے آپؐ کی یتیمی اور دنیاوی وسائل سے دُوری کے باوجود آغوشِ رحمت کا تذکرہ نہایت معجزانہ انداز میں بیان کیا ہے:۔

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَى۔

اے پیغمبر کیا آپ کو اللہ نے یتیم نہیں پایا پھر اپنی آغوشِ رحمت میں جگہ دی۔

اس طرح اللہ تعالےٰ نے اس ذات اقدس کو ہر قسم کے مادی اسباب و وسائل سے بے نیاز رکھ کر اپنی آغوش رحمت میں لے لیا اور آپؐ کے نشو وارتقاء کو خالص اپنی تربیت میں کامل ومکمل کیا۔ عہد طفولیت سے ازدواجی زندگی کے ابتدائی مراحل تک کے حالات وواقعات تفصیل کے ساتھ کتب سیرت وحدیث میں موجود ہیں۔ انبیاء ورسل کی قدیم سنت کے مطابق آپؐ نے اپنی روزی کا بار کسی پر نہیں ڈالا۔ دنیاوی مشاغل میں آپ نے بکریاں بھی چرائیں اور تجارت بھی کی۔ ملک شام کے تجارتی شہر بُصریٰ میں بھی اسی غرض سے تشریف لے گئے اور پچیس ۲۵ سال کی عمر میں یہی سفر حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے عقد نکاح کا باعث ہوا۔ آپ حضرت خدیجہ کا مالِ تجارت بصریٰ کی منڈی میں لے گئے۔ حضرت خدیجہ کا غلام میسرہ بھی رفیقِ سفر تھا اس نے دورانِ سفر آپکی صداقت وامانت، ایک یہودی راہب کی بشارات اور چند در چند منافع تجارت کا جو تجربہ اور مشاہدہ کیا وہ سب حضرت خدیجہ سے کہہ سنایا۔ چنانچہ یہی تأثر ازدواجی زندگی کا باعث بنا۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے ازدواجی رشتہ کے بعد آپکی زندگی میں ایک اور انقلاب آیا آپ کو خلوت گزینی کی رغبت ہوئی خانہ کعبہ سے کچھ فاصلہ پر غارِ حرا میں شب وروز کے اکثر اوقات یادِ الٰہی میں بسر ہونے لگے۔ بت پرستی جو قوم کا مذہب اور مزاج تھا۔ آپ کو شروع ہی سے نفرت اور دوری رہی ہے۔ اس لئے کبھی بھی کسی صنم کے آگے سر نہیں جھکایا اور نہ کسی ایسی مجلس میں شرکت کی جو صنم پرستی کے میلے کہلاتے تھے۔ غارِ حرا کے اِس خلوت کدہ میں آپ کی فطرتِ سلیمہ جس طرح رہنمائی کرتی۔ اللہ واحد کی عبادت اور اسکی یاد میں رہا کرتے۔ مگر قلب میں ایک خلش ایسی تھی جو اس حالت میں بھی بے چین کیئے رہتی تھی۔ اکثر یہ سوچ سوچ کر بیقرار ہو جاتے کہ میری قوم خصوصاً اور دنیائے انسانی عموماً

کس طرح اللہ واحد کو چھوڑ کر صنم پرستی اور مظاہر پرستی میں مبتلا ہے؟ آخر وہ کونسا نسخہ ہے جو اس حالت میں انقلاب پیدا کردے اور اللہ پرستی اور نیک عملی عام ہوجائے۔ یہی وہ جذبات تھے جو قلب مضطرب میں موجزن تھے اور خلوت کدہ حِرا میں انہی کیفیات کے ساتھ مشغول عبادت رہتے تھے اور جب کئی کئی دن اسطرح گزر جاتے تو کبھی حضرت خدیجۃ الکبریٰ حاضر ہوکر آپ کو گھر لے آتیں اور کبھی خود آپ بنفس نفیس گھر آکر سامانِ خورد نوش لے آتے اور پھر حرا میں مشغولِ عبادت ہوجاتے۔ مشہور محدث و مؤرخ حافظ ابن کثیرؒ نے اس حالت کو ان مختصر الفاظ میں حسن وخوبی کے ساتھ ادا کیا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دورِ شباب میں خلوت پسند ہوگئے تھے اور قوم سے الگ تنہائی میں وقت صرف کرتے تھے۔ کیونکہ آپ قوم کی کھلی گمراہی کو دیکھ کر کہ وہ بُت پرستی میں مبتلا اور بتوں کے سامنے سجدہ گزار ہے کڑھتے اور بیقرار رہتے اور جوں جوں آپ پر وحی الٰہی کے نزول کا زمانہ قریب ہوتا جاتا تھا اسی قدر آپ کی خلوت پسندی میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔

صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ۔

بہرحال یہی وہ خلوت کدہ عبادت تھا جہاں آپؐ پر سب سے پہلے وحی الٰہی کا نزول ہوا اور بالترتیب سورہ اقراء اور سورۂ مدثر کی چند آیات نے آپ کو بشیر و نذیر کے منصب پر فائز کیا۔

یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ آپ بچپن اور جوانی کی زندگی میں جبکہ ابھی منصب نبوت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے۔ مراسم شرک سے ہمیشہ دور رہے۔ ایک دفعہ قریش نے آپ کے سامنے کھانا لاکر رکھا۔ یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے کا تھا آپ نے کھانے سے انکار کیا۔

نبوت سے پہلے جو لوگ آپ کے احباب خاص تھے وہ سب نہایت پاکیزہ اخلاق، بلند کردار لوگ تھے اِن میں سرِ فہرست حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے جو ابتداء سے آخر وقت تک شریک صحبت رہے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے چچیرے بھائی حکیم بن حزام قریش کے معزز رئیس تھے۔ ضماد بن ثعلبہ جو قبیلۂ ازد کے تھے زمانۂ جاہلیت میں طبابت و جراحی کا پیشہ کرتے تھے۔ نبوت کے زمانے میں یہ مکہ آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ راستہ

میں جارہے ہیں اور پیچھے لونڈوں کا غول آپؐ پر آوازیں کس رہا ہے اور لوگ آپ کو مجنون کہہ رہے ہیں۔ ضماد نے یہی قیاس کیا اور آپؐ سے کہا محمدؐ میں جنوں کا علاج کر سکتا ہوں اس پر آپؐ نے حمد و ثنا کے بعد چند آیات کی تلاوت کی۔ ضماد مسلمان ہو گئے۔

زمانہ جاہلیت میں قریش نے یہ دستور بنا لیا تھا کہ ایام حج میں انہیں عرفات جانا ضروری نہیں ہے اور یہ کہ جو لوگ باہر سے حج کرنے آئیں وہ قریش کا لباس اختیار کریں ورنہ اُنھیں برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کرنا ہوگا۔ چنانچہ اسی بنا پر "طواف عریاں" کا عام رواج ہو گیا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں میں کبھی بھی اپنے خاندان کا ساتھ نہ دیا۔

عرب میں افسانہ گوئی کا عام رواج تھا۔ رات کو تمام لوگ جمع ہوتے ایک شخص جس کو اس فن میں کمال ہوتا تھا داستان شروع کرتا لوگ رات رات بھر بڑے ذوق و شوق سے سنتے۔ بچپن میں ایک دفعہ کسی ایسے ہی جلسہ میں شریک ہونا چاہا تھا لیکن راہ میں کوئی شادی کا جلسہ تھا دیکھنے کے لئے کھڑے ہو گئے وہیں نیند آگئی اُٹھے تو صبح ہو چکی تھی۔

یہ سب واقعات آپؐ کی فطرت سلیم اور نیک نہادی کا تقاضہ تھے۔

جامع ترمذی میں یہ حدیث موجود ہے کہ نبوت سے پہلے سفر شام میں (بمقام بُصریٰ) جس درخت کے نیچے آپؐ بیٹھے تھے اُسکی تمام شاخیں آپؐ پر جُھک آئی تھیں جس سے بُحیرا راہب نے آپؐ کے نبی ہونے کا یقین کر لیا تھا۔

صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اُس پتھر کو پہچانتا ہوں جو نبوّت سے پہلے مجھ کو سلام کرتا تھا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ علٰى سيدنا ومولانا محمّد وآله وصحبه وبارك وسلم۔

بعثت اور نبوّت

آپؐ کس طرح نبی بنائے گئے اور اُسکی کیا صورت پیش آئی؟ اور آپ کو اپنی نبوت کا کیونکر یقین ہوا؟ اسکی تفصیل محدثین کرام نے مستند طور پر بیان کی ہیں ان میں سب سے زیادہ تفصیل اور قابل اعتماد روایت وہ ہے جسکو امام زُہریؒ (جو محدثین اولین میں سرفہرست ہیں) حضرت عُروہ بن زبیرؓ سے اور وہ

اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہ رض سے نقل کرتے ہیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رض اگرچہ اُس وقت تک پیدا نہیں ہوئیں تھیں تاہم وہ کسی صحابی ہی سے نقل کرتی ہیں کیونکہ صحابی جب بھی کوئی بات نقل کرے گا وہ یقیناً نبی سے یا کسی صحابی ہی کے ذریعہ ہوگا اس لئے بعثت و نبوت کا واقعہ حدیثِ مرفوع ہی کی تعریف میں آتا ہے جو حدیث کی ایک قوی قسم ہے۔ الغرض سیدہ عائشہ صدیقہ رض فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے شروع ہوئی آپ بکثرت خواب دیکھتے اور دوسرے دن اُسی طرح پیش آتا جو آپؐ نے خواب میں دیکھا تھا۔ آپؐ کے خواب ایسے ہوتے گویا دن کی روشنی میں دیکھ رہے ہیں۔ پھر آپؐ پر تنہائی اور تجرّد کی کیفیت غالب آگئی۔ اکثر اوقات آبادی سے دُور جنگل میں خاص طور پر غارِ حرا میں جو خانہ کعبہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا اپنا وقت صرف فرماتے۔ وہاں یادِ الٰہی میں مشغول رہتے۔ اس یادِ الٰہی کا کوئی خاص طریقہ نہ تھا آپکی فطرتِ سلیمہ جس طرح تقاضہ کرتی ویسے اللہ تعالیٰ کو یاد فرمایا کرتے تھے۔ کیونکہ ابھی تک عبادات کے طور وطریقے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو نہیں بتائے گئے تھے۔ آپؐ کھانے پینے کا سامان گھر سے لے جاتے اور غارِ حرا میں چند روز گزارتے پھر سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کے پاس واپس تشریف لاتے وہ آپؐ کے لئے مزید خورد و نوش کا انتظام فرمادیتیں۔

اس طرح ایک طویل مدّت تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ایک روز جبکہ آپؐ غارِ حرا میں موجود تھے اچانک آپؐ کے پاس ایک فرشتہ انسانی شکل میں سامنے آیا اور کہنے لگا پڑھو! اس کے بعد سیدہ عائشہ صدیقہ رض خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کرتی ہیں میں نے کہا

> "میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔" اس پر فرشتے نے مجھکو اس زور سے بھینچا کہ میری قوتِ برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اُس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھو! میں نے کہا میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اُس نے پھر دوبارہ مجھے بھینچا اور میری قوتِ برداشت جواب دینے لگی۔ اُس نے پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھو! میں نے پھر بھی یہی کہا میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اُس نے تیسری مرتبہ مجھے بھینچا یہاں تک کہ میری قوتِ برداشت جواب دینے لگی پھر اُس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا :-

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ (العلق آیت ۱ تا ۵)

پھر آپ پڑھنے لگے یہاں تک کہ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ تک ختم فرمایا۔ اسکے بعد وہ فرشتہ روانہ ہوگیا اور آپؐ کانپتے لرزتے سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ مجھے اڑھاؤ، مجھے اڑھاؤ، چنانچہ آپؐ کو اُڑھادیا گیا۔ جب سکون ہوا تو آپؐ نے سارا واقعہ بیان فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہے۔ اسپر سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضؓ نے آپؐ کو ایسی تسلی دی کہ شاید کسی بیوی نے اس آسمان کے نیچے اپنے کسی شوہر کو دی ہو:-

"ہرگز نہیں ہرگز نہیں آپ مطمئن رہیں اللہ کی قسم آپؐ کو اللہ کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپؐ رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، امانتیں ادا کرتے ہیں، بے سہارا لوگوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، ناداروں کی مدد کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں۔"

جب آپ کو اس سے تسلی ہوئی تو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ یہ صاحب زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہوگئے تھے۔ عربی و عبرانی زبان میں انجیل لکھا کرتے تھے۔ بہت بوڑھے تھے۔ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ نے اُن سے کہا بھائی صاحب ذرا اپنے بھتیجے کا قصہ سنیئے۔ ورقہ نے آپؐ سے دریافت کیا آپؐ نے سارا واقعہ بیان کیا، اسپر ورقہ نے نہایت یقین کے ساتھ کہا بھتیجے مبارک ہو یہ وہی فرشتہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا۔ اے کاش میں اُس وقت توی اور زندہ رہتا جبکہ آپ کی قوم آپؐ کو شہر چھوڑنے پر مجبور کردے گی اسپر آپؐ نے تعجب سے پوچھا کیا میری قوم مجھکو باہر کردے گی؟

اسپر ورقہ نے کہا کہاں، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص وہ چیز لے کر آیا جو آپؐ لائے ہیں اور اُس سے دشمنی نہ کی گئی ہو۔ اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو آپ کی پُرزور مدد کرونگا۔ مگر اس کے بعد کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ ورقہ کا انتقال ہوگیا۔

اللّٰھم اجزل ثوابہٗ۔

ترمذی میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ سے مروی ہے کہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ نے آپؐ سے ایک بار عرض کیا کہ ورقہ نے آپ کی نبوت اور رسالت کی تصدیق کی لیکن اعلانِ دعوت سے پہلے وفات پاگئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اے خدیجہؓ میں نے ورقہ کو خواب میں دیکھا کہ سفید لباس میں ہیں اگر وہ اہل نار میں سے ہوتے تو یہ لباس نہ ہوتا۔

سورۂ اقرأ کا دوسرا بقیہ حصہ (یعنی آیت ۶ تا ۱۹) اُس وقت نازل ہوا جبکہ آپؐ نے حرم شریف میں باقاعدہ نماز پڑھنی شروع کر دی تھی مشرکینِ مکہ خاص کر ابوجہل نے آپؐ کو اس حالت میں دیکھ کر ڈرانا و دھمکانا شروع کیا کہ اس طریقے پر حرم کعبہ میں عبادت نہ کی جائے۔

ایک دفعہ آپؐ کو اسی نماز کی حالت میں ابوجہل نے دیکھا تو اپنے معبود لات اور عُزّٰی کی قسم کھا کر کہا کہ اگر دوبارہ ایسا دیکھوں گا تو محمدؐ کی گردن پر اپنا پاؤں رکھ دوں گا۔ پھر ایسا ہوا کہ آپؐ کو نماز پڑھتے دیکھ کر آگے بڑھا تاکہ آپؐ کی گردن پر پاؤں رکھ دے مگر لوگوں نے دیکھا کہ وہ یکایک پیچھے ہٹ رہا ہے اور اپنا منہ کسی چیز سے بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔

اُس سے پوچھا گیا کہ یہ تجھے کیا ہوا؟ اُس نے جواب دیا کہ میرے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان آگ کی ایک خوفناک خندق اور ایک ہولناک چیز تھی اور کچھ پَر تھے۔

اس واقعہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اُسکے چیتھڑے اڑا دیتے۔ (احمد، مسلم، نسائی)

ابن عباسؓ کی ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقام ابراہیم پر نماز ادا کر رہے تھے ابوجہل کا اُدھر گزر ہوا اُس نے آپؐ سے کہا اے محمدؐ میں نے تم کو اس سے منع نہیں کیا تھا؟ پھر دھمکیاں دینی شروع کی۔ آپؐ نے اسکی پرواہ نہیں کی اِس پر اُس نے کہا اے محمدؐ تم مجھے کس طاقت پر ڈراتے ہو؟ لات و عزّٰی کی قسم اس وادی میں میرے حمایتی سب سے زیادہ ہیں۔

سورۂ اقرأ میں انہی واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔

قرآنی مضمون | اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ الخ (آیات ۱ تا ۱۹)

پڑھو اے نبیؐ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (کائنات) کو پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔

پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، انسان کو اُن چیزوں کی تعلیم دی جنکو وہ نہ جانتا۔ ہرگز نہیں بیشک آدمی حد سے نکل جاتا ہے اس وجہ سے کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے (حالانکہ) پلٹنا یقیناً تیرے رب ہی کی طرف ہے۔ بھلا تم نے دیکھا اُس شخص کو جو ایک بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو منع کرتا ہے جبکہ وہ نماز پڑھتا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ اگر یہ منع کرنے والا شخص حق کو جھٹلاتا اور منہ موڑتا ہو؟ کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔

ہرگز نہیں، اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اُسکی پیشانی کے بال پکڑ کر اُسے کھینچیں گے۔ اُس پیشانی کو جو جھوٹی اور سخت خطا کار ہے۔ وہ بُلا لے اپنے حامیوں کی ٹولی کو، ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بُلا لیں گے۔ ہرگز نہیں اُسکی بات نہ مانو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کا قُرب حاصل کرو۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ الآية (جمعہ آیت ۲)

اللہ وہ ذات ہے جس نے اُمیین میں سے ہی ایک رسول بھیجدیا جو اُن پر اُسکی آیات پڑھتا ہے اور اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو الکتب (قرآن) اور حکمت سکھاتا ہے حالانکہ وہ لوگ اس سے پہلے کھُلی گمراہی میں تھے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ الآية

(توبہ آیت ۱۲۸، ۱۲۹)

بلاشبہ تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آیا جو تمہاری جنس بشر سے ہے جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے (چاہتے ہیں کہ تم کو کوئی ضرر نہ پہونچے) جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں۔ بالخصوص ایمان والوں کے ساتھ تو بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔ پھر اگر (اس پر بھی آپؐ کو رسول ماننے سے اور آپ کی اتباع کرنے سے یہ لوگ) روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجئے (میرا کیا نقصان ہے) میرے لئے تو اللہ کافی ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے اُسی پر بھروسہ

کرلیا اور وہ بڑے بھاری عرش کا مالک ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (آل عمران آیت ۱۶۴)

درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ اُن کے درمیان خود اُنہی میں سے ایک ایسا پیغمبر مبعوث کیا جو اُس کی آیات اُنپر پڑھ کر سناتا ہے اور اُن کو بُرے اخلاق سے پاک کرتا ہے اور اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا الآیۃ (شوریٰ آیت ۷)

اور اسی طرح اے نبی یہ قرآن عربی ہم نے آپ کی جانب وحی کی ہے تاکہ تم بستیوں کے مرکز (شہر مکہ) اور اس کے گرد وپیش رہنے والوں کو خبردار کردو اور تاکہ سب کے جمع واکٹھا ہونے کے دن (قیامت) سے ڈراؤ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ ایک گروہ کو جنت میں جانا ہے اور دوسرے گروہ کو دوزخ میں۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ الآیۃ (شوریٰ آیت ۵۲)

اور اسی طرح اے نبی ہم نے اپنے حکم سے ایک روح آپ کی طرف وحی کی ہے۔ آپ کو کچھ پتہ نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے۔ مگر اُس روح کو ہم نے ایک نور بنا دیا جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں اور آپ یقیناً صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کررہے ہو۔

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ الآیۃ

(انعام آیت ۱۹)

اور میری جانب وحی کی گئی اِس قرآن کی تاکہ میں اسکے ذریعہ

تمہیں اور اُن لوگوں کو جن تک اسکی تعلیم پہنچ جائے انکار اور بدعملی کے نتیجہ سے ڈراؤں۔

یَاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا۔ الآیۃ (نساء آیت ۱۷۴)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے برہان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آچکے ہیں اور ہم تمہارے اوپر ایک کھلا ہوا نور اُتار چکے ہیں۔

یَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۔ الخ (المائدہ آیات ۱۵، ۱۶)

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ جو رسول آئے ہیں، یہ تمہارے سامنے کتاب الٰہی کے وہ مضامین کثرت سے کھول دیتے ہیں جنھیں تم چھپاتے رہے ہو۔ اور وہ بہت سے امور کو نظرانداز بھی کر جاتے ہیں (یعنی یہ حلم وعفو بجائے خود ایک شہادت ہے اِن کے پیغمبرانہ اخلاق وعادات کی) بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور واضح کتاب آچکی ہے۔ اسکے ذریعہ اللہ انھیں سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے جو اسکی رضا وخوشنودی کی پیروی کرتے رہتے ہیں۔ اور انھیں اپنی توفیق سے نور کی طرف تاریکیوں سے نکال کر لاتا ہے اور انھیں سیدھی راہ دکھاتے رہتا ہے۔

یَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ الخ (مائدہ آیت ۱۹)

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول جو تمہیں صاف صاف بتاتے ہیں آپہنچے ایسے وقت میں کہ رسولوں کا آنا بند تھا کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بھی نہ بشارت دینے والا آیا نہ تنبیہ کرنیوالا، اب تو آگیا تمہارے پاس بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا، اور

اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

نبوّت اور دلیلِ وجدانی

نبوت کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے جہاں سینکڑوں دلائل اور براہین موجود ہیں اِن میں "وجدان" کو اولین حیثیت حاصل ہے۔ "وجدان" ایک ایسی جستجو اور طلب کا نام ہے جسکو خالق نے فطرتِ انسانی میں امانت رکھدی ہے۔ طلب صادق اور اخلاصِ خالص کے ذریعہ اس کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنھوں نے حق کی تلاش میں اِن ۲ دو راہ نماؤں (طلب صادق اور اخلاص کامل) کو اپنا رہبر بنایا اُنھیں بہت جلد حق نظر آیا اور وہ راہ یاب ہوگئے۔ قرآن حکیم نے بھی معرفتِ الٰہی اور عالمِ غیب (آخرت) کیلئے دلیل وجدان ہی کو جابجا معیار اور کسوٹی قرار دیا ہے۔ قرآن حکیم کا فکر اور تدبّر کو مخاطب بنانا "وجدانی دلیل" کا بیّن ثبوت ہے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ، اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ، اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ، اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ وغیرہ الفاظ وجدانِ قلبی سے تعلق رکھتے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے صداقتِ نبوّت کے سلسلے میں سورۂ یونس کی آیت ۱۶ کی تفسیر اس طرح بیان کی ہے:-

> ساری باتیں چھوڑ دو، صرف اس بات پر غور کرو کہ میں تم میں کوئی نیا آدمی نہیں ہوں جسکے خصائل و حالات کی تمہیں خبر نہ ہو۔ تم ہی میں سے ہوں اور اعلانِ وحی سے پہلے ایک عمر تم میں بسر کرچکا ہوں۔ یعنی چالیس برس تک کی عمر جو انسانی عمر کی پختگی کی کامل مدت ہے۔ اس تمام مدت میں میری زندگی تمہاری آنکھوں کے سامنے رہی۔ بتلاؤ اس تمام عرصہ میں کوئی ایک بات بھی تم نے سچائی اور امانت کے خلاف مجھ میں دیکھی ہے؟
>
> پھر اگر اس تمام مدت میں مجھ سے یہ نہ ہوسکا کہ کسی انسانی معاملہ میں جھوٹ بولوں تو کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ اب اللہ پر بُہتان باندھنے کے لئے تیار ہوجاؤں اور جھوٹ موٹ کہنے لگوں کہ مجھ پر اُسکا کلام نازل ہوتا ہے؟ کیا اتنی سی موٹی بات بھی تم نہیں پاسکتے؟

تمام علماءِ اخلاق ونفسیات متفق ہیں کہ انسان کی عمر میں ابتدائی چالیس سال کا زمانہ اسکے اخلاق وخصائل کے اُبھرنے اور بننے کا اصل زمانہ ہوتا ہے۔ جو سانچہ اس عرصہ میں بن گیا پھر بقیہ زندگی میں بدل نہیں سکتا۔ پس اگر ایک شخص چالیس برس کی عمر تک "صادق" اور "امین" رہا ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ اکتالیسویں برس میں قدم رکھتے ہی ایسا کذاب ومفتری بن جائے کہ انسانوں پر ہی نہیں بلکہ آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے اللہ پر افتراء کرنے لگے ؟

چنانچہ اسکے بعد فرمایا وہ باتوں سے تم انکار نہیں کر سکتے جو شخص اللہ پر افترار کرے اس سے بڑھکر کوئی شریر نہیں اور جو صادق کو جھٹلائے وہ بھی سب سے زیادہ شریر انسان ہے اور شریر ومفتری انسان کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اب صورتِ حال نے یہاں دونوں فریق پیدا کر دیئے۔ اگر میں مفتری علی اللہ ہوں تو مجھے ناکام ونامراد ہونا پڑیگا، اگر تم سچائی کے مکذب ہو تو تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا ہے۔ فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے اور اس کا قانون ہے کہ مجرموں کو فلاح نہیں دیتا۔

چنانچہ اللہ کا یہ فیصلہ صادر ہوگیا جو مکذب تھے ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہا۔ جو صادق تھا اُس کا کلمۂ صدق آج تک قائم ہے اور قائم رہے گا۔ فصلوات اللہ وسلامہ علیہ۔"

بہرحال صاحب وحی کے دعوے صداقت کی یہ وجدانی دلیل یقین اور اعتماد پیدا کرنے کیلئے کافی ہے۔ اور یہ ایک ایسی کسوٹی اور دلیل ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ میں بادشاہانِ عالم کے نام اسلام کی دعوت وپیغام کے سلسلہ میں والانامے بھیجے تو وقت کی سب سے بڑی طاقت (رومن امپائر) کے بادشاہ ہرقل کے پاس حضرت دِحیَہ کلبیؓ نامہ والا لے کر پہنچے تب اُس نے بھی جب آپ کی صداقت کو پرکھنا چاہا تو سب سے پہلے اسی وجدانی دلیل کو معیار صداقت ٹھیرایا اور صورتِ حال یہ پیش آئی۔

اپنے دربار کے مصاحبوں سے پوچھا کیا یہاں کوئی حجازی قافلہ موجود ہے جس کے ذریعہ اُس نبی مبعوث کے حالات معلوم ہوسکیں ؟

اہل دربار نے یہ اطلاع پہنچائی کہ ابھی ابھی یہاں ایک حجازی قافلہ فروکش ہوا ہے ان کے ذریعہ تفصیلی حالات معلوم ہوسکتے ہیں۔ اس قافلہ میں قریشی سردار ابوسفیان (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) موجود تھے۔ بادشاہ کے حکم پر اِن کو شاہی دربار میں طلب کیا گیا۔ ہرقل نے نبی مبعوث صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق چند سوالات کئے۔ اِن میں ایک اہم سوال یہ بھی تھا:۔

> وہ تم میں اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ بسر کیا ہے۔ کیا اس طویل دور میں اُس نے کبھی جھوٹ بھی کہا ہے ؟

ابوسفیان نے جواب دیا کبھی نہیں۔ بلکہ وہ اپنی قوم میں ''الصادق الامین'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

یہ سن کر ہرقل نے جو فاضلانہ تبصرہ کیا تاریخ کے اوراق اُسے ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

> ''میں نے تم سے یہ دریافت کیا کیا کبھی اُسکے اِس دعویٰ نبوت سے قبل تم نے اسکو جھوٹا پایا ہے ؟
>
> اسپر تم نے کہا ''کبھی نہیں'' تب میں نے یقین کرلیا کہ جو آدمی انسانوں پر جھوٹ کہنے کو آمادہ نہ ہو وہ کبھی اللہ پر جھوٹ نہیں بول سکتا''۔

ہرقل کا یہ تبصرہ دلیلِ وجدان ہی کا ترجمان ہے۔ یہاں عقلی ونقلی دلائل سے ہٹکر وجدان کے تقاضے سے پہلی دلیل جو پیش کی وہ وہی تھی جسکو وجدان کے خالق (اللہ برتر) نے اپنے پیغمبر سے صداقتِ دعویٰ کے لئے پیش کرائی ہے۔ قرآن حکیم اس دلیل وجدان کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

قرآنی مضمون

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔ الخ

(یونس آیت ۱۶، ۱۷)

آپؐ فرما دیجئے کہ اللہ اگر چاہتا تو میں قرآن تمہیں سُناتا ہی نہیں اور تمہیں اس سے خبردار ہی نہ کرتا (مگر اس کا چاہنا یہی ہوا کہ تم میں اسکا کلام نازل ہو اور تمہیں اقوام عالم کی ہدایت کا ذریعہ بنائے) پھر دیکھو یہ

واقعہ ہے کہ میں اس معاملہ سے پہلے تم لوگوں کے اندر ایک پوری عمر بسر کر چکا ہوں کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

پھر اُس سے بڑھکر ظالم اور کون ہوگا جو ایک جھوٹی بات گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرے یا اللہ کی آیات کو جھوٹا قرار دے۔ یقیناً مجرم کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔"

قرآن حکیم نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت میں پیش کی ہے مکہ کے لوگ خوب جانتے تھے کہ غارِ حراء سے جس روز آپ نبوت کا پیغام لے کر آئے اُس سے ایک دن پہلے تک آپکی زندگی کیا تھی؟ آپ کے لیل و نہار کس طرح گزرتے تھے؟ آپ کے عادات و اطوار کیا تھے؟ آپ کی گفتار و کردار کیا معیار رکھتی تھی؟ یہ پوری کی پوری زندگی صداقت، دیانت، امانت، شرافت، پاکبازی، صدق گفتاری، بلند کرداری سے لبریز تھی۔ آپ کی امن پسندی، پاس عہد، ادائے حقوق اور خدمتِ خلق کے نمایاں اوصاف بھی کسی پر مخفی نہ تھے۔ آپ کو کسی نے بھی کسی وقت جھوٹ کہتے نہ سنا نہ دیکھا، نہ کسی نے آپ کی پوری زندگی میں کسی کو یہ الزام دیتے سنا۔ پھر ایسے شخص کا اچانک ایک عظیم انقلابی پیغام دینا اور ایک مستقل نظامِ حیات پیش کرنا کیا کسی بناوٹ اور ذاتی کوشش کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ علاوہ ازیں ایسی ہر کوشش اور تیاری بہرحال تدریجی ارتقاء کے مراحل سے گزرتی ہے اور یہ مراحل اُن لوگوں سے کبھی پوشیدہ نہیں رہ سکتے جن کے درمیان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شب و روز زندگی گزار رہے ہوں۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک ایسا واضح ثبوت ہے کہ ایک حقیقت پسند انسان مشکل ہی سے اِس کا انکار کر سکتا ہے۔ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ۔

دعوت و تبلیغ کی پہلی منزل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیات نازل ہوئیں، پھر نزولِ وحی کا سلسلہ ایک مختصر مدت تک بند رہا۔ اِس کے بعد سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اس درمیانی مدت (انقطاع وحی) کو "فترۃ" کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ یہ زمانہ کس قدر رہا ہے؟ اسمیں چھ ماہ سے ڈھائی سال تک کے متعلق روایات ملتی ہیں۔ محدثین کا رجحان چھ ماہ کی جانب

ہے۔ واللہ اعلم۔

ابھی تک آپ کو "اعلانِ عام" کا حکم نہ تھا بلکہ آپؐ کو علم ویقین، صبر واستقامت، طہارت نفس وبدن، شرک وبت پرستی سے دُوری بیزارگی کی تلقین تھی۔ پھر آپ پر سورۂ شعرا کی وہ آیات نازل ہوئیں جن میں سب سے پہلے اپنے قرابت دار اور رشتہ داروں کو دعوت حق دینے کا حکم دیا گیا (آیت ۲۱۴) گویا یہ دعوتِ اسلام کی پہلی ندا تھی جو آپکے اپنے گھر سے شروع کی گئی۔ چنانچہ آپؐ نے صفا کی چوٹی پر کھڑے ہوکر اُس زمانے کے طریقِ اعلان کے مطابق "یَاصَبَاحَا" "یَاصَبَاحَا" کہہ کر خاندانِ قریش کو پکارا جب سب جمع ہو گئے تو آپؐ نے ایک مثال دے کر لوگوں کو خطاب فرمایا:۔

لوگو! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک لشکر جرار جمع ہے جو تم پر حملہ کرنے کے لئے تیار کھڑا ہے کیا تم مجھکو اس اطلاع پر سچا سمجھوگے؟

لوگوں نے جواب دیا بیشک ہم نے تجھ کو "الصادق الامین" پایا ہے تو جو کچھ بھی کہے گا وہ حق وصداقت پر مبنی ہوگا۔

تب آپؐ نے فرمایا، تو سنو! میں تم کو اللہ واحد کی جانب بُلاتا ہوں اور بُت پرستی کی نجاست سے بچانا چاہتا ہوں، تم کو اُس دن سے ڈراتا ہوں جسمیں اللہ کے حضور حاضر ہوکر تم سب کو اپنے اعمال وکردار کا جواب دینا ہوگا۔

یہ صدائے حق جب قریش کے کانوں میں پہنچی تو وہ سب حیران رہ گئے اور اپنے آباء واجداد کے دین ومذہب کے خلاف آواز سنکر برافروختہ ہونے لگے۔ اور سب سے زیادہ آپؐ کے حقیقی چچا ابولہب کو طیش آیا، غضبناک ہوکر کہنے لگا:۔

تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ أَمَا دَعَوْتَنَا إِلَّا لِهٰذَا۔

تو ہمیشہ ہلاکت ورسوائی کا منہ دیکھے، کیا تو نے اس غرض سے ہم کو بُلایا تھا؟ (نعوذ باللہ)

پھر افراتفری میں یہ لوگ منتشر ہو گئے اور آپؐ اپنے گھر تشریف لے آئے۔ یہ عجیب منظر تھا کہ اب سے چند گھڑیاں پہلے جس محمدؐ بن عبداللہ کی صداقت، امانت اور اخلاق وکردار سے

ساری قوم متاثر تھی اور آپ کو صادق و امین تسلیم کرتی تھی. لیکن اس اعلان مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر یکلخت بیگانہ اور اجنبی بن گئی۔ آپؐ نے اپنا کام جاری رکھا۔ خاندان کے چند ایک کے سوا سب نے عداوت و بغض کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ تب آپکی دعوت میں مزید وسعت کردی گئی۔ دعوت و ارشاد کا دوسرا مرحلہ شروع ہوا اور آپؐ کو حکم ہوا کہ اپنے خاندان کے دائرے سے آگے بڑھ کر مکّہ اور اطرافِ مکّہ کے قبائل اور اقوام کو بھی یہ پیغامِ حق سنایا جائے۔

دعوت و تبلیغ کی دوسری منزل

چنانچہ آپؐ نے تبلیغ حق کو اطرافِ مکہ کیلئے عام کر دیا اور طائف، حنین اور مدینہ طیبہ تک اپنی صدائے حق کو پہنچایا بلکہ مہاجرین اولین کی ایک مختصر جماعت کے ذریعہ حبشہ (افریقیا) کے عیسائی بادشاہ اصحمہ کو اپنی دعوت کا پیغام پہنچایا۔

جیساکہ اوپر بیان کیا گیا مشرکین مکّہ روزِ اوّل ہی سے آپکی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے تھے۔ اُن چند مسلمانوں کو جو آپ پر ایمان لاچکے تھے۔ ایذا رسانی اور ظلم وستم کا نشانہ بنا رہے تھے۔ آپؐ نے انھیں حبشہ کی جانب ہجرت کرجانے کا حکم دیا جہاں کا بادشاہ عیسائی مذہب تھا لیکن مشرکین مکہ اسکو بھی برداشت نہ کرسکے اور اُنھوں نے اصحمہ کے دربار میں ایک وفد بھیج کر یہ مطالبہ کیا کہ وہ مسلمانوں کی اس جماعت کو ان کے حوالہ کردے جو اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر قوم میں تفرقہ پیدا کرنے کا باعث بنے ہیں۔ اور نیز خود ملک حبشہ کے لئے بھی خطرہ ہیں۔

اصحمہ نے وفد کا مطالبہ سنکر مسلمانوں کو جواب دہی کے لئے دربار میں طلب کیا اور اسلام کے بارے میں دریافت کیا. مسلمانوں کی اس مقدّس جماعت میں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے بادشاہ اور اہل دربار کو اس طرح مخاطب کیا:۔

> بادشاہ! ہم پر ایک طویل و تاریک زمانہ گزرا ہے. اس وقت ہماری جہالت کا یہ عالم تھا کہ اللہ واحد کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش کرتے تھے اور خود ساختہ پتھروں کو اپنا معبود بنائے ہوئے تھے۔ مردار خوری، زناکاری، لوٹ مار، قطع رحمی صبح وشام کا ہمارا مشغلہ تھا۔ ہمسایہ کے حقوق سے بیگانہ، رحم وانصاف سے ناآشنا، حق و باطل کے امتیاز سے ناواقف۔

غرض ہماری زندگی سرتاپا درندوں کی طرح تھی۔ ہم میں کا قوی، ضعیف کو کچلنے اور امیر غریب کو دبانے کا حق سمجھتا تھا۔ فخر و غرور ہمارا شعار تھا۔ ایسے گھناؤنے ماحول میں اللہ تعالےٰ نے ہم میں ایک بزرگ پیغمبر مبعوث کیا جس کے نسب سے ہم واقف، جسکی صداقت، امانت، دیانت و شرافت پہ دوست دشمن دونوں گواہ ہیں۔ خود ہماری قوم نے اسکو "محمد الامین" کا لقب دیا ہے۔ اُس نے ہم کو اللہ کی توحید کا سبق دیا، اُس نے بتایا کہ اللہ کا کوئی شریک اور سہیم نہیں، وہ ہر قسم کی شرکت سے پاک ہے۔ بت پرستی جہالت کا شیوہ ہے اس لئے وہ قابل ترک چیز ہے اور صرف خدائے واحد ہی عبادت کے لائق ہے۔ اُس نے ہم کو حق گوئی اور صداقت شعاری کی تلقین کی ہے، صلہ رحمی کا حکم دیا ہے، ہمسایوں اور کمزوروں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تعلیم دی ہے، قتل و غارت گری کی رسم کو مٹایا ہے، زنا کاری کو حرام اور فحش کہہ کر ہم کو اُس سے نجات دلائی ہے، نکاح میں محرم اور غیر محرم کا فرق بتایا ہے۔ جھوٹ بولنے، ناحق مالِ یتیم کھانے کو حرام کہا ہے، نماز اور خیرات و صدقات کی تعلیم دی ہے اور ہر حیثیت سے ہم کو حیوانیت سے نکال کر انسانیت کے مرتبہ تک پہنچایا ہے۔

اے بادشاہ! ہم نے اس کی مقدس تعلیم کو قبول کیا ہے اور اس پر صدق دل سے ایمان لائے ہیں۔ یہ ہے وہ ہمارا قصور جسکی بدولت یہ مشرکین کا وفد آپ سے مطالبہ کرنے آیا ہے کہ آپ ہم کو ان کے حوالہ کر دیں!

حضرت جعفر طیارؓ کی اس سادہ مگر مؤثر تقریر نے بادشاہ اور اہل دربار کو بیحد متاثر کیا۔

بادشاہ نے خواہش ظاہر کی کہ اُس نبی پر جو کلام نازل ہوا ہے کچھ پڑھکر سنایا جائے حضرت جعفر طیارؓ نے سورۂ مریم کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ نجاشی کے آنکھ سے آنسو جاری ہوگئے۔ کہنے لگا بیشک یہ وہی کلام ہے جو مقدس عیسیٰ پر نازل ہوا تھا۔ پھر اُس نے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور مشرکینِ مکہ کو بے نیل و مرام واپس کر دیا۔

دعوت وارشاد کی یہ دوسری منزل تھی جو مکہ کی زمین سے نکل کر اطراف

واکناف اور معمورۂ انسانی تک پھیل گئی۔ پھر کچھ ہی عرصہ بعد "شاہانِ عالم" کے ایوانوں میں گونج اُٹھی۔

قرآن حکیم نے آپکی اس دعوت و تبلیغ کا تذکرہ آیاتِ ذیل میں اس طرح کیا ہے۔

قرآنی مضمون

یَاأَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ. قُمْ فَأَنْذِرْ. وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ. الخ

(المدثر آیات ۱ تا ۷)

اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے اُٹھو اور (قوم کو) خبردار کرو، اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔ اور اپنے کپڑے پاک صاف رکھو، اور گندگی سے دُور رہو جاؤ، اور ایسا نہ کرو کہ احسان کرے اور بدلہ بہت چاہے، اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو۔

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ. وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ. الخ (شعراء آیات ۲۱۴، ۲۱۵)

اور اے نبی اپنے قریبی رشتہ داروں کو گمراہی سے ڈرائیے اور جو مسلمان آپؐ کے پیرو ہیں اُن کے لئے اپنے بازوؤں کو پست رکھیئے۔ (یعنی نرمی اور تواضع سے پیش آیئے) اگر وہ نافرمانی کریں تب تو اُن سے کہہ دیجئے کہ میں تمہارے اِن اعمال بد سے بری ہوں، اور غالب' رحم کرنے والی ذات پر بھروسہ کرو جو تم کو اُس وقت بھی دیکھتی ہے جب تم اسکی بارگاہ میں کھڑے ہوتے ہو اور اس وقت بھی جبکہ تم سجدہ کرنے والوں میں ملکر اُسکے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہو۔ بلاشبہ وہ سننے، جاننے والا ہے۔

وَهٰذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا. الآیۃ

(انعام آیت ۹۲)

اور یہ دیکھو یہ کتاب قرآن ہے جسے ہم نے (تورات کی طرح) نازل کیا ہے۔ برکت والی ہے اور جو کتاب اس سے پہلے نازل ہو چکی ہے

اُسکی تصدیق کرنے والی، اور یہ اس لئے نازل کی تاکہ تم اُمّ القریٰ (یعنی شہر مکہ) کے باشندوں کو اور اُن کو جو اس کے چاروں طرف ہیں (گمراہیوں کے نتائج سے) ڈرائیے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا. (شوریٰ آیت ۷)

اور اسی طرح ہم نے آپ پر اے نبیؐ قرآن نازل کیا زبان عربی میں تاکہ گمراہیوں کے نتائج سے ڈرا شہر مکہ کے باشندوں کو اور اُن تمام کو جو اُس کے اطراف واکناف ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ. (سبا آیت ۲۸)

اور ہم نے آپؐ کو اے نبی کائناتِ انسانی کے لئے پیغام دیکر بھیجا ہے۔ اعمال نیک پر خوشخبری سنانے اور اعمال بد پر لوگوں کو ڈرانے کے لئے اور اکثر جاہل لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا. (فرقان آیت ۱)

پاک و برتر ہے وہ ذات جس نے حق و باطل کے درمیان تمیز دینے والی کتاب نازل فرمائی اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر تاکہ وہ تمام جہان والوں کو (انجام بد) سے ڈرائے۔

اسراء (معراج)

اسراء کے معنی رات کو چلانے یا لیجانے کے ہیں۔ چونکہ یہ واقعہ رات کے وقت پیش آیا تھا اس لئے اسکو اسراء کہا گیا اور قرآن حکیم نے اسی لفظ سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

معراج عروج سے مشتق ہے جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں۔ چونکہ احادیث میں آپؐ نے (ثُمَّ عُرِجَ بِيْ پھر مجھے اوپر چڑھایا گیا) کے الفاظ سے اس واقعہ کو بیان فرمایا ہے۔ اس لئے اس واقعہ کا نام "معراج" مشہور ہو گیا۔

انبیاء اور سیر ملکوت

انبیاء و رسل کے حالات و واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُولو العزم نبیوں کو آغاز نبوت کے کسی خاص وقت میں عالم آخرت کی سیر کرائی جاتی ہے تاکہ جب اُن کی دعوت و تبلیغ کا آغاز ہوتا ہے تو وہ اس عالم غیب کی حقیقتوں کو انسانوں کے سامنے "آنکھوں دیکھا حال" کی طرح بیان کریں۔ اس وقت وہ تمام مادی پردے جو اس عالم اور اُس عالم کے درمیان حائل ہیں انکی آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیئے جاتے ہیں۔ اسبابِ سماعت کے دنیاوی قوانین اُن کے لئے منسوخ کر دیئے جاتے ہیں۔ زمانی اور مکانی حدود و بُعدِ مسافت کی کڑیاں ان کے آگے فنا کر دی جاتی ہیں، آسمان و زمین کے مخفی مناظر بے حجابانہ اُن کے سامنے آجاتے ہیں، ملکوت کی سیر و سیاحت اُن کے لئے مہیا کی جاتی ہے، وہ نور کا لباس اختیار کر کے فرشتوں کے جلو بارگاہِ الٰہی میں حاضری دیتے ہیں اور اپنے اپنے مقام و رُتبہ کے مناسب فیضِ ربانی سے معمور کئے جاتے ہیں۔ پھر وہاں سے اپنے منصب خاص کا فرمان لیکر اسی کاشانۂ آب و خاک میں واپس آجاتے ہیں۔ لہٰذا ان کا مقام ایک فلسفی کے مقام سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ فلسفی جو کچھ کہتا ہے اپنے قیاس و گمان سے کہتا ہے لیکن انبیاء کرام جو کچھ کہتے ہیں وہ علم مشاہدہ کی بناء پر کہتے ہیں۔

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ سید اولادِ آدم اور سردارِ انبیاء و رُسل تھے اسلئے اس ملاء اعلیٰ میں آپ کو وہاں تک رسائی ہوئی جہاں تک کسی نبی و مُرسل کا قدم اس سے پہلے نہیں پہنچا تھا اور جو کچھ مشاہدہ کیا وُہ دوسرے مقربانِ بارگاہ کی حد نظر سے باہر تھا۔ اسی کو معراجِ نبی کہا جاتا ہے۔

معراج نبی

معراج کب اور کس تاریخ کو واقع ہوئی؟ صحیح اور مستند روایات کے مطابق ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ جبکہ تاریخ اور سنہ کا رواج نہ تھا تاہم وقت کے متعلق اتنا تو یقینی معلوم ہے کہ رات کا وقت تھا خود قرآن حکیم میں ہے (اسریٰ بعبدہٖ لیلاً) یعنی لے گیا اپنے بندے کو رات کے وقت۔ لیکن دن اور تاریخ کا قطعی طور پر متعین کرنا مشکل ہے کیونکہ کسی بھی روایت صحیحہ کی تصریح موجود نہیں ہے۔ البتہ اہل تاریخ کے پانچ اقوال ملتے ہیں:-

ربیع الاوّل، ربیع الثانی، رجب، رمضان، شوال۔

ابن قتیبہ دینوری (المتوفی ۲۶۷ھ) اور علامہ ابن عبد البرؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) اور متاخرین میں امام رافعیؒ اور امام نوویؒ اور محدث عبد الغنی مقدسیؒ نے رجب ہی کے مہینے کو ترجیح دی ہے بلکہ مؤخر الذکر نے ۲۷ رجب کی بھی تصریح کی ہے۔ علامہ زرقانی رح نے لکھا ہے کہ قدیم زمانے سے یہی بات چلی آ رہی ہے۔

سنہ کے بارے میں بھی یہی اختلاف ہے۔ متعدد اقوال مذکور ہیں لیکن دو باتوں پر سب کا اتفاق نظر آتا ہے۔ ایک یہ کہ یہ واقعہ ہجرت سے قبل پیش آیا۔ دوسری بات یہ کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات کے بعد پیش آیا۔ اور روایت بخاری کے مطابق حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات ہجرت سے تین سال پہلے اور ایک دوسری روایت کے مطابق نماز پنجگانہ کی فرضیت سے قبل ہو چکی تھی تو اس لحاظ سے واقعہ معراج کو ہجرت سے قبل کے ان تین برسوں کے اندر ہی ہونا چاہیئے۔ نیز کتب تاریخ و سیرت دونوں شاہد ہیں کہ معراج اور ہجرت کے درمیان کوئی اہم واقعہ موجود نہیں ہے تو یہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ معراج ہجرت سے بہت قریب زمانے میں پیش آیا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ابن سعد نے طبقات میں اور امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح البخاری میں واقعہ معراج اور ہجرت کو یکے بعد دیگر بغیر کسی تیسرے واقعہ کی مداخلت کے آگے پیچھے بیان کیا ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ ہر دو واقعات کے درمیان زمانہ اور تعلق انتہائی قریب ہے۔ تو اب یہ کہنا آسان ہو جاتا ہے جو اہل تاریخ و سیرت فرماتے ہیں کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے ایک یا ڈیڑھ سال پہلے پیش آیا۔ بہر حال ایک کثیر جماعت کا جن میں بعض معتبر و ثقہ راوی ہیں۔ راجح قول یہی معلوم ہوتا ہے کہ مہینہ رجب کا اور تاریخ ۲۷ رہتی۔

محدث زرقانی رح کہتے ہیں کہ معراج کا واقعہ پینتالیس[۴۵] صحابہؓ سے منقول ہے اور اُنکے نام بھی شمار کرائے ہیں (زرقانی ج ۶ ص ۱۶)

امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ایسی بیشتر روایات جمع کر دی ہیں جنمیں صحیح، مرفوع، قوی، ضعیف، موقوف، مُرسل، منکر ہر قسم کی روایتیں ہیں۔ احادیث صحیحہ کی چھ مشہور کتب (صحاح ستہ) میں معراج کا واقعہ مستقلاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ ترمذی اور نسائی میں ضمناً اور مختصراً اس کے واقعات ملتے ہیں۔

امام بخاری رح اور امام مسلمؒ نے اس واقعہ کو حضرت ابو ذر غفاریؓ، حضرت مالک

بن صعصعہ رض، حضرت انس بن مالک رض، حضرت عبداللہ بن عباس رض، حضرت ابوہریرہ، حضرت جابر بن عبداللہ رض اور حضرت عبداللہ بن مسعود رض۔ ان ثقات اکابر صحابہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت مالک بن صعصعہ رض اور حضرت ابوذر رض نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ انھوں نے معراج کے واقعہ کو لفظ بلفظ اور حرف بحرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابوذر غفاری رض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تھے کہ آپ کے گھر کی چھت کھلی اور حضرت جبرئیل امین نازل ہوئے انھوں نے پہلے آپ کا سینہ مبارک چاک کیا پھر اسکو زمزم سے دھویا اسکے بعد سونے کا ایک طشت ایمان و حکمت سے بھرا لائے اور اس کو سینہ مبارک میں ڈال کر بند کر دیا پھر آپ کا ہاتھ پکڑ کر آسمان پر لے گئے۔ جب آپ آسمان پر پہنچے تو جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کے داروغہ سے کہا کھولو! اس نے کہا کون؟ انھوں نے جواب دیا جبرئیل! اس نے پوچھا کیا تمہارے ساتھ کوئی اور ہے؟ انھوں نے کہا ہاں میرے ساتھ محمدؐ ہیں۔ اس نے پوچھا کیا وہ طلب کیے گئے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا ہاں! بہرحال جب آپ پہلے آسمان پر چڑھے تو آپ کو ایک شخص بیٹھا نظر آیا جس کے دائیں بائیں بہت سی پرچھائیاں تھیں۔ جب وہ دائیں جانب دیکھتا تھا تو ہنستا تھا اور جب بائیں جانب نگاہ جاتی تھی تو روتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اس نے کہا مرحبا اے نبی صالح اور فرزند صالح! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا یہ حضرت آدم (علیہ السلام) ہیں اور ان کے دائیں بائیں کی پرچھائیاں ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ دائیں جانب والے جنتی اور بائیں جانب والے دوزخی ہیں۔ اس لئے وہ دائیں جانب دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور بائیں جانب نگاہ کرتے ہیں تو روتے ہیں۔ اسکے بعد آپ دوسرے آسمان پر پہنچے تو اسی قسم کا سوال و جواب جو پہلے آسمان پر ہوا تھا اور ہر آسمان پر کسی نہ کسی پیغمبر سے ملاقات ہوئی۔

پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام اور چھٹے آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام (حضرت انس رض کہتے ہیں کہ حضرت ابوذر رض نے مجھ سے نبیوں کے منازل کی تعیین بیان نہیں کی) بہرحال حضرت جبرئیل علیہ السلام آپؐ کو حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس سے لے کر گزرے انھوں نے آپ کو دیکھ کر کہا مرحبا اے نبی صالح اور برادر صالح! آنحضورؐ نے ان کا

نام پوچھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نام بتایا۔ پھر یہی واقعہ حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے ساتھ پیش آیا۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے نبی صالح اور برادر صالح کہہ کر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبی صالح اور فرزند صالح کہہ کر آپؐ کا خیر مقدم کیا۔ اسکے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام آپؐ کو اوپر لے گئے اور آپؐ اس مقام پر پہنچے جہاں قلم کے چلنے (لکھنے) کی آواز آتی تھی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی امت پر پچاس وقت کی نمازیں فرض کی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس عطیہ ربانی کو لیکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو اُنھوں نے پوچھا کہ اللہ تعالےٰ نے آپؐ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا پچاس وقت کی نمازیں فرض کی ہیں؛ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپؐ اللہ کے حضور دوبارہ جائیے کہ آپؐ کی امت اسکی متحمل نہیں ہوسکتی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس گئے اور اللہ تعالےٰ نے اس کا ایک حصّہ کم کر دیا۔ آپ واپس آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ اللہ کے ہاں جانے کا مشورہ دیا کہ آپکی امت اسکی بھی طاقت نہیں رکھتی۔ آپؐ تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک حصّہ کی پھر تخفیف کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر کہا کہ آپؐ کی اُمت میں اسکی بھی قوت نہیں۔ آپ پھر گئے تو اللہ تعالےٰ نے اس تعداد کو گھٹا کر پانچ وقت کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ

"گو نمازیں پانچ وقت کی ہوں گی لیکن ثواب اُن کو پچاس نمازوں کا ملے گا کیونکہ میرے حکم میں تغیر و تبدیل نہیں ہوتی۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مزید کمی کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر جناب باری میں جانے کا مشورہ دیا۔ لیکن آپ نے فرمایا اب مجھے شرم آتی ہے۔

اسکے بعد آپؐ کو سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کرائی گئی جو ایسے مختلف رنگوں سے ڈھکا ہوا تھا جنکو آپ جان نہ سکے۔ پھر آپؐ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام جنت میں لے گئے وہاں آپؐ کو موتی کی عمارتیں نظر آئیں اور آپؐ نے دیکھا کہ اُس کی مٹی مُشک کی ہے۔

(بخاری ج اول باب کیف فرضیۃ الصلوٰۃ فی الاسراء)

کتب حدیث میں واقعۂ معراج کے متعلق یہ اصح الروایات ہے۔ اسکے بعد حضرت مالک بن صعصعہ رضؓ کی روایت کا درجہ ہے۔ اس روایت میں بہت سی باتیں پہلی روایت سے زائد ہیں جو اضافہ نہیں بلکہ اجمال و اختصار کی وضاحت اور تفصیل ہے۔

حضرت ابوذرؓ کی روایت مجمل ہے اور حضرت مالک بن صعصعہؓ کی روایت میں واقعات کی کسی قدر تفصیل ہے۔

حضرت ابوذرؓ کی روایت میں اسکی وضاحت نہیں کہ آپ اُس وقت بیدار تھے یا خواب میں تھے لیکن اس میں یہ ہے کہ آپ خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھے۔ پہلی روایت میں ہے کہ آپؐ نے دیکھا کہ آپؐ کے گھر کی چھت کھُلی اور حضرت جبریئلؑ نازل ہوئے اور اس روایت میں ہے کہ آپؐ حطیم یا حجر میں لیٹے ہوئے تھے (یہ حطیم یا حجر ایک ہی مقام کے دو نام ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی جو عمارت بنوائی تھی وہ سیلاب سے کئی دفعہ گر چکی تھی اور پھر بنتی رہی۔ اسی طرح قریش نے اپنے زمانے میں جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی رسول نہیں بنائے گئے تھے ایک سیلاب سے عمارت گر گئی تھی قریش نے اسکو دوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو سرمایہ کی کمی کے باعث ایک طرف اندر کی تھوڑی سی زمین چھوڑ کر دیوار کے طول کو کم کر دیا، اس طرح کعبہ کی تھوڑی سی زمین چار دیواری سے باہر رہ گئی اور آج تک اسی طرح ہے۔ اس زمین کا نام حجر اور حطیم ہے۔ قریش کے نوجوان اور روسا اکثر یہاں رات کو سویا کرتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی یہاں آرام فرمایا کرتے تھے۔ جس شب کو معراج ہوئی آپ اسی مقام پر استراحت فرما تھے)

بیداری اور خواب کی ایک درمیانی حالت تھی کہ آپؐ نے دیکھا کہ آپؐ کے گھر کی چھت کھُلی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اُن کے ساتھ چند اور فرشتے بھی تھے وہ آپؐ کو چاہ زمزم کے پاس لے گئے اور وہاں آپؐ کے سینے مبارک کو چاک کیا اور قلب اطہر کو آبِ زمزم سے دھویا اسکے بعد سونے کا ایک طشت ایمان و حکمت سے معمور لایا گیا۔ جبرئیلؑ امین نے ایمان و حکمت کے اس خزانے کو آپؐ کے سینے میں رکھ کر اسکو برابر کر دیا۔ اس کے بعد ایک متوسط قد کا جانور براق نامی لایا گیا جسکی تیز رفتاری کا یہ حال تھا کہ اُس کا ہر قدم

وہاں پڑتا تھا جہاں نگاہ کی آخری حد ہوتی تھی (مسند احمد میں بروایت انس رضؓ اور ترمذی اور ابن جریر طبری میں ہے کہ جب آپؐ نے اس پر سوار ہونے کا قصد کیا تو اُس جانور نے شوخی کی۔ جبرئیل امین نے کہا کیوں شوخی کرتا ہے۔ تیری پشت پر آج تک محمدؐ سے زیادہ اللہ کے نزدیک برگزیدہ کوئی دوسرا سوار نہیں ہوا۔ یہ سُنکر بُراق پسینہ پسینہ ہوگیا۔ ترمذی نے یہ روایت نقل کرکے لکھا "غریبٌ لا نعرفہ إلّا من حدیثہ" یعنی اس روایت کے بعض الفاظ میں نکارت اور غرابت ہے)

الغرض آپؐ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور براق کو اُس قلابہ میں باندھ کر جس میں سابقہ انبیاء اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ آپؐ نے مسجد اقصٰے کے اندر قدم رکھا اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی۔ حضرت شداد بن اوس رضؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ راستہ میں ایسی زمین پر گزر ہوا جس میں کھجور کے درخت بکثرت تھے۔ جبرئیل امین نے کہا یہاں اُتر کر نفل نماز پڑھ لیجئے۔ میں نے براق سے اُتر کر نماز پڑھی۔ جبرئیل امین نے کہا آپؐ کو معلوم بھی ہے کہ آپؐ نے کس جگہ نماز پڑھی ؟ میں نے کہا مجھکو معلوم نہیں۔ جبرئیل امین نے کہا آپؐ نے یثرب (مدینہ طیبہ) میں نماز پڑھی جہاں آپ ہجرت کریں گے۔ بعد ازاں یہاں سے روانہ ہوئے اور ایک زمین پر پہنچے۔ جبرئیل امین نے کہا یہاں بھی اتر کر نماز پڑھیئے۔ میں نے اُتر کر نماز پڑھی جبرئیل امین نے کہا آپؐ نے وادی سینا میں شجرۂ موسیٰ کے قریب نماز پڑھی جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ پھر ایک اور زمین پر گزر ہوا جبرئیل امین نے کہا اُتر کر یہاں بھی نماز پڑھیئے۔ میں نے نماز پڑھی جبرئیل امین نے کہا آپؐ نے مدین میں نماز پڑھی (جو حضرت شعیب علیہ السلام کا مسکن تھا) وہاں سے روانہ ہوئے اور ایک زمین پر پہنچے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا اُتر کر نماز پڑھیئے۔ میں نے اُتر کر نماز ادا کی جبرئیل امین نے کہا یہ بیت اللحم ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

ولادت ہوئی۔ (فتح الباری ج ا ص ۱۵۳)

نیز آپؐ کو راستہ میں ایک بڑھیا نظر آئی اُس نے آپؐ کو آواز دی۔ جبرئیل امین نے کہا آگے چلئے اور اس طرف التفات نہ فرمائیے اور آگے ایک بوڑھا نظر آیا اُس نے بھی آپؐ کو آواز دی۔ جبرئیل امین نے کہا آگے چلئے پھر آگے آپؐ کا ایک جماعت پر گزر ہوا جنھوں نے آپؐ کو ان کلمات میں سلام پیش کیا:۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَوَّلُ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اٰخِرُ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَاشِرُ۔

جبرئیل امین نے کہا آپؐ ان کا جواب دیجئے۔ بعد ازاں بتلایا کہ وہ بوڑھی عورت جو راستہ کے کنارے پر کھڑی تھی دنیا کی عمر اتنی ہی قلیل باقی رہ گئی ہے جتنی اُس عورت کی عمر باقی ہے۔ وہ بوڑھا مرد شیطان تھا دونوں کا مقصد آپ کو اپنی طرف مائل کرنا تھا۔ اور وہ جماعت جنھوں نے آپ کو سلام کیا حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام تھے۔ (ابن جریر والبیہقی عن انس رضؓ)

بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام اور دجّال اور خازنِ نار (یعنی داروغہ جہنم) کو دیکھا جس کا نام مالک ہے۔ اور صحیح مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا میرا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہوا دیکھا کہ وہ قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔

نیز راستہ میں آپ کا ایسی قوم پر گزر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو اِن ناخنوں سے چھیلتے تھے۔ جبرئیل امین نے بتایا کہ یہ لوگ وہ ہیں جو آدمیوں کا گوشت کھاتے تھے یعنی انکی غیبت کرتے ہیں اور اِن کی عزت و آبرو پر حرف گیری کرتے ہیں۔

(اخرجہٗ احمد و ابوداؤد)

نیز حضورؐ نے ایک شخص کو دیکھا کہ خون کی نہر میں تیر رہا ہے اور پتھر کو لقمہ بنا بنا کر کھا رہا ہے۔ جبرئیل نے بتایا کہ یہ سود خوار ہے۔

(اخرجہ ابن مردویہ عن سمرۃ بن جندبؓ)

نیز آپ کا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا جو ایک ہی دن میں تخم ریزی کر لیتے ہیں اور اُسی دن کاٹ بھی لیتے ہیں اور کاٹنے کے بعد کھیتی پھر ویسے ہی ہو جاتی ہے جیسے پہلے تھی۔ جبرئیل امین نے فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔ ان کی ایک نیکی سات سو نیکی سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور یہ لوگ جو بھی خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اسکا نعم البدل عطا کرتا ہے۔ پھر آپؐ کا گزر ایک اور قوم پر ہوا جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے۔ کچلے جانے کے بعد پھر ویسے ہی ہو جاتے ہیں جیسے پہلے تھے۔ اسی طرح یہ سلسلہ مسلسل جاری تھا۔ آپؐ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل امین نے کہا کہ یہ فرض نماز سے کاہلی کرنے والے ہیں۔ پھر ایک اور قوم پر گزر ہوا جنکی شرمگاہوں پر آگے پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے ہیں اور اونٹ بیل کی طرح چرتے پھرتے ہیں۔ ضریع اور زقوم یعنی کانٹوں اور جہنم کے پتھر کھا رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ لوگ کون ہیں؟ جبرئیل امین نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتے تھے۔ پھر آپؐ کا ایسی قوم پر گزر ہوا جن کے آگے ایک ہانڈی میں پکا گوشت اور دوسری ہانڈی میں کچا سڑا ہوا گوشت رکھا ہے۔ یہ لوگ سڑا گوشت کھا رہے ہیں اور تازہ پکا گوشت نہیں کھاتے۔ آپؐ کو بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس حلال اور پاکیزہ عورت (بیوی) موجود ہے مگر وہ زانیہ اور بدکار عورتوں کے ساتھ شب باشی کرتے ہیں۔ پھر آپؐ کا گزر ایک قوم پر ہوا جس نے لکڑیوں کا ایک بڑا بھاری گٹھا جمع کر رکھا ہے اور اُس کے اُٹھانے کی طاقت نہیں مگر لکڑیاں لا لا کر اسمیں اور اضافہ کیا جا رہا ہے۔ جبرئیل امین نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جن پر حقوق اور امانتوں کا بار گراں ہے جنکو وہ ادا نہیں کر سکتے اور اسکے باوجود

مزید بوجھ اپنے پر لادتے جاتے ہیں۔ پھر آپؐ کا ایک اور قوم پر گزر ہوا جن کی زبانیں اور لبیں لوہے کی قینچیوں سے کاٹی جا رہی ہیں اور جب کٹ جاتی ہیں تو پھر پہلے کی طرح صحیح و سالم ہو جاتی ہیں۔ اس طرح یہ سلسلہ جاری ہے ختم ہونے نہیں پاتا۔ جبرئیل امین نے فرمایا یہ آپکی امت کے وہ خطیب و واعظ ہیں جو دوسروں کو نصیحت کہتے ہیں اور خود عمل نہیں کہتے پھر آپؐ کا گزر ایک ایسے مقام سے ہوا جہاں نہایت خوشگوار اور خوشبودار ہوا چل رہی تھی۔ جبرئیل امین نے کہا یہ جنت کی خوشبو ہے۔ بعد ازاں ایسے مقام پر گزر ہوا جہاں سے بدبو محسوس ہوئی۔ جبرئیل امین نے کہا یہ جہنم کی بدبو ہے۔ (الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۷۲)

بظاہر یہ تمام واقعات سیر سمٰوات سے پہلے کے معلوم ہوتے ہیں اس لئے کہ روایات میں اِن واقعات کا ذکر بُراق پر سوار ہونے کے متصلاً بعد اور مسجد اقصےٰ میں پہنچنے سے پہلے ملتا ہے۔ اس لئے قرین قیاس یہی ہے کہ یہ واقعات عروج سماء سے پہلے پیش آئے۔ ممکن ہے یہ مختلف اعمال کی صورت مثالی ہوں یا عالم برزخ کے مناظر ہوں۔ واللہ اعلم۔ (اور عالم برزخ بھی ایک مستقل عالم ہے)

الغرض مسجد اقصیٰ میں نماز سے فراغت کے بعد انبیاء سابقین سے ملاقات رہی جو یہاں آپؐ کی تشریف آوری کے موقع پر جمع تھے۔ اولوالعزم انبیاء کرام میں بعض نے مختصر مختصر طور پر اللہ کی حمد و ثنا اور اپنا تعارف کروایا۔

زُرقانی اور خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۱۷۳ پر انبیاء کرام کے یہ مختصر خطبے نقل کئے گئے ہیں۔ اگرچہ یہ روایات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچیں تاہم کتب حدیث کی بعض کتابوں میں نقل ہوتے چلی آرہی ہیں۔

حمد ابراہیمیؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان الفاظ میں اللہ کی حمد و ثنا کی:۔

ترجمہ: "حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھکو اپنا خلیل بنایا اور ملک عظیم عطا کیا اور امت کا امام و پیشوا بنایا اور آگ کو میرے لئے برد و سلام کر دیا۔"

حمدِ موسویٔ حمد ہے اُس ذات پاک کی جس نے مجھ سے بلا واسطہ کلام کیا اور فرعون اور آل فرعون کی ہلاکت و تباہی اور بنی اسرائیل کی نجات میرے ہاتھ پر ظاہر فرمائی اور میری امت میں ایسی قوم بنائی جو ہدایت اور انصاف اور حق کی تبلیغ کرتی ہے۔

حمدِ داؤدیٔ حمد ہے اُس ذات پاک کی جس نے مجھ کو ملک عظیم عطا کیا اور زبور سکھائی اور میرے لئے لوہے کو نرم کیا اور پہاڑوں اور پرندوں کو میرے لئے مسخر کیا کہ میرے ساتھ تسبیح پڑھیں اور مجھکو علم و حکمت اور بیان کی قوت و طاقت عطا کی۔

حمدِ سلیمانیٔ حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے ہوا اور شیاطین وجنات کو میرے لئے مسخر کیا جو میرے حکم پر چلتے تھے اور پرندوں کی بولی مجھ کو سکھائی اور جن وانس چرند و پرند کا لشکر میرے لئے تابع کیا اور ایسی سلطنت عطا کی جو میرے بعد کسی کے لئے مناسب نہ ہوگی اور نہ مجھ سے اس پر کوئی حساب وکتاب ہوگا۔

حمدِ عیسویٔ حمد ہے اُس ذات پاک کی جس نے مجھ کو کلمہ (حکم) خاص سے پیدا کیا اور حضرت آدم کی طرح مجھکو بغیر باپ کے پیدا کیا اور پرندوں کے بنانے اور مردوں کے زندہ کرنے اور کوڑھی اور مادر زاد اندھے کو اچھے کرنے کا معجزہ بخشا اور توراۃ وانجیل کا علم عطا کیا اور مجھکو اور میری ماں کو شیطان کے اثر سے محفوظ رکھا اور مجھکو آسمان پر اُٹھالیا اور کافروں کی صحبت سے پاک کیا۔

آخر میں خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطبہ ارشاد فرمایا۔

حمدِ محمدیؐ حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھکو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور تمام عالم کے لئے بشیر و نذیر بنایا اور مجھ پر قرآن کریم نازل کیا جسمیں تمام امور دینیہ کا بیان ہے اور میری امت کو بہترین امت بنایا اور انہی کو اولین و آخرین امت قرار دیا اور میرے سینے کو علم و حکمت کیلئے کھول دیا اور میرا ذکر بلند و بالا کیا اور مجھکو

فاتح اور خاتم بنایا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے خطبہ سے فارغ ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام انبیاء کرام کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

انہی فضائل و کمالات کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ گئے۔ جب آپؐ اس محفل انبیاء سے باہر تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں دو پیالے پیش کئے گئے آپؐ نے دودھ کا پیالہ اُٹھالیا جبرئیل امین نے کہا "آپ نے فطرت کو پسند فرمایا۔" اگر شراب کا پیالہ اُٹھاتے تو آپؐ کی ساری امت گمراہ ہو جاتی۔ بعض روایات میں ہے کہ شہد کا پیالہ بھی پیش کیا گیا اور آپؐ نے اس میں سے بھی کچھ نوش فرمایا۔

(زرقانی ج ۶ ص ۷۴)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین پیالے سدرۃ المنتہیٰ کے بعد پیش کئے گئے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ اسکی یہ تاویل بیان کرتے ہیں کہ عجب نہیں کہ یہ پیالے دو مرتبہ پیش کئے گئے ہوں۔ ایک مرتبہ مسجد اقصیٰ میں نماز سے فراغت کے بعد اور دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ پر۔ واللہ اعلم۔

اس محفل انبیاء کی شرکت کے بعد عروجِ سماء (سیر ملکوت) کا آغاز ہوا۔ بعض روایات کی صراحت کے مطابق عروج سماء کا یہ سفر اُسی براق پر ہوا اور بعض دیگر روایات کے مطابق جنت کی ایک سیڑھی (معراج) کے ذریعہ آسمان کی طرف عروج فرمایا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ معتبر اور مستند راویوں نے (جس کے انھوں نے نام ظاہر نہیں کئے) مجھ کو خبر دی کہ حضرت ابو سعید خدریؓ یہ کہتے تھے کہ میں نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جب میں بیت المقدس کے امور سے فارغ ہوا تو ایک سیڑھی لائی گئی جس سے بہتر کوئی سیڑھی میں نے نہیں دیکھی۔ یہ وہ سیڑھی تھی جس پر بنی آدم کی ارواح آسمان کی طرف چڑھتی ہیں اور آدمی مرتے وقت اُسکی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتا ہے۔ میرے رفیق جبرئیل امین نے مجھ کو اس سیڑھی پر چڑھایا یہاں

تک کہ میں آسمان کے ایک دروازے پر پہنچا جسکو "باب الحفظہ" کہتے ہیں۔

(شرح المواہب ج ۶ ص ۵۵)

حافظ ابن کثیرؒ کی تحقیق یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی سیڑھی کے ذریعہ آسمان پر تشریف لے گئے اور براق بدستور مسجد اقصیٰ کے دروازے پر بندھا رہا۔ آسمان سے واپسی کے بعد آپؐ پھر اسی براق پر سوار ہوکر مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۱۱)

پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جنھوں نے آپؐ کو مرحبا نبی صالح اور فرزند صالح کہہ کر استقبال کیا۔ اسی آسمان میں آپؐ کو آمنے سامنے دو نہریں نظر آئیں۔ پوچھنے پر جبرئیل امین نے بتایا کہ یہ نیل اور فرات کی سوتیں ہیں۔ پھر آپؐ کو ایک اور نہر نظر آئی جس پر موتی اور زبرجد کا ایک محل تعمیر تھا اور اُسکی زمین مُشک کی تھی۔ جبرئیل امین نے کہا یہ نہر کوثر ہے جسکو پروردگار نے آپؐ کے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔

دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے جو دونوں خالہ زاد بھائی ہیں ملاقات ہوئی۔

تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جن کو حسن وجمال کا ایک بڑا حصہ عطا ہوا تھا۔

چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جن کی نسبت قرآن حکیم نے فرمایا:-

وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔ (ہم نے اُنھیں ایک بلند مقام تک اُٹھایا ہے۔ (مریم آیت ۵۷)

پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انھوں نے بھی مرحبا اے پیغمبر صالح اور برادر صالح کہہ کر استقبال کیا۔ جب آپؐ آگے بڑھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رو پڑے۔ آواز آئی کہ اے

موسیٰ اس گریہ کا کیا سبب ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا الٰہی میرے بعد تو نے اس نوجوان کو مبعوث کیا ہے۔ اسکی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ جنّت میں جائیں گے۔

ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی آپ نے مرحبا اے نبی صالح اور اے فرزند صالح کہہ کر خیر مقدم کیا۔ جبرئیل امین نے بتایا کہ یہ آپؐ کے باپ ابراہیم ہیں (علیہ الصلوٰۃ والسلام) حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور (آباد گھر) سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے۔ (یہ بیت المعمور آسمانوں میں فرشتوں کا قبلہ ہے جو زمین کے قبلہ خانہ کعبہ کے بالکل مقابل ہے۔ روزانہ ستّر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں پھر ان کی دوبارہ نوبت نہیں آتی)

بعد ازاں آپکو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف بلند کیا گیا جو ساتویں آسمان پر ایک بیری کے درخت کی طرح ہے۔ (سدرۃ المنتہیٰ ایک ایسا درخت ہے جس پر شانِ ربّانی کی تجلّیات واقع ہوتی ہیں۔ زمین سے جو چیزیں (ارواح یا اعمال وغیرہ) اوپر جاتی ہیں وہ سدرۃ المنتہیٰ پر آکر ٹھیر جاتی ہیں اور پھر اوپر اُٹھالی جاتی ہیں اور ملاءِ اعلیٰ سے جو چیزیں اُترتی ہیں وہ سدرۃ المنتہیٰ پر آکر ٹھیر جاتی ہیں پھر نیچے اُترتی ہیں اس لئے اس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے) اسی مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا۔ پھر آپؐ کو جنّت کی سیر کرائی گئی جس کے گنبد موتی کے تھے اور مٹی مشک کی تھی۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا میں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا جہاں عجیب وغریب الوان دیکھنے میں آئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کیا تھے؟ پھر میں جنت میں داخل کیا گیا تو اسکے گنبد موتیوں کے تھے اور مٹی مشک کی تھی۔ (الحدیث)

پھر آپ کو مزید عروج ہوا اور ایسے بلند مقام پر پہنچے جہاں صریف الاقلام (لکھنے کے وقت قلم کی جو آواز پیدا ہوتی ہے) سنائی دی

اس مقام پر قضار و قدر کے قلم مشغولِ کتابت تھے ۔ مقام صریف الاقلام سے گزر کر حجابات طے کرتے ہوئے بارگاہ قدس میں پہنچے جہاں آپؐ کی سواری کے لئے ایک رفرف (سبز مخملی مسند) آئی ۔ اس پر سوار ہوکر دربار خداوندی میں حاضر ہوئے (رفرف کا ذکر احادیث صحیحہ میں موجود نہیں ضعیف اور منکر روایتوں میں اس کا ذکر آتا ہے لہذا اسکو بالکل بے اصل بھی نہیں کہا جاسکتا واللہ اعلم)

حضرت انسؓ کی ایک روایت میں اس طرح موجود ہے ۔ میرے لئے آسمان کا ایک دروازہ کھولا گیا اور میں نے نور اعظم کو دیکھا اور پردے میں سے موتیوں کی ایک رفرف (مسند) کو دیکھا پھر اللہ تعالیٰ نے جو کلام کرنا چاہا وہ مجھ سے کلام فرمایا ۔ اس وقت آپؐ کو بارگاہ الٰہی سے تین عطیئے مرحمت ہوئے :۔

(۱) سورہ بقرہ کی آخری آیتیں

(۲) آپکی امت میں جو شخص شرک کا مرتکب نہ ہوگا اللہ تعالےٰ اُسکے کبیرہ گناہوں سے درگزر فرمائیگا اور مغفرت سے سرفراز کیا جائیگا ۔

(۳) پانچ نمازیں ۔

اب آپ آسمانوں سے اُتر کر زمین پر تشریف لائے اور بیت المقدس میں داخل ہوئے دیکھا کہ یہاں انبیاء کا مجمع ہے ۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام نمازیں مشغول ہیں ۔ آپؐ نے اِن میں سے چند نبیوں کی شکل وصورت بھی بیان کی ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت فرمایا کہ اِن کا قد لمبا اور رنگ گندمی تھا اور بال اُلجھے ہوئے گھونگر وقسم کے تھے ۔ ازدشنوہ کے قبیلہ کے آدمی معلوم ہوتے تھے ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قد میانہ اور رنگ سرخ وسپید تھا ۔ سر کے بال سیدھے اور لمبے تھے ۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی حمام سے نہا کر نکلے ہیں ۔ عروہ بن مسعود ثقفی (صحابی) سے ان کی صورت ملتی تھی ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صورت تمہارے پیغمبر (یعنی خود

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی سی تھی۔

بہرحال اسی اثنار میں نماز (غالباً صبح کی نماز) کا وقت آگیا۔ سرور انبیار علیہ السلام منصب امامت سے سرفراز ہوئے (مسند احمد اور سیرت ابن اسحاق کی بعض روایتوں میں ہے کہ آسمان پر جانے سے پہلے ہی بیت المقدس میں انبیار نے آپؐ کی اقتدار میں یہ نماز پڑھی تھی، صحیح بخاری میں اِس کا ذکر نہیں، صحیح مسلم میں وقت کی تصریح نہیں مگر قرینہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واپسی کا واقعہ ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اسی کو صحیح کہا ہے (تفسیر سورہ اسرار)

نماز سے فراغت ہوئی تو ندا آئی اے محمدؐ! دوزخ کا داروغہ حاضر ہے سلام کیجئے! آپؐ نے مڑکر دیکھا تو داروغہ جہنم نے آپؐ کو سلام کیا۔

بخاری میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ شب معراج میں آپؐ کو دجّال بھی دکھایا گیا۔

اِن تمام مراحل ومنازل کے طے کرنے کے بعد صبح ہونے سے پہلے پہلے آپؐ مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔

کُفّار کی تکذیب اور بیتُ المقدس کی جلوہ گری

خانہ کعبہ کے آس پاس سرداران قریش کی نشست رہتی تھی آپؐ بھی وہیں مقامِ حجر (حطیم) میں تشریف فرما تھے آپؐ نے اِن سے یہ واقعہ بیان کیا سب نے سنکر سخت اچنبھا ظاہر کیا کسی نے تعجب سے سر پر ہاتھ رکھ لیا، کسی نے تالیاں بجائیں۔ جو زیادہ کور باطن تھے اُنھوں نے آپؐ کو جھوٹا کہا۔ اِن میں بعض تاجر قسم کے لوگ بھی تھے جنھوں نے بارہا بیت المقدس کو دیکھا تھا اور انہیں معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی بیت المقدس سفر نہیں گئے ہیں اس لیے اُنھوں نے سوالات شروع کئے کہ بتاؤ بیت المقدس کا نقشہ کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے ذہن میں عمارت کا صحیح نقشہ نہ تھا (ویسے بھی آپ عمارت دیکھنے نہیں گئے تھے) سخت بیقراری ہوئی کہ کیا جواب دوں؟ اچانک نظر کے آگے

بیت المقدس کی پوری عمارت جلوہ گر کر دی گئی۔ وہ سوال کرتے جاتے تھے اور ہیں اسکو دیکھ کر جواب دیتا جاتا تھا۔

اتنا واقعہ تو بخاری ومسلم میں موجود ہے۔ لیکن ابن اسحاق، ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم، بیہقی اور حاکم میں اس واقعہ پر یہ اضافہ بھی موجود ہے کہ جب قریش کے سوالات کا آپؐ نے جواب دے دیا تو بعض نے کہا کہ اچھا اب راستہ کا کوئی واقعہ بیان کرو۔

آپؐ نے فرمایا کہ راستہ میں فلاں جگہ مجھکو ایک تجارتی قافلہ ملا جو ملک شام سے مکّہ واپس آرہا ہے اس کا ایک اونٹ گم ہوگیا تھا جو بعد میں مل گیا۔ انشاء اللہ وہ قافلہ تین دن کے بعد مکہ مکرمہ پہنچ جائے گا اور ایک خاکستری رنگ کا اونٹ سب سے آگے آگے ہوگا جس پر دو تھیلے لدے ہوں گے۔

چنانچہ تیسرے دن اسی بیان کردہ کیفیت کے ساتھ وہ قافلہ پہنچ گیا اور اپنے اونٹ کے گم ہوجانے کا واقعہ بھی بیان کیا، ولید بن مغیرہ نے یہ سنکر کہا کہ یہ صریح جادو ہے، لوگوں نے کہا ولید سچ کہتا ہے۔

(زرقانی ج ۶ ص ۱۲۶)

انہی روایات میں حبس شمس (سورج کا ٹھیر جانا) کا معجزہ بھی مذکور ہے کہ جب تیسرا دن ختم ہونے آیا اور وہ قافلہ مکہ مکرمہ نہ پہنچا تو آپکو بیقراری پیدا ہوئی کہ لوگ مزید شک میں پڑجائیں گے اور واقعہ کو جھٹلانے کا ایک اور حیلہ پیدا ہوجائے گا۔ آپؐ نے جناب باری میں دعا وفریاد کی کہ اللہ تعالیٰ نے اُس دن کچھ دیر کے لئے غروب ہونے سے آفتاب کو روک دیا یہاں تک کہ قافلہ آپؐ کی اطلاع کے مطابق اُسی دن شام کو غروب آفتاب سے پہلے مکہ مکرمہ پہنچ گیا۔ (زرقانی ج ۶ ص ۱۲۶)

شیخ الاسلام تقی الدین سبکیؒ نے اس معجزے کو اس طرح شعر میں ادا کیا ہے:-

وَشَمْسُ الضُّحٰی طَاعَتْكَ عِنْدَ مَغِيْبِهَا　فَمَا غَرَبَتْ بَلْ وَافَقَتْكَ بِوَقْفِهٖ

انہی روایتوں میں یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ کچھ کافر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ تمہارے دوست (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے

آج ایک نئی بات کا اعلان کیا ہے کہ وہ گزشتہ رات بیت المقدس گئے تھے اور صبح ہونے سے پہلے پہلے مکہ مکرمہ واپس آگئے، کیا تم ایسی بات کی بھی تصدیق کروگے؟

حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے؟

لوگوں نے کہا ہاں! اس پر حضرت ابو بکرؓ نے کہا میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں اور میں تو اس سے بھی بڑھکر اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ ہر روز آپؐ کی خدمت میں آسمان سے فرشتے آتے جاتے رہتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اسی دن سے حضرت ابو بکرؓ کا لقب "صدیق" پڑ گیا۔

(الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۷۶)

دیدارِ الٰہی

معراج کے مشاہدات و لطائف اور آیاتِ ربانی کی نیرنگی تو آپؐ نے دیکھی لیکن کیا ذات الٰہی کا بھی مشاہدہ کیا اور کیا اس سے بھی آپؐ مشرف ہوئے؟ بعض روایات میں اس کا جواب اثبات میں ملتا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے شریک بن عبد اللہ نے جو معراج کی روایت نقل کی ہے اُس کے آخر میں ہے:-

حتیٰ جاء سدرۃ المنتہیٰ ودنا الجبار رب العزۃ فتدلّٰی حتی کان منہ قاب قوسین او ادنیٰ۔ الحدیث (بخاری کتاب التوحید)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تو عزت والا جبار اللہ یہاں تک قریب ہوا اور جھک آیا کہ اسکے اور آپؐ کے درمیان دو کمانوں یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا۔

محدثین نے شریک کی روایت کے اس آخری حصہ پر سخت اعتراضات کئے ہیں۔ سب سے پہلے امام مسلم نے اِن پر روایت میں بے احتیاطی کا الزام دیا ہے۔ صحیح مسلم باب المعراج میں شریک بن عبد اللہ کی اس سند کو اور کسی قدر متن (حدیث) کو لکھ کر ناتمام چھوڑ دیا ہے اور اسکے بعد لکھا ہے:-

فقدم فیہ واخر وزاد ونقص۔ شریک نے اس روایت میں واقعات کو آگے پیچھے کر دیا ہے اور گھٹا بڑھا دیا ہے۔ امام خطابی نے

لکھا ہے کہ صحیح بخاری میں کوئی حدیث ایسی نہیں جو بظاہر اس قدر قابل اعتراض ہو جس قدر یہ حدیث ہے اس کے بعد یہ تنقید کی ہے:۔

فانہ کثیر التفرد بمناکیر الالفاظ التی لایتابعہ علیہا سائر الرواۃ۔

شریک بن عبد اللہ ایسے منکر الفاظ خود تنہا بکثرت روایت کرتے ہیں جنکی تائید خود ان کے دیگر ہم درس راوی نہیں کرتے۔

حضرت انس رضؓ سے واقعہ معراج کو اور بہت سے راویوں نے نقل کیا ہے مگر شریک بن عبد اللہ کے سوا کسی اور نے ان الفاظ کو حضرت انس رضؓ سے نقل نہیں کیا۔ امام بیہقی نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے اور یہی بات امام ابن کثیر بھی کہتے ہیں۔ علامہ ابن حزم نے بھی ایسے ہی کہا ہے۔ امام نسائیؒ اور محدث ابن جارود کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ شریک بن عبد اللہ قوی راوی نہیں۔ یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں کہ اِن سے حدیث نقل نہ کی جائے۔ البتہ ابن سعید اور امام ابو داؤد نے ان کے ثقہ ہونے کی شہادت دی ہے۔

اس لئے عام محدثین کا اُن کے حق میں یہ فیصلہ ہے کہ جب وہ تنہا کسی بات کو بیان کریں تو ان کی یہ بات شاذ اور منکر قرار دی جائیگی۔ چنانچہ اس روایت میں یہ فقرہ بھی اسی قسم کا ہے۔ واللہ اعلم۔

صحیح مسلم اور جامع ترمذی حضرت ابو ذر غفاری رضؓ کی روایت ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟

ارشاد فرمایا وہ تو نور ہے میں اس کو کہاں دیکھ سکتا ہوں۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا میں نے صرف ایک نور کو دیکھا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۳، ترمذی تفسیر سورہ نجم)

اکابر صحابہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا وثوق کے ساتھ یہ کہنا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

اللہ کو نہیں دیکھا بلکہ قرآن حکیم میں رُویت کا جہاں جہاں تذکرہ ہے اُس سے مراد جبرئیل امین ہیں (ولقد راٰہ بالافق المبین (تکویر) (ولقد راٰہ نزلۃ اُخرٰی (نجم)

خود حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ سب سے پہلے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا، آپؐ نے فرمایا یہ جبرئیل امین تھے میں نے اِن کو دو موقعوں کے سوا کبھی اصلی صورت میں نہیں دیکھا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۸ باب ذکر سدرۃ المنتہیٰ)

حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام میں سے کوئی بھی حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن مسعودرضؓ کی اس تفسیر کا مخالف نہیں ہے۔

(تفسیر سورۂ اسرار)

البتہ حضرت ابن عباسؓ یا دوسرے جو صحابہ رُویت کے قائل ہیں اُن کا مطلب بقول حافظ ابن حجرؒ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی آنکھوں سے جلوہ ربانی کا مشاہدہ کیا، ظاہری آنکھوں سے نہیں۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۶۸)

الغرض اس تشریح کے بعد اس مسئلہ میں کوئی نزاع نہیں رہ جاتی۔ رہی یہ بات کہ دل کا دیکھنا اور قلب کا مشاہدہ کیا ہوتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس بات کو وہی سمجھتا ہے جس کے دل میں نورِ بصیرت اور جس کے قلب میں مشاہدہ کی طاقت ہو۔

نتائج و عبر

ایک تاریخی روایت

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں حافظ ابونعیم اصبہانی کی کتاب دلائل النبوہ سے ایک روایت نقل کی ہے جسکے راوی محمد بن عمر واقدی ہیں (واقدی کو اگرچہ محدثین نے علم حدیث میں ضعیف قرار دیا ہے لیکن امام ابن کثیر جیسے محتاط محدث نے اُن کی روایت کو نقل کیا ہے۔ کیونکہ اس روایت کا

تعلق عقائد یا حلال وحرام سے نہیں ہے اور ایسے تاریخی معاملات میں اُنکی روایت نقل کی جاسکتی ہے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن شاہانِ عالم کو تبلیغی خطوط روانہ کئے تھے اُن میں روم کے بادشاہ قیصر کے پاس اپنے قاصد حضرت دحیہ بن خلیفہ رضؓ کو نامہ مبارک دے کر روانہ کیا تھا (جس کا تذکرہ صحیح بخاری کے علاوہ احادیث کی سب معتبر کتب میں موجود ہے) روم کے بادشاہ ہرقل نے آپؐ کا نامہ مبارک پڑھنے کے بعد عرب کے اُن تاجروں کو جمع کیا جو اُس وقت روم میں بغرض تجارت آئے ہوئے تھے تاکہ اُن نبی کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ ابوسفیان اور اُن کے ساتھی جو اُس وقت تجارت کے لئے آئے ہوئے تھے شاہی حکم کے مطابق اُنھیں طلب کیا گیا، شاہ ہرقل نے ابوسفیان سے مختلف سوالات کئے جنکی تفصیل بخاری شریف میں موجود ہے۔ ابوسفیان اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے اِن کے دل میں یہ خواہش وتقاضہ پیدا ہوا کہ یہ موقع بہت اچھا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ ایسی باتیں بیان کردی جائیں جن سے آپ کا بے حقیقت ہونا یا بے حیثیت ہونا ظاہر ہوجائے مگر ابوسفیان کے دل میں دوسرا خیال یہ بھی آیا کہ اگر میں نے کوئی بات آپؐ کے خلاف جھوٹ کہدی اور پھر کسی وجہ سے اُس کا جھوٹ ہونا ظاہر ہوجائے تو میں بادشاہ کی نظر میں ہمیشہ کے لئے جھوٹا ہوجاؤں گا اور میرے ساتھی بھی موقع بموقع مجھے جھوٹ کا طعنہ دیں گے۔ لہذا میں اُن نبیؐ کے بارے میں کوئی بات جھوٹ نہ کہہ سکا۔ البتہ میں نے یہ مناسب سمجھا کہ شاہ روم کو اُن کے معراج کا واقعہ سنادوں تاکہ بادشاہ کو خود اس واقعہ کا جھوٹا ہونا معلوم ہوجائے گا۔ اسطرح خود بخود (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بے حیثیت ہونا ثابت ہوجائے گا۔ تو میں نے کہا اے بادشاہ اِن کا ایک واقعہ آپ سے بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ یہ مدعی نبوت بیان کرتے ہیں کہ وہ

ایک رات میں مکہ مکرمہ سے نکلے اور آپ کی اس مسجد بیت المقدس میں پہنچے اور پھر اُسی رات صبح ہونے سے پہلے پہلے مکہ مکرمہ واپس بھی ہوگئے۔

بیت المقدس (ایلیا) کا سب سے بڑا عالم جو اُس وقت بادشاہ کے دربار میں موجود تھا اچانک بول پڑا کہ "میں اُس رات سے واقف ہوں۔" بادشاہ نے پوچھا کہ تم کو کیونکر خبر ہوئی؟

عرض کیا اے بادشاہ میری عادت تھی کہ رات کو اس وقت تک نہیں سوتا تھا جب تک کہ بیت المقدس کے تمام دروازے بند نہ کر دوں۔ اُس رات میں نے حسب عادت سب دروازے بند کر دیئے مگر ایک دروازہ بند نہ ہوسکا تو میں اپنے لوگوں کو بلایا اُنھوں نے پوری کوشش کی مگر دروازہ بند نہ ہوسکا۔ ہم بے بس ہوکر کاریگروں کو بلا لائے اُنھوں نے دیکھ کر کہا اس دروازے کے اوپر چھت کا بوجھ پڑ گیا ہے اب صبح ہونے سے پہلے کوئی تدبیر نہیں کی جاسکتی۔ میں مجبور ہوکر لوٹ آیا اور دروازے کے دونوں پٹ کھلے رہے۔ صبح ہوتے ہی پھر اُس دروازے پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ دروازہ کے پاس ایک پتھر کی چٹان میں روزن کیا ہوا ہے۔ ایسا صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہاں رات کو کوئی آیا اور اپنا جانور اس چٹان سے باندھ دیا تھا اس وقت میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا آخر زمانے میں ایک نبی یہاں آنے والے تھے یقین ہے کہ وہ آج رات یہاں تشریف لائے تھے اُن کی آمد کے آثار بھی صبح تک ظاہر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دروازے کو بند ہونے سے روک دیا تھا۔ اس کے بعد اُس عالم نے اپنی مذہبی کتابوں سے اُس نبی موعود کی بہت سی باتیں نقل کیں۔

اس طرح ابوسفیان کا وہ خیال بھی پورا نہ ہوا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حیثیت یا جھوٹا ثابت کرنا چاہا تھا۔ (ابن کثیر ج ۳ ص ۲۴)

معراج جسمانی اور دلائل اربعہ

اس مسئلہ میں صحیح فیصلے کی یہی صورت ہے

کہ متکلمانہ اعتراضات اور عقلی محالات، فلسفی خدشات سے خالی الذہن ہوکر روایاتِ صحیحہ کے اصل الفاظ پر غور کیا جائے تو یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ معراج جسمانی تھی اور بیداری کی حالت میں تھی۔ خواب یا صرف روحانی نہ تھی، جسم اور روح کے ساتھ آپؐ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے اسی حالت میں آسمانوں کی سیر فرمائی۔

مفسرین میں سے ابن جریر طبری سے لے کر امام رازی تک سب نے اس مسلک پر چار عقلی دلیلیں قائم کی ہیں۔

(۱) قرآن حکیم نے اس واقعہ کی ابتداء اس طرح کی ہے :۔

"سُبحان الذی اسریٰ بعبدہ" (اسراء آیت ۱)

پاک ہے وہ ذات جو (شب معراج میں) لے گیا اپنے بندے (عبد) کو

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو لے گیا، بندہ یا عبد کا اطلاق جسم ، اور روح دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔ تنہا روح کو عبد یا بندہ نہیں کہا جاتا۔ لہٰذا معراج جسم اور روح کے ساتھ ہوئی۔

(۲) واقعات معراج میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپؐ براق پر سوار ہوئے، دودھ کا پیالہ نوش فرمایا، سوار ہوئے، سلام و کلام کیا۔ یہ سب جسم کے خواص ہیں اور جسم پر ہی صادق آتے ہیں۔ روح کا سوار ہونا، کھانا پینا، کلام و سلام کرنا بے معنی مطلب ہوگا۔ لہٰذا معراج جسمانی تھی۔

(۳) اگر واقعہ معراج رویا یا خواب ہوتا تو کفار اسکی تکذیب کیوں کرتے؟ اور اتنا شور و پکار کیوں ہوتا؟ انسان خواب میں کیا کیا نہیں دیکھتا؟ محال سے محال چیز بھی اُسکو عالم خواب میں واقعہ بن کر نظر آتی ہے، خواب کی بات پر کوئی بھی تعجب نہیں کرتا چہ جائیکہ انکار اور تکذیب پر اُتر آئے۔ لیکن اس کے باوجود یہ سب کچھ ہوا۔ معلوم ہوا کہ معراج جسمانی طور پر ہوئی تھی اور آپؐ نے اسی حیثیت سے لوگوں کو بیان فرمایا تھا تب ہی تو کفار میں یہ شور و غل مچا۔

ورنہ آپؐ کے لئے یہ کہنا بہت آسان تھا کہ اے لوگو! تم کیوں تکذیب کر رہے ہو میں نے تو یہ خواب دیکھا ہے۔ بس قصہ ختم ہو جاتا۔

(۴) قرآن حکیم نے اس واقعہ کو "فتنۃ للناس" معیار آزمائش بنایا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔

(بنی اسرائیل آیت ۶۰)

(اور اس مشاہدہ معراج کو ہم نے لوگوں کے لئے معیار آزمائش بنایا ہے۔)

اگر یہ عام خواب ہوتا تو یہ آزمائشِ ایمان کیا چیز تھی اور اس پر ایمان لانا کیا مشکل تھا۔ اور پھر خواب وخیال کو معیار، آزمائش، امتحان بنانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ حالانکہ اس واقعہ کو ایمان وکفر کی کسوٹی قرار دیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی کلام کا فطری قاعدہ یہ ہے کہ جب تک متکلم اپنے کلام میں یہ ظاہر نہ کر دے کہ یہ خواب تھا تو طبعی طور پر یہی سمجھا جائیگا کہ یہ واقعہ بحالتِ بیداری پیش آیا۔ قرآن حکیم نے ان الفاظ میں "سُبْحَانَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا" (پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو ایک رات لے گیا) میں کسی خواب کی تصریح نہیں۔ اسی طرح حضرت ابوذر غفاری رضؓ کی صحیح ترین روایت اور دیگر روایات صحیحہ میں بھی ایسی کوئی تصریح نہیں۔ اس لئے بلا شک وشبہ یہ بیداری ہی کا واقعہ سمجھا جائے گا۔

معراج جسمانی کے یہ دلائل اربعہ (چار دلیلیں) عقلی، کلامی، فلسفی، منطقی، شرعی طور پر ہر لحاظ سے مضبوط اور مستحکم ہیں:۔ فَاسْئَلُوْآ اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ۔

دو۲ اعتراضات اور اُن کے جوابات

معراج کا ثبوت تو قرآن حکیم کی واضح آیت سے ثابت ہے جس کا انکار کسی مسلمان کے لئے ممکن نہیں۔ البتہ معراج کی تفصیلات احادیث میں مذکور ہیں اس لئے بعض منکرین حدیث نے معراج کی ان تفصیلات کا انکار کیا ہے۔ منجملہ اُن انکار کے ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں کی سیر کے بعد سدرۃ المنتہیٰ سے اُوپر اللہ تعالےٰ سے ملاقات کی اور ہم کلامی کا شرف پایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کسی خاص مقام پر مقیم تھا۔ حالانکہ قرآن حکیم کی صراحت کے مطابق وہ ہر

جگہ موجود ہے۔ اُس کو زمان اور مکان سے مقید نہیں کر سکتے۔ اَیۡنَمَا کُنۡتُمۡ فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ الآیہ وَ هُوَ مَعَكُمۡ اَیۡنَمَا کُنۡتُمۡ الآیہ لہذا کسی بندے کو پیشی کے لئے سفر کرا کے ایک خاص مقام پر لے جانیکی کیا ضرورت تھی ؟

دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ احادیث کی تفصیلات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کرایا گیا اور بعض گنہگاروں کے مبتلائے عذاب ہونے کا معائنہ کرایا گیا، حالانکہ جزا اور سزا کا فیصلہ قیامت کے بعد ہوگا اور یہ جزا بندوں کے فیصلے سے پہلے کیسی ؟ لہذا احادیث کی تفصیلات قابلِ قبول نہیں ہوسکتیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ اور اس قسم کے دیگر اعتراضات علم و عقل کی کمی کے باعث پیدا ہوئے ہیں۔ تھوڑے سے غور وفکر سے یہ دونوں اعتراضات خود بخود دُور ہوجاتے ہیں۔ پہلا اعتراض تو اس لئے غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں اگرچہ غیر مقید اور غیر محدود ضرور ہے لیکن جب وہ مخلوق کے ساتھ کوئی معاملہ (ملاقات یا کلام) کرتا ہے تو وسائل اور ذرائع اختیار کرتا ہے اور یہ طریقہ اپنی مجبوری یا کمزوری کی بنا پر اختیار نہیں کرتا بلکہ مخلوق کی معذوری یا مجبوری یا کمزوری کی وجہ سے اختیار کرتا ہے۔ مثال کے طور پر جب وہ اپنی مخلوق میں نبیوں سے کلام کرتا ہے تو کلام کا وہ معروف ومحدود طریقہ استعمال کرتا ہے جیسے نبی سن سکے اور سمجھ سکے۔ حالانکہ وہ خود اپنے کلام کہنے میں وسائل و ذرائع کا محتاج نہیں۔ اسی طرح جب وہ اپنے بندے (نبی) کو اپنی سلطنت کی عظیم الشان نشانیاں دکھانا چاہتا ہے تو اُسکو اسکے محدود اور مخصوص ذرائع کے ساتھ لے جاتا ہے اور جہاں جو چیز دکھانی ہوتی ہے اُسی جگہ اُسکو دکھائی جاتی ہے کیونکہ وہ بندہ ساری کائنات کو بیک وقت اُس طرح نہیں دیکھ سکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کے مشاہدہ کے لئے کہیں جانے آنے کی قطعاً ضرورت نہیں پڑتی، مگر بندے کو ہوتی ہے۔ یہی معاملہ اللہ کے حضور میں باریابی کا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ بذات خود کسی خاص مقام پر متمکن نہیں ہے اور نہ اس کا وہ محتاج ہے۔ مگر بندہ اللہ کی ملاقات کے لئے ایک جگہ کا محتاج ہے جہاں اُس بندے کے لئے اُس مقام کو اپنی تجلیات و انوار کو مرکز بنایا جائے ورنہ اللہ کی شانِ اطلاقی میں بندۂ محدود کے لئے ملاقات ممکن نہیں ہے۔ لہذا یہ اعتراض کوئی حقیقت نہیں رکھتا کہ معراج کی رات اللہ تعالیٰ کسی خاص مقام پر مقیم تھا جس سے اس کا مقید اور محدود ہونا لازم آئے۔

فَتَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔ رہا دوسرا اعتراض کہ قیامت سے پہلے گنہگار بندوں کو سزا اور عذاب کیسا؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ معراج کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بہت سے مشاہدات کرائے گئے تھے اُن میں اکثر تو وہ تھے جو حقیقت اور واقعہ کے طور پر سامنے آئے تھے اُس میں مجاز یا تمثیل کی کوئی صورت نہ تھی وہ ایسے ہی واقعات تھے جو آنکھوں سے دیکھے گئے۔

البتہ بعض حقیقتوں کو جو عالم آخرت میں جزا وسزا کے طور پر پیش آنے والے ہیں مُمَثَّل کر کے دکھایا گیا تھا گویا یہ اُن جرائم کی پاداش تھی جنکو غافل لوگ دنیا میں کیا کرتے ہیں۔ مثلاً ایک فتنہ انگیز بات کی یہ تمثیل کہ ایک ذرا سے شگاف میں سے ایک موٹا بیل نکلا اور پھر اُس میں واپس نہ جاسکا۔ اسی طرح وہ اپنا سر ٹکرا رہا تھا۔ یہ اُس فتنہ گر کی جزا ہوگی جو دنیا میں فتنہ انگیزی کیا کرتا تھا۔

اسی طرح زناکاروں کی یہ تمثیل کہ اُن کے آگے تازہ اور پاکیزہ گوشت موجود ہے مگر وہ لوگ اسکو چھوڑ کر سڑا اور گندہ گوشت کھا رہے ہیں جو اُن کی دوسری جانب رکھا ہے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے ہاں دنیا میں شریف اور پاکیزہ بیویاں تھیں لیکن انھوں نے ناپاک اور گندی عورتوں سے تعلق قائم کر رکھا تھا۔ اسی طرح بعض بُرے اعمال کی جو جزا آپؐ کو دکھائی گئیں وہ اسی قسم کی تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ عالم برزخ (عالم قبر) ایک ایسی دُنیا ہے جہاں مرنے کے بعد سے حشر ونشر تک نیک و بد دونوں کی ارواح کا مستقر ہے۔ اگرچہ یہ جزا وسزا کی جگہ نہیں لیکن نیکوں کے لئے جنت نشان اور گنہگاروں کے لئے جہنم کدہ جیسا ہے۔ معراج میں آپؐ کو اسی عالم کی سیر کرائی گئی اور وہ حقیقتیں دکھائی گئیں جن پر ایمان بالغیب لانے کی عام انسانوں کو دعوت دی گئی ہے۔ اب زمین پر آکر انبیاء کرام جو کچھ بھی کہتے ہیں وہ اپنے براہِ راست علم اور مشاہدے کی بنا پر کہتے ہیں اور پورے وثوق اور اطمینان سے یہ شہادت دیتے ہیں کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہ قیاس یا گمان کی بناء پر نہیں بلکہ آنکھوں دیکھا حال ہے۔

انبیاء کرام کے معراج کی یہی غرض وغایت ہوتی ہے۔

ہجرت ہجرت کے معنی چھوڑ دینے کے ہیں اور اسلامی زبان میں دین کی حفاظت کے لئے اخلاص کی بنیاد پر وطن ترک کر دینا۔

مکہ کی زندگی میں کفارِ مکہ اور مشرکین نے ہر قسم کے ظلم وستم کا نشانہ بنا کر مسلمانوں کو اسلام پر قائم رہنا مشکل بنا دیا تھا۔ ایسے نازک اور صبر آزما حالات میں باذن الٰہی مسلمانوں کو مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ طیبہ چلے جانے کا حکم دیا گیا تاکہ اپنے اسلام و ایمان کو محفوظ رکھا جائے۔

یہ حکم سنتے ہی پوشیدہ طور پر ہجرت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی نے مع بیوی اور بچے کے ہجرت کا ارادہ کیا اور اسکے لئے سواری کا انتظام بھی کر لیا اور سوار ہوکر روانہ ہوگئے۔ اس وقت خاندان والوں کو اطلاع ہوئی ان کی بیوی ام سلمہؓ (جو کہ ابوسلمہ رضؓ کی وفات کے بعد ام المومنین بنیں) کے رشتہ داروں نے یہ کہا کہ اے ابوسلمہ رضؓ تم کو اپنے آپ کا اختیار ہے لیکن ہماری بیٹی ام سلمہؓ کو تم نہیں لے جا سکتے اور یہ کہہ کر ام سلمہ رضؓ کو اُتار لیا۔ کچھ دُور آگے چلے تھے کہ خود ابوسلمہ رضؓ کے رشتہ دار آپہنچے اور یہ کہہ کر کہ یہ بچہ ہمارے خاندان کا ہے اسکو تم نہیں لے جا سکتے، ابوسلمہ رضؓ کی گود سے چھین لیا۔ ماں، باپ، بچہ سب ایک دوسرے سے جُدا ہوگئے۔ اب ابوسلمہ رضؓ تن تنہا مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔

ام سلمہ رضؓ کہتی ہیں کہ جب صبح ہوتی تو میں مقام ابطح میں جاکر بیٹھ جاتی اور شام تک روتی رہتی۔ جب اس طرح ایک سال گذر گیا تو میرے رشتہ داروں میں سے ایک شخص کو مجھ پر رحم آیا اور اُس نے میرے خاندان کے بڑوں کو کہا کہ کیا تم کو اس مسکینہ پر رحم نہیں آتا؟ اسکی حالت پر رحم کرو، یہ روتے روتے مر جائیگی۔

اس سفارش پر مجھ کو مدینہ جانیکی اجازت مل گئی اور بنی الاسد نے بھی میرا بچہ واپس کر دیا۔ میں نے بچہ کو گود میں لیا اونٹ پر سوار ہوکر تنہا مدینہ کا راستہ لیا۔ جب مقام تنعیم پر پہنچی تو عثمان بن طلحہ ملے تنہا دیکھ کر پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟

میں نے کہا اپنے شوہر ابوسلمہ رضؓ کے پاس مدینہ جا رہی ہوں۔ پوچھا تمہارے ساتھ کوئی نہیں؟

میں نے کہا:۔

لَا وَاللّٰہِ اِلَّا اللّٰہُ وَبُنَیَّ ھٰذَا۔

خدا کی قسم کوئی نہیں سوائے اللہ اور میرے اس بچے کے۔

یہ سنکر عثمان کا دل بھر آیا اونٹ کی مہار پکڑ کر آگے آگے ہو لئے۔ جب منزل آتی تو اونٹ بٹھلا کر خود پیچھے ہٹ جاتے۔ جب میں اُتر جاتی تو اونٹ کو دور لے جاتے .... اور ایک درخت سے باندھکر خود اس درخت کے سایہ میں لیٹ جاتے اور جب روانگی کا وقت آتا تو اونٹ کو لا کھڑا کرتے اور خود پیچھے ہٹ جاتے اور کہتے کہ سوار ہو جاؤ۔ جب سوار ہو جاتی تو مہار پکڑ کر چلتے جب کسی منزل پر اُترتے تو ایسا ہی کرتے۔ یہاں تک مدینہ پہنچے جب قُبا کے مکانات دُور سے نظر آنے لگے تو کہا کہ اس بستی میں تمہارے شوہر ابو سلمہؓ مقیم ہیں۔ پھر مجھکو میرے شوہر کے گھر پہنچا کر مکّہ واپس ہو گئے۔ خدا کی قسم میں نے عثمان بن طلحہؓ سے زیادہ کسی کو شریف نہیں پایا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۶۹) پھر عامر بن ربیعہ نے اپنی بیوی لیلہ بنت خثیمہ اور ابو احمد بن جحش اور ان کے بھائی عبد اللہ بن جحش نے مع اہل و عیال ہجرت کی اور اپنے مکان کو قفل ڈال دیا۔ عُتبہ اور ابو جہل کھڑے اس منظر کو دیکھ رہے تھے کہ لوگ ایک ایک کر کے مکّہ سے کوچ کر رہے ہیں اور مکّہ کے مکان خالی اور ویران ہو رہے ہیں۔ سانس بھر کر کہا کہ یہ سب کچھ ہمارے بھتیجے (محمدؐ) کا کام ہے جس نے ہماری جماعت میں تفریق ڈال دی ہے۔

۱۱ سنہ نبوت میں حج کے موقعہ پر الحرار اور منیٰ کے درمیان مقام عَقبہ میں مدینہ کے چند لوگوں نے شب کی تاریکی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنا اور اسلام قبول کیا۔ یہ چھ یا آٹھ شخص تھے دوسرے سال بارہ اور اشخاص جن میں سابقہ اشخاص بھی تھے حاضرِ خدمت ہوئے اور اسلام لے آئے۔ اسکو عقبۂ اولیٰ کی بیعت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس واقعہ نے مدینہ کے ہر گھر میں اسلام کا چرچا کر دیا اور ۱۳ سنہ نبوت کو تہتر (۷۳) مرد اور دو عورتوں نے اسی مقام عقبہ پر حج کے زمانے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ انہی حضرات میں سے بارہ افراد کا انتخاب کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت و تبلیغ کے لئے اپنا نقیب مقرر فرمایا اور انھیں مدینہ روانہ کر دیا۔ اس بیعت کا نام عقبہ ثانیہ قرار پایا۔

اب مدینہ میں اسلام کی اشاعت نے روز افزوں ترقی اختیار کر لی اور مکّہ میں

اِس کا ہر جگہ چرچا ہونے لگا. مشرکینِ مکّہ پر یہ بات گراں تر ہونے لگی اور مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے کے لئے مظالم میں اضافہ کر دیا اور انسدادِ ہجرت کے لئے ہر ممکن ذرائع کو اختیار کیا حتیٰ کہ اہلِ مکّہ نے مسلمانوں کو اپنے اموال اور اہل وعیال کو ساتھ لے جانے سے روک دیا. لیکن یہ مخلص مسلمان ہجرت کی خاطر ان سب چیزوں کو چھوڑ کر مدینہ روانہ ہونے لگے.

ہجرتِ نبوی

اب مکّہ میں مشاہیر مسلمانوں میں سے صرف حضرت ابو بکرؓ حضرت علیؓ رہ گئے تھے اور ایک قلیل تعداد اُن مسلمانوں کی رہ گئی تھی جو بے بس تھے اور کفار کے پنجے میں پھنسے ہوئے تھے. قریش کے سرداروں نے سوچا کہ اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دینے کا اچھا موقعہ ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بھی چپکے سے مدینہ چلے جائیں، اس کے لئے انھوں نے "دارالندوہ" میں تمام سرداروں کو جمع کر کے قتل کا مشورہ چاہا. شیطان مردود ایک بوڑھے شخص کی شکل میں نمودار ہوا. لوگوں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ کہا میں نجد کا ایک شیخ ہوں تمہاری گفتگو میں شریک ہونا چاہتا ہوں اور اپنی رائے سے تمہاری مدد کروں گا. لوگوں نے اندر آنے کی اجازت دے دی اور گفتگو شروع ہوئی. مؤرخ سہیلی کی روایت کے مطابق ابوالبختری ابن ہشام نے یہ مشورہ پیش کیا کہ اُن (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کو آہنی زنجیروں میں قید کر کے ایک کمرہ میں بند کر دیا جائے یہاں تک کہ وہ فوت ہو جائے.

یہ سنکر شیخ نجدی نے کہا یہ رائے درست نہیں، کیونکہ اگر تم نے ایسا کر دیا تو اسکی شہرت دور دور تک پہنچ جائیگی اور اُنکے چاہنے والے جمع ہو کر تم پر حملہ آور ہو جائیں گے اور انھیں قید سے چھڑا لیں گے. اسپر ہر جانب سے آوازیں اٹھیں کہ شیخ نجدی کی بات درست ہے.

اسکے بعد ابو الاسود نے رائے پیش کی کہ اِن کو مکّہ سے باہر کر دیا جائے تاکہ ہمارا شہر ان کے فساد سے محفوظ ہو جائے. شیخ

نجدی یہ سنکر پھر بولا کہ یہ رائے بھی صحیح نہیں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیسے شیریں کلام آدمی ہیں لوگ اُن کا کلام سُن کر مسحور ہو جاتے ہیں اگر انھیں آزاد چھوڑ دیا جائے تو بہت جلد اپنی طاقتور جماعت بنالیں گے اور تم پر کسی وقت بھی حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ اسکے بعد ابوجہل نے کہنا شروع کیا کہ تم لوگوں کو جو کام کرنے کا ہے وہ میں نہیں سمجھا، میری سمجھ میں یہ بات آئی ہے کہ ہم عرب کے سب قبیلوں میں سے ہر قبیلہ کا ایک جوان منتخب کریں اور ہر ایک کو عمدہ کام کرنے والی تلوار دے دیں اور پھر ایک مقررہ دن سب کے سب حملہ آور ہو کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیں۔ اس طرح ہم اُس کے فساد سے محفوظ ہو جائیں گے۔ اب رہا بنو عبد مناف کا مطالبہ جو ان کے خون بہا پر ہو گا ہم سب ادا کر دیں گے۔ قصاص (جان کا بدلہ جان) کسی پر عائد نہ ہو گا۔ کیونکہ قتل میں کوئی ایک قبیلہ شریک نہیں ہو گا۔ اور بنو عبد مناف تمام قبائل سے لڑ نہ سکیں گے۔ مجبوراً دیت (جرمانہ) پر راضی ہو جائیں گے۔ شیخ نجدی یکدم بول پڑا کہ بس رائے یہی ہے اور تم نے صحیح فیصلہ کیا۔ پوری مجلس نے بھی اس کی تائید کی اور یہ طے کیا کہ آج ہی کی رات یہ کام ہو جانا چاہیئے۔ چنانچہ اسکی تیاری شروع کر دی گئی ادھر وحی الٰہی کے ذریعہ حضرت جبرئیل امین نے دارالندوہ کی پوری روئیداد رات سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا دی اور اللہ کا یہ حکم بھی سنا دیا کہ آج رات آپؐ مکّہ سے ہجرت کر جائیں۔ آپؐ نے اپنے بستر پر حضرت علی رضؓ کو لیٹا دیا اور قریش کی امانتیں اُن کے سپرد کیں کہ صبح ان کے مالکوں تک پہنچا دیا جائے اور اللہ کا حکم ہجرت بھی بتا دیا۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت ہے کہ آپ عین دوپہر کے وقت ابو بکر صدیق رضؓ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مجھ کو ہجرت کی اجازت ہو گئی ہے۔ حضرت ابو بکر رضؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں کیا مجھکو بھی ساتھ چلنے کی اجازت ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں!

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ یہ سنکر ابو بکرؓ رو پڑے۔ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اس سے پہلے مجھ کو گمان نہ تھا کہ فرطِ مسرت سے بھی کوئی رونے لگتا ہے۔ ابو بکر صدیقؓ نے پہلے ہی سے ہجرت کے لئے دو طاقتور اونٹنیاں تیار کر رکھی تھیں جنکو چار ماہ تک ببول کے پتے کھلا رہے تھے۔ الغرض جب رات کا وقت آیا اور تاریکی چھا گئی تو قریش نے حسب قرارداد آپؐ کے مکان کو گھیر لیا۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹا کر ایک مشت خاک اُٹھائی اور سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیات فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ (الآیہ ۹) تک پڑھکر ان کے سروں پر پھینک دی۔ اللہ تعالیٰ نے اِن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور آپؐ ان کے سامنے سے شَاهَتِ الوجوه، شَاهَتِ الْوُجُوْهُ کہتے نکل گئے کسی کو نظر نہ آئے، ان ہی کے درمیان سے گزر کر حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ شہر مکہ سے نکل گئے اور قریب ہی غارِ ثور میں پناہ لی۔ رات ہی کو کسی طرح پتہ چل گیا کہ آپؐ گھر سے نکل گئے ہیں اور کسی کو بھی خبر نہیں ہوئی۔ تلاش شروع ہوئی، عرب میں اُس وقت قیافہ شناس لوگ کثرت سے تھے۔ پتہ لگاتے لگاتے غار ثور کے دہانہ تک پہنچ گئے۔ یہاں تک کہ اگر ذرا جُھک کر دیکھتے تو آپؐ اِن کے سامنے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ فطری طور پر گھبرا گئے مگر آپؐ نے انھیں تسلی دی کہ

"غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

چنانچہ ساتھ والے اللہ نے یہ تدبیر کی کہ کافروں سے ان کی سوجھ بوجھ چھین لی کہ وہ ذرا جُھک کر دیکھیں اور اِن کے دل میں ایسی بات ڈال دی کہ وہ بے دیکھے واپس چلے گئے۔

تاریخ کی ضعیف روایتوں میں اور مسند ابن حنبل کی ایک روایت میں جو زیادہ کمزور نہیں ہے مذکور ہے کہ مکڑی نے غار کے منہ پر جالے تن دیئے تھے۔ کفار نے کہا اگر کوئی اس غار میں چھپتا تو ظاہر ہے یہ جالے ٹوٹ جاتے۔

کہا جاتا ہے کہ مشہور قیافہ شناس جو ساتھ تھا یہی کہتا رہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس حد سے آگے نہیں گئے۔ گھر سے چلتے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی بڑی صاحبزادی اسماء بنت ابی بکر رضؓ نے سفر کے لئے توشہ تیار کیا عجلت میں بجائے رسّی کے اپنی اوڑھنی پھاڑ کر ناشتہ دان باندھا۔ اسی دن سے حضرت اسماء کا نام ذات النطاقین (دو پٹکے والی) پڑ گیا۔ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ ایک ٹکڑے سے توشہ دان باندھا اور دوسرے سے مشکیزہ کا منہ بند کیا۔ (طبقات ابن سعد ج ا ص۱۵۵)

حضرت عبداللہ بن ابی بکر (حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے فرزند) اُن دنوں جواں سال تھے۔ دن بھر مکہ میں رہتے اور رات کو آکر قریش کی خبریں بیان کرتے اور عامر بن فہیرہ رضؓ (حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے آزاد کردہ غلام) بکریاں چرایا کرتے تھے اور عشاء کے وقت آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضؓ کو بکریوں کا دودھ پلا جاتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۳ ص۱۸۴)

عبداللہ بن اریقط اگرچہ مذہباً مشرک تھا لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے راستہ کی نشان دہی کے لئے اُسکو اُجرت پر مقرر کیا اور اپنی اونٹنیاں اُسکے حوالے کیں۔ وہ تیسرے دن جبل ثور پر اونٹنیاں لیکر حاضر ہوگیا اور پھر آپ مدینہ کیلئے روانہ ہوگئے۔ (بخاری شریف باب الہجرۃ)

غارِ ثور سے نکل کر جب آپؐ مدینہ کی راہ چلے تو قریش کے جو سوار آپکے تعاقب کے لئے نکلے تھے اُن میں سُراقہ آپکو نظر آیا وہ تیزی کے ساتھ آپؐ کے قریب پہنچ گیا لیکن دفعتہً اُسکے گھوڑے کے پیر زمین میں دھنس گئے، سُراقہ نے عرض کیا یقین ہے کہ تم دونوں نے بد دُعا کی ہو۔ اللہ کے واسطے میرے لئے دعا کرو خدا کی قسم میں آپؐ سے عہد کرتا ہوں کہ جو شخص بھی آپؐ کو تلاش کرتا ہوا ملے گا میں اُس کو واپس کر دوں گا۔

بخاری شریف کی روایت میں بد دُعا کے یہ الفاظ آئے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اصْرَعْہُ۔ اے اللہ اسکو پچھاڑ دے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سراقہ بن مالک آپ کی بددعا سے پیٹ تک دھنس گیا تھا۔ (فتح الباری ج ۷ ص۱۸۸)

آپؐ نے دعا فرمائی زمین نے گھوڑے اور سراقہ کو چھوڑ دیا۔ سراقہ کہتا ہے کہ میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ اب آپؐ کو ضرور غلبہ اور طاقت عطا کرے گا۔ پھر میں نے آپؐ سے کہا کہ قریش نے آپؐ کی گرفتاری کے لئے سّو اونٹ انعام دینے کے لئے اشتہار دیا ہے۔ اسی حرص میں میں نے یہ اقدام کیا تھا۔

اسکے بعد میں نے اپنا زادِ راہ آپؐ کے آگے پیش کر دیا آپؐ نے قبول نہیں کیا البتہ یہ فرمایا کہ ہمارا حال کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ میں نے وعدہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی درخواست کی کہ آپ ایک تحریر امن ومعافی کی مجھکو لکھوا دیں! آپؐ کے حکم سے عامر بن فہیرہ رضؓ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر معافی کی سند لکھ کر مجھ کو عطا کی اور میں امان نامہ لیکر واپس ہوا اور جو شخص بھی آپؐ کے تعاقب میں نظر آتا اُسکو یہ کہہ کر واپس کر دیتا کہ تمہارے جانے کی ضرورت نہیں میں دیکھ آیا ہوں۔

(بخاری ج ۱ ص۵۱۰، ص۵۱۵، ص۵۵۷)

ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپؐ نے سُراقہ سے فرمایا، اے سراقہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جس وقت تو کسریٰ (ایران کے بادشاہ) کے کنگن پہنے گا؟

سراقہ اس بات کو سمجھ نہ سکا لیکن خلافت فاروقی میں جب ایران فتح ہوا اور کسریٰ کا تاج اور خزانہ مسجد نبوی کے سامنے لاکر ڈال دیا گیا تو حضرت عمرؓ نے سراقہ کو طلب کیا اور اُس سے مخاطب ہو کر کہا اے سراقہ ہاتھ اُٹھا اور پھر کسریٰ کے کنگن اُسکے ہاتھوں میں پہنا کر فرمایا:-

اللہ اکبر حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے یہ کنگن کسریٰ سے چھینے اور ایک گنوار دیہقانی سراقہ کو پہنائے۔ (اصابہ ترجمہ سراقہ بن مالک، استیعاب ج ۱ ص ۱۲۰)

ہجرت کا یہ واقعہ ربیع الاوّل ۱۳ نبوت دوشنبہ کے دن پیش آیا۔

اہلِ تاریخ یہ بھی لکھتے ہیں کہ آپؐ مکہ مکرمہ سے ۲۷ صفر جمعرات کے دن برآمد ہوئے۔ تین دن غار ثور میں رہ کر یکم ربیع الاوّل بروز دوشنبہ مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور ساحلِ سمندر کے راستہ چل کر ۸ ربیع الاوّل بروز دوشنبہ ہی کے دن دوپہر کے وقت قُبار میں نزول فرمایا، قبار میں قبیلۂ عمرو بن عوف کے سردار کلثوم بن ہدم کے مکان پر قیام فرمایا۔ اور آپؐ نے یہاں ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ یہ اس امت کی پہلی مسجد ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ قبار میں چند دن قیام فرماکر جمعہ کے دن مدینہ منورہ کا ارادہ فرمایا۔ اپنی ناقہ (اونٹنی) پر سوار ہوئے۔ راستہ میں محلہ بنی سالم پڑتا تھا یہاں جمعہ کا وقت آگیا نماز جمعہ ادا کی۔ اسلام میں آپ کا یہ پہلا خطبہ اور پہلی نماز جمعہ تھی۔ نماز جمعہ سے فارغ ہوکر ناقہ پر سوار ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رض کو اپنے پیچھے بٹھایا شہر مدینہ کا رُخ فرمایا۔ انصار کا ایک جم غفیر آپؐ کے ساتھ تھا۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ آپؐ اُسکے گھر مہمان ٹھہریں آپؐ ان کو دُعا دیتے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ آج میری یہ ناقہ من جانب اللہ مامور (پابند) ہے جہاں اللہ کے حکم سے بیٹھ جائیگی وہیں قیام کروں گا۔ دَعُوْهَا فَاِنَّهَا مَامُوْرَةٌ۔ اسکو چھوڑ دو اسکو الہام کیا گیا ہے۔ (فتح الباری ج ۷، ص ۱۹۲)

آپؐ نے اپنی ناقہ کی لگام کو بالکل ڈھیلا چھوڑ رکھا تھا کسی بھی جانب حرکت نہیں دیتے تھے۔ بالآخر ناقہ محلہ بنی النجار (جو آپؐ کا ننھیال تھا) میں خود بخود اُس مقام پر پہنچ گئی جہاں اس وقت مسجد نبویؐ کا دروازہ (بابُ السلام) ہے۔ مگر آپؐ ناقہ سے نہیں اترے۔ چند ہی لمحات بعد ناقہ پھر اٹھی اور حضرت ابو ایوب انصاری رض کے دروازے پر جا بیٹھی اور پھر معاً اُٹھکر پہلی جگہ آبیٹھی اور اپنی گردن زمین پر ڈال دی۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقہ سے نزول فرمایا اور حضرت ابو ایوب رضؓ کے مکان پر قیام کیا۔

ع "مبارک منزلے کہ خانہ را ماہے چنیں باشد"
وہ گھر بھی کیا مبارک تھا جسکو آپؐ کے نزول نے بدرِ کامل بنادیا

قرآن حکیم نے ہجرت کے اس عظیم واقعہ کو کئی آیات میں اس طرح بیان کیا ہے:۔

قرآنی مضمون

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ (سورہ انفال آیت ۳۰)

اور یاد کرو اے نبی اُس وقت کو جب کہ کافر لوگ آپؐ کے خلاف سازش کر رہے تھے تاکہ آپؐ کو قید کرلیں یا مار ڈالیں یا مکّہ سے نکال باہر کر دیں۔ وہ اپنی سازشوں میں لگے ہوئے تھے اور اللہ بھی اُن کے خلاف تدبیر کر چکا تھا۔ اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر مدبّر ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ۔الخ (سورہ توبہ آیت ۴۰)

اے لوگو! اگر تم اللہ کے رسول کی مدد نہیں کروگے تو وہ تمہاری مدد سے بے نیاز ہیں کہ اللہ نے اُس وقت اُن کی مدد کی جب اُن کو کافروں نے مکّہ سے نکال دیا تھا۔ جبکہ وہ دونوں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضؓ) غار (ثور) میں تھے جبکہ وہ رسول اپنے دوست (ابوبکر رضؓ) سے کہہ رہے تھے گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ نے اُس (ابوبکر صدیق رضؓ) پر اپنی تسکین نازل کی اور اُس (رسولؐ) کی ایسے لشکروں سے مدد کی جنکو تم نہیں دیکھ رہے تھے۔ اور اس طرح اللہ نے کافروں کی بات کو نیچا کر دیا۔ اور اللہ ہی کا کلمہ اُونچا رہا اور بلاشبہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلَافَكَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ (اسراء آیت ۷۶)

اور قریب تھا کہ کافر لوگ آپؐ کو بے بس کر دیتے سرزمین مکّہ سے تاکہ آپ کو وہاں سے نکالدیں۔ اور اگر وہ ایسا کر دیتے تو اُن کی ہلاکت

بہت قلیل عرصہ میں سامنے آجاتی۔

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي الخ (آل عمران آیت ۱۹۵)

پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور میری راہ میں لڑے اور مارے گئے میں ضرور اُن کے گناہ اُن سے دور کر دوں گا اور اُن کو ایسی جنتوں میں داخل کروں گا جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ یہ بدلہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کے پاس اچھا بدلہ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ الخ (النساء آیت ۹۷ تا ۹۹)

بیشک جن لوگوں کو فرشتوں نے ایسی حالت میں موت سے دوچار کیا جو اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے یعنی ہجرت سے باز رہ گئے تھے اِن سے فرشتوں نے موت کے وقت پوچھا کہ تم کس حالت میں تھے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور تھے۔ فرشتوں نے کہا کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی؟ کہ تم اسمیں ہجرت کر جاتے؟ سو یہی ہیں وہ لوگ جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔ مگر وہ کمزور مرد اور عورتیں اور بچے جو ہجرت کے لئے کوئی تدبیر نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہجرت کے لئے کوئی راہ پاتے ہیں تو یہ وہ ہیں کہ امید ہے اللہ تعالےٰ اُن کو معاف کر دے اور اللہ بیشک معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللَّهِ الخ (التوبہ آیت ۲۰)

جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا۔ اللہ کے نزدیک بہت بلند درجہ والے ہیں اور وہی کامیاب ہیں۔

نتائج و عبر

دار الندوہ :-

مکہ مکرمہ میں یہ پہلا مکان تھا جس کو قصی بن کلاب نے مشوروں کے لئے تعمیر کیا تھا۔ قریش اسمیں جمع ہو کر مشورے کیا کرتے تھے۔ قصی بن کلاب کی وفات کے بعد یہ مکان بنی عبد الدار کے قبضہ میں آیا۔ اِن سے حکیم بن حزام رضؓ نے جو بعد میں مشرف باسلام ہوئے خریدا تھا اور پھر انہی کے قبضہ میں رہا۔ یہاں تک کہ حضرت معاویہؓ کے زمانۂ خلافت میں حکیم بن حزام رضؓ نے یہ مکان ایک لاکھ درہم میں فروخت کر دیا۔ بعض لوگوں نے حضرت حکیم رضؓ کے اس عمل پر نکتہ چینی کی کہ آبار و اجداد کی ایک نشانی کو تم نے اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔ اسپر حکیم بن حزام رضؓ نے نہایت حکیمانہ جواب دیا۔

اللہ کی قسم ساری بزرگیاں اور شرف ختم ہو گئے سوائے تقویٰ اور پرہیزگاری کے۔ واللہ میں نے یہ مکان زمانۂ جاہلیت میں صرف ایک شراب کی مشک دیکر خریدا تھا اور اب ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا ہے اور میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ ایک لاکھ سب کے سب اللہ کی راہ میں صدقہ ہیں۔ بتاؤ کیا میں نقصان میں رہا؟

(زرقانی ج ۱ ص۳۲۱)

اسی مکان میں قریش کے سرداروں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا مشورہ کیا تھا اسی میں ابلیس لعین شیخ نجدی کی شکل میں مشورہ دینے آیا تھا۔ اب یہ زمین حرم شریف میں داخل ہو گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ موجودہ "باب الزیادات" اسی جگہ پر واقع ہے۔ واللہ اعلم

خوش نصیب خاتون :-

ہجرت کے موقعہ پر غار ثور سے نکل کر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے مدینہ کا راستہ اختیار کیا، راہ میں اُمِ معبد کے خیمہ پر گزر ہوا۔ یہ ایک شریف اور مہمان نواز خاتون تھیں جو سرِ راہ مسافروں کی خدمت کو سعادت اور نیکی سمجھا کرتی تھیں۔ آپؐ یہاں اُتر گئے۔ پوچھا کہ کچھ کھانے پینے کی چیز ہے؟ اُس خاتون نے جواب دیا اسوقت تو کچھ نہیں شاید میرے شوہر جو کچھ دیر بعد آنے والے ہیں اپنے ساتھ کچھ لیتے آئیں آپ لوگ مسافر ہیں بہتر ہے کچھ دیر ٹھیر جائیں، آپؐ اور ابو بکر صدیق رضؓ اسکے خیمہ میں ٹھیر گئے۔ دیکھا کہ ایک جانب ایک بکری کھڑی ہے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا اسے کیا ہوا؟ اُمِ معبد نے کہا یہ بکری لاغر و دبلی ہونے کی وجہ سے گلہ کے ساتھ جنگل نہیں جا سکی۔ آپؐ نے پوچھا کیا اسمیں کچھ دودھ بھی ہے؟ ام معبد نے کہا اسمیں دودھ کہاں!

اسپر آپؐ نے اُم معبد سے اجازت طلب کی کہ میں اس کا دودھ دوھ لوں؟

اُم معبد نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اگر اسمیں کچھ بھی دودھ ہو تو آپؐ ضرور دُوھ لیں۔

آپؐ نے بسم اللہ پڑھکر اُس بکری کے تھن پر اپنا دست مبارک رکھا تھن دُودھ سے بھر گئے اور آپؐ نے دُودھ دُوھنا شروع کیا ایک بڑا برتن دُودھ سے بھر گیا۔ ام معبد اس بات کو تعجب سے اور حیرت کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔ آپؐ نے پہلے اُسکو عنایت فرمایا۔ ام معبد نے اتنا پیا کہ سیراب ہوگئیں۔ پھر آپؐ نے اپنے ساتھیوں حضرت صدیق اکبرؓ اور دلیلِ راہ عبد اللہ بن اریقط کو عنایت فرمایا۔ جب یہ لوگ سیراب ہوگئے تو بقیہ آپؐ نے نوش فرمایا۔ پھر دوبارہ بکری کو دُوھیا یہاں تک کہ وہ برتن پھر بھر گیا۔ آپؐ نے وہ دودھ بھرا برتن اُم معبد کو عطا کیا کہ جب اپنا شوہر آئے اسکو دینا، پھر آپ سرِ شام وہاں سے روانہ ہوگئے۔ شام کے وقت جب اُم معبد کے شوہر ابو معبد بکریاں چرا کر جنگل سے واپس آئے تو دیکھا کہ ایک بڑا برتن دودھ سے بھرا رکھا ہے۔ پوچھا

اے اُم معبد یہ دُودھ کہاں سے آیا ہے ؟ ام معبد نے کہا آج یہاں سے ایک مبارک مسافر گزرا تھا خدا کی قسم بکری میں ایک قطرہ دودھ نہ تھا یہ سب اُسکی برکت ہے۔ پھر سارا قصہ سنایا۔

کہا جاتا ہے کہ وہ بکری ہمیشہ دودھ دیتی رہی اور اُم معبد ہر گزرنے والے مسافر کو اس کا دودھ پیش کیا کرتی تھی۔ ابو معبد اور ام معبد بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

انہی ابو معبد خُزاعی سے امام ابو حنیفہ رحؒ نے اپنی مسند میں حدیثِ قہقہہ کی روایت نقل کی ہے۔ (فتح القدیر ج۱ ص۳۵)

نیک بخت نوجوان :-

جس رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اُس کی صبح قریش کے سرداروں نے یہ اعلان عام کر دیا کہ جو بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابو بکر رضؓ کو زندہ یا مُردہ گرفتار کر کے لائے گا اسکو ہر ایک کا بدلہ سَو سَو اونٹ انعام دیا جائے گا۔ سراقہ بن مالک (جس کا تذکرہ واقعہ ہجرت میں آچکا ہے) بھی اسی شوق میں نکلا تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ کر زمین میں دھنس گیا تھا۔ انہی نوجوانوں میں بُریدہ اسلمی بھی شامل تھا۔ یہ اپنے ستر ساتھیوں کے ساتھ آپ کی تلاش میں نکل پڑا تھا ایک مقام پہ آپؐ کو پالیا آپؐ نے دریافت فرمایا تم کون ہو ؟ جواب دیا میں بُریدہ ہوں (یہ لفظ بَرد سے بنا ہے جسکے معنی ٹھنڈے اور سرد کے ہیں) آپؐ نے بطور فالِ نیک ابو بکر صدیق رضؓ سے فرمایا اے ابو بکر رضؓ ہمارا کام ٹھنڈا اور درست ہوا۔

پھر آپؐ نے پوچھا تم کس قبیلہ سے ہو؟ بُریدہ نے کہا قبیلہ اَسْلَمْ سے۔

آپؐ نے پھر بطور تفاول ابو بکر صدیق رضؓ سے فرمایا۔
ہم سلامت اور محفوظ ہو گئے۔

اسکے بعد آپؐ نے پوچھا قبیلہ اسلم کی کس شاخ سے ہو؟

بُریدہ نے جواب دیا بنی سہم سے (سہم کے معنی حصہ اور نصیب کے ہیں۔)

آپؐ نے بُریدہ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا تجھ کو اسلام سے حصّہ ملے گا!

اس گفتگو کے بعد بُریدہ رضؓ کا دل اسلام قبول کرنے کے لئے بیقرار ہوگیا اور وہ مسلمان ہوگئے۔ یہ حال دیکھ کر بریدہ رضؓ کے ستر ساتھی بھی مشرف باسلام ہوئے۔

بُریدہ نے عرض کیا یارسول اللہ! مدینہ میں داخل ہوتے وقت آپؐ کے آگے ایک جھنڈا ہونا چاہیئے۔ آپؐ نے اپنا عمامہ اُتار دیا اور نیزہ سے باندھ کر بُریدہ کے حوالہ کیا۔ جس وقت آپؐ مدینہ منورہ پہنچے تو بریدہؓ جھنڈا لئے ہوئے آپؐ کے آگے تھے۔ (زرقانی ج ۱ ص ۳۴۹)

اسلام کا پہلا ترانہ :۔

مکہ مکرمہ سے آپؐ کے ہجرت کی اطلاع مدینہ طیبہ پہنچ چکی تھی۔ مدینہ منورہ کے سینکڑوں افراد ہر روز مقامِ حرّہ (باہر سے آنے والے مسافروں کی استقبال گاہ) پر آکر کھڑے ہوجاتے تھے۔ دوپہر تک انتظار کرکے واپس ہوجاتے۔ روزانہ یہی معمول تھا۔ ایک روز انتظار کرکے واپس ہورہے تھے کہ ایک یہودی نے ٹیلہ پر سے آپؐ کو رونق افروز ہوتے دیکھا بے اختیار پکار کر کہا :۔

يَا بَنِيْ قَيْلَةَ هٰذَا جَدُّكُمْ.

اے بنی قیلہ یہ تمہارا بختِ مبارک اور خوش نصیبی کا سامان آپہنچا۔

لوگ بے تحاشہ دوڑ پڑے اور نعرۂ تکبیر سے قبیلہ بنی عمرو بن عوف کی آبادی گونج اٹھی۔ قُبا میں چند یوم قیام فرماکر جمعہ کے روز مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے۔

راہ میں چھوٹی چھوٹی بستیوں پر آپ کا گزر رہوا۔ مکانوں کی چھت پر لڑکیاں آپؐ کا استقبال اس ترانہ سے کرتی تھیں جو یقیناً اسلام کا پہلا ترانہ تھا۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا　　مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ

چودھویں رات کا چاند مقام "ثنیات الوداع" سے ہم پر جلوہ افروز ہوا ہے

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا　　مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے جب تک اللہ کو کوئی پکارنے والا باقی ہے

أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا　　جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

اے وہ مبارک ذات جو ہم میں نبی بنا کر بھیجے گئے ایسی بات لیکر آئے ہو جس کی اطاعت واجب ہے

صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازبؓ سے منقول ہے کہ میں نے اہل مدینہ کو کسی چیز سے اتنا خوش ہوتے نہیں دیکھا جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے خوش ہوتے دیکھا۔

میزبانِ رسولؐ :-

تیسری صدی عیسوی کے وسط بادشاہانِ یمن میں شاہ تُبَّع ایک عظیم فرمانروا گزرا ہے جس کا تذکرہ قرآن حکیم میں موجود ہے کسی مہم سے واپسی پر مدینہ منورہ کی سرزمین سے اُس کا گزر ہوا اس قافلہ میں چار سو علماء اس کے ساتھ تھے۔ سب نے بادشاہ سے گزارش کی کہ ہم کو اس سرزمین پر قیام کرنے کی اجازت دی جائے۔ بادشاہ نے اس کا سبب دریافت کیا۔ علماء نے جواب دیا کہ ہم انبیاء کرام کے صحیفوں میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ اخیر زمانے میں ایک نبی پیدا ہوں گے اُن کا نام "محمد" ہوگا اور یہ سرزمین اُن کا دارالہجرت ہوگی۔ بادشاہ نے اُن سب کو قیام کی اجازت دے دی اور ہر ایک کے لئے ایک ایک مکان تعمیر کروایا اور سب کے وہاں نکاح بھی کرا دیئے اور ہر ایک کو مال و دولت بھی دیا اور ایک مکان خصوصیت سے اُن نبی آخرالزماں کے لئے تیار کروایا کہ جب وہ ہجرت کر آئیں تو اس مکان میں قیام فرمائیں۔ آپؐ کے نام اُس بادشاہ نے ایک خط بھی لکھا جسمیں اپنے سلام اور ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا تھا۔ پھر اس خط کو سر بمہر کرکے ایک

بڑے عالم کے سپرد کیا اور یہ وصیت کی کہ اگر تم اس نبی کا زمانہ پاؤ تو میرا یہ خط پیش کر دینا ورنہ اپنی اولاد کو یہ خط سپرد کر کے وصیت کر دینا جو میں تم کو کر رہا ہوں۔ چنانچہ یہ وصیت اُس عالم کے خاندان میں چلتی رہی۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضؓ (میزبانِ رسول) اُسی عالم کی اولاد میں سے ہیں اور یہ مکان بھی وہی مکان تھا جسکو شاہِ تبّع نے آپؐ کیلئے تعمیر کروایا تھا۔ اور بقیہ انصارِ مدینہ انہی چار سو علماء کی اولاد ہیں۔

(روض الانف ج۱ ص۲۴)

غزوۂ بدر (یوم الفرقان)

غزوہ اُس جہاد کا نام ہے جسمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس قیادت فرمائی ہو۔ ایسے غزوات کی جملہ تعداد (۲۷) بیان کی جاتی ہے۔ اور جس جہاد میں آپؐ نے قیادت نہ کی ہو بلکہ اپنے اصحاب کو روانہ فرمایا ہے اسکو سَرِیّہ کہا جاتا ہے۔ ایسے سرایا کی جملہ تعداد (۴۷ تا ۵۶) بیان کی جاتی ہیں۔ (زرقانی ج ص۳۸۸)

قرآن حکیم نے جن اہم غزوات کا ذکر کیا ہے اُن میں غزوہ بدر سرفہرست ہے۔ اسلام کی سربلندی اور شان وشوکت کا آغاز اسی غزوہ سے شروع ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس غزوہ کو "یوم الفرقان" (یعنی حق و باطل میں فیصلہ کا دن) قرار دیا ہے۔

بدر ایک گاؤں کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً اسی۸۰ میل کے فیصلہ پر واقع ہے اور بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ بدر ایک کنویں کا نام تھا جسکی وجہ سے اُس بستی کا نام بھی بدر ہو گیا۔ آجکل یہ بستی جدّہ مدینہ کی شاہراہ عام پر واقع ہے۔ جہاں (۱۴) شہداء بدر ایک مختصر احاطہ میں آسودہ خواب ہیں۔ (نَوَّرَ اللہُ مَضْجَعَهُمْ)

تمہید :-

مسلمانوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ سے مشرکینِ مکہ اس درجہ چراغ پا ہو گئے کہ اب اُن لوگوں نے باضابطہ یہ طے کر لیا کہ بہر قیمت مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ چنانچہ ہجرت مدینہ کے بعد ہی مشرکین نے مدینہ طیبہ پر چھوٹے موٹے حملوں کا

آغاز کر دیا تھا اور موقع بموقع لوٹ مار، غارت گری کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ مگر مشرکین مکہ کی آتشِ غضب کے لئے یہ کافی نہ تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں سے ایک فیصلہ کن جنگ ہو جائے اسکے لئے وہ ایسے حالات پیدا کر رہے تھے جس سے اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کا خاتمہ ہو جائے۔ چنانچہ انہی کارروائیوں میں سے ایک دستے نے کُرز بن جابر الفہری کی قیادت میں مدینہ طیبہ کے قریب ایک بڑا ڈاکہ مارا اور اہل مدینہ کے کثیر مواشی لوٹ لے گئے۔ مشرکین کی اس غارت گری کی روک تھام کے لئے ہجرت کے پہلے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار دستے مشرکین کی جانب روانہ کئے تھے جو تاریخ کی کتابوں میں سریّہ حمزہؓ، سریّہ عبیدہ بن حارثؓ، سریّہ سعد بن ابی وقاص رضؓ اور غزوۃ الابواء کے نام سے معروف ہیں۔ دوسرے سال کے ابتدائی مہینوں میں مزید دو حملے اُسی جانب کئے گئے تھے جسکو مؤرخین، غزوہ بواط، غزوہ ذوالعشیرہ کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ لیکن یہ مختصر اور محدود قسم کے حملے تھے جو کسی بڑے نفع ونقصان کے بغیر اختتام پذیر ہوتے۔

اسی درمیان قریش کے سرداروں نے مدینہ کے سردار عبداللہ بن اُبیّ کو (جیسے ہجرت سے پہلے اہل مدینہ اپنا بادشاہ بنانے کی تیاری کر چکے تھے اور جس کی تمناؤں پر اس کے قبیلے اوس وخزرج کی اکثریت مسلمان ہو جانے سے پانی پھر چکا تھا) خط لکھا کہ تم لوگوں نے ہمارے آدمی (محمدؐ) کو اپنے ہاں پناہ دی ہے اور مکہ سے نکلے ہوئے مسلمانوں کو پناہ دے رہے ہو۔ بہتر تو یہ ہے کہ خود تم ان سے لڑو یا ان سب کو اپنے شہر سے باہر کر دو ورنہ ہم سب تم پر حملہ آور ہوں گے اور تمہارے مردوں کو قتل اور عورتوں کو لونڈی غلام بنا لیں گے۔ عبداللہ بن ابیّ اسپر کچھ آمادہ فساد ہوا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بر وقت اسکے شر کی روک تھام کر دی۔

اسکے بعد مدینہ کے رئیس حضرت سعد بن معاذ رضؓ عُمرہ کے لئے مکہ گئے وہاں حرم شریف میں ابوجہل نے اُن کو ایک سخت دھمکی دی کہ

”تم ہمارے دین کے انکار کرنے والوں کو پناہ دیتے ہو؟
اور اُن کی اعانت کرتے ہو؟ اور کیا ہم تم کو یہاں مکہ میں اطمینان سے
طواف کرنے دیں گے؟
بخدا اگر تم اُمیہ بن خلف (مشہور مشرک سردار) کے مہمان

نہ ہوتے تو یہاں سے زندہ واپس نہیں جاتے۔

حضرت سعدؓ نے ایسا جواب دیا جس کی تعبیر معرکہ بدر کی شکل میں ظاہر ہوئی۔

"واللہ اگر تم نے مجھے یا مسلمانوں کو طوافِ کعبہ سے روکا تو
ہم تم کو اُس چیز سے روک دیں گے جو تمہارے لئے اس سے شدید تر
ہے یعنی مدینہ پر سے تمہاری رہ گزر۔"

اہل مکہ کی تمام تر تجارت اور معاشی زندگی ملک شام سے وابستہ تھی۔ اور اس کا واحد راستہ مدینہ ہی سے تھا۔

گویا اہل مکہ کی طرف سے اس بات کا اعلان تھا کہ زیارت بیت اللہ کی راہ مسلمانوں پر بند ہے جس کا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ شامی تجارت کا راستہ مشرکین پر مسدود ہو جائے۔ اسکے علاوہ مسلمانوں کے لئے یہ بات بھی ضروری تھی کہ خود کفر کی طاقت کو کمزور تر کیا جائے۔ اور اسکے لئے انکی تجارتی گزرگاہ پر اپنی گرفت مضبوط کی جائے۔ تاکہ اہل کفر کی اقتصادی و معاشی حالت بڑھنے نہ پائے۔ جسکی بدولت آئے دن مسلمانوں کی جان و مال غیر محفوظ ہوتے جارہی تھی۔ حالات غیر یقینی ہوتے چلے گئے۔ اسی درمیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ ابوسفیان قریش کے ایک قافلۂ تجارت کے ساتھ ملک شام سے مکہ واپس ہو رہا ہے جسکے ساتھ مال و اسباب کی بہت بڑی مقدار ہے۔ آپؐ نے مسلمانوں کو جمع کر کے اس بات کی خبر دی اور یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو جماعتوں (تجارتی قافلہ یا قریشی لشکر) میں سے ایک جماعت پر تسلّط اور قبضہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔

آخر کار یہی بات طے پائی کہ تجارتی قافلہ کو حاصل کیا جائے۔ بعض حضرات نے تو بخوشی آمادگی ظاہر کی اور بعض نے یہ سمجھ کر کہ جنگ کا معاملہ نہیں ہے اس لئے آمادگی کا ثبوت نہیں دیا۔

۱۲ر رمضان ۲ھ مسلمانوں کا ایک مختصر دستہ جو قافلہ کے تعاقب میں نکلا تھا سامان حرب وضرب سے بے پروا ہو کر روانہ ہوا۔ مشہور روایت کے مطابق ان کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ جبکہ مدینہ کے اندر مسلمانوں کی آبادی ہزار ہا نفوس پر مشتمل تھی۔ چند تلواریں دو تین گھوڑے، صرف ساٹھ اونٹ سواری کے ہمراہ تھے۔ یہ نہ کوئی جنگی لشکر تھا اور نہ جنگ کے ارادے سے نکلا تھا بلکہ مسلمانوں کا ایک مختصر سا قافلہ تھا جو قریش کے حرب

وضرب کے سرمایہ پر قابض ہوکر دشمن کو بے مایہ بنانے نکلا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں جاسوسی کا نظام کچھ ایسا منظم تھا کہ آناً فاناً کسی بھی بات کی اطلاع دور دور تک پہنچ جاتی تھی۔ ابوسفیان (سالار قافلہ) کو کسی طرح معلوم ہوگیا کہ مسلمان اُسکے تعاقب کے لئے مدینہ سے نکل چکے ہیں اُس نے فوراً ضمضم نامی ایک جاسوس کو مکّہ روانہ کیا کہ وہ قریش کو اس معاملہ کی اطلاع دے اور مدد طلب کرے۔ قریش نے جب حقیقتِ حال کو سُنا تو اِن میں بہت زیادہ جوش اور انتقام کا جذبہ پیدا ہوا اور ہر سردار قبیلہ اپنے لشکر کے ساتھ نہایت کرّوفر سے نکلا تعداد میں ایک ہزار تھے، نیزے اور تلواریں بے شمار تھیں۔ سات سو جنگی زرہ، ستر گھوڑے اور بے شمار اونٹ تھے۔ مقصد یہ تھا کہ اپنے تجارتی قافلہ کو بچالیں اور مسلمانوں پر حملہ کرکے اُنھیں نیست و نابود کردیا جائے۔

اِدھر مسلمان بھی تجارتی قافلہ کے تعاقب میں آگے بڑھتے گئے۔ جب وادی صفراء کے قریب پہنچے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو۲ آدمی ابن عمرو اور عدی کو جاسوس بناکر بھیجا کہ وہ تجارتی قافلہ کا حال معلوم کرآئے۔

مؤرخ ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ جب یہ دونوں بدر کے قریب پہنچے تو وہاں کنویں کے قریب قبیلہ جُہینہ کے ایک شخص مجدی بن عمرو اور دو۲ لڑکیوں کو دیکھا جو آپس میں یہ بات کررہی تھیں کہ کل یا پرسوں یہاں ایک قریشی قافلہ آنے والا ہے میں اسمیں محنت مزدوری کرکے تیرا قرض ادا کردوں گی۔ اسپر مجدی نے اُس لڑکی کی تصدیق کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاسوس ابن عمرو نے جب یہ سُنا تو چُپکے سے اپنے اونٹ کو پانی پلاکر فوراً روانہ ہوگیا۔

دوسری جانب ابوسفیان چھپتا چھپاتا قافلہ سے آگے بڑھکر تجسُّسِ حال کے لئے بدر پہنچا تو وہاں مجدی موجود تھا ابوسفیان نے اُس سے پوچھا کہ کیا تو نے کسی اجنبی کو تو یہاں نہیں دیکھا؟

مجدی نے کہا ایسی تو کوئی نئی بات نظر نہیں آئی البتہ تھوڑی دیر قبل دو۲ آدمی اجنبی قسم کے یہاں آئے تھے اور اپنے اونٹوں کو پانی پلاکر واپس ہوگئے۔ ابوسفیان کنویں کے پاس آیا تو اونٹوں کی لید پڑی دیکھی۔ لید کو کُریدا تو کھجور کی گٹھلیاں نکلیں۔ کہنے لگا بیشک یہ یثرب (مدینہ) کے اونٹ تھے۔ تیزی سے اپنے قافلہ پر پہنچا اور حالات سے باخبر کرکے قافلہ کا رخ ساحل سمندر کی جانب پھیر دیا اور بدر کو بائیں جانب چھوڑتا ہوا مکّہ روانہ ہوگیا۔

اس مدت میں مسلمان وادیٔ صفرا، سے گزر کر وادی ذفران تک پہنچ چکے تھے یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دونوں جاسوس ابن عمروؓ اور عدیؓ سے معلوم ہوا کہ عنقریب ابوسفیان کا قافلہ بدر پہنچنے والا ہے۔ اور دوسری جانب سے یہ اطلاع بھی آچکی تھی کہ مکہ سے قریش کا ایک بڑا لشکر مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے بدر کی جانب بڑھ رہا ہے۔ بہرحال مسلمانوں کو جب وادی ذفران میں یہ دونوں خبریں ملیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے دوبارہ مشورہ ضروری سمجھا۔ کیونکہ اب معاملہ ویسا نہیں تھا جیسا کہ مدینہ سے نکلنے کے وقت پیش آیا تھا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ دشمن ہمارے سر پر ہے اور قافلہ قریب ہے۔ اب بتائیے کیا چاہتے ہو جنگ کر کے حق و باطل کا فیصلہ یا بغیر لڑے تجارتی قافلہ پر قبضہ؟ صحابہؓ نے جب یہ سنا تو بعض نے طبعی طور پر جنگ کو پسند نہیں کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم جنگ کے ارادے سے نہیں نکلے ہیں اس لئے بے سروسامان ہیں بہتر ہے کہ قافلہ پر قبضہ کر کے واپس لوٹ جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کمزور رائے کو ناپسند فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا قافلہ کا ذکر چھوڑ دو، اب اس قوم کے متعلق رائے دو جو تمہارے مقابلہ کے لئے مکہ سے نکل آئی ہے؟ بعض لوگوں نے جب دوبارہ عذر کیا تو آپؐ نے پھر پہلی بات لوٹا دی تب جلیل القدر صحابہ میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ سمجھ گئے کہ آپؐ کی مرضی مبارک حق و باطل کی جنگ سے وابستہ ہے۔ اپنے جذبۂ وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا یارسول اللہ ہم جنگ کے لئے ہر طرح تیار ہیں۔ آپؐ اپنا حکم جاری فرمادیں۔ حضرت مقداد بن اسودؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا:۔

تاریخ شجاعت کا سرمایہ

یارسول اللہ جس چیز کا اللہ نے آپؐ کو حکم دیا ہے اسکو انجام دیجئے۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ ہرگز نہیں کہیں گے۔ اے موسیٰ تم اور تمہارا رب جاکر لڑے ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ یارسول اللہ! ہم بنی اسرائیل کے برخلاف یہ کہیں گے کہ آپؐ اور آپؐ کا پروردگار جہاد و قتال کرے ہم بھی آپ کے ساتھ جہاد و قتال کریں گے۔ ہم آپؐ کے دائیں اور بائیں، آگے پیچھے ہر سمت

سے لڑیں گے۔
راوی حدیث حضرت عبد اللہ بن مسعودرضؓ فرماتے ہیں میں نے
اُس وقت دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور فرطِ مسرّت سے
چمک اُٹھا۔ (بخاری ص۵۶۴ غزوۂ بدر)
صحابہ کرام کی اس اطاعت شعاری و جان نثاری کے باوجود آپؐ نے پھر تیسری بار بھی
ارشاد فرمایا:۔
انصاریوں کے سردار حضرت سعد بن معاذرضؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ شاید
آپ کا روئے سخن انصار کی طرف ہے؟
آپؐ نے ارشاد فرمایا ہاں! حضرت سعدرضؓ اسطرح گویا ہوئے جو قیامت تک
تاریخ شجاعت کا سرمایہ رہے گا:۔
"یا رسول اللہ ہم آپؐ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی
ہے اور اس بات کی گواہی دی ہے کہ آپؐ جو کچھ لائے ہیں وہی حق ہے۔
اسکے علاوہ ہم اطاعت و جان نثاری کے پختہ عہد و میثاق آپکو دے
چکے ہیں۔
یارسول اللہ! آپؐ مدینہ سے کسی اور ارادے سے نکلے تھے
لیکن اللہ تعالیٰ نے دوسری صورت پیدا فرمادی آپؐ کا جو منشار ہو کر
گزریئے۔ جس سے چاہیں تعلقات قائم فرمائیں اور جس سے چاہیں
تعلق قطع کریں اور جس سے چاہیں صلح قائم کریں اور جس سے چاہیں
دشمنی کریں۔ ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔ ہمارے اموال سے
جسقدر آپ چاہیں لیں اور جس قدر چاہیں ہم کو (بقیہ) عطا فرمائیں اور
مال کا وہ حصہ جو آپ ہم سے لیں گے وہ ہمیں اُس حصے سے زیادہ
محبوب و پسندیدہ ہوگا جو آپ ہمارے پاس چھوڑ دیں گے۔ اور
اگر آپؐ ہم کو برک الغماد (دور دراز مقام کا نام) تک جانے کا حکم دیں
تو ہم ضرور آپؐ کے ساتھ جائیں گے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس نے
آپؐ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپؐ ہم کو سمندر میں کود پڑنے کا حکم دیں

تو ہم اُسی وقت کود پڑیں گے۔ ہم میں کا ایک شخص بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہمارے دل دشمنوں سے مقابلہ کے لئے تنگ نہ ہوں گے۔ انشاء اللہ ہم لڑائی کے وقت صبر کرنے والے اور مقابلہ کے لئے سچے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ وہ ہم سے آپؐ کو وہ چیز دکھائیگا جسکو دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ بس آپؐ اللہ کے نام پر ہم کو لے چلیئے۔ (زرقانی ج ۱ صہ ۴۱۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابؓ کے یہ جان نثارانہ جوابات سُن کر مسرور ہوئے اور فرمایا اللہ کے نام پر چلو اور تم کو بشارت ہے اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ ابوجہل یا ابوسفیان کی دو جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت پر ضرور فتح و نصرت عطا کرے گا اور مجھکو کفار کے مقتل دکھائے گئے ہیں کہ فلاں شخص فلاں جگہ اور فلاں شخص فلاں جگہ پچھاڑا جائے گا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان بدر پہنچکر ایک جگہ زمین پر ہاتھ رکھ کر بتایا کہ یہاں فلاں قریشی مارا جائے گا اور یہاں فلاں قتل ہوگا۔

مہاجرین و انصار سے آپؐ نے جو مشورہ لیا اُس کا تذکرہ قرآن حکیم کی آیاتِ ذیل میں موجود ہے:۔

قرآنی مضمون

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ الخ (انفال آیات ۵ تا ۸)

(جہاد کا مال غنیمت اللہ و رسول کی ملکیت ہیں) اس لئے کہ تیرے رب نے تجھکو حق کے لئے گھر سے نکالا اور حالت یہ ہوگئی کہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس نکلنے پر گرانی کا اظہار کر رہی تھی۔

اور وہ لوگ آپ سے حق کے بارے میں باوجود کہ حق ظاہر ہوگیا تھا جھگڑا کر رہے تھے گویا وہ لوگ آنکھوں دیکھے موت کے منہ میں ہنکائے جا رہے ہیں۔

اور یہ واقعہ اُس وقت پیش آیا جبکہ اللہ تم کو وعدہ دے رہا تھا

کر دونوں فریق (تجارتی قافلہ اور مشرکینِ مکہ کا لشکر) میں سے ایک فریق کو تمہارے قبضہ میں دے دیا گیا اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح جماعت (تجارتی قافلہ) تم کو ملے اور اللہ کی یہ مرضی تھی کہ حق (یعنی فتح) کو اپنی آیات سے ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا عیاناً واضح ہو جائے اگرچہ مجرموں کو یہ بات پسند نہ آئے۔

میدانِ بدر میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں صحابہ کرام آگے بڑھے اور بدر کے قریب پہنچ کر مدینہ طیبہ کی جانب والے رُخ (عُدْوَۃ الدُّنْیَا) پر خیمہ زن ہو گئے اور مشرکینِ مکہ آگے بڑھے تو بدر پہنچ کر مدینہ منورہ سے دور مکہ کی جانب والے رُخ (عُدْوَۃُ الْقُصْوٰی) پر اُترے۔ مگر مشرکینِ مکہ نے پہلے پہنچ کر پانی کے چشمہ پر قبضہ کر لیا اور مناسب موقعوں کو اپنے لئے چھانٹ لیا۔ بخلاف مسلمانوں کے اِن کو نہ پانی ملا اور نہ مناسب جگہ ملی۔ ریت کا میدان تھا جہاں چلنا پھرنا دشوار تھا۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے اُسی وقت بارانِ رحمت نازل فرما دی جس سے تمام ریت جم گیا اور پانی جمع کرنے کے لئے مسلمانوں نے چھوٹے چھوٹے حوض بنا لئے۔ اس طرح ذخیرۂ آب کا قدرتی انتظام ہو گیا اور پیاسی ریت پانی پی کر مضبوط ہو گئی کہ قدم پھسلتے نہیں تھے۔ برخلاف مشرکین کا رخ والا حصہ نشیب میں ہونے کی وجہ سے پانی کا جل تھل ہو گیا اور پیر پھسلنے لگ گئے۔

قرآن حکیم نے میدان بدر کی اس خصوصی حالت کو اس طرح بیان کیا ہے :-

قرآنی مضمون

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ الآیہ

(انفال آیت ۴۲)

یہ وہ بدر کا دن تھا جبکہ تم اِدھر قریب کے کنارے پر تھے اور اُدھر دشمن دور کے کنارے پر تھا اور قافلہ تم سے نچلے حصہ میں تھا (یعنی سمندر کے کنارے کنارے گزر رہا تھا) اور اگر تم آپس میں لڑائی کی بات طے کر لیتے تو یقیناً وقت لڑائی کے بارے میں تم اختلاف کرتے لیکن

تم چاہتے ہو کہ کسی حالت میں جنگ نہ ہو اور دشمن چاہتا تھا کہ ضرور جنگ ہو یعنی تمہیں دشمن کی کثرت اور اپنی بے سروسامانی کا اندیشہ تھا اور تجارتی قافلہ پر تسلّط آسان نظر آرہا تھا اور دشمن اپنی کثرت اور ساز وسامان پر گھمنڈ کئے ہوئے تھا لیکن اللہ نے دونوں لشکروں کو جمع کر دیا) تاکہ جو بات ہونے والی تھی اُسے اللہ کر دکھائے۔ نیز اس لئے کہ جسے ہلاک ہونا ہے اتمامِ حجت کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہنے والا ہے وہ اتمامِ حجت کے بعد زندہ رہے اور بلاشبہ اللہ تعالےٰ سبکی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً الآیہ (انفال آیت ۱۱)

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اللہ نے اپنی طرف سے چین وسکون دینے کے لئے تم پر (میدان بدر میں) غنودگی طاری کر دیا تھا اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی اُتار رہا تھا کہ اس کے ذریعہ سے تمہیں پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے۔ اور تاکہ مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور اسکے باعث تمہارے قدم جما دے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ (آل عمران آیت ۱۲۳ تا ۱۲۷)

اور یقیناً اللہ نے تمہاری نصرت کی غزوۂ بدر میں حالانکہ تم بے سروسامان تھے سو اللہ سے ڈرتے رہا کرو (اسی کا نام تقویٰ ہے) عجب کیا کہ شکر گزار بن جاؤ۔

اور وہ وقت یاد کرو جب آپؐ مومنین سے کہہ رہے تھے کہ کیا یہ تمہارے لئے کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہاری مدد تین ہزار اُتارے ہوئے فرشتوں سے کرے؟ کیوں نہیں، بشرطیکہ تم نے صبر وتقویٰ قائم رکھا۔ اور اگر وہ دشمن تم پر فوراً آپڑیں گے تو تمہارا پروردگار تمہاری مدد پانچ ہزار نشان کئے ہوئے فرشتوں سے کرے گا۔ اور یہ تو اللہ نے اس لئے کیا کہ تم خوش ہو جاؤ اور تمہیں اس سے دلجمعی حاصل ہو جائے ورنہ

نصرت تو بس زبردست اور حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہے۔
اور یہ نصرت اس غرض سے تھی تاکہ کفر کرنے والوں میں سے ایک جماعت کو ہلاک کر دے یا انھیں ذلیل وخوار کر دے کہ وہ ناکام ہو کر واپس جائے۔

جنگ کی تیاری

شام کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہؓ کو قریش کے لشکر کی خبر لانے روانہ فرمایا۔ اتفاق سے ان لوگوں کو دو غلام ملے دریافت کرنے پر کہا کہ ہم مکہ کے رہنے والے ہیں پانی کی تلاش میں نکلے ہیں لیکن صحابہ کو اس پر یقین نہ آیا زدوکوب کیا تو کہنے لگے کہ ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ یہ سنکر صحابہ نے مارنا چھوڑ دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے آپؐ نے حال معلوم کیا اور فرمایا کہ جب ان غلاموں نے سچ کہا تو تم نے انھیں مارا اور جب جھوٹ کہا تو چھوڑ دیا۔ اللہ کی قسم یہ قریش کے آدمی ہیں (یعنی ابوسفیان کے جماعت کے نہیں) پھر آپؐ نے اِن سے پوچھا کہ قریش کہاں ہیں؟ ان غلاموں نے کہا واللہ ٹیلہ کے پیچھے ہیں۔ پھر آپؐ نے پوچھا کہ کتنے لوگ ہیں؟ جواب دیا کہ بہت ہیں تعداد معلوم نہیں اسپر آپؐ نے پوچھا اچھا یہ بتاؤ روزانہ کھانے کے لئے کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کبھی نو عدد اور کبھی دس عدد اونٹ ذبح کرتے ہیں۔

آپؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ لشکر کی تعداد ہزار اور نو سو کے درمیان ہے (عموماً سو آدمیوں کی خوراک ایک اونٹ ہوتا ہے) پھر آپؐ نے پوچھا کہ سرداروں میں کون کون آئے ہیں؟ اسپر اُن غلاموں نے چند نامی گرامی سرداروں کے نام بتائے۔ یہ سنکر آپؐ نے اپنے اصحاب سے کہا قریش نے آج اپنے تمام جگر گوشوں کو تمہاری طرف پھینک دیا ہے۔

حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ جس شب کی صبح میدانِ کارزار گرم ہونے والا تھا اُسی شب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو لیکر میدان

کی طرف چلے تاکہ اہل مکہ کی قتل گاہیں ہم کو آنکھوں سے دکھلادیں۔ چنانچہ آپؐ
اپنے دست مبارک سے اشارہ فرماتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے
یہ جگہ فلاں سردار کی قتل گاہ ہے اور یہ جگہ فلاں کی اور یہ جگہ فلاں کی۔ نام بنام
اسی طرح ہم کو بتلاتے رہے۔ اللہ کی قسم جس نے نبی کریم کو حق کے ساتھ مبعوث
فرمایا ہے کسی ایک سردار نے بھی سرمو تجاوز نہ کیا جہاں آپؐ نے اپنے دست
مبارک سے اُسکے قتل گاہ کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔

ساری رات آپؐ نے نماز اور دُعا وگریہ زاری میں گزاردی۔ طلوع فجر پر صحابہ کو نماز کے لئے بیدار کر دیا اور نماز فجر ادا کی۔ اسکے بعد اللہ کی راہ میں جہاد اور قربانی کی ترغیب دی اور صحابہ کو جہاد کے لئے صبر اور استقامت کی تلقین فرمائی۔

آغاز جنگ

۱۷ رمضان المبارک ۲ھ (۱۷ مارچ ۶۲۴ء) جمعہ کا دن تھا میدان بدر میں صحابہؓ کی صفوں کو درست کیا اور پھر اللہ عظیم و برتر کی جناب میں اس طرح مناجات کی: "الٰہی تونے مجھ سے وعدۂ نصرت فرمایا ہے۔ الٰہی آج اسکو پورا فرما۔ الٰہی!
اگر یہ مٹھی بھر مسلمان ہلاک ہوگئے تو پھر روئے زمین پر تیرا کوئی عبادت گزار
باقی نہیں رہے گا۔"

بارالٰہ کفار قریش کی یہ فوج غرور وتکبر کے ساتھ مقابلہ کے لئے
آئی ہے۔ یہ لوگ تیری مخالفت کرتے ہیں اور تیرے فرستادہ رسولؐ کو
جھٹلاتے ہیں۔ اے اللہ اپنی فتح ونصرت نازل فرما جس کا تونے مجھ سے
وعدہ فرمایا ہے۔ اے اللہ ان کو ہلاک فرما۔ (سیرۃ ابن ہشام)

صدیق اکبرؓ نے آپ کی اللہ کے جناب میں آہ وزاری وبیقراری کو دیکھا، قریب تشریف لائے اور فرمایا: یارسول اللہ! بس کیجئے اللہ آپؐ کو ضائع نہ کرے گا۔ یقیناً اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔

آپؐ نے دُعا کے بعد مسلمانوں کی صفوں کو درست فرمایا۔ دست مبارک میں ایک تیر تھا صف میں حضرت سواد بن غزیہؓ ذرا آگے کو نکلے نظر آئے آپؐ نے اپنے تیر سے اُن کے پیٹ پر ہلکا سا کونچہ دیا اور فرمایا: اِسْتَوِیَا سَوَادُ۔ اے سوادؓ سیدھے ہو جاؤ۔

اس موقع پر اخلاقِ نبوت کا وہ بے مثال و نادرہ واقعہ پیش آیا جو تاریخ اخلاق و کردار کا غیر فانی نمونہ ہے۔ سواد بن غزیہ رضؓ نے عرض کیا:۔

یا رسول اللہ آپؐ نے مجھکو درد مند کر دیا بلا شبہ اللہ نے آپ کو حق و عدل کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ میرا بدلہ دیدیجئے ؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شکم مبارک سے چادر اُٹھاکر سواد رضؓ سے فرمایا اپنا بدلہ لے لو۔

سواد بن غزیہ رضؓ نے شکم مبارک کو گلے سے لگایا اور بوسہ دیا پھر عرض کیا یا رسول اللہ بس یہی مقصد تھا۔ شاید یہ آخری ملاقات ہو۔ آپ مسرور ہوئے اور دُعائے خیر فرمائی۔ (الاصابہ ج۲ ص۹۵)

قریش مکہ نے آغاز جنگ سے پہلے اپنے ایک جاسوس عُمیر بن وہب کو مسلمانوں کی جماعت کا اندازہ لینے کے لئے بھیجا اُس نے مسلمانوں کے ارد گرد پھر کر قریش کو یہ خبر دی کہ کم و بیش تین سو آدمی معلوم ہوتے ہیں ممکن ہے ان کی مدد کے لئے کوئی بڑی تعداد کمین گاہ میں چھپی بیٹھی ہو پھر یکبار دور دور تک چکر لگا کر آیا اور قریش کو اطمینان دلایا کہ کوئی مکین اور مدد نہیں ہے۔

لیکن مسلمانوں کے حوصلے اور جوش و خروش اس درجہ بلند و بالا ہیں کہ مقابلہ میں سوائے موت و قتل کے ہمیں کچھ نہ ملے گا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ہماری یہ طاقت و قوت بے نام و نشان ہو جائیگی۔

مشرکین کی صفوں میں اس بات سے کچھ انتشار ہوا لیکن ابوجہل کی جاہل حمیت نے سبکو آمادۂ جنگ کر دیا۔

لشکرِ اسلام سے مقابلہ کے لئے تین شخص عوف بن حارث رضؓ اور معوذ بن حارث رضؓ اور عبد اللہ بن رواحہ رضؓ میدان میں آگے بڑھے اور آواز دی۔ مشہور مشرک سردار عتبہ نے پوچھا تم کون ہو ؟

ان حضرات نے اپنے اپنے نام بیان کرنے کے بجائے رَهْطٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ یعنی ہم "انصاری لوگ" ہیں۔

عتبہ نے کہا مَا لَنَا بِکُمْ مِنْ حَاجَۃٍ ۔ ہم کو تم سے کوئی سروکار نہیں ہم تو اپنی قوم سے لڑنا چاہتے ہیں۔

پھر اُس نے مزید آواز دی۔ اے محمدؐ ہماری قوم سے ہمارے ہم جوڑ کو مقابلہ کے لئے بھیجو!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں انصاریوں کو واپس ہو جانے کا حکم دیا اور سیدنا علی رضؓ سیدنا حمزہ رضؓ اور سیدنا عبیدۃ بن الحارث رضؓ کو نام بنام مقابلہ کے لئے نکلنے کا حکم دیا۔

تینوں آگے بڑھے سیدنا علی رضؓ ولید کے مقابل ہوئے، سیدنا حمزہ رضؓ شَیْبَہ کے مقابل اور سیدنا عبیدہ رضؓ عتبہ کے مقابل ہوئے، لڑائی شروع ہو گئی۔ سیدنا علی رضؓ اور سیدنا حمزہ رضؓ نے تو اپنے اپنے مقابل کو ایک ہی وار میں ڈھیر کر دیا البتہ سیدنا عبیدہ خود بھی زخمی ہوئے اور اپنے مقابل کو بھی زخمی کر دیا۔ آخر کار عتبہ نے سیدنا عبیدہ رضؓ پر تلوار کا ایک ایسا وار کیا جس سے اُن کا پیر کٹ گیا اور وہ گر پڑے۔ معاً سیدنا علیؓ اور سیدنا حمزہ رضؓ اُنکی مدد کو پہنچ گئے اور عتبہ کا کام تمام کر دیا اور سیدنا عبیدہؓ کو اُٹھا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ بدر سے واپسی کے وقت آپ پر نزع کی سی کیفیت طاری تھی۔ ہوش سنبھالا اور اپنا رُخسار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پر رکھ دیا اور اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی وفات پر اس عظیم المرتبت سند کا اعلان فرمایا:۔

اَشْهَدُ اَنَّكَ شَهِيْدٌ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ تم شہید ہو۔ (البدایہ النہایہ ج ۳ ص ۲۷۴)

بدر سے جب کوچ ہوا تو درمیان راہ مقام صفراء میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ ایک سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ساتھ مقام صفراء میں قیام فرمایا تھا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہاں

مشک کی خوشبو آرہی ہے! آپؐ نے فرمایا تعجب کی بات نہیں یہاں عبیدہؓ
کی قبر ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت ملتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا عمرؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مشرکین مکہ ایک ہزار ہیں اور آپؐ کے اصحاب صرف تین سو سے کچھ زائد تو آپ اپنے چھپر (عریش) میں آئے اور قبلہ رو ہوکر بارگاہِ الٰہی میں دُعا کے لئے اس طرح ہاتھ پھیلائے :-

"اے اللہ تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اسکو پورا فرما۔
اے اللہ مسلمانوں کی یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر زمین پر
تیری پرستش نہ ہوگی۔"

دیر تک آپؐ یہی دُعا فرماتے رہے۔ بخاری کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ نے آپؐ کا ہاتھ تھام لیا اور عرض کیا

یارسول اللہ بس کافی ہے آپؐ نے اپنے پروردگار کے حضور
بہت آہ وزاری کی وہ اپنے وعدہ کو ضرور پورا کرے گا۔

جب آپ چھپر سے باہر تشریف لائے زبان مبارک پر یہ آیت تھی۔

سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرُ الایہ (القمر ۴۵)

عنقریب کافروں کی یہ جماعت شکست کھائیگی اور پشت پھیر کر
بھاگ جائے گی۔

مؤرخ ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ دُعا مانگتے مانگتے آپؐ پر نیند کی کیفیت طاری ہوگئی تھی تھوڑی دیر بعد آپ بیدار ہوئے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا:-

اے ابوبکر رضؓ تم کو بشارت ہو تمہارے پاس اللہ کی مدد آگئی ہے۔
یہ جبرئیل امین اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑے ہیں چہرے پر گرد وغبار
کے آثار ہیں۔ (بخاری باب بدر)

اس لڑائی میں اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کی مدد وتقویت کے لئے
ایک ہزار پھر تین ہزار اور بعد میں پانچ ہزار فرشتے آسمان سے اتارے تھے۔

یہ فرشتے اکثر انسانوں کی صورت میں تھے۔ حضرت ابو اُسید ساعدی رضؓ جو شریک جنگ

تھے فرماتے ہیں کہ بدر کے معرکہ میں فرشتے زرد رنگ کے عماموں میں تھے شملے مونڈھوں کے درمیان چھوڑے ہوئے تھے انھیں اللہ کا یہ حکم تھا کہ کافروں کی گردنوں پر ضرب لگائیں اور ہر ہر جوڑ پر ماریں، حضرت ربیع بن انس رضہ کا بیان ہے کہ فرشتوں کے مارے ہوئے کافر صحابہؓ کے مارے ہوئے کافروں سے علیحدہ واضح طور پر پہنچانے جاتے تھے۔ اِن کی گردنوں اور جوڑوں پر آگ سے داغ دیئے جیسے سیاہ نشان تھے۔

(فتح الباری باب بدر)

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک انصاری صحابی ایک کافر کے پیچھے دوڑے اوپر سے ایک کوڑے اور سوار کی آواز سنائی دی کہ اے حیزُوم (حضرت جبرئیل امین کے گھوڑے کا نام) آگے بڑھ! تھوڑی ہی دیر نہ گزری تھی کہ وہ انصاری صحابی دیکھتے کیا ہیں کہ وہ کافر زمین پر چت پڑا ہے اور اُسکی ناک اور چہرہ کوڑے کی ضرب سے پھٹ کر نیلا ہو گیا ہے۔ انصاری صحابی رضہ نے یہ تمام واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا تو نے سچ کہا یہ تیسرے آسمان کی مدد تھی۔ (فتح الباری ج ، ص۲۴۲)

حضرت سہیل بن حنیف رضہ کا بیان ہے کہ بدر کے دن ہم نے یہ دیکھا کہ ہم میں کوئی شخص جب کسی مشرک کی طرف اشارہ کرتا ہے تو قبل اسکے کہ تلوار اُس تک پہنچے اس کا سر کٹ کر زمین پر گر جاتا تھا۔

(زرقانی ج ۲ ص۴۲۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میدان بدر میں جہاد و قتال کی مسلسل ترغیب دیتے رہے۔ ایک موقعہ پر فرمایا اس ذات پاک کی قسم ہے جسکے دست قدرت میں محمدؐ کی جان ہے آج جو شخص صبر و تحمل اخلاص و صدق نیت کے ساتھ اللہ کے دشمنوں سے سینہ سپر ہو جائے اور پھر اللہ کی راہ میں مارا جائے اللہ تعالیٰ اسکو ضرور جنت میں داخل فرمائیگا۔

حضرت عُمیر بن حمام رضہ کے ہاتھ میں اس وقت چند کھجور تھے

جنکو بھوک کی شدت کی وجہ سے کھا رہے تھے یکایک جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات اِن کے کانوں سے ٹکرائے تو بول اُٹھے :-

اُوہ اُوہ میرے اور جنت کے درمیان فاصلہ ہی کیا رہ گیا ہے کھجوریں ہاتھ سے پھینک دیں اور تلوار سنبھال کر جہاد شروع کر دیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۶)

حضرت عوف بن حارث رضہ نے میدان جنگ میں عرض کیا :-

یا رسول اللہ رب العالمین کو بندے کی کیا چیز ہنسا تی ہے (یعنی خوش کرتی ہے)

آپؐ نے ارشاد فرمایا بندے کا بے خوف ہوکر دشمن کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ لینا۔

حضرت عوف رضہ نے سنتے ہی جسم کی زرہ (آہنی لباس) اتار پھینکی اور تلوار لیکر قتال شروع کر دیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ و برکاتہٗ۔

نوٹ : حضرت عوف بن حارث رضہ کی ماں کا نام سیدہ عفرا رضہ ہے۔ ان کے یہ تینوں بیٹے حضرت عوف رضہ اور حضرت معاذ رضہ اور حضرت معوّذ رضہ پہلے شوہر کے ہیں۔ اِن کے علاوہ دوسرے شوہر سے چار لڑکے پیدا ہوئے جن کے نام حضرت ایاس رضہ، حضرت عاقل رضہ، حضرت خالد رضہ، حضرت عامر رضہ ہیں۔ صحابیات میں سیدہ عفرا رضہ وہ واحد خاتون ہیں جنکے ساتوں بیٹے جنگ بدر میں شریک ہوئے ہیں۔ (زرقانی ج ۱ ص ۴۱۶)

لڑائی کی ابتدا ہی میں مشرکین کے تین بڑے سردار عتبہ، شیبہ، ولید مارے گئے۔ اس صورتِ حال سے مشرکوں کی صف میں عام بے چینی اور خوف و ہراس پھیل گیا۔ ابوجہل نے لوگوں کو یہ کہہ کر ہمت دلائی اور جنگ پر آمادہ کیا کہ اِن تینوں سرداروں نے عجلت سے کام لیا اور حزم و احتیاط اختیار نہیں کیا تھا۔ قسم ہے لات و عزیٰ (عرب کے مشہور بُت) کی ہم اس وقت تک ہرگز واپس نہیں ہوں گے جب تک

ہم مسلمانوں کو رسیوں میں باندھ نہ لیں گے۔

اسکے بعد ابوجہل نے اللہ تعالےٰ سے یہ دُعا مانگی، اے اللہ ہم میں سے جو رشتہ داری و تعلقات کا قطع کرنے والا ہے اسکو ہلاک فرما اور ہم میں جو تیرے پاس سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے اسکو آج فتح و نصرت عطا کر۔

حضرت ابن عباس رض کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوجہل کی دعا کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور عرض کیا: یا اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر زمین پر تیری پرستش نہ ہوگی۔

اس کے بعد گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم چھپّر سے باہر تشریف لائے اور صحابہ کو یہ بشارت دی کہ جو کوئی اس لڑائی میں مارا جائے اللہ اسکو جنت میں داخل کرے گا۔

بعد ازاں آپ نے جبرئیل امین کے اشارے سے ایک مشتِ خاک لیکر مشرکین کی طرف پھینک دی اور صحابہ کو حکم دیا کہ کافروں پر ٹوٹ پڑو۔ مشرکین میں سے کوئی بھی ایسا نہ رہا جس کی آنکھ اور ناک اور منھ میں یہ خاک نہ پہنچی ہو۔

مشہور محدث ابن شہاب زہری اور عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اس مشتِ خاک کی عجب شان بنائی ہر کافر حیران و پریشان تھا کہ کہاں اور کدھر جائے؟ بڑے بڑے سرداروں کے پیر اُکھڑ گئے۔ مسلمان اللہ کے دشمنوں کو قتل کرنے اور گرفتار کرنے میں مشغول ہوگئے۔

اُمیہ بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین دشمنوں میں ایک تھا۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جبکہ جنگ بدر کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ حضرت سعد بن معاذ رض کی زبانی مکّہ ہی میں اُمیہ نے یہ سُن لیا تھا کہ اصحاب محمدؐ کے ہاتھوں تو مارا جائے گا اس لئے وہ جنگ میں شریک ہونے سے جان چراتا تھا لیکن ابوجہل کے عار دلانے پر آمادہ ہوگیا اور اپنی بیوی

ام صفوان سے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ ام صفوان نے کہا کیا تم کو اپنے یثربی بھائی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا قول یاد نہیں کہ تم اُن کے ہاتھوں مارے جاؤگے؟ اُمیہ نے کہا نہیں خوب یاد ہے لیکن میں تھوڑی دور تک ساتھ دے کر واپس لوٹ جاؤں گا تاکہ بزدلی کا طعنہ نہ سُن سکوں۔ لیکن اللہ کے ہاں اُسکے قتل کا فیصلہ تو ہو چکا تھا رواں دواں میدان بدر تک پہنچ گیا۔ بدر کے میدان میں حضرت بلال حبشیؓ نے اُمیہ کو دیکھا تو انصار کو للکارا (یہ وہی اُمیہ تھا جو مکہ میں حضرت بلالؓ کو گرم گرم ریت پر لٹا کر تکلیفیں دیا کرتا تھا تاکہ یہ اسلام کو چھوڑ دیں) انصار نے جب حضرت بلالؓ کی آواز سنی تو دوڑ پڑے اور اُمیہ پر حملہ کر دیا۔ اور آناً فاناً اُس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ لعنۃ اللہ علیہ۔

ابوجہل کا قتل

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بیان کرتے ہیں کہ میں بدر کے دن صف میں کھڑا تھا اچانک نظر پڑی تو دیکھتا ہوں کہ میرے دائیں بائیں جانب دو کم عمر انصاری لڑکے ہیں۔ مجھے یہ وسوسہ آیا کہ کیوں نہ میری پشت پر کوئی طاقتور نوجوان ہوتے تاکہ وقت پر مدد کر سکیں۔

میں اسی خیال میں تھا کہ ایک لڑکے نے آہستہ سے کہا چچا جان مجھکو ابوجہل کی نشان دہی کیجئے کہ وہ کون ہے؟ میں نے کہا صاحبزادے ابوجہل کو دیکھ کر کیا کرو گے؟ اُس لڑکے نے کہا میں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ اگر ابوجہل کو دیکھ پاؤں تو اسکو قتل کر ڈالوں یا خود مارا جاؤں۔ یہ اس لئے کہ مجھے معلوم ہوا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سخت ترین گستاخیاں کیا کرتا ہے۔ اگر میں اُسے دیکھ لوں تو واللہ میرا سایہ اُس کے سایہ سے جُدا نہ ہو گا۔ یہاں تک کہ ہم میں جسکی موت پہلے مقدر ہو چکی ہے مر نہ جائے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ ان بچوں کی یہ گفتگو سن کر میرا وہ وسوسہ دور ہو گیا کہ اے کاش میری پشت پر کوئی بڑی طاقت ہوتی۔

الغرض میں نے اُن دونوں بچوں کو اشارہ سے بتایا کہ ابوجہل وہ کھڑا ہے۔ بس یہ سنتے ہی دونوں شکرے اور باز کی طرح ابوجہل کی طرف

دوڑ پڑے اور ایسی بے جگری سے اُس پر وار کر دیا کہ وہ سنبھل بھی نہ سکا اور دیکھتے دیکھتے ہی زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

صحیح بخاری کی روایت جو غزوۂ بدر کے بیان میں مذکور ہے یہی بتاتی ہے کہ یہ دونوں لڑکے معاذ رضؓ اور معوّذ رضؓ (سیدہ عفراء رضؓ) کے صاحبزادے تھے۔

ابوجہل کا بیٹا عکرمہ (جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئے) نے اپنے باپ کی حمایت میں حضرت معاذ رضؓ کے شانے پر اس زور سے تلوار ماری کہ ہاتھ کٹ گیا لیکن کاندھے سے لٹک گیا۔ حضرت معاذ رضؓ شام تک اسی حالت میں لڑتے رہے۔ جب ہاتھ کے مسلسل لٹکتے رہنے سے تکلیف بڑھ گئی تو ہاتھ کو اپنے قدم کے نیچے دبا کر اتنی زور سے کھینچا کہ وہ کاندھے سے علیحدہ ہو گیا۔ اپنا ہاتھ پھینک کر دوسرے ہاتھ سے جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہو گئی۔

حضرت معاذ رضؓ سیدنا عثمان غنی رضؓ کی خلافت تک زندہ رہے لیکن ان کے بھائی حضرت معوّذ رضؓ نے اسی جنگ بدر میں جامِ شہادت نوش کیا۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا تھا کہ کوئی ابوجہل کی خبر لائے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ نے جا کر نعشوں میں تلاش کیا دیکھا کہ ابھی اسمیں ذرا سی جان باقی ہے فوراً اسکے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ ابوجہل نے آنکھیں کھولیں اور کہا، اے بکریوں کے چرانے والے آج تو بہت بلند مقام پر چڑھ بیٹھا ہے۔ میں نے کہا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ مَکَّنَنِیْ مِنْ ذٰلِکَ۔

اُس ذات پاک کی حمد ہے جس نے مجھے یہ قدرت دی۔

اسکے بعد فرمایا:۔

اَخْزَاکَ اللّٰہُ یَا عَدُوَّ اللّٰہِ۔

اے اللہ کے دشمن آج تجھکو اللہ نے رسوا کر دیا ہے۔

ابوجہل نے پوچھا تیرا کیا ارادہ ہے؟ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ نے

فرمایا تیرا سر کاٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنا ہے۔
اسپر ابوجہل کہنے لگا اچھا تو اُن کو میرا یہ پیام بھی پہنچا دینا کہ میرے دل میں بہ نسبت گزشتہ دنوں کے آج کے دن تمہاری عداوت اور بغض کہیں زیادہ ہے۔

حضرت ابن مسعود رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس خبیث کا سر قلم کر دیا اور اسکو گھسیٹتا ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ اللہ کے دشمن ابوجہل کا سر ہے اور اُس کا پیام بھی نقل کر دیا۔ آپ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور فرمایا یہ میرا اور میری امت کا فرعون تھا جس کا شر فرعونِ موسیٰ (علیہ السّلام) کے شر سے کہیں بڑا تھا۔
بعد ازاں آپؐ نے ابوجہل کی تلوار حضرت ابن مسعود رضؓ کو عطا فرما دی۔

(شرح سیر الکبیر سرخسی رحؒ)

اسی جنگ بدر میں حضرت عُکاشہ بن مِحصن رضؓ کی تلوار لڑتے لڑتے ٹوٹ گئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی ایک ٹہنی ان کے ہاتھ مرحمت فرمائی جو عُکاشہ رضؓ کے ہاتھ میں آتے ہی آہنی تلوار بن گئی اسی سے قتال کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میدانِ بدر فتح فرما دیا۔ اس تلوار کا نام عَوْن تھا۔ حضرت عُکاشہ رضؓ اس تلوار کو ہر غزوہ میں استعمال کرتے اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پایا کرتے تھے۔ عہد صدیقی میں شہادت پائی۔

(طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۶۲)

مشہور مشرک سردار عبیدہ بن سعید بن العاص بدر کے دن سر تا قدم آہنی لباس تھا۔ سوائے آنکھوں کے بدن کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا تھا۔ سیدنا زبیر رضؓ نے تاک کر اسکی آنکھ پر ایسا نیزہ مارا کہ آر پار ہو گیا اور وہ کافر اُسی وقت ڈھیر ہو گیا۔ حضرت زبیر رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اُسکے سر پر پیر رکھ کر پوری قوت کے ساتھ نیزہ کھینچا تب کہیں نیزہ باہر آیا لیکن اس کے کنارے ٹیڑھے ہو گئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور یادگار اس نیزہ کو حضرت زبیر رضؓ سے مانگ لیا تھا۔ آپؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضؓ کے پاس رہا۔ پھر حضرت عمر رضؓ اور عثمان رضؓ و علی رضؓ کے ہاں رہا۔ حضرت علی رضؓ کی وفات کے بعد

حضرت زبیرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاں آگیا۔

الغرض لڑائی گھمسان کی ہوتی رہی صبح سے شام تک میدان کارزار گرم رہا سرشام مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی۔ قریش کے ستر آدمی مارے گئے جن میں اُن کے نامی گرامی سردار شامل تھے اور ستر آدمی گرفتار ہوئے جن کے ہاتھ شانوں سے باندھ دیئے گئے۔ مشرکین کی نعشوں کو بدر کے ایک کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ علامہ ابن حجرؒ کی تحقیق یہ ہے کہ بدر کے کنوئیں میں صرف چوبیس سردار ڈالے گئے باقی نعشوں کو کسی اور جگہ پھینک دیا گیا۔

(فتح الباری ج ۷، ص ۲۳۴)

تیسرے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر سے کوچ کرنے کا حکم دیا سب روانہ ہوئے اچانک کنوئیں پر کھڑے ہوئے اور نام بنام فلاں بن فلاں کہہ کر پکارا اور یہ فرمایا:۔

تم کو یہ اچھا نہ معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے؟ جس بات کا ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا تھا ہم نے اُسکو حق پایا کیا تم نے بھی اپنے رب کا وعدہ حق پایا؟ (بخاری)

ابن اسحاق کی روایت میں مزید یہ اضافہ ہے:۔

اے گڑھے والو تم اپنے نبی کے حق میں بہت بُرا قبیلہ تھے تم نے مجھ کو جھٹلایا اور لوگوں نے میری تصدیق کی، تم نے مجھکو نکالا اور لوگوں نے ٹھکانہ دیا، تم نے مجھ سے قتال کیا اور لوگوں نے میری مدد کی۔ امین (امانت دار) کو تم نے خائن بتلایا اور صادق کو کاذب کہا، اللہ تم کو بُری جزا دے۔

بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ ان بے جان نعشوں سے کلام فرماتے ہیں۔؟

آپ نے ارشاد فرمایا قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میرے کلام کو تم ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر وہ جواب نہیں دے سکتے۔ (زرقانی ج ۱ ص ۴۴۳)

غزوۂ بدر کا یہ تذکرہ قرآن حکیم کی مختلف آیات میں موجود ہے جس کا ترجمہ و مطلب اختصار

کے ساتھ درج کیا جا رہا ہے۔

قرآنی مضمون كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ. الخ

(انفال آیت ۵ تا ۱۹)

جیسا کہ آپ کے پروردگار نے آپ کو حکمت کے ساتھ آپ کے گھر سے باہر نکالا (معرکۂ بدر کے لئے) اور اہل ایمان کی ایک جماعت اِس کو گراں (بھاری) سمجھ رہی تھی۔

وہ آپ سے اس حقیقت کے بارے میں اُلجھ رہے تھے جبکہ اِسکا ظہور ہو چکا تھا گویا وہ موت کی جانب ہنکائے جا رہے ہوں اور وہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔

اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا دو جماعتوں میں سے ایک کے لئے کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی۔ (یعنی وہ جماعت مغلوب ہو جائے گی اور تم اُسپر غالب آجاؤ گے) اور تم یہ چاہ رہے تھے کہ غیر مسلح جماعت تمہارے ہاتھ آجائے مگر اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے، تاکہ حق حق ہو کر رہے اور باطل باطل ہو کر رہ جائے خواہ مجرموں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

اور اُس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے پھر اُس نے تمہاری سن لی اور فرمایا کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے بعد دیگرے آنے والوں سے تمہاری امداد کروں گا۔

اور اللہ نے یہ اس لئے کیا کہ تمہیں خوشخبری ہو اور تاکہ تمہارے دلوں کو اطمینان ہو جائے ورنہ مدد تو جب بھی ہوتی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ یقیناً اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب اللہ نے اپنی طرف سے چین

وسکون دینے کے لئے تم پر غنودگی طاری کر دی تھی اور آسمان سے تم پہ پانی
اُتار رہا تھا کہ اسکے ذریعہ تمہیں پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع
کر دے اور تاکہ مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور اس کے باعث تمہارے
قدم جما دے۔

اور اُس وقت کو یاد کرو جب آپ کا پروردگار وحی کر رہا تھا فرشتوں
کی جانب کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم ایمان والوں کے قدم ثابت رکھو میں
ابھی اِن کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں پس تم اُن کافروں کی
گردن کے اوپر مارو اور اُن کے جوڑ جوڑ پر ضرب لگاؤ۔

یہ اس لئے کہ اُن کافروں نے اللہ اور اُسکے رسول کا مقابلہ کیا ہے اور جو اللہ
اور اسکے رسول کا مقابلہ کرے تو اللہ سزا دینے میں سخت ہے۔

یہ ہے تم لوگوں کی سزا اب اس کا مزہ چکھو اور جان لو کہ کافروں
کے لئے جہنم کا عذاب ہے۔

اے ایمان والو جب تم ایک لشکر کی صورت میں کفار سے دوچار
ہو جاؤ تو ان کے مقابلہ میں پیٹھ نہ پھیرو، جس نے ایسے موقع پر پیٹھ پھیر دی
اِلّا یہ کہ جنگی چال کے طور پر ایسا کرے یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لے رہا ہو،
(تو اسکو اجازت ہے) ورنہ وہ اللہ کے غضب میں آجائے گا اور اُس کا ٹھکانہ
جہنم ہے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے۔

سو حقیقت یہ ہے کہ تم نے اُن کافروں کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے
انھیں قتل کیا اور آپ نے اُن پر جب مُشتِ خاک پھینکی تو آپ نے نہیں پھینکی
بلکہ اللہ نے پھینکی تاکہ ایمان والوں کی اپنی طرف سے خوب اچھی طرح آزمائش
کرے۔ بیشک اللہ خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے۔

یہ تو ہو چکا اور بیشک اللہ کمزور کر کے رہے گا کافروں کے داؤ
پیچ کو۔ (روایتوں میں آتا ہے کہ جب مشرکین مکہ کا لشکر بدر کے لئے روانہ
ہو رہا تھا تو سردار قریش ابوجہل نے غلافِ کعبہ پکڑ کر دُعا کی تھی کہ اے اللہ
کامیابی اُس لشکر کو عطا کر جو حق پر ہے۔ اسی کا جواب اس آیت میں ہے)

اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تو تمہارے سامنے آموجود ہوا۔ اور اگر باز آباؤ تو یہ تمہارے لئے نہایت خوب ہے۔ اور اگر تم پھر (وہی) کام کروگے تو ہم بھی پھر (وہی کام) کریں گے۔ اور تمہاری جمعیت تمہارے ذرا بھی کام نہ آوے گی گو کتنی ہی زیادہ ہو۔ اور واقعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (اصل میں) ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ الخ

(انفال آیت ۴۱ تا ۴۴)

اور (اس بات کو) جان لو کہ جو شے (کفار سے) بطور غنیمت تم کو حاصل ہو تو (اس کا حکم یہ ہے کہ) کل کا پانچواں حصہ اللہ کا اور اسکے رسول کا ہے اور (ایک حصہ) آپ کے قرابت داروں کا ہے اور (ایک حصہ) یتیموں کا ہے۔ اور (ایک حصہ) مسافروں کا ہے۔ اگر تم اللہ پر اور اس چیز پر ایمان رکھتے ہو جسے ہم نے اپنے بندے (محمدؐ) پر نازل کیا تھا فیصلہ کے دن (معرکہ بدر کے دن) جس دن کے دونوں جماعتیں (مسلمانوں اور مشرکوں کی) مقابل ہوئیں اور اللہ ہر شئے پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب تم میدان جنگ کے نزدیک والے کنارے پر تھے اور وہ کافر دور والے کنارے پر اور تجارتی قافلہ (قافلہ ابوسفیان) تم سے نیچے کی جانب کو تھا (یعنی وہ تجارتی قافلہ جسکے تعاقب میں تم آرہے تھے وہ تم سے بچتا ہوا سمندر کے کنارے کنارے چلا جارہا تھا) اور اگر تم اور وہ کوئی وقت مقرر کرلیتے (یعنی فریقین اپنے قصد و ارادے سے کوئی میدان اور تاریخ مقرر کرلیتے) تو ضرور اس تقرر میں اختلاف ہوجاتا۔ لیکن جو بات ہونی تھی اللہ اسکو پورا کردیتا ہے تاکہ جسے برباد و ہلاک ہونا ہو وہ دلیل و نشان سے ہلاک ہو اور جس کو زندہ رہنا ہو وہ بھی دلیل و نشان سے زندہ رہے اور بیشک اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ (مطلب یہ ہوا کہ حکمت الٰہی کو یہ جنگ اس لئے منظور ہوگئی کہ اس سے ایک خاص حکمت کے تحت اسلام کا حق ہونا ظاہر ہوجائے اور دنیا دیکھ لے کہ قلتِ عدد اور بے سروسامانی کے باوجود مسلمان غالب آئے یہ نشان و دلیل یقین پیدا

کرنے کے لئے کافی تھی کہ اسلام حق ہے)

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اللہ نے آپؐ کے خواب میں آپکو وہ کافر لوگ کم دکھلائے (یعنی آپؐ نے اپنا وہ خواب صحابہ سے بیان کیا جس سے اُن کے دل قوی ہوگئے) اور اگر اللہ اُنھیں آپؐ کو زیادہ دکھادیتا تو تم لوگ ہمت ہار جاتے اور آپس میں جھگڑنے لگتے۔ اس باب میں (یعنی ایسی بے سروسامانی کی حالت میں جنگ بھی کی جائے یا نہیں؟) لیکن اللہ نے تم کو اختلاف سے بچالیا۔ بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جبکہ اُس نے اُن کافروں کو تمہاری نظروں میں کم کرکے دکھلایا اور اُن کی نگاہوں میں تمہیں کم کرکے تاکہ اللہ اُس امر کو پورا کردے جو ہوکر رہنا تھا اور اللہ ہی کی طرف سارے امر رجوع ہوتے ہیں۔

اے ایمان والو جب تم کسی جماعت (کافرہ) کے مقابل ہوا کرو تو ثابت قدم رہا کرو ــــــــــ اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہا کرو تاکہ فلاح پاؤ۔

اور اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت کرو اور آپسمیں جھگڑا نہ کرو ورنہ کم ہمت ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی اور صبر کرتے رہو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اور اُن لوگوں جیسے نہ بنو جو اپنے گھروں سے نکلے تو اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھلانے کے لئے اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے تھے، اور اللہ اُنکے اعمال کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب شیطان نے کافروں کو اُنکے اعمال خوشنما کر دکھائے (یعنی جو رسول اور اسلام کی مخالفت میں وہ کررہے تھے) اور کہا کہ لوگوں میں سے آج کوئی تم پر (یعنی کافروں پر) غالب آنیوالا نہیں اور میں تمہارا پشت پناہ ہوں۔ پھر جب دونوں لشکر (مسلمانوں کے اور مشرکین کے میدان بدر میں) آمنے سامنے ہوئے تو وہ اُلٹے پاؤں بھاگا اور کہنے لگا میں تم سے بری الذمہ ہوں میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔

یعنی فرشتوں کے لشکروں کو جو مسلمانوں کی مدد کے لئے آسمان سے اتر رہے تھے) میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ شدید سزا دینے میں (کہیں کسی فرشتے سے دنیا ہی میں میری خبر نہ لے لے) اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے (مسلمانوں کا بے سروسامانی کے ساتھ مشرکین کے مقابلہ میں بے تکلف آجانا دیکھ کر) یوں کہتے تھے کہ ان مسلمان لوگوں کو اُن کے دین نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے جو وہ ایسے خطرے میں آ پڑے اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں) اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے سو اللہ بڑا زبردست ہے بڑا حکمت والا ہے۔

اور کاش آپ دیکھیں جب فرشتے اُن کافروں کی جان قبض کرتے جاتے ہوں اُن کے منھ پر اُن کی پشتوں پر مارتے جاتے ہوں اور یہ کہتے جاتے ہوں کہ اب آگ کی سزا کا مزہ چکھو۔ یہ عذاب اُس کے پاداش میں ہے جو کچھ تمہارے ہاتھوں نے سمیٹا ہے اور اللہ ہرگز ظالم نہیں ہے بندوں کے حق میں۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ الخ (آل عمران آیات ۱۲۳ تا ۱۲۹)

اور یقیناً اللہ نے تمہاری نصرت کی بدر میں حالانکہ تم بہت کمزور حالت میں تھے پس اللہ سے ڈرتے رہو عجب کیا کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

(میدان بدر میں یہ خبر اڑ گئی تھی کہ دشمن کو زبردست کمک پہنچ گئی ہے تو آپ اہل ایمان کو تسلی دے رہے تھے) وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب آپ مومنین سے کہہ رہے تھے کہ کیا یہ بات تمہارے لئے کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہاری مدد تین ہزار نازل شدہ فرشتوں سے کرے؟ کیوں نہیں، بشرطیکہ تم نے صبر و تقویٰ قائم رکھا (میدان جنگ میں اور اطاعت رسول سے منھ نہ موڑا) اگر وہ کافر تم پر فوراً آ پڑیں تو اُسی آن تمہارا رب (تین ہزار نہیں) پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے مدد کرے گا۔

یہ بات اللہ نے تمہیں اس لئے بتا دی کہ تم خوش ہو جاؤ اور تمہارے

دل مطمئن ہو جائیں ورنہ مدد و نصرت تو صرف زبردست حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہے (اور یہ نصرت تو اسی غرض سے تھی) تاکہ کفر کرنے والوں میں سے ایک جماعت کو ہلاک کر دے یا انہیں ذلیل و رسوا کر دے کہ وہ ناکام ہوکر واپس آ جائے۔

اے نبی آپ کو اس امر میں کوئی دخل نہیں کہ اللہ خواہ اِن کی توبہ قبول کرے خواہ انہیں عذاب دے اس لئے کہ وہ ظالم ہیں اور اللہ ہی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا اور بڑا رحمت والا ہے۔

بدر سے کامیاب واپسی

بدر کے میدان میں تین دن قیام فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضؓ کو مدینہ منورہ روانہ فرما دیا تھا تاکہ معرکۂ بدر کی خوشخبری مسلمانوں کو سنائی جائے۔ زید بن حارثہ رضؓ کے صاحبزادے اُسامہ رضؓ بن زید فرماتے ہیں کہ ہمارے والد بزرگوار نے یہ خوشخبری ہم کو ایسے وقت پہنچائی جس وقت کہ ہم لوگ رسول اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ رقیہ رضؓ (زوجۂ محترمہ حضرت عثمان غنی رضؓ) کی تدفین کر رہے تھے۔ بدر میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا تھا اُسکو آپ نے درمیانی راہ مقام صفراء میں تقسیم فرما دیا۔ ابتداءً مال غنیمت کی تقسیم میں بعض صحابہ مختلف رائے ہوگئے۔ نوجوان صحابہ کہتے تھے کہ مالِ غنیمت ہمارا حصہ ہے کیونکہ ہم نے کافروں کو قتل کیا ہے۔ بوڑھے چونکہ صرف ہماری پشت پر رہے قتل و قتال میں زیادہ حصہ نہیں لیا اس لئے انھیں حق نہیں پہنچتا۔

بوڑھے صحابہ کہتے تھے کہ ہم کو بھی مالِ غنیمت میں پورا شریک کیا جائے اس لئے کہ فتح و کامیابی ہماری پشت پناہی کے باعث ہوئی ہے۔

ایک اور جماعت جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہی تھی وہ اپنے کو اس مال کا زیادہ مستحق سمجھتی تھی۔

اس موقعہ پر قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی اور اہل ایمان کو متنبہ کیا گیا۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ الخ

(انفال آیت ۱)

اے نبی آپؐ سے مال غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں۔
آپؐ کہہ دیجئے کہ مال غنیمت اللہ کا ہے اور اسکے رسول کا ہے (یعنی مال غنیمت کے مالک حقیقی اللہ تعالیٰ اور ان کے نائب اللہ کے رسول ہیں جس طرح مناسب سمجھیں تقسیم کر دیں۔)

ان آیات میں یہ حقیقت ظاہر کر دی گئی ہے کہ فتح اور کامیابی صرف اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے حاصل ہوتی ہے۔ کسی کا سہارا اور زور اللہ تعالیٰ ہی کی تائید و توفیق کا نتیجہ ہے۔ لہذا مال غنیمت کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو حکم دیں اُسی کے موافق غنیمت کی تقسیم عمل میں آئے گی۔

ایمان کا تقاضہ یہی ہے کہ ہر معاملہ میں اللہ تعالےٰ سے ڈریں اور آپس میں خلوص و محبت کا معاملہ رکھیں، اپنے جذبات و خواہشات کو اللہ اور اسکے رسول کی مرضیات کے تابع رکھیں۔

ایمان کی علامت تو یہی ہے کہ جب کسی معاملہ میں اللہ اور اُسکے رسول کا نام آجائے تو خوف و ہیبت سے دل کانپ اُٹھیں، احکام الٰہی سنکر ان کا ایمان و یقین اور زیادہ مضبوط ہو جائے۔ اس قدر قوی اور مضبوط ہو جائے کہ ہر معاملہ میں اُن کا اصلی بھروسہ اور اعتماد اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی پر باقی نہ رہے۔

نزول آیات کے بعد اُن صحابہ کرام نے جو مال غنیمت کو اپنا حق سمجھ رہے تھے اللہ اور اُسکے رسول کے حوالے کر دیا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر راضی ہو گئے۔

علاوہ ازیں مال غنیمت میں اُن آٹھ صحابہ رضؓ کو بھی حصہ دیا گیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یا اجازت سے بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے۔ (ابن الاثیر ج ۲ ص ۲۱)

اسیرانِ بدر کا انجام

مقام صفراء میں مال غنیمت کی تقسیم کے بعد روانگی سے قبل قیدیوں میں سے ایک کو قتل کر دینے کا حکم جاری فرمایا۔ اس کا نام حارث بن نضر تھا۔ اسکو سیدنا علی رضؓ نے قتل

کر دیا۔ آگے چل کر مقام عرق الظبیہ میں عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ اسکو سیدنا عاصم بن ثابت رضہ نے قتل کر دیا۔ بقیہ قیدیوں کو جنکی تعداد ستر بیان کی جاتی ہے، مدینہ منورہ لایا گیا۔

نضر اور عقبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھے۔ نہایت بدزبان، بدتمیز آدمی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانا، ایذا دینا ان کا محبوب مشغلہ تھا، یہی وہ عقبہ تھا جس نے حرم کعبہ میں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرما رہے تھے آپ کی پشت پر اونٹ کی غلاظت کا بوجھ رکھ دیا تھا اور آپ کا گلہ گھونٹا تھا اور ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر تھوک بھی دیا تھا۔ خذ لہ اللہ فی الدنیا والآخرۃ۔

(الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص)

الغرض آپ منزل بمنزل ٹھیرتے ہوئے اور قیدیوں کا قافلہ ہمراہ لئے مدینہ منورہ پہنچے۔ مدینہ منورہ پہنچکر آپ نے جملہ قیدیوں کو صحابہ کرام میں تقسیم فرما دیا اور یہ ارشاد فرمایا:۔

اِسْتَوْصُوْا بِالْاُسَارٰی خَیْرًا۔ (رواہ الطبرانی)

قیدیوں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو۔

چنانچہ صحابہ کرام کا یہ حال تھا کہ وہ پہلے قیدیوں کو کھانا کھلاتے اور بعد میں خود کھاتے۔ اگر نہ بچتا تو خود کھجور پر اکتفا کر لیتے۔

چند روز بعد آپ نے اکابرین صحابہ سے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا کہ ان کا انجام کیا ہونا چاہیئے؟

سیدنا عمر الفاروق رضہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مناسب یہی ہے کہ ان سب کی گردن ماردی جائے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا

یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَمْکَنَکُمْ وَاِنَّمَا هُمْ اِخْوَانُکُمْ بِالْاَمْسِ۔

اے لوگو اللہ تعالٰے نے تم کو ان پر پوری قدرت دی ہے اور کل تک یہ تمہارے بھائی تھے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میری رائے یہ ہے کہ ان سے فدیہ (جرمانہ) لے لیا جائے اور پھر انھیں آزاد کر دیا جائے۔ یہ لوگ آپ ہی کی قوم سے ہیں کیا عجب ہے کہ اللہ انھیں اسلام لانے کی توفیق دے دے۔

حضرت سعد بن معاذ رضہ کی رائے بھی یہی تھی کہ قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضہ اگرچہ فدیہ لینے کے مخالف تھے مگر ان کا خیال یہ تھا کہ ان سب کو آگ میں جلا دیا جائے تاکہ حق کا غلبہ ہو اور کفر و شرک کے رہنما آنے والوں کے لئے عبرت بن جائیں۔

دیگر بعض صحابہ رضہ نے فدیہ لینے پر زور دیا کیونکہ ان قیدیوں میں اکثر صاحب دولت و ثروت تھے اُس وقت مسلمانوں کو مال و دولت کی ضرورت بھی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضہ کی رائے کو پسند فرمایا اور قیدیوں سے فدیہ لیکر چھوڑ دیئے جانے کا حکم فرمایا۔

(صحیح مسلم و مستدرک ج ۳ ص۲۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضہ و حضرت عمر فاروق رضہ کی رائے سنکر یہ ارشاد فرمایا: اے عمر رضہ تمہاری مثال (سیدنا) نوح و (سیدنا) موسیٰ علیہما السلام کی سی ہے جنھوں نے اپنی اپنی قوم کے حق میں یہ دعا کی تھی:

سیدنا نوح علیہ السلام نے یہ دُعا کی تھی۔

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ (سورہ نوح آیت ۲۶، ۲۷)

اور نوحؑ نے کہا میرے رب ان کافروں میں سے کوئی زمین پر بسنے والا نہ چھوڑ۔ اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور

ان کی نسل سے جو بھی پیدا ہوگا بدکار اور سخت کافر ہی ہوگا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے یہ دُعا مانگی تھی :-

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰی يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ۔ (سورہ یونس آیت ۸۸)

اے رب ان کے مال غارت کردے اور ان کے دلوں پر ایسی مہر کردے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

پھر اسکے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضؓ سے فرمایا اے ابوبکر تمہاری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سی ہے جنھوں نے اپنی قوم کے لئے یہ دُعا کی تھی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا فرمائی :-

فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

(سورہ ابراہیم آیت ۳۶)

پس جس نے میری پیروی کی وہ مجھ سے وابستہ ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو اے رب آپ بڑے کثیر المغفرت اور کثیر الرحمت ہیں۔ (اور ان کو ایمان کی توفیق دے سکتے ہیں)

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اپنی امت کے بارے میں اس طرح دُعا فرمائیں گے۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (سورہ مائدہ آیت ۱۱۸)

اے رب اگر آپ انھیں سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں۔ (کہ آپ کو اختیار ہے) اور اگر آپ معاف کردیں تو آپ غالب اور حکمت والے ہیں (جس مجرم کو چاہیں معاف کردیں اور آپ کی معافی حکمت سے خالی نہیں)

الغرض آپ نے صدیق اکبرؓ کی رائے کو پسند فرمایا ممکن ہے فدیہ کا مشورہ دینے والوں میں کچھ اور افراد بھی ہوں جو حضرت صدیق اکبرؓ کی تائید کئے ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غریب مسلمانوں کی مالی منفعت کے پیش نظر بھی فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیا جانا مناسب خیال

فرمایا کہ شاید یہی لوگ آئندہ مسلمان ہوجائیں اور اسلام کے معین و مددگار بن جائیں۔ ایسا ہی خیال بعض اکابر صحابہ کا بھی تھا۔

لیکن منشاء الٰہی میں کفر کی سرکوبی اور خون ریزی پسندیدہ تھی اور یہ سب قیدی ائمۃ الکفر تھے۔ ان کا قتل کرنا کفر و شرک کی بیخ کنی کے برابر تھا۔ ان کو چھوڑ دینے پر عتاب آمیز خطاب نازل ہوا۔

قرآنی مضمون مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ. لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ الخ (سورہ انفال آیت ۶۷، ۶۸، ۶۹)

(اے مسلمانو تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ان قیدیوں سے کچھ لیکر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا یہ بیجا تھا کیونکہ) نبی کی شان کے لائق نہیں کہ اُن کے قیدی باقی رہیں (بلکہ قتل کر دیئے جائیں) جب تک کہ وہ زمین میں کفار کی خون ریزی نہ کرلیں (تاکہ کفر مغلوب ہوجائے اور اسلام غالب، پس ایسی نامناسب رائے تم نے کیوں دی) تم تو دنیا کا مال اسباب چاہتے ہو؟ اور اللہ تعالیٰ آخرت (کی مصلحت) چاہتے ہیں (کہ کفار مغلوب ہوجائیں اور اسلام کا نورِ ہدایت درانہ ہوجائے) اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست بڑی حکمت والے ہیں۔

اگر اللہ کا نوشتہ مقدر نہ ہوا ہوتا (وہ یہ کہ ان قیدیوں میں سے کچھ لوگ مسلمان ہوجائیں گے جس سے فسادِ امکانی واقع نہ ہوگا یا خطائے اجتہادی پر مواخذہ نہیں ہوا کرتا) یا (مالِ غنیمت جو اس امت پر حلال ہونے والا تھا) تو جو امر تم نے اختیار کیا ہے اُسکے بارے میں تم پر کوئی بڑی سزا واقع ہوجاتی (چونکہ فساد نہ تھا اور تمہارا مشورہ درست نکل آیا اس لئے تم سزا سے بچ گئے۔ بندے لاکھ صالح و متقی سہی بہرحال ان کی نظر محدود ہی ہوگی، علیم و خبیر تو صرف اللہ ہی کی ذات ہے) (ہم نے اُس فدیہ کو جائز

کر دیا) لہذا جو کچھ تم نے اُن سے فدیہ میں لیا ہے اسکو حلال پاک سمجھ کر کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو (کہ آئندہ ہر طرح کی احتیاط رکھو) بیشک اللہ تعالےٰ بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے (کہ تمہاری لغزش بھی معاف کر دی اور فدیہ بھی حلال کر دیا)

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آیت کے نزول پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رو پڑے۔ سیدنا عمرؓ نے دریافت کیا یارسول اللہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ قیدیوں سے فدیہ لینے پر اللہ کا عذاب قریب آگیا تھا اگر وہ نازل ہوجاتا تو سوائے عمرؓ کے اور سعد بن معاذؓ کے اور کوئی نہ بچتا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۳)

فدیہ کی نوعیت اور اطلاع علی الغیب

فدیہ کی تعداد میں ہر قیدی کی حیثیت کا لحاظ رکھا گیا تھا کم سے کم مقدار ایک ہزار درہم تھی اور زیادہ سے زیادہ چار ہزار درہم۔

جو لوگ، نادار اور غریب تھے وہ بغیر ادائی کے آزاد کر دیئے گئے۔ جو قیدی پڑھنا لکھنا جانتے تھے اُن سے یہ شرط لگائی گئی کہ دس دس مسلم بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں پھر آزاد ہو جائیں یہی ان کا فدیہ تھا۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔

سب سے زیادہ فدیہ حضرت عباس پر عائد کیا گیا جسکی مقدار سو اُوقیہ تھی (ایک اُوقیہ مساوی ۳۷ گرام)

عقیل بن ابی طالب پر اسی اوقیہ فدیہ لگایا گیا۔

حضرت عباسؓ نے عرض کیا یارسول اللہ میں نادار ہوں میرے ہاں کچھ بھی مال نہیں۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا اچھا وہ مال کہاں ہے جو تم نے اور تمہاری بیوی ام فضل نے ملکر دفن کیا تھا؟

حضرت عباسؓ یہ سنتے ہی حیران رہ گئے اور عرض کیا بیشک میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ یقیناً میرے اور ام فضل کے سوا کسی کو بھی اِس کا علم نہ تھا۔ (مستدرک ترجمۃ العباسؓ)

اسیرانِ بدر میں نوفل بن حارث بھی تھے جب اُن سے فدیہ دینے کو کہا گیا تو کہا میرے پاس تو کچھ بھی نہیں میں نادار آدمی ہوں۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا وہ نیزے کہاں ہیں جو تم جدّہ میں چھوڑ آئے ہو؟

نوفل نے کہا اللہ کی قسم اللہ کے بعد میرے سوا کسی کو بھی اُسکا علم نہیں تھا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول و نبی ہیں۔

پھر نوفل نے وہ نیزے فدیہ میں دیدیئے جن کی تعداد ایکہزار تھی۔ (مستدرک ترجمہ نوفل بن حارث)

عُمیر بن وہب اسلام کے شدید ترین دشمنوں میں تھا۔ مکہ کے زمانۂ قیام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو سخت ترین ایذائیں پہنچائی تھیں۔ اسیرانِ بدر میں اسکا بیٹا وہب بن عمیر بھی تھا۔ بدر کی شکست کے بعد ایک دن عُمیر اور صفوان بن اُمیہ (مشہور مشرک) حطیم کعبہ میں بیٹھے ہوئے بدر کی شکست پر تبصرہ کر رہے تھے۔ صفوان نے کہا اب زندگی کا مزہ نہیں رہا۔ سردارانِ قریش کی ہلاکت کے بعد زندگی بے لُطف ہوگئی۔ اِدھر عُمیر نے بھی یہی بات دُہرائی اور مزید یہ اضافہ کیا کہ اگر میرے ذمّے قرض نہ ہوتا اور اور اپنے بچوں کی کفالت کا کوئی انتظام ہوجاتا تو میں ابھی مدینہ جاکر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر آتا۔

عُمیر کی اس طوطا چشمی پر صفوان بہت خوش ہوا اور کہنے لگا تیرا قرض اور اہل وعیال کی خبر گیری سب میرے ذمہ ہوگی اگر تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دے۔

یہ سنکر عمیر اُٹھ کھڑا ہوا اور ایک زہر آلود تلوار لیکر مدینہ روانہ ہوگیا۔ مسجد نبوی کے قریب سیدنا عمرؓ نے اُسکو دیکھتے ہی تاڑ لیا کہ یہ کسی ناپاک ارادے سے آ رہا ہے۔ فوری اس کی تلوار چھین لی اور کھینچتے ہوئے اُسکو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کھڑا کر دیا۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا اے عمرؓ اسے چھوڑ دو۔ پھر آپؐ نے عُمیر سے پوچھا

کیوں آئے ہو؟

عمیرؓ نے کہا اپنے قیدی کو چھڑانے آیا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا سچ کہو کیا تم اپنے قیدی کو چھڑانے آئے ہو؟ عمیر نے وہی جواب دیا ہاں اسی کام کے لئے آیا ہوں!

آپؐ نے ارشاد فرمایا سچ بتاؤ تم نے اور صفوان نے حطیم کعبہ میں بیٹھکر کیا مشورہ کیا تھا؟

عُمیر نے گھبرا کر کہا میں نے کیا مشورہ کیا تھا؟ آپؐ نے فرمایا تو نے میرے قتل کا ذمہ لیا تھا اس شرط پر کہ صفوان تیرے اہل وعیال کی خبر گیری کرے اور تیرا قرض ادا کرے!

عُمیر گھبرا گیا اور فوری اعتراف کر لیا اور کہنے لگا۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں کیونکہ اس واقعہ کا سوائے میرے اور صفوان کے کسی کو علم نہیں۔ پس اللہ ہی نے آپؐ کو اسکی خبر دی ہے۔ میں آپؐ پر ایمان لاتا ہوں"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا اپنے بھائی کو دین کی باتیں سمجھاؤ اور قرآن پڑھاؤ اور اسکے قیدی کو چھوڑ دو۔

عُمیر نے کہا یا رسول اللہ میں نے اسلام کو مٹانے کی بہت کوشش کی اور مسلمانوں کو ہر طرح سے ستایا ہے۔ اب آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں مکہ جا کر اسلام کی تبلیغ کروں اور اسکے دشمنوں کو ستاؤں جیسا کہ اس سے پہلے اللہ کے دوستوں کو ستایا کرتا تھا۔ آپؐ نے مکہ جانے کی اجازت دے دی۔

عمیرؓ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے اُدھر مکہ میں صفوان بن امیہ لوگوں سے کہتا پھرتا تھا کہ اے لوگو! چند روز بعد میں تم کو ایسی بشارت سناؤں گا جو تم کو بدر کا صدمہ بھلا دے گی۔ اتنے میں مدینہ سے عمیرؓ کے اسلام قبول کر لینے کی خبر پہنچی تو صفوان آگ بگولہ ہو گیا اور قسم کھائی کہ عمیرؓ سے بات بھی نہ کروں گا اور نہ اسکے اہل وعیال کی کفالت کروں گا۔ حضرت عمیرؓ مکہ مکرمہ پہنچے اور دعوت اسلام میں مشغول ہو گئے۔ بہت سے لوگوں نے آپکی دعوت قبول کی اور مسلمان ہو گئے۔ حضرت عمیرؓ نے کچھ طاقت جمع کر کے اسلام کے دشمنوں کو خوب پریشان بھی کیا۔

نتائج و عبر

کلمہ توحید کی سربلندی کے لئے کفار سے جو مقابلہ کیا جاتا ہے اسکو قرآنی اصطلاح میں جہاد کہا جاتا ہے۔ اس جہاد فی سبیل اللہ میں مقابلہ کے بعد جو مال و اسباب اور قیدی حاصل ہوتے ہیں اُس کو "مال غنیمت" کہا جاتا ہے۔

جنگ بدر اسلام کا سب سے پہلا معرکہ ہے اسی جہاد میں مسلمانوں کو کثیر مقدار میں مال غنیمت اور بکثرت قیدی ہاتھ آئے۔

اسلام سے پہلے سابقہ انبیاء کرام کی شریعتوں میں مالِ غنیمت سے مجاہدین کو فائدہ اُٹھانا حلال و جائز نہ تھا بلکہ جہاد سے حاصل شدہ سارا مال کسی بلند مقام پر رکھدیا جاتا تھا ایسے وقت آسمان سے ایک آگ نمودار ہوجاتی اور اسکو جلاکر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی تھی۔ یہی علامت اُس جہاد کے مقبول اور پسندیدہ ہونے کی قرار پاتی تھی۔

اور اگر مال غنیمت کو جلانے کے لئے آسمان سے آگ نہ آتی تو یہ اس بات کی علامت ہوتی کہ جہاد میں کوئی کوتاہی رہی ہے جسکی وجہ سے وہ مال اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہوا۔

صحیح بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھکو پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں۔ اُن میں سے ایک یہ کہ کفار سے حاصل ہونے والا مالِ غنیمت کسی کے لئے حلال نہیں تھا مگر میری اُمت کے لئے حلال کر دیا گیا ہے۔

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا الآیہ۔

(انفال آیت ۶۹)

آیت میں مالِ غنیمت کے حلال اور طیّب ہونے کا واضح حکم موجود ہے۔ جو اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

آئینِ جوانمرداں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ کے بعد ایک مرتبہ حضرت سعد بن معاذ رضؓ عمرہ کرنے مکہ مکرمہ آئے اور دستور کے مطابق اُمیہ (جو مشرک تھا) کے ہاں قیام کیا۔ دوپہر کے وقت اُمیہ کو لیکر طواف کرنے نکلے طواف کر رہے تھے کہ سامنے ابوجہل آگیا پوچھا اے ابوصفوان (یہ اُمیہ کی کنیت تھی) یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ اُمیہ نے کہا سعد بن معاذ رضؓ ہے جو مدینہ سے عمرہ کرنے آئے ہیں۔

ابوجہل کو غصہ آگیا کہنے لگا اے ابوصفوان تم ایسے بے دینوں کو کیوں جگہ دیتے ہو جنھوں نے ہمارے باپ دادا کے دین و مذہب کو چھوڑ دیا ہے؟ اُمیہ خاموش ہو گیا۔

پھر ابوجہل حضرت سعد بن معاذ رضؓ سے کہنے لگا خدا کی قسم اگر اُمیہ تمہارے ساتھ نہ ہوتا تو تم یہاں سے صحیح و سالم واپس نہیں ہوتے۔

حضرت سعد رضؓ نے بلند آواز سے کہا اگر تو مجھے طواف کرنے سے روکے گا تو اللہ واحد کی قسم ہے میں تیرا مدینہ سے ملک شام کا راستہ بند کر دوں گا۔

اسپر اُمیہ نے حضرت سعد رضؓ سے کہا اے سعد رضؓ تم ابوالحکم (ابوجہل) پر اپنی آواز بلند نہ کرو یہ اس وادی کا سردار ہے۔ حضرت سعد رضؓ نے نہایت بیباکی سے کہا اے امیہ بس رہنے دو اللہ کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تو بھی اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھوں مارا جائے گا۔

اُمیہ نے پوچھا کیا میں اپنے شہر مکہ میں مارا جاؤں گا؟

حضرت سعد رضؓ نے کہا مجھے یہ معلوم نہیں کہ تو کہاں اور کس وقت مارا جائے گا لیکن تیری موت اُن کے ہاتھوں ہوگی۔

یہ سنکر اُمیہ گھبرا گیا اور گھر جا کر اپنی بیوی ام صفوان سے اس کا تذکرہ کیا اور کہنے لگا:-

وَاللّٰہِ مَا یَکْذِبُ مُحَمَّدٌ فَکَادَ اَنْ یُحْدِثَ۔

اللہ کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کبھی غلط نہیں کہتے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۲۳)

اسکے بعد اُمیہ پر اس درجہ خوف و ہراس طاری ہوگیا کہ مکّہ سے کبھی باہر نہیں نکلتا تھا چنانچہ جب ابوجہل نے معرکۂ بدر کے لئے لوگوں کو اُکسایا تو اُمیّہ پر یہ بات نہایت گراں گزری اُس نے اپنی بیوی ام صفوان سے ابوجہل کا اصرار بیان کیا اور ابوجہل کا یہ پیشکش بھی بیان کیا کہ وہ اس سفر میں ایک تیز رو طاقتور گھوڑا فراہم کرے گا تاکہ خطرہ کی صورت میں اس پر سوار ہوکر مکّہ واپس ہوجائے۔ بیوی نے غصہ سے کہا کیا تم کو اپنے یثربی بھائی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات یاد نہیں کہ تو اُن کے ہاتھوں مارا جائے گا!

اُمیہ نے کہا مجھے خوب یاد ہے لیکن اگر میں پیچھے رہ گیا تو مکّہ کا بچہ بچہ مجھے بُزدلی کا طعنہ دے گا اور عورتیں میرا مذاق اُڑائیں گی۔

اسکے بعد وہ ابوجہل کے طاغوتی لشکر کے ساتھ بدر کی جانب روانہ ہوا اور ہر منزل پر واپس ہونے کا ارادہ کرتا لیکن بدر کی مقتل گاہ نے اُسے بھاگنے کا موقعہ نہ دیا۔ بدر پہنچا اور میدان قتال میں صحابہ کے ہاتھوں ذلت وخواری سے مارا گیا۔

خسر الدنیا والاٰخرۃ۔

پُرحقیقت خواب

میدانِ بدر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو یہ خبر دی کہ کل شام تک اس میدان میں فلاں فلاں قریشی سردار مارا جائے گا اور اللہ نے مجھے وہ مقامات دکھائے ہیں جہاں مشرکین کے سردار مارے جائیں گے۔

اُدھر مکہ مکرمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی عاتکہ بنت عبدالمطلب نے یہ خواب دیکھا کہ ایک شتر سوار آیا ہے اور مقام ابطح میں اپنے اونٹ کو بٹھا کر باوازِ بلند یہ پکار رہا ہے:-

اَلَا انْفِرُوْا یَا اٰلَ غُدَرٍ لِمَصَارِعِکُمْ فِیْ ثَلَاثٍ۔

اے غدّارو اپنے اپنے قتل گاہوں کی جانب تین دن میں پہنچ جاؤ۔

اس آواز پر لوگ، اُس اعلان کرنے والے کے اطراف جمع ہوگئے ہیں پھر وہ اپنا اونٹ

لئے ہوئے مسجد حرام میں داخل ہوا اور پھر یہی آواز دی۔ اسکے بعد وہ جبل ابوقبیس پر چڑھا اور اوپر سے پتھر کی ایک چٹان پھینکی۔ جب وہ چٹان پہاڑ کے دامن میں پہنچی تو چور چور ہوگئی اور مکہ کا کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں اس کا کوئی نہ کوئی ٹکڑا گرا نہ ہو۔

عاتکہ بنت عبدالمطلب نے اپنا یہ خواب اپنے بھائی عباس بن عبدالمطلب سے بیان کیا اور یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ آپکی قوم پر کوئی سخت بلا اور مصیبت آنے والی ہے تم اپنی احتیاط ملحوظ رکھو۔ لیکن اے بھائی اس خواب کو کسی اور سے بیان نکرنا۔

مگر ولید نے اپنے باپ عُتبہ سے اس خواب کا تذکرہ کر دیا۔ اسی طرح شُدہ شُدہ یہ بات پورے مکہ میں پھیل گئی۔ دو تین دن بعد عباس بن عبدالمطلب مسجد حرام میں گئے تو دیکھا کہ ابوجہل ایک مجمع کے ساتھ بیٹھا ہے۔ عباس کو دیکھتے ہی کہنے لگا اے ابوالفضل (عباس کی کنیت) تمہارے مرد تو نبوت کے مدعی تھے ہی اب تمہاری عورتیں بھی نبوت کا دعویٰ کرنے لگیں ہیں۔

عباس بن عبدالمطلب نے دریافت کیا اے ابوالحکم کیا بات ہے ؟

ابوجہل نے عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب بیان کیا اور کہا کہ تمہاری بہن ہماری ہلاکت و بربادی کا فیصلہ کر رہی ہے۔ اسی اثنا ضمضم غفاری ابوسفیان کا پیام لے کر اس شان سے مکہ پہنچا پیراہن چاک ہے اور اونٹ کی ناک کٹی ہوئی ہے اور یہ پکارتا آرہا ہے :-

"اے گروہ قریش اپنے تجارتی قافلہ کی خبر لو اور جلد از جلد ابوسفیان اور اس کے تاجر ساتھیوں کی مدد کو پہنچو۔"

یہ خبر سنتے ہی مشرکین مکہ سامانِ حرب وضرب سے لیس ہوکر بدر کی جانب نکل پڑے۔

پھر میدانِ بدر میں عاتکہ بنت عبدالمطلب کے خواب کی تعبیر بحالتِ بیداری آنکھوں سے دیکھ لی۔ (مستدرک ج ۳ ص ۱۹)

الغرض قریش کا یہ فوجی لشکر گاتے بجاتے روانہ ہوا مقام جُحفہ میں پہنچے تو جُہیم بن صلت نے یہ خواب دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار ہے اور ایک اونٹ اُسکے ہمراہ ہے وہ آکر کھڑا ہوا اور یہ کہتا ہے قتل ہوا عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) امیہ بن خلف اور

فلاں فلاں۔

پھر اس شخص نے اپنے اونٹ کو ایک برچھا مار کر لشکر میں چھوڑ دیا۔ لشکر کا کوئی خیمہ ایسا نہ رہا جس پر اُس کے خون کے چھینٹے نہ پڑے ہوں۔

ابوجہل کو جب اس خواب کی اطلاع ہوئی تو بہت بگڑا اور برہم ہوا اور کہنے لگا کہ یہ بنی مطلب میں دوسرا نبی پیدا ہوا ہے۔ کل کو جب مقابلہ ہوگا تب اس کو معلوم ہو جائے گا کہ جنگ میں ہم میں سے کون قتل ہوگا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۶۵)

کھلی آزمائش

۱۷ رمضان المبارک ۲ھ مطابق ۱۱ مارچ ۶۲۴ء بدر کے مقام پر مسلمانوں کا مشرکین مکہ سے مقابلہ ہوا۔ جب دونوں لشکر مقابل ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ ایک مسلمان کا مقابلہ تین کافروں کے ساتھ ہے جو سامان حرب وضرب سے پوری طرح مسلح ہیں۔

آپؐ نے نہایت خشوع وخضوع کی حالت میں اپنے رب کی جناب میں اس طرح استغاثہ پیش فرمایا:۔

"الٰہی! یہ قریش کی جماعت اپنے سامانِ غرور کے ساتھ آئی ہے تاکہ تیرے رسول کو جھوٹا ثابت کریں،

الٰہی! میں تیری اُس مدد کا منتظر ہوں جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا، اے اللہ! اگر آج یہ مٹھی بھر مسلمان جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر تیری پرستش نہ ہوگی۔"

اس معرکہ میں سب سے زیادہ سخت امتحان مہاجرینِ مکہ کا تھا جنکے اپنے بھائی بند سامنے صف آرا تھے۔ کسی کا باپ، کسی کا بیٹا، کسی کا چچا، کسی کا ماموں، کسی کا بھائی، کسی کا بھتیجا بھانجہ اسکی اپنی تلوار کی زد میں آ رہا تھا اور اپنے ہاتھوں اپنے جگر گوشوں کو ٹکڑے کرنے پڑ رہے تھے۔ یہ ایسی سخت ترین اور دل سوز آزمائش تھی کہ اسمیں صرف اور صرف وہی اہل ایمان ثابت قدم کامیاب ہوئے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر غیر مشکوک اور غیر متزلزل ایمان رکھا ہو اور پورے یقین واعتماد کے ساتھ حق کیساتھ

رشتہ جوڑا ہو اور جو کفر و شرک کے سارے رشتے قطع کر ڈالے ہوں۔

اس قسم کی آزمائش کو قرآن حکیم نے اپنی زبان میں بَلَاءٌ مُّبِيْنٌ (کھلی آزمائش) کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

تعداد بدریین

حضرت رافع بن رافع رضؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبرئیل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سوال کیا کہ آپ اہل بدر کو کیا سمجھتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا سب سے افضل و بہتر ہیں۔ جبرئیل امین نے کہا اسی طرح وہ فرشتے جو بدر میں حاضر ہوئے سب فرشتوں سے افضل اور بہتر ہیں۔ (صحیح بخاری)

اسی صحیح بخاری میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضؓ کے قصے میں سیدنا علی رضؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا عمر رضؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:-

لَعَلَّ اللّٰہَ اِطَّلَعَ اِلٰی اَھْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَکُمُ الْجَنَّۃُ۔

بلاشبہ اللہ نے اہل بدر کی جانب نظر رحمت فرمائی اور یہ فرما دیا جو چاہے کرو جنت تمہارے لئے واجب ہو چکی ہے۔ (بخاری)

اصحاب بدر کی تعداد میں مؤرخین نے مختلف روایات نقل کی ہیں لیکن مشہور و معروف روایت تین سو تیرہ (۳۱۳) کی ہے۔

اس اختلاف کی وجہ سے محدثین کے اقوال مختلف ہیں۔ حافظ ابن سید الناس نے اپنی کتاب عیون الاثر میں سب روایات جمع کر دی ہیں اور تین سو تریسٹھ (۳۶۳) نام شمار کرائے ہیں تاکہ کسی بھی قول کی بنا پر کوئی نام چھوٹنے نہ پائے۔ احتیاطاً سب کو ذکر کر دیا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ بدریین کی تعداد اتنی ہی تھی۔

حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ اہل بدر تین سو تیرہ تھے۔
(مسند احمد، مسند بزار، معجم طبرانی)

حضرت براء بن عازب رضؓ سے بھی تقریباً یہی تعداد منقول ہے

فرماتے ہیں کہ ہم لوگ عہد نبوت میں یہ کہا کرتے تھے کہ اصحاب بدر تین سو دس سے کچھ زیادہ تھے جتنے کہ حضرت طالوت کے ساتھ تعداد تھی جنھوں نے نہر کو پار کیا اور اللہ کی قسم نہر سے وہی لوگ پار ہوئے جو نہایت مخلص مؤمن تھے۔

(بخاری)

علامہ سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی امداد کے لئے ستر جنات بھی حاضر ہوئے تھے۔ آٹھ صحابہ ایسے بھی تھے جو اس جنگ میں شرعی عذر کے تحت شریک نہ ہو سکے تھے لیکن اُن کو اہل بدر میں شمار کیا گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں سے اُن کو حصہ بھی عطا فرمایا تھا

(طبقات ابن سعد)

جنگ بدر میں فرشتوں کا نزول قرآن حکیم کی آیت ۱۲ سورہ انفال میں موجود ہے۔ روایات حدیث سے تین فرشتوں کے نام بھی معلوم ہوتے ہیں:-

حضرت جبرئیل امین، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل (علیہم السلام)
فَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ۔

شہداء بدر:-

غزوۂ بدر میں جب کچھ صحابی شہید ہو گئے تھے تو نافہم کافروں نے کہنا شروع کیا کہ انھوں نے خواہ مخواہ اپنی زندگی گنوا دی اور زندگی کے لُطف سے محروم ہو گئے۔

قرآن حکیم نے ایسے بے بہروں کو جواب دیا کہ جس معنی میں تم لوگ انھیں مُردہ سمجھ رہے ہو وہ ایسے مُردہ نہیں بلکہ زندوں سے کہیں زیادہ لُطف و لذت سے لذّت یاب ہو رہے ہیں۔

شہداء کی موت عام انسانوں کی موت کی طرح نہیں ہوتی بلکہ اُنھیں عالم برزخ میں ایک مخصوص قسم کی زندگی حاصل رہتی ہے اور یہ حیات کے ساتھ رزق بھی دیئے جاتے ہیں جو اُسی عالم کے مناسب ہوتا ہے۔

یہ اپنے رب کے مقرب بھی ہوتے ہیں۔ اِن کا بسیرا عرشِ عظیم کے فانوسوں میں ہوتا ہے۔ شہیدوں کی یہ زندگی اُس عالم میں ایک خصوصی اور امتیازی زندگی کی حامل ہوتی ہے۔ آثارِ حیات میں دوسروں سے کہیں زیادہ قوی بقول مفسر تھانویؒ شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر اُس کے جسدِ ظاہری تک پہونچتا ہے کہ اس کا جسد باوجود گوشت پوست ہونے کے خاک سے متأثر نہیں ہوتا اور جسم زندہ کی طرح صحیح و سالم رہتا ہے۔ جیسا کہ احادیث اور مشاہدات گواہی دیتے ہیں۔ دراصل یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء کرام شہیدوں سے بھی زیادہ قوت اور امتیاز رکھتے ہیں۔ (بیضاوی)

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاۤءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔ فَرِحِيْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

(آل عمران آیت ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انھیں ہرگز مُردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں رزق پاتے رہتے ہیں۔

اُن نعمتوں سے مسرور ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے عطا کی ہیں اور جو لوگ اِن کے بعد والوں سے ابھی اُن سے نہیں جا ملے ہیں اِن کی بھی اس حالت سے خوش ہیں کہ ان پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (مطلب یہ کہ شہداء اپنے اُن عزیز و اقارب سے مطمئن ہیں جن کو وہ دنیا میں ایمان اور عمل صالح پر چھوڑ آئے ہیں)

وہ لوگ خوش ہو رہے ہیں اللہ کے انعام اور فضل پر اور اِس پر کہ اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (یعنی اس حقیقت کا انھیں عینی مشاہدہ ہو رہا ہے)

غزوۂ بدر میں چودہ (۱۴) صحابہ شہید ہوئے ہیں۔ حضرت

عبد اللہ بن مسعود رضؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو لوگ بدر میں شہید ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے اُن پر اپنی تجلی فرمائی اور اپنے دیدار سے اُن کی آنکھوں کو منوّر فرمایا اور کہا اے میرے بندو کیا چاہتے ہو؟

اُنھوں نے عرض کیا اے پروردگار جن جن نعمتوں سے تو نے ہمیں سرفراز کیا ہے کیا اُس سے بھی بڑھکر کوئی نعمت اور ہے؟ اللہ تعؔ نے فرمایا بتاؤ کیا چاہتے ہو؟

چوتھی مرتبہ شہدار بدر نے عرض کیا اے پروردگار! ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں پھر ہمارے جسموں میں لوٹا دی جائیں تاکہ پھر آپکی راہ میں ہم شہید ہوں جیسے اب شہید ہوئے ہیں۔

(زرقانی ج ۱ ص ۴۴۵)

اِن عالی مرتبت شہدار کرام کے اسمار مبارکہ حسب ذیل ہیں:-

(۱) عبیدہ بن الحارث بن مطّلب مہاجری رضؓ

معرکہ بدر میں ان کا پیر کٹ گیا تھا۔ بدر سے واپسی پر مقام صفرار (حمرار طریق المدینۃ المنورہ) میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک سفر کے دوران مقام صفرار میں قیام فرمایا تھا، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ہم یہاں مُشک کی خوشبو پاتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا تعجب کیا ہے یہاں ابومعاویہ (عُبیدہؓ) کی قبر ہے۔ (اصابہ ج ۱ ص ۴۲۵)

(۲) عُمیر بن ابی وقاص مہاجری رضؓ

یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ حضرت سعد رضؓ فرماتے ہیں کہ جب بدر میں جانے کے لئے لوگ جمع ہو رہے تھے تو میں نے اپنے بھائی عُمیر رضؓ کو دیکھا کہ اِدھر اُدھر چُھپتا پھر رہا ہے۔ میں نے کہا اے بھائی تجھکو کیا ہوگیا ہے؟ کہا مجھکو اندیشہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجھکو دیکھ لیں تو کم عمر سمجھ کر واپس

فرمادیں گے اور میں آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرمادیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لشکر کا معائنہ فرمایا تو حضرت عُمیرؓ بھی پیش کئے گئے۔ آپؐ نے انھیں کم عمری کی وجہ سے واپس ہوجانے کا حکم دیا۔ یہ سُنکر عُمیرؓ رو پڑے۔ پھر آپؐ نے ان کا ذوق وشوق دیکھ کر اجازت دے دی۔ بالآخر جنگ میں شریک ہوئے اور جامِ شہادت نوش فرمایا۔ حضرت عمیرؓ کی عمر اس وقت سولہ سال تھی۔ (اصابہ ج ۳ ص ۳۵)

(۳) ذوالشمالین بن عبد عمر مہاجری رضؓ

مشہور امامِ حدیث حضرت زہری رحؒ اور مشہور مؤرخ ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ ذُوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی شخص کے دو نام ہیں لیکن اکثر محدثین کہتے ہیں کہ ذوالشمالین تو جنگ بدر میں شہید ہوئے اور ذوالیدین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی زندہ رہے۔

(۴) عاقل بن البکیر مہاجری رضؓ

سابقین اولین میں شمار ہوتے ہیں۔ دار ارقم (جہاں سیدنا عمرؓ کے بہن بہنوئی رہا کرتے تھے) مشرف باسلام ہوئے ان کا پہلا نام غافل تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام لانے کے بعد نام تبدیل کردیا۔ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے۔ چونتیس (۳۴) سال کی عمر تھی۔

(۵) مَہجَع بن صالح رضؓ (مولیٰ عمر بن الخطاب)

مشہور تابعی سعید بن مسیبؒ سے منقول ہے کہ جنگ بدر میں عین قتل وقتال کے وقت حضرت مہجع رضؓ کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

اَنَا مَهْجَعُ وَاِلٰى رَبِّىْ اَرْجِعُ۔

(میں مہجع ہوں اور اپنے رب کی جانب لوٹنے والا ہوں)

(۶) صفوان بن بیضاء مہاجری رض (صفوان بن وہب فی روایۃ)

غزوۂ بدر میں شریک ہونا ثابت ہے البتہ ابن حبان محدث کہتے ہیں کہ ۳۰ھ میں وفات پائی اور امام حاکم رح کہتے ہیں ۳۸ھ میں وفات پائی۔

لیکن امام موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق رح اور ابن سعد رح کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں طُعیمہ بن عدی کے ہاتھ شہید ہوئے۔ (اصابہ ترجمہ صفوان بن بیضاء)

(۷) سعد بن خیثمہ انصاری رض

صحابی ابن صحابی ہیں۔ شہید ابن شہید ہیں۔ حضرت سعدؓ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے اور والد حضرت خیثمہ رض غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے۔

حضرت سعدؓ بیعتِ عقبیٰ میں بھی شریک ہوئے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو قبیلہ بن عمرو کا نقیب بنایا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں جب قافلہ ابوسفیان کے تعاقب کیلئے حکم دیا تھا تو حضرت سعد رض کے والد خیثمہ رض نے اپنے بیٹے حضرت سعد رض سے کہا بیٹا ہم میں سے ایک کا بچوں اور عورتوں کی حفاظت کے لئے گھر رہنا ضروری ہے۔ بیٹا تم ایثار کرو اور مجھکو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جانے کی اجازت دو اور تم گھر کی نگرانی کے لئے ٹھیر جاؤ۔

اسپر حضرت سعد نے ادب سے انکار کر دیا اور یہ عرض کیا :-

لَوْ كَانَ غَيْرَ الْجَنَّةِ اٰثَرْتُكَ بِهٖ اِنِّيْ اَرْجُو الشَّهَادَةَ فِيْ وَجْهِيْ هٰذَا۔

ابا جان جنت کے سوا اگر کوئی اور معاملہ ہوتا تو میں ضرور ایثار کرتا اور آپ کو اپنے نفس پر ترجیح دیتا۔ لیکن اس سفر میں اپنے شہید ہونے کی قوی امید رکھتا ہوں۔

اسکے بعد باپ بیٹے میں قرعہ اندازی ہوئی۔ قرعہ بیٹے سعد رض کے نام پر نکلا۔ باپ نے اتفاق کرلیا اور گھر پر ٹھیر گئے۔ صاحبزادے حضرت سعد رض شاداں و فرحاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بدر کی طرف روانہ ہوگئے۔ معرکۂ بدر میں بڑی

بے جگری سے لڑتے رہے بالآخر شہید ہو گئے اور اپنی مراد کو پالیا۔

فَمِنْهُم مَّن قَضٰى نَحْبَهٗ (احزاب آیت ۲۳)

ان صحابہ میں بعض وہ ہیں جنھوں نے اپنی مراد پالی اور بعض منتظر ہیں۔

(۸) بُشّر بن عبد المنذر انصاری رض

(۹) یزید بن حارث انصاری رض

(۱۰) عُمیر بن الحمام انصاری رض

صحیح مسلم شریف میں حضرت انس رض سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن ارشاد فرمایا تھا اے لوگو دوڑو جنّت کی طرف جس کا عرض آسمان وزمین کے برابر ہے۔ حضرت عُمیر رض نے بَخٍ بَخٍ (واہ واہ) کہنا شروع کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اے عمیر رض کس چیز نے تجھ کو بَخٍ بَخٍ کہنے پر آمادہ کیا؟

حضرت عمیر رض نے کہا یارسول اللہ اللہ کی قسم کچھ بھی نہیں مگر صرف یہ اُمید کہ شاید میں بھی جنت والوں میں شامل ہو جاؤں!

آپؐ نے فرمایا:۔

فَاِنَّكَ مِنْ اَهْلِهَا۔

بلاشبہ تو اہل جنت میں شامل ہے۔

اسوقت حضرت عُمیر رض بھوک کی وجہ سے خشک کھجوریں کھا رہے تھے کھجوریں پھینک دیں اور کہنے لگے اگر میں اِن کے کھانے میں مشغول ہو گیا تو پھر زندگی بڑی طویل ہو گی۔ فوراً جہاد میں مشغول ہو گئے اور جامِ شہادت نوش کیا۔

فسقاہ اللہ من انہار الجنۃ۔ (اصابہ ج۲ ص۳۱)

(۱۱) رَافِع بن مُعَلّٰی انصاری رض

(۱۲) حارثہ بن سُراقہ انصاری رض

حضرت حارثہ رض صحابی ابن صحابی اور شہید ابن شہید ہیں۔

حضرت حارثہ بن سراقہ رض غزوہ بدر میں شہید ہوئے اور ان کے والد محترم حضرت

سُراقہ بن حارث رضؓ غزوۂ حنین میں شہید ہوئے۔

حضرت حارثہ رضؓ شہادت کے وقت نوجوان تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے تو حضرت حارثہ رضؓ کی والدہ سیدہ رُبیّع بنت نضر رضؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ آپؐ کو خوب معلوم ہے کہ مجھکو حارثہ رضؓ سے کس قدر محبت تھی اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں گی اور اللہ سے اپنے لئے اجر کی اُمید رکھوں گی۔ اور اگر دوسری صورت ہے تو پھر آپؐ دیکھیں گے کہ میں کیا کروں گی۔ (گریہ وزاری آہ و بکا)

آپ نے ارشاد فرمایا کیا تو دیوانی ہوگئی ہے؟ تیرا بیٹا ایک جنت میں نہیں اُس کے لئے بہت سی جنتیں ہیں اور وہ تو جنت الفردوس میں مقیم ہے۔

(بخاری غزوۂ بدر)

(۱۳) عوف بن حارث انصاری رضؓ

(۱۴) مُعَوِّذ بن حارث انصاری رضؓ

یہ دونوں حقیقی بھائی ہیں اِن کی والدہ کا اسم گرامی سیدہ عفراء رضؓ ہے۔ یہ وہ مبارک خاتون ہیں جن کے سات بیٹے جنگ بدر میں شریک ہوئے ہیں۔

(زرقانی ج ا صفحہ ۴۱۶)

نوٹ: اِن چودہ شہداء میں سے تیرہ شہید میدان بدر کے ایک مختصر احاطہ میں آسودۂ خواب ہیں۔ جو قدیم شاہراہِ جدّہ مدینہ طیبہ کے درمیان واقع ہے۔ البتہ ایک شہید حضرت عبیدہ بن الحارث رضؓ مقام صفراء میں آرام فرما ہیں۔

(رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ)

غزوۂ اُحُد

معرکۂ اُحد بیک نظر غزوہ اُحد بھی اسلامی غزوات میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ حقیقتاً یہ اسلام کی دوسری بڑی جنگ تھی جو حق و باطل کے معرکہ میں عبرت اور موعظت کا بے شمار ذخیرہ رکھتی ہے۔ اس غزوہ کے تفصیلی حالات کتب حدیث و تاریخ اور قرآن حکیم میں مکمل طور پر مذکور ہیں۔

اُحُد مدینہ منورہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے جو بجانب جنوب تقریباً ۲ ۱/۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ماہ شوال ۳ھ مطابق ماہ جنوری ۶۲۵ء میں اسلام و کفر کا دوسرا عظیم معرکہ پیش آیا جس کی تفصیل یہ ہے:۔

میدانِ بدر میں قریشِ مکہ کو جو ذلت آمیز شکست ہوئی تھی جس میں ان کے ستر سردار مارے گئے تھے اور ستر قید کر لئے گئے تھے۔ یہ ایک ایسی رسوائی تھی جس سے مشرکین مکہ کا ہر گھر سوگوار تھا۔ اسی طرح قریش کے دوست قبائل بھی نوحہ خواں تھے۔ ابوسفیان نے جو قریش کا سردار تھا یہ قسم کھالی تھی کہ جب تک بدر کا انتقام نہ لوں گا نہ غسل کروں گا نہ لباس تبدیل کروں گا۔

ابوجہل کا جوان سال لڑکا عکرمہ بن ابی جہل اور دوسرے نوجوانوں کی تقریریں اور عورتوں کی نوحہ خوانی وطعنہ زنی ایک فیصلہ کن مقابلہ کے لئے ماحول پیدا کر رہی تھیں وہ چاہتے تھے کہ جس طرح بدر میں مسلمانوں کو سربلندی اور غلبہ حاصل ہوا اسی طرح اہل مکہ کو بھی اسلام اور مسلمانوں پر سربلندی حاصل ہو اور سردارانِ قریش کے خون کا بدلہ پورے طور پر لیا جائے۔

ابوسفیان جو رؤسار قریش میں اسوقت نمایاں حیثیت کا حامل تھا اپنی سرکردگی میں مکہ کے تین ہزار سورماؤں کا لشکر لیکر مسلمانوں اور اسلام کو مٹانے کے لئے نکلا اور مدینہ منورہ کے قریب جبل اُحد کے سامنے

خیمہ زن ہو گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اسکی خبر ہوئی تو آپؐ نے تجربہ کار صحابہ سے مشورہ کیا کہ ایسی صورت میں کیا اقدام کرنا چاہیئے؟ اور کس طرح ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے؟

تجربہ کار عمر رسیدہ صحابہ نے یہ رائے دی کہ ہم کو مدینہ سے باہر نکلکر جنگ کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ہم شہر کے اندر ہی دشمن کا انتظار کریں جب وہ از خود حملہ آور ہو تو پھر ہم بھرپور مقابلہ کریں اس طرح ہم کو اپنے شہر میں ہر طرح کی سہولت اور طاقت حاصل رہے گی اور دشمن کے لئے یہ آسان نہ ہوگا کہ وہ شہر پر از خود حملہ کرے۔ اگر وہ ایسا اقدام کرے گا تو بلا شبہ شکست اُٹھائے گا۔

لیکن بعض اُن صحابہ کو جو جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے اور بدر کی فضیلت کو اس وقت حاصل کرنا چاہتے تھے یہ رائے پسند نہیں آئی۔ مزید برآں نوجوان صحابہ نے بھی اِن کا ساتھ دیا اور اکثریت کی رائے یہ قرار پائی کہ شہر سے باہر نکل کر ہی دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا اور اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے۔ عمر رسیدہ صحابہ نے اپنے چھوٹوں کی رائے پر ملامت کی کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رجحان کے خلاف رائے دی اور آپؐ کو متوحش کر دیا ہے۔

جب آپ حجرہ مبارک سے باہر تشریف لائے تو جنگی لباس زیب تن تھا۔ نوجوان صحابہ نے اپنی رائے پر اظہارِ ندامت کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ یہی مناسب ہے کہ آپؐ شہر کے اندر ہی دشمن کا مقابلہ کریں۔ آپؐ نے یہ سنکر ارشاد فرمایا نبی کی شان کے یہ خلاف ہے کہ جب وہ اللہ کی راہ میں ہتھیار لیکر کھڑا ہو جائے تو پھر بغیر مقابلہ ہتھیار نہیں رکھدیتا۔ اب اللہ کا نام لے کر میدان میں نکلو۔ چنانچہ جب آپؐ مدینہ منورہ سے نکلے تو ایک ہزار کا لشکر ساتھ تھا۔

کچھ ہی دور آگے چلے تھے کہ رأس المنافقین عبد اللہ بن اُبیّ لشکر میں شریک اپنے تین سو ساتھیوں کو علیحدہ کر لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا کہ آپؐ نے ہم جیسے تجربہ کار عمر رسیدہ لوگوں کی بات نہ مانی اور نوجوان غیر آزمودہ کار لڑکوں کی بات مان کر مقابلہ کے لئے نکل گئے آپؐ نے ہماری جانوں کو خطرہ میں ڈال دیا ہم آپؐ کا ساتھ نہیں دے سکتے۔

دراصل یہ ایک گہری سازش تھی جو منافقین نے مشرکین مکہ سے خُفیہ طور پر کر لی تھی تاکہ مخلص مسلمانوں کو عین وقت پر ہراساں و پریشان کر دیں۔ لیکن اِن منافقین کا مقصد پورا نہ ہوا جبکہ انھوں نے دیکھا کہ بقیہ سات سو مخلص مسلمان اپنے پورے عزم و ارادے کے ساتھ ذوق و شوق سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ تین سو منافقین کی یہ جماعت عبد اللہ بن اُبیّ کی سرکردگی میں مدینہ واپس ہو گئی۔

جانثارانِ اُحد کے چند واقعات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھکر جانباز اور جانثارانِ اسلام کا جائزہ لیا اسمیں چند کم عمر بچے بھی تھے اُنھیں مدینہ واپس ہو جانے کا حکم دیا۔ حضرت رافع بن خدیج رضؓ جو اس وقت کم عمر تھے یہ صورت حال دیکھ کر مجاہدین کی صف میں پنجوں کے بل کھڑے ہو گئے تاکہ دراز قد نظر آئیں چنانچہ ان کی یہ فداکارانہ تدبیر کارگر ہو گئی اور وہ نبرد آزماؤں میں شریک ہو گئے لیکن انہی کے ہم عمر سمرہ بن جندبؓ کو جب واپس ہو جانے کا حکم ملا تو وہ بے ساختہ رونے لگے اور اسی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:۔

یا رسول اللہؐ اگر رافع رضؓ اس جنگ میں شریک ہو سکتا ہے تو

میں کیوں خارج کیا جا رہا ہوں ؟ جبکہ میں قوت و طاقت میں رافع رضؓ سے بہتر ہوں۔ میں نے بار ہا رافع رضؓ کو کشتی میں پچھاڑ دیا ہے۔ آپؐ نے سمرہ کی اُولوالعزمی دیکھ کر دونوں میں کشتی کرائی۔ سمرہ رضؓ نے آناً فاناً رافع رضؓ کو پچھاڑ دیا۔ اسی طرح وہ بھی مجاہدین اسلام میں شامل کرلئے گئے۔

(طبری ج ۳ ص ۱۲)

البتہ مسلمانوں کے دو قبیلے بنو سلمہ اور بنو حارثہ میں کچھ بد دلی سی پیدا ہو چلی تھی مگر فدا کار مسلمانوں کے جوش و ولولہ کو دیکھکر انکی ہمت بھی بلند و مضبوط ہو گئی۔ یہ اللہ کا فضل و کرم تھا جو ان دو مسلمان قبیلوں پر ہوا جس کا قرآن حکیم نے اشارۃً ذکر کیا ہے۔

(آل عمران آیت ۱۲۲)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین اسلام کی اس طرح صف بندی کی کہ جبل اُحد پشت پر آگیا اور پچاس تیر انداز صحابہ کو حضرت عبد اللہ بن جُبیر رضؓ کی قیادت میں پہاڑ کی ایک اہم گھاٹی پر مقرر فرما دیا اور سب کو یہ تاکید کر دی کہ فتح یا شکست کسی حال میں بھی اپنی جگہ نہ چھوڑیں۔

ایک اور روایت میں ہے آپؐ نے فرمایا اگر پرندوں کو بھی دیکھو کہ وہ ہمارے گوشت پوست کو نوچ رہے ہوں تب بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔

جب فریقین کی صفیں مرتب ہو گئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار ہاتھ میں لیکر یہ فرمایا :-

مَنْ يَّأْخُذُ هٰذَا السَّيْفَ بِحَقِّهٖ ۔

کون ہے جو اس تلوار کو اسکے حق کے ساتھ لے !

یہ سُنکر بہت سے ہاتھ اس سعادت کے حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک روک لیا۔ اتنے میں حضرت ابو دُجانہ رضؓ اُٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہ اس تلوار کا حق کیا ہے ؟

آپؐ نے ارشاد فرمایا حق یہ ہے کہ اس سے اللہ کے دشمنوں کو مارے یہاں تک کہ یہ خم ہو جائے۔

حضرت ابودجانہ رضؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں۔

آپؐ نے وہ تلوار حضرت ابودجانہ رضؓ کو دے دی۔

(صحیح مسلم، مسند احمد)

حضرت ابودجانہ رضؓ بڑے شجاع اور دلیر انسان تھے انھوں نے اپنا سرخ عمامہ نکالا اور سر پر باندھا اور اکڑتے، اتراتے، ناز و مستی کے انداز میں مشرکین کی صفوں کی جانب چلے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انھیں اس حالت میں دیکھا تو فرمایا یہ چال اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے مگر ایسے وقت (یعنی حالت جہاد میں اللہ اس چال سے خوش ہوتا ہے)

ابودجانہ رضؓ مشرکین کی صفوں کو چیرتے پھاڑتے چلے جارہے تھے جو بھی مقابل ہوتا اُسکی لاش زمین پر نظر آتی تھی۔ یہاں تک کہ ابُوسفیان (سالارِ مشرکین) کی بیوی ہندہ بالکل سامنے آگئی ابودجانہ رضؓ نے اس پر تلوار اُٹھائی مگر فوراً ہاتھ روک لیا۔ بعد میں کہا کرتے تھے کہ مجھے یہ بات اچھی معلوم نہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کو ایک بے پناہ اور بے سہارا عورت پر چلاؤں۔

(البدایہ والنہایہ ج ۴ ص۱۶)

باقاعدہ جنگ شروع ہوگئی۔ سیدنا حمزہ رضؓ کے دلیرانہ حملوں سے مشرکین کی صفوں میں سراسیمگی اور انتشار پھیل چکا تھا۔ جس پر بھی تلوار اُٹھاتے اُسکی لاش موت کے گھاٹ اترتی تھی۔ جس طرف بھی نکل جاتے میدان خالی ہو جاتا تھا، مشرکین پر اللہ کا قہر و غضب تھا جو سیدنا حمزہ رضؓ کے بال بال سے پھوٹ رہا تھا، مشرکین کی صفیں درہم برہم ہوگئیں۔

وحشی بن حرب جو حبشی غلام تھا سیدنا حمزہ رضؓ کی تاک میں

چھپتا چھپاتا پھر رہا تھا اور ایک موقع پر وہ حضرت حمزہ کی تاک میں ایک بڑے پتھر کے نیچے چھپا بیٹھا تھا۔ حضرت حمزہ رضؓ اِدھر سے گزر رہے ہی تھے کہ وحشی نے پیچھے سے آپ کو نیزہ مارا جو آر پار ہوگیا، سیدنا حمزہ رضؓ چند قدم چلے مگر لڑکھڑا کر گر پڑے اور جامِ شہادت نوش کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت حنظلہ کا اسی معرکہ میں ابوسفیان سے مقابلہ ہوگیا۔ حضرت حنظلہؓ نے دوڑ کر ابوسفیان پر وار کرنا چاہا ہی تھا کہ ایک کافر شداد بن اَوس نے آپ پر وار کر دیا جس سے حضرت حنظلہ رضؓ شہید ہوگئے۔ شہادت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں نے دیکھا کہ حنظلہ رضؓ کی لاش کو بادلوں میں فرشتے غسل دے رہے ہیں (اسی وجہ سے حضرت حنظلہ رضؓ کا لقب "غسیل الملائکہ" مشہور ہوا) لڑائی کے بعد جب ان کی لاش اٹھائی گئی تو جسم سے تازہ پانی ٹپک رہا تھا۔ (روض الانف ج ۲ ص ۱۳۳)

مسلمانوں کے اس دلیرانہ اور جانبازحملوں سے قریشِ مکّہ کے پیر اکھڑنے شروع ہوگئے اور وہ اِدھر اُدھر منہ چھپا کر بھاگ کھڑے ہوئے، اُن کی عورتیں جو اس جنگ میں شرکت کرنے آئیں تھیں پریشان اور بدحواس ہوکر پہاڑوں کی جانب دوڑ پڑیں۔ اس وقت مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہوگئے۔

ناگہانی مصیبت

تیر اندازوں کی جماعت نے جسکو گھاٹی پر حفاظت کے لئے بٹھایا گیا تھا جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کو فتح ہوگئی ہے اور وہ مالِ غنیمت جمع کر رہے ہیں تو اِن میں سے اکثر لوگ اس طرف بڑھے لیکن ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضؓ نے ہرچند انہیں روکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد یاد بھی دلایا جس میں آپؐ نے گھاٹی سے بہرصورت ہٹنے سے منع فرمایا تھا، لیکن وہ لوگ یہ کہہ کر روانہ ہوگئے کہ آپؐ کا منشا جنگ تک محدود تھا۔ اب جبکہ جنگ ختم ہوگئی ہے اور مقصد حاصل ہوگیا ہے۔ لہٰذا اب ٹھہرنے کی ضرورت نہیں ہم بھی مالِ غنیمت جمع کریں گے۔ پہاڑ کی اُس گھاٹی پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضؓ کے ساتھ صرف

دس حضرات رہ گئے۔ حصولِ غنیمت کے شوق نے اِدھر مسلمان تیر اندازوں سے جگہ خالی کرادی اُدھر خالد بن الولید جو مشرکین مکہ کی صفوں میں تھے اپنے جنگی دستے کے ساتھ درّہ خالی دیکھ کر گھاٹی کی جانب چڑھ آئے اور اُن محافظین کو شہید کر دیا۔ پھر میدان میں مسلمانوں پر اچانک ٹوٹ پڑے۔ مشرکین کی اس ناگہانی اور یکبارگی حملہ سے مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہوگئیں۔

لمحۂ آخیر

مسلمانوں کے علمبردار حضرت مُصعَب بن عمیرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھے۔ دشمنانِ اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب ہوگئے۔ سیّدنا مصعبؓ نے کافروں کا مقابلہ کیا لیکن شہید ہوگئے۔ آپؐ نے جنگی عَلَم حضرت علیؓ کے سپرد فرما دیا۔ سیّدنا علیؓ آپؐ کی حفاظت کیلئے سامنے آگئے۔ چونکہ حضرت مُصعبؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمشکل تھے اس لئے کسی شیطان نے یہ افواہ اُڑادی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شہید ہوگئے۔ اس افواہ نے مسلمانوں میں مزید اضطراب پھیلا دیا اور مسلمان بدحواس ہوگئے۔ اسی بدحواسی میں دوست و دشمن کا بھی امتیاز نہ رہا اور آپس میں ایک دوسرے پر تلواریں چلنے لگیں۔ حضرت حذیفہؓ کے مسلمان والد حضرت یمانؓ بھی اسی اضطراب و بدحواسی میں ایک مسلمان کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔

مگر چند صحابہ فوراً سنبھلے اور ثابت قدم صحابہ نے للکارا کہ اگر یہ خبر صحیح ہے تو اب ہم زندہ رہ کر کیا کریں؟ آؤ اور جنگ کا فیصلہ کرکے دم لو۔

مشہور مؤرخ ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ اس ہلچل اور اضطراب میں صرف چودہ اصحابِ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ مہاجرین میں سے سات اور انصار میں سے سات حضرات جن کے نام بھی ابن سعدؒ نے نقل کئے ہیں۔

رفیقِ جنت

صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے ایک روایت منقول ہے کہ جب مشرکین کا دباؤ آپؐ پر بڑھ گیا تو آپ نے بلند آواز سے اعلان کیا کون ہے جو ان مشرکین کو مجھ سے دُور کرے اور جنت میں میرا

رفیق بنے ؟

انصار میں کے ساتوں آدمی اس وقت آپ کے پاس تھے. سات کے سات انصاری باری باری سے آپ کے سامنے آئے اور مشرکین سے لڑ کر شہید ہو گئے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص۱۰۷)

ان میں حضرت زیاد بن سکن رضؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ جب وہ زخم کھا کر گر پڑے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو میرے قریب لاؤ. صحابہؓ نے ان کو آپؐ کے قریب کر دیا. حضرت زیادؓ نے اپنا رُخسار آپؐ کے قدم مبارک پر رکھ دیا اور اسی حالت میں اپنی جان اللہ کے حوالہ کر دی۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔ (ابن ہشام ج ۲ ص۸۲)

دندانِ مبارک

حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کے کافر بھائی عُتبہ بن ابی وقاص نے موقع پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک پتھر پھینکا جس سے آپؐ کا دندان شہید ہو گیا اور نیچے کا ہونٹ زخمی ہو گیا. حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر میں اپنے حقیقی بھائی عُتبہ کے قتل کا جس قدر حریص و خواہشمند رہا اتنا کسی کے قتل کا کبھی حریص نہ ہوا۔ (فتح الباری ج ۷ ص۲۸۱)

عبد اللہ بن قمیہ نے جو قریش کا نامی گرامی پہلوان تھا آپؐ پر اس زور سے حملہ کیا کہ رُخسار مبارک زخمی ہو گیا اور آہنی خُود کے دو حلقے رُخسار مبارک میں گھس گئے۔

اسکے بعد کہنے لگا :-

خُذْهَا وَأَنَا ابْنُ قِمْئَةَ

مزہ چکھو میں ابن قمیہ ہوں۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا :-

أَقْمَأَكَ اللّٰهُ۔

اللہ نے تجھے ذلیل و خوار کر دیا۔

چند روز بھی نہ گزرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک پہاڑی بکرا مسلط کر دیا جس نے اُسے اپنے سینگوں سے مار مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

(فتح الباری ج ۷، ص ۲۸۱)

عبد اللہ بن شہاب مشرک نے پتھر مار کر آپؐ کی پیشانی مبارک کو زخمی کر دیا۔ چہرہ انور پر جب خون بہنے لگا تو حضرت ابو سعید خدری رضؓ کے والد ماجد مالک بن سنان رضؓ نے تمام خون چوس کر چہرۂ انور کو صاف کر دیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

لَنْ تَمَسَّكَ النَّارُ۔

جہنم کی آگ تجھکو ہرگز نہ چھوئے گی۔ (زرقانی ج ۲ ص ۳۸)

سیّدنا طلحہ رضؓ کی جانبازی

مشرکین کے اس پتھراؤ اور دباؤ کے باعث آپؐ ایک گڑھے میں گر پڑے حضرت علی رضؓ اور حضرت طلحہ رضؓ نے سہارا دے کر آپؐ کو کھڑا کیا۔ ایک موقعہ پر سیدنا طلحہ رضؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھوں پر اُٹھا کر ایک بلند مقام پر چڑھا دیا۔ سیدنا زبیر رضؓ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:۔

اَوْجَبَ طَلْحَۃُ

طلحہ رضؓ نے اپنے لئے جنّت واجب کر لی۔

حضرت قیس بن ابی حازم رحؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت طلحہ رضؓ کا وہ ہاتھ دیکھا جس سے اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُحد کے دن مشرکین کے حملے سے بچایا تھا وہ بالکل شل ہو گیا تھا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضؓ کہتے ہیں کہ دشمنوں کے وار روکتے روکتے حضرت طلحہ رضؓ کی انگلیاں کٹ گئیں تھیں۔ اس روز حضرت طلحہ رضؓ کو (۳۵) یا (۳۹) زخم لگے تھے۔

سیدہ عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضؓ جب

کبھی غزوۂ اُحد کا ذکر کرتے تو فرمایا کرتے :-

کَانَ ذٰلِكَ الْيَوْمَ لِطَلْحَۃَ رض۔

یہ دن تو سارا طلحہ رض کیلئے رہا۔

حضرت سعد رض اور حضرت ابو دجانہ رض کی فداکاری

حضرت سعد بن ابی وقاص رض بڑے تیرانداز تھے۔ اُحد کے دن ایک ہزار سے زائد تیر چلائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے لے لیا اور مشرکین کے جس قدر بھی تیر آتے اسکو اپنے ہاتھ اور سینے سے روک لیتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکش کے تمام تیر نکال کر اِن کے سامنے ڈال دیئے اور فرماتے تھے۔

اِرْمِ فِدَاكَ اَبِي وَاُمِّي

تیر چلا تجھ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔

سیدنا علی رض فرماتے ہیں کہ میں نے سوائے سعد بن ابی وقاص رض کے کسی اور کے لئے یہ جملہ نہیں سُنا (بخاری غزوۂ اُحد ص ۵۸۱)

حضرت ابو دجانہ رض بھی سپر بنکر آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور پُشت مشرکین کی جانب کر دی تھی۔ تیر پر تیر چلے آرہے تھے مگر ابو دجانہ رض حرکت نہیں کرتے تھے کہ کہیں کوئی تیر آپ کو لگ نہ جائے۔

حضرت قتادہ رض کی جاں نثاری

حضرت قتادہ بن نعمان رض فرماتے ہیں کہ اُحد کے دن میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کی حفاظت کے لئے سامنے کھڑا ہو گیا تھا تاکہ دشمنوں کا کوئی تیر آپ کو زخمی نہ کر دے۔

دشمنوں کا آخری تیر میری آنکھ پر ایسا لگا کہ آنکھ کا ڈھیلا باہر نکل آیا میں نے اُسکو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور آپ کی خدمت میں

حاضر ہوا آپؐ یہ دیکھ کر آب دیدہ ہوگئے اور میرے لئے دُعا فرمائی :۔

"اے اللہ جس طرح قتادہ رضؓ نے تیرے نبی کے چہرے کی حفاظت کی ہے اسی طرح تو بھی اُسکے چہرے کی حفاظت فرما۔"

یہ دُعا دے کر آپؐ نے آنکھ کے ڈھیلے کو اُسکی اپنی جگہ رکھ دیا، اللہ کی قسم اُسی وقت میری آنکھ بالکل صحیح و سالم بلکہ پہلے سے بہتر اور تیز ہوگئی۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۲۲۵)

حضرت انس بن نضرؓ کی شہادت

حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ میرے چچا انس بن نضر رضؓ کی شہادت بھی عجیب و غریب ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتے تھے یا رسول اللہ میں اسلام کی پہلی لڑائی غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوسکا تھا اگر دوبارہ ایسا کوئی موقعہ آئے تو آپ دیکھیں گے کہ میں اللہ کی راہ میں کیسی جانبازی اور سرفروشی دکھاؤں گا! جب معرکہ اُحد میں کچھ لوگ شکست کھا کر بھاگ رہے تھے تو حضرت انس بن نضر رضؓ نے اللہ کو پکارا اور کہنے لگے اے اللہ مسلمانوں سے جو فعل سرزد ہوگیا ہے میں تیری جناب میں اسکی معذرت پیش کرتا ہوں اور جو عمل مشرکین نے کیا ہے میں اُس سے بری اور بیزار ہوں۔

اسکے بعد آگے بڑھے تو حضرت سعد بن معاذ رضؓ نظر آئے فرمایا: أَيْنَ يَا سَعْدُ إِنِّي أَجِدُ رِيحَ الْجَنَّةِ دُونَ أُحُدٍ۔

"اے سعد رضؓ کہاں جارہے ہو؟ میں جبل اُحد کے نیچے جنّت کی خوشبو محسوس کررہا ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے اور دشمنوں کا سخت مقابلہ کیا یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ لڑائی کے بعد جب شہیدوں کو جمع کیا گیا تو حضرت انس بن نضر رضؓ کے جسم پر تلوار و تیر کے اسّی سے زیادہ زخم شمار کئے گئے۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَرَضُوا عَنْهُ۔ (بخاری کتاب المغازی ج ۱ ص ۵۷۹)

ایک جاں افزا ندا

صحابہ کی پریشانی اور بے چینی کا بنیادی سبب وہ افواہ تھی جسکو مشرکین نے اُڑایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہوگئے ہیں۔ اس سراسیمگی کی حالت میں سب سے پہلے حضرت کعب بن مالکؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح وسالم حالت میں دیکھا تو پکار اُٹھے:۔

اے مسلمانو تمہیں بشارت ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔

حضرت کعبؓ کی ایک ہی آواز پر صحابہ پروانہ وار آپؐ کے گرد آکر جمع ہونے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر مشہور مشرک سردار اُبیّ بن خلف گھوڑا دوڑاتا ہوا مجمع کے قریب پہنچ گیا۔ مکہ میں اُس نے اپنے گھوڑے کو خوب کھلا پلا کر موٹا تازہ کیا تھا اور یہ کہا کرتا تھا کہ اس پر سوار ہوکر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کروں گا۔ جب وہ قریب ہوا تو صحابہ نے آپ کو اس کی اطلاع دی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا انشاء اللہ میں ہی اس کو قتل کروں گا۔ جب وہ بالکل قریب آگیا تو حضرت حارث بن صمہ رضہ کا نیزہ لے کر آپؐ نے اُس کی گردن پر ایک کوچہ دیا جس سے وہ بلبلا اُٹھا اور چلاتا ہوا واپس ہوا کہ اللہ کی قسم محمدؐ نے مجھے مارڈالا۔ اسکے لوگوں نے اسکو عار دلائی کہ معمولی زخم پہ اتنا شور وپکار؟ لیکن وہ اسی طرح چیختا چلاتا مقام سرف پہنچ کر مرگیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص۳۵)

مشرکین نے مسلمانوں کی نعشوں پہ اپنا بغض وعناد نکالنا شروع کیا۔ نعشوں کے ناک، آنکھ، کان، ہاتھ، پیر کاٹنے لگے۔ عورتیں بھی اس بُزدلی میں شریک ہوگئیں۔ ہندہ نے جس کا باپ عُتبہ جنگ بدر میں حضرت حمزہ رضہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا اُس نے سیدنا حمزہ رضہ کا پیٹ اور سینہ چاک کیا اور حالتِ غضب میں جگر نکال کر چبا ڈیا لیکن وہ حلق سے اُتر نہ سکا تو اُگل دیا اور اس خوشی میں سیدنا حمزہ رضہ کے قاتل وحشی بن حرب کو اپنے گلے کا زیور دے دیا۔ (زرقانی ج ۲ ص۴۴)

مشرکین کا یہ آخری کام تھا جو میدانِ اُحد میں مسلم نعشوں کے ساتھ ہو رہا تھا اس کے بعد

مشرکین منتشر ہونے لگے اور میدان خالی ہوگیا۔

شہادت حضرت سعد بن ربیع رضؓ

قریش کی روانگی کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضؓ کو حکم دیا کہ سعد بن ربیع رضؓ انصاری کو تلاش کرو اگر وہ زندہ موجود ہوں تو میرا اسلام کہنا اور خیریت پوچھنا۔

حضرت زید رضؓ فرماتے ہیں کہ نعشوں میں ڈھونڈتا ہوا حضرت سعد بن ربیع رضؓ کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ ابھی اُن میں زندگی کے کچھ آثار باقی ہیں جسم پر تیر اور تلوار کے ستّر زائد زخم ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام اور آپ کا پیغام پہنچایا۔ حضرت سعد بن ربیع رضؓ نے نہایت بشاشت اور مسرّت سے جواب دیا:۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سلام ہو اور تم کو بھی سلام،
میرے سرکار رضؓ کو میرا ابھی یہ پیام پہنچا دینا۔
یا رسول اللہ! اس وقت میں جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں،
اور میری قوم انصار سے یہ کہہ دینا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف پہنچی جبکہ تم میں سے ایک آنکھ بھی دیکھنے والی موجود ہو تو سمجھ لینا کہ اللہ کے ہاں تمہارا کوئی بھی عذر مقبول نہ ہوگا۔

اس سلام و پیام کے بعد حضرت سعد بن ربیع رضؓ انصاری کی روح پرواز کرگئی۔ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ۔ (زرقانی ج ۲ ص ۴۹)

حضرت اُبی بن کعب رضؓ بھی اس موقعہ پر موجود تھے وہ فرماتے ہیں کہ میں واپس ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دی آپؐ نے سنکر فرمایا:۔

اللہ اُس پر رحمت فرمائے۔ اللہ اور اسکے رسول کا خیر خواہ
اور وفادار رہا، زندگی میں بھی اور مرتے وقت بھی۔

(استیعاب ابن عبد البر ج ۲ ص ۳۵)

(حاشیہ اصابہ)

شہادت سیّدنا حمزہ رضؓ

سیدنا حمزہ رضؓ سیدنا الشہداء کی تلاش میں خود بنفس نفیس

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکلے۔ جبل اُحد کی بطن وادی میں ناک آنکھ، کان کٹے ہوئے شکم وسینہ چاک حالت میں پائے گئے۔ دشمنوں نے بڑی بیجگری سے شہید کر دیا تھا۔ یہ دل آزار منظر دیکھ کر آپؐ کے آنسو نکل آئے دل بھر آیا فرمایا:۔

"پیارے چچا تم پر اللہ کی رحمت ہو۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے تم بڑے نیک اور صلہ رحمی کرنے والے تھے۔
اگر صفیہ رضؓ (سیدنا حمزہ رضؓ کی بہن) کے حُزن وغم کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں تم کو اسی حالت میں چھوڑ دیتا کہ درندے اور پرندے تم کو کھالیتے۔ پھر قیامت کے دن پوری عزت وشان کے ساتھ تمہارا ہر ہر جانور کے پیٹ سے حشر ہوتا۔"

پھر اسی جگہ کھڑے کھڑے آپؐ نے یہ بھی اعلان فرمایا:۔
"اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے کافروں پر غلبہ دیا تو آپکے بدلہ ستّر کافروں کی لاشوں کو بگاڑ دوں گا۔"

ابھی آپؐ ہٹنے بھی نہ پائے تھے کہ سورۂ نحل کی آیت ۱۲۶ نازل ہوئی اور آپؐ کو ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ (مستدرک ج ۳ صفحہ ۱۹۷)

معجم طبرانی کی ایک روایت ہے کہ حضورؐ نے سیدنا حمزہ رضؓ کو "سیّد الشہداء" کا خطاب دیا ہے۔
(حضرت حمزہ رضؓ قیامت تک کے تمام شہیدوں کے سردار ہیں۔)

شہادت حضرت عبداللہ بن جحش رضؓ

اسی غزوۂ اُحد میں حضرت عبداللہ بن جحش رضؓ کی والہانہ شہادت کا واقعہ بھی پیش آیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کہتے ہیں کہ اُحد کے دن جنگ شروع ہونے سے پہلے عبداللہ بن جحش رضؓ نے مجھکو ایک طرف بلا کر تنہائی میں یہ کہا:۔

اے سعد رضؓ آؤ ہم دونوں کہیں علیحدہ بیٹھکر دُعا مانگیں اور ہر ایک دوسرے کی دُعا پر آمین کہے۔

پھر ہم دونوں میدان کے ایک گوشہ میں چلے گئے۔ پہلے میں نے اس طرح دُعا مانگی۔

"اے اللہ! آج میرا ایسے دشمن سے مقابلہ ہو جو کہ نہایت دلیر اور غضبناک ہو۔ کچھ دیر تک میں اُس کا مقابلہ کروں اور وہ میرا مقابلہ کرے پھر اسکے بعد مجھے اُسپر غلبہ نصیب ہو یہاں تک کہ میں اُسکو قتل کر دوں اور اس کا مال غنیمت بنا لوں۔"

حضرت عبد اللہ بن جحش رضؓ نے میری اس دُعا پر آمین کہی۔ پھر اسکے بعد وہ اس طرح دُعا کیلئے ہاتھ اُٹھائے:۔

اے اللہ! آج میرا ایسے دشمن سے مقابلہ ہو جو بڑا سخت اور زور آزما ہو اور میں اُس سے صرف تیری رضا و خوشنودی کے لئے مقابلہ کروں اور وہ بھی مجھ سے قتال کرے اور بالآخر وہ مجھے شہید کر دے اور میری نعش کو بگاڑ دے۔

اور اے پروردگار جب میں آپ سے ملاقات کروں تو آپ مجھ سے دریافت فرمائیں اے عبد اللہ یہ تیرے ناک، کان، ہاتھ، پیر کہاں کٹے ہیں؟ تو میں عرض کروں کہ

اے اللہ تیری اور تیرے رسولؐ کی راہ میں بگاڑا گیا ہوں!

اسپر اے اللہ تو یہ فرمانا: يَا عَبْدَ اللّٰهِ قَدْ صَدَقْتَ

اے عبد اللہ تو سچا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اِن کی اس دُعا پر آمین کہی۔

پھر اُحد کا معرکہ شروع ہوا دونوں حضرات کو ایسے ہی دشمن سے سابقہ پڑا جس کی انھوں نے دُعا مانگی تھی۔ حضرت سعد رضؓ فرماتے ہیں کہ شام کے وقت نعشوں میں حضرت عبد اللہ بن جحش رضؓ کو دیکھا کہ اُنکی ناک، آنکھ، کان کٹے ہوئے ہیں۔ خدا کی قسم اُن کی دُعا میری دُعا سے کہیں بہتر تھی۔ (حدیث مرسل صحیح مستدرک ج ۳ ص۲۰۰)

اس واقعہ کے بعد حضرت عبد اللہ بن جحش رضؓ "مُجَدَّعٌ فِي اللّٰهِ" (راہِ خدا میں کٹا پھٹا بدن) کے لقب سے مشہور ہوئے۔ (اصابہ ج ۲ ص۲۸۷)

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام رضؓ کی شہادت

یہ صحابی حضرت جابر رضؓ کے والد ماجد ہیں جو اسی معرکہ میں شہید ہوئے۔ حضرت جابر رضؓ فرماتے ہیں میرے والد غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے. کافروں نے ان کا مُثلہ کیا (ناک، آنکھ کان وغیرہ کٹے ہوئے) جب ان کی لاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائی گئی تو میں نے اپنے والد کے منھ سے کپڑا اٹھا کر دیکھنا چاہا تو صحابہ کرام نے منع کیا۔ میں نے دوبارہ منھ دیکھنا چاہا تو پھر منع کیا گیا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ میری پھوپی فاطمہ بنت عمرو رضؓ یہ منظر دیکھ کر بہت رونے لگی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کیوں روتی ہو؟ اس پر تو فرشتے برابر سایہ کئے ہوئے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ تھا کہ یہ واقعہ رنج وغم کا نہیں ہے بلکہ بڑی عزت ومسرت کا مقام ہے کہ فرشتے اُنپر سایہ کئے ہوئے ہیں۔

خود حضرت جابر رضؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے جابر رضؓ تجھ کو کیا ہوگیا ہے کہ میں اکثر تجھ کو شکستہ حال دیکھتا ہوں؟

میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ کو معلوم ہے میرے باپ عبداللہ رضؓ جنگ اُحد میں شہید ہوئے ہیں اور کثیر آل وعیال اور قرض کا بوجھ چھوڑ گئے ہیں کچھ زمین وجائیداد بھی نہیں چھوڑی جس کے ذریعہ میں گھر والوں کی کفالت کرسکوں یہی غم وفکر مجھے ستائے رکھتا ہے۔

آپؐ نے میری یہ بات سنکر فرمایا کیا میں تجھ کو ایک خوشخبری نہ سناؤں؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں ضرور سنائیے! آپؐ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی بھی بندے سے منھ درمنھ کلام نہیں کیا مگر تیرے باپ سے بعد شہادت بالمشافہ بات کی ہے اور یہ کہا اے میرے بندے اپنی تمنا میرے آگے پیش کر! تیرے باپ نے عرض کیا اے میرے

رب میری تمنا یہ ہے کہ مجھے دوبارہ زندہ کر اور اپنی راہ میں دوبارہ شہادت کا موقعہ عطا فرما۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تو نہیں ہو سکتا۔ اس لئے یہ مقدر ہو چکا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ واپسی نہیں ہوگی۔

(فتح الباری ج ۲ ص۲۵ باب تمنی المجاہد اَن یرجع الی الدنیا)

سیّدنا عمرو بن الجموح رضؓ کی شہادت

اسی غزوۂ اُحد میں حضرت عمرو بن الجموح رضؓ کی شہادت پیش آئی۔ یہ صحابی حضرت جابر رضؓ کے پھوپا ہوتے ہیں۔ اِن کی شہادت کا واقعہ بھی عجیب وغریب ہے۔ حضرت عمرو بن الجموح رضؓ کے پیر میں لنگ تھا اور یہ لنگ معمولی نہ تھا بلکہ نمایاں تھا۔ ان کے چار بیٹے تھے جو ہر غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہا کرتے تھے۔ اُحد کے دن چلتے وقت اُنھوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ اس غزوہ میں میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا! بیٹوں نے کہا اباجان! آپ معذور ہیں اللہ کی کتاب نے آپ کو گھر بیٹھے رہنے کی اجازت دی ہے۔ آپ اس اجازت سے کیوں نہیں استفادہ کرتے؟

باپ کو شوقِ شہادت نے بیتاب کر دیا تھا۔ بیٹوں کے مشورے کو قبول نہیں کیا لنگڑاتے لنگڑاتے بارگاہِ نبوی میں حاضری ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے بیٹے مجھ کو آپؐ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے سے روک رہے ہیں۔

وَاللهِ اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَطَأَ بِعَرْجَتِیْ هٰذِهٖ فِی الْجَنَّةِ۔

اللہ کی قسم میں پوری اُمید رکھتا ہوں کہ اپنے اسی لنگڑے پیر کے ساتھ جنت کی زمین کو روندوں۔

آپؐ نے ان کے اس شوقِ شہادت کو دیکھ کر بطور تسلّی فرمایا اللہ نے تم کو معذور کیا ہے تم پر جہاد فرض نہیں ہے۔ پھر آپؐ نے

اُن کے بیٹوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا اگر انھیں نہ روکو تو کیا حرج ہے؟ شاید اللہ تعالیٰ انھیں اپنی راہ کی شہادت نصیب کرے۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲ ص۹۰)

یہ سنتے ہی حضرت عمرو بن الجموح رضؓ اپنے گھر واپس ہوئے اور جہاد کی تیاری شروع کر دی۔ اُحد کی جانب چلتے وقت قبلہ کی جانب منہ کیا اور یہ دُعا مانگی:۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِي الشَّهَادَةَ وَلَا تَرُدَّنِي إِلٰى أَهْلِي.

اے اللہ مجھے شہادت نصیب فرما اور مجھے میرے گھر کی جانب نہ لوٹا۔

ذوق وشوق کے ساتھ میدان جہاد کی جانب چل پڑے۔ اپنی طاقت اور بساط کے مطابق جہاد میں حصہ لیا اور جامِ شہادت نوش کیا۔ رضی اللہ عنہ۔ اور اپنی اُس قسم کو پوری کیا جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کی تھی۔

ایک عظیم کرامت

اسی غزوہ اُحد میں سیدنا عمرو بن الجموح رضؓ کے علاوہ ان کے بیٹے خلاّد بن عمرو رضؓ اور بہنوئی عبداللہ بن عمرو رضؓ بھی شہید ہوئے۔ حضرت عمرو بن الجموح رضؓ کی بیوی ہندہ بنت عمرو رضؓ بیان کرتی ہیں کہ جہاد ختم ہونے کے بعد نعشوں کو جب دفن کرنےکی تیاری کی جارہی تھی تو میں نے اپنے شوہر حضرت عمرو بن الجموح رضؓ اور بیٹے خلاّد بن عمرو رضؓ اور بھائی عبداللہ بن عمرو رضؓ کی لاشوں کو ایک اونٹ پر رکھ کر مدینہ طیّبہ کی جانب لے جانا چاہا تاکہ وہاں ان تینوں کی تدفین عمل میں آئے لیکن جب میں اونٹ کو مدینہ طیّبہ کی جانب ہانکتی تو تیز چلنے لگتا تھا۔ یہ صورتِ حال میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی۔ آپؐ نے مجھ سے دریافت کیا کیا عمرو بن الجموح رضؓ نے مدینہ طیّبہ سے چلتے وقت کچھ کہا تھا؟

میں نے جواب دیا یا رسول اللہ وہ چلتے وقت یہ دُعا کر رہے تھے:۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِي الشَّهَادَةَ وَلَا تَرُدَّنِي إِلٰى أَهْلِي.

"اے اللہ مجھے شہادت نصیب فرما اور گھر کی طرف واپس نہ لوٹا"۔
اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تب ہی تو اونٹ مدینہ کی جانب نہیں چلتا اور یہ ارشاد فرمایا:۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّ مِنْکُمْ مَنْ لَّوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ مِنْہُمْ عَمْرُو بْنُ الْجَمُوْحِ رض
وَلَقَدْ رَاَیْتُہٗ یَطَأُ بِعَرْجَتِہٖ فِی الْجَنَّۃِ۔

(زرقانی ج ۲ صفحہ ۵)

قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں بعض بندے ایسے بھی ہیں اگر وہ کسی بات پر قسم کھالیں تو اللہ اُسے ضرور پورا کردے گا۔ ایسے لوگوں میں عمرو بن الجموح رض بھی شامل ہیں۔ یقیناً میں نے اُنھیں اپنے پیر کے لنگ کے ساتھ جنت میں چلتا ہوا دیکھا ہے۔
اسکے بعد آپؐ نے اُن کی بیوی کو مشورہ دیا کہ اُنھیں جبل اُحد کے دامن ہی میں دفن کر دیں۔ چنانچہ اُحد کے قریب ہی اُنھیں دفن کر دیا گیا۔

سیّدنا خُثَیمہ رض کی شہادت

حضرت خثیمہ رض جن کے بیٹے حضرت سعد بن خثیمہ رض غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔
غزوہ احد کے دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ جنگ بدر کے موقعہ پر میرے اور بیٹے سعد رض کے درمیان قرعہ اندازی کی گئی تھی کہ آپؐ کا کون ساتھ دے اور کون گھر کی نگرانی پر رہے؟ قرعہ میرے بیٹے کے نام نکلا اور غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت اُس کی قسمت میں تھی اور وہ اُس غزوہ میں شہید بھی ہو گیا۔ یارسول اللہ میں اس سعادت کا بڑا ہی حریص اور مشتاق تھا لیکن میں گھر پر رہ گیا۔ یارسول اللہ آج شب میں نے اپنے بیٹے سعد رض کو خواب میں دیکھا ہے نہایت حسین وجمیل شکل میں

جنت کے باغات میں سیر وتفریح کر رہا ہے اور مجھ سے یہ کہتا ہے ابا جان ! آپ بھی یہاں آجائیے تاکہ دونوں جنت میں یکساتھ رہیں۔

یارسول اللہ! اس وقت میں اپنے بیٹے کی مرافقت کا مشتاق ہوں، بوڑھا ہوگیا ہوں، ہڈیاں کمزور ہوگئیں ہیں اب تمنا یہ ہے کہ کسی طرح اپنے رب سے جا ملوں! یارسول اللہؐ! آپ دُعا فرمائیے کہ غزوہ اُحد میں مجھے شہادت نصیب ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوڑھے خثیمہ کے لئے دُعا فرمائی۔ حضرت خثیمہؓ پورے ذوق وشوق سے معرکہ اُحد میں شریک ہوئے اور جامِ شہادت نوش کیا۔ (زاد المعاد ج ۲ ص ۹۶)

سیدنا عمرو بن ثابتؓ کی شہادت

اِن کا لقب اُصَیرِم تھا اسی لقب سے مشہور ومعروف تھے۔ ابتداء میں اسلام اور مسلمانوں کے سخت مخالف تھے۔ جب اُحد کا دن آیا تو اسلام کی محبت دل میں از خود اُتر آئی تلوار لیکر میدان اُحد میں آگئے اور کافروں سے نہایت دلیری وشجاعت سے قتال کیا یہاں تک کہ زخمی ہوکر گر پڑے۔ کسی نے پوچھا اے اُصَیرِم کیا تم کو اسلام کی محبت نے یا قومی غیرت نے مجبور کیا کہ کافروں کے ساتھ شدید قتال کریں؟ حضرت اُصَیرِمؓ نے جواب دیا پہلے مجھے اسلام کی رغبت پیدا ہوئی تو میں اللہ اور اسکے رسولؐ پر ایمان لے آیا اور بلا توقف تلوار لیکر میدان اُحد میں آتر آیا یہاں تک کہ کافروں سے لڑتے لڑتے زخمی ہوگیا۔ یہ کلام ختم کیا اور خود بھی ختم ہوگئے۔ رضی اللہ عنہ۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حال سُنا تو جنت کی بشارت دی۔

حضرت ابوہریرہؓ فرمایا کرتے تھے بتاؤ وہ کون شخص ہے جو جنت میں پہنچ گیا حالانکہ اُس نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی تھی؟ (یہی وہ صحابی ہیں) (اصابہ ترجمہ عمرو بن ثابت)

قرآنِ حکیم اور غزوۂ اُحد

مورخ ابن اسحٰق کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ اُحد کی شان میں سورۂ آل عمران کی تقریباً ساٹھ آیات نازل کی ہیں۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضؓ سے کسی نے پوچھا تھا کہ غزوۂ اُحد کا آنکھوں دیکھا حال بیان فرمائیے؟

فرمایا کہ سورۂ آل عمران کی ایک سو بیس آیات پڑھو تم کو خود سارا قصہ معلوم ہو جائے گا۔ (فتح الباری ج ۷، ص ۲۷۵)

مسلمانوں کا غزوۂ اُحد کے لئے تیار ہو جانا، درمیانِ راہ منافقین کا لشکرِ اسلام سے جُدا ہو کر مسلمانوں میں انتشار پھیلانا اور پست ہمت کرنا، ابتدا ءِ معرکہ میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہونا، ایک جماعت کا ہدایتِ رسول سے اختلاف کرنا، پھر فتح کا شکست سے بدل جانا، مسلمانوں میں انتشار و افراتفری کا پیدا ہو جانا اور کثرت سے صحابہ کا شہید ہو جانا، اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کا نازل ہونا اور مسلمانوں کے دلوں پر سکون اور طمانیت کا اترنا۔ ان تمام امور کو قرآن حکیم کی آیاتِ ذیل نہایت اعجاز و بلاغت کے ساتھ بیان کرتی ہیں۔

قرآنی مضمون

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ الآیہ

(سورہ آل عمران آیات ۱۲۱ تا ۱۲۲)

اور وہ وقت بھی یاد کیجئے جب آپ اے نبی اپنے گھر والوں (حجرۂ عائشہ) کے پاس سے نکلے مسلمانوں کو جہاد کے لئے مناسب مقامات لے جاتے ہوئے (یہ ۷ رشوال ۳ھ ہفتے کی صبح کا وقت تھا) اور اللہ بڑا سننے والا بڑا جاننے والا ہے۔

جب تم سے دو جماعتیں (قبیلہ اوس کے بنی حارثہ اور قبیلہ خزرج کے بنی سلمہ) اس کا خیال کر بیٹھی تھیں کہ ہمت ہار دیں (لیکن اس ارادے پر عمل کرنے نہیں پائیں) اور اللہ تو دونوں جماعتوں کا مددگار تھا اور مسلمانوں

کو تو اللہ ہی پر اعتماد رکھنا چاہیئے (کہ آئندہ ایسی بدہمتی کا خیال بھی نہ آنے پائے) اور یقیناً اللہ نے تمہاری نصرت کی بدر کے میدان میں حالانکہ تم کمزور تھے تو اللہ سے ڈرتے رہو عجب کیا ہے کہ تم شکرگزار بن جاؤ. (تقویٰ کی عادت تمہیں شکرگزار بنا دے گی)

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. الآیہ (آل عمران آیات ۱۳۹ تا ۱۵۵)

اور نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن رہے اگر تم کو کوئی زخم اُحد میں پہنچا ہے تو ان (کافر) لوگوں کو بھی تو ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے (بدر کے معرکہ میں) دراصل یہ ہار جیت کے اوقات ہیں جنھیں ہم انسانوں میں اِدھر اُدھر پھراتے رہتے ہیں. اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو (ظاہری طور پر بھی) جان لے اور تم میں سے چند کو شہید بنائے اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو میل کچیل سے صاف کردے اور کافروں کو مٹا دے۔

شاید تم لوگ اس گمان میں ہو کہ جنت میں یوں ہی داخل ہو جاؤ حالانکہ ابھی اللہ نے (ظاہری طور پر) تم میں سے اُن لوگوں کو دیکھا ہی نہیں ہے جنھوں نے جہاد کیا ہو اور نہ اُن کو دیکھا جو جہاد میں ثابت قدم رہنے والے ہوں۔ (یعنی یہ بات ظاہر ہی نہ ہوئی کہ اُنھوں نے جہاد میں ثابت قدمی دکھائی ہو) اور تم لوگ تو شہادت کی تمنّا کر رہے تھے قبل اسکے کہ موت سامنے آجائے سو اُسکو تو اب تم نے کھُلی آنکھوں دیکھ لیا (پھر اس سے خوف و ہراس کیوں؟ معرکہ بدر میں مسلمانوں کی غیر معمولی کامیابی سنکر بعض صحابہ کے دل میں یہ خیالات آتے تھے کہ افسوس ہم اس موقعہ پر حاضر نہ تھے کاش کوئی معرکہ پھر اس قسم کا آجائے تو ہم اپنی جانوں کی بازی لگادیں گے۔ آیت مذکورہ میں انہی کو جواب دیا جارہا ہے کہ پہلے تو یہ ہمت تھی اب ایسی پست ہمتی کیوں)

اور محمد تو رسول ہی ہیں (اللہ نہیں جس پر موت یا قتل محال ہے) اُن سے پہلے اور بھی بہت رسول گزر چکے ہیں سو اگر یہ وفات پاجائیں یا شہید

ہو جائیں تو کیا تم لوگ اُلٹے پاؤں واپس چلے جاؤ گے۔ اور جو کوئی بھی اُلٹے پاؤں واپس چلا جائے گا وہ اللہ کا کچھ بھی نقصان نہیں کرے گا۔ اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو بدلہ دے گا۔

اور ممکن نہیں کسی جاندار کے لئے کہ وہ ایک میعادِ مقرر پر حکمِ الٰہی کے بغیر مر جائے۔ اور جو کوئی دنیا کا فائدہ چاہتا ہے ہم اُسکو دنیا کا حصّہ دے دیتے ہیں اور جو کوئی آخرت کا نفع چاہتا ہے تو اُسے آخرت کا حصّہ دے دیں گے۔ اور عنقریب ہم شکر گزاروں کا بدلہ دے دیں گے۔

اور کتنے نبی ہو چکے ہیں کہ ان کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والے لڑے ہیں۔ سو جو کچھ انھیں اللہ کی راہ میں پیش آیا اس سے نہ تو اُنھوں نے ہمت ہاری اور نہ کمزور پڑے اور نہ وہ دبے اور اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اور اُن کا کہنا تو بس اتنا ہی تھا کہ وہ کہتے رہے اے ہمارے رب ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہمارے کاموں میں ہمارے حد سے نکل جانے کو بخش دے اور ہم کو ثابت قدم رکھیئے اور ہم کو کافروں پر غالب رکھیئے۔ سو اللہ نے انھیں دنیا کا بھی حصّہ دیا اور آخرت کا بھی عمدہ بدلہ دیا اور اللہ نیکوکاروں سے محبت رکھتا ہے۔

اے ایمان والو اگر تم اِن لوگوں کا کہنا مانو جو کافر ہیں تو وہ تم کو اُلٹا پھیر دیں گے پھر تم ناکام ہو جاؤ گے بلکہ اللہ تمہارا دوست ہے اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے۔

ہم ابھی کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دینگے اس لئے کہ اُنھوں نے اللہ کا شریک ایسی چیز کو ٹھیرایا ہے جس کے لئے کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں کی اور اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور کیسی بُری جگہ ظالموں کے لئے ہے۔ اور یقیناً تم سے اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا تھا جس وقت کہ تم اُن کافروں کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب تم ہی خود کمزور ہو گئے اور آپس میں اختلاف کرنے لگے اور تم کہنے پر

نہ چلے (یعنی حکم رسولؐ کی اطاعت نہ کی) بعد اسکے کہ اللہ نے تمہیں دکھا دیا
تھا جو کچھ کہ تم چاہتے تھے۔ بعض تم میں سے وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے (یعنی
غنیمت لوٹنے میں مشغول ہو گئے) اور بعض تم میں ایسے تھے جو آخرت
چاہتے تھے (یعنی یہ وہ دس تیرانداز صحابی تھے جو حکم رسول کے احترام
میں آخر وقت تک اپنی جگہ پر قائم رہے) پھر تم کو اللہ نے اُن سے ہٹا دیا
تاکہ اللہ تمہاری آزمائش فرمائے۔ اور یقین جانو کہ اللہ نے تمہیں معاف
کر دیا اور اللہ بڑے فضل والے ہیں مسلمانوں پر۔

وہ وقت یاد کرو جب تم چڑھے جا رہے تھے اور مڑ کر بھی
کسی کو نہ دیکھتے تھے اور رسولؐ تم کو پکار رہے تھے تمہارے پیچھے کی
جانب سے (معرکہ اُحد میں خالد بن الولید کے اچانک حملہ سے مسلمانوں میں
بدحواسی اور افراتفری پھیل گئی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے
چند ساتھیوں کو ساتھ لے کر دشمن کا تعاقب کر رہے تھے اور آواز دے
رہے تھے کہ اِدھر آؤ اُدھر آؤ۔ سو اللہ نے تمہیں غم دیا، غم کی پاداش میں
(یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دُکھ پہنچنے کے بدلے دُکھ ملا) تاکہ تم
رنجیدہ نہ ہوا کرو اُس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اُس
مصیبت سے جو تم پر پڑے اور اللہ تو تمہارے کاموں سے خوب باخبر ہے۔

پھر اللہ نے اُس غم کے بعد تمہارے اوپر راحت نازل کی یعنی
غنودگی کہ اس کا تم میں سے ایک جماعت پر غلبہ ہو رہا تھا اور ایک جماعت
(منافقوں کی) وہ بھی تھی کہ اُسے اپنی جانوں کی پڑی تھی۔ یہ لوگ اللہ کے
بارے میں بُرے خیالات کر رہے تھے جو کہ محض حماقت کا خیال تھا، وہ
یوں کہہ رہے تھے کہ ہمارا کچھ اختیار چلتا ہے؟ اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ
اختیار تو سارا اللہ ہی کا ہے۔ یہ لوگ دلوں میں ایسی بات چھپائے ہوئے
ہیں جو آپؐ پر ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ کچھ بھی ہمارا اختیار چلتا تو
ہم یہاں مارے نہ جاتے۔ آپؐ کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے
تب بھی وہ لوگ تو جن کے لئے قتل مقدر ہو چکا تھا اپنی قتل گاہوں کی

طرف ہی نکل پڑتے (مطلب یہ کہ احکام تقدیری سے باہر رہنا کسی صورت ممکن نہیں) اور یہ سب اس لئے ہوا کہ اللہ تمہارے باطن کی آزمائش کرے اور تاکہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اُسے صاف کر دے اور اللہ باطن کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔

یقیناً تم میں سے جو لوگ اُس (اُحد کے) دن پُشت پھیر دیئے تھے جس دن کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئی تھیں (میدان اُحد میں) اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہوئی کہ شیطان نے اُن کے بعض اعمال کے سبب لغزش دے دی، اور یقین جانو کہ اللہ نے انھیں معاف کر دیا۔ واقعی اللہ بڑی مغفرت کرنے والے بڑے برداشت کرنے والے ہیں (کہ فوراً مواخذہ نہیں کرتے بلکہ توبہ و استغفار کا موقعہ دیتے ہیں)

نتائج و عبر

کرمِ عظیم

غزوہ اُحد میں سیدنا حمزہ رضؓ کے دلیرانہ حملہ سے مشرکین کی صفوں میں انتشار تھا۔ جس پر تلوار اُٹھاتے اُس کی لاش زمین پر نظر آتی تھی۔

جُبیر بن مطعم کا حبشی غلام وحشی بن حرب اپنے آقا کو خوش کرنے اور اپنی آزادی حاصل کرنے کے لئے سیدنا حمزہ رضؓ کی تاک میں چُھپتا چُھپاتا پیچھے سے حملہ کیا اُس کا نیزہ آپ کی ناف پر لگا اور آر پار ہوگیا۔ سیدنا حمزہ رضؓ چند قدم لڑکھڑا کر گر پڑے اور جامِ شہادت نوش کیا

سنہ ہجری میں جب مکہ فتح ہوا تو طائف کے ایک وفد کے ساتھ وحشی بھی بارگاہِ نبوت میں مشرف باسلام ہونے کے لئے مدینہ منورہ آئے۔ لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ یہ

وحشی سیدنا حمزہ رضؓ کا قاتل ہے ؟

آپؐ نے ارشاد فرمایا اسکو چھوڑ دو ایک شخص کا مسلمان ہونا میرے نزدیک ہزار کافروں کے قتل سے بہتر ہے۔ پھر آپؐ نے وحشی سے سیّدنا حمزہ رضؓ کے قتل کا واقعہ دریافت کیا، وحشی نے ندامت و شرمندگی کی حالت میں پوری تفصیل سنائی، آپؐ آبدیدہ ہوگئے اور وحشی کا اسلام قبول کرلیا اور یہ فرمایا اگر ہوسکے تو میرے سامنے نہ آیا کرو تم کو دیکھ کر چچا کا صدمہ تازہ ہوجاتا ہے۔

وحشیؓ نے زندگی بھر اس خواہش کا احترام کیا آپؐ کی مجلس میں آتے تو پس پشت بیٹھتے اور اس فکر میں رہتے کہ کوئی ایسا کام کر جاؤں جو قتلِ حمزہ کا بدلہ ہوجائے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مُسلیمہ کذّاب نے جب اپنی نبوّت کا اعلان کیا تو اِنھیں موقعہ ہاتھ آیا اُسی نیزہ سے اُس کا کام تمام کردیا جس سے سیدنا حمزہ شہید ہوئے تھے۔ اسکے بعد بڑے جوش و خروش سے کہا کرتے تھے :-

قَتَلْتُ فِی الْکُفْرِ خَیْرَ النَّاسِ وَفِی الْاِسْلَامِ شَرَّ النَّاسِ.

(فتح الباری ج ۷، ص۲۸۴)

حالتِ کفر میں بہترین انسان کو قتل کیا اور مسلمان ہوکر بدترین انسان کو قتل کیا۔

تِلْکَ بِتِلْکَ۔ یہ اُس کا بدلہ ہے۔

قومی و وطنی نعرے اور اسلامی نعرہ

غزوۂ اُحد کے اختتام پر واپسی کے وقت ابوسفیان نے وطن و قوم کے ایک مشہور بُت کا نعرہ بلند کیا :-

اُعْلُ ھُبَلْ اُعْلُ ھُبَلْ

اے ہُبل تو بلند ہو تیرا نام بلند ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمرؓ سے فرمایا اسکو جواب دو

اَللّٰہُ اَعْلٰی اَللّٰہُ اَجَلُّ۔

اللہ ہی سب سے اعلیٰ اور سب سے برتر ہے۔

پھر ابوسفیان نے کہا

اِنَّ لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ

ہمارے یہاں عُزّیٰ (مشہور بُت) ہے تمہارے پاس عُزّیٰ نہیں (ہم کو عزت حاصل ہوئی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب یہ جواب دو:۔

اَللّٰہُ مَوْلٰنَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔

اللہ ہمارا مددگار ہے تمہارا کوئی مددگار نہیں وہی مددگار ہے اور کوئی نہیں۔

شہیدِ قوم

معرکہ اُحد میں قزمان نامی ایک شخص نے بڑی جانبازی و سرفروشی دکھلائی تھی تن تنہا اُس نے سات یا آٹھ مشرکوں کو قتل کیا تھا اور آخر میں زخموں سے چور ہو کر گر پڑا، جب اسکو اُٹھا کر گھر لے آئے تو بعض صحابہؓ نے اُس کو مبارکباد دی۔

کہ آج تو نے بڑا کارنمایاں انجام دیا ہے تجھکو مبارک ہو!

قزمان نے جواب دیا

تم مجھے کس بات کی بشارت دیتے ہو میں نے تو اپنی قوم وقبیلہ کی حمایت میں قتال کیا ہے!

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکی خبر دی گئی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

اَمَا اِنَّہٗ مِنْ اَہْلِ النَّارِ۔

لیکن وہ تو دوزخی ہے۔

بعد میں آپ کو بتایا گیا کہ قزمان نے زخموں کی تاب نہ لاکر خودکشی کر لی ہے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔
اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔
اللہ تعالیٰ کبھی کبھی فاسق و فاجر انسان کے ذریعہ بھی اپنے دین کی خدمت لے لیتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج۶ ص۶۳۱)

اقتدارِ اعلیٰ

حضرت سیدنا انسؓ راوی ہیں کہ اُحد کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرۂ انور سے خون پونچھتے جاتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ وہ قوم کیسے فلاح و نجات پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی و رسول کا چہرہ خون آلود کر دیا ہو۔ حالانکہ وہ اِن کو اُن کے پروردگار کی جانب دعوت دیتا ہے۔ (ترمذی، نسائی)

صحیح بخاری میں حضرت سالم سے مرسلاً روایت نقل کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکینِ مکہ میں سے صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو، حارث بن ہشام کے حق میں بددعا فرمائی اس پر قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی۔

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْہِمْ اَوْ یُعَذِّبَہُمْ فَاِنَّہُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ (آل عمران آیت ۱۲۸)

آپؐ کو اس امر میں کوئی دخل نہیں کہ اللہ خواہ ان کی توبہ قبول کرے خواہ عذاب دے اس لئے کہ وہ ظالم ہیں۔

حافظ عسقلانی رحؒ لکھتے ہیں کہ یہ تینوں فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ (فتح الباری ج۷ ص۲۸۱)

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ الآیہ

ان الفاظ سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ مشیتِ الٰہی میں کسی مخلوق اور بندے کو دخل نہیں یہاں تک کہ مقرب ترین بندوں رسول و نبی کو بھی اختیار نہیں۔ چہ جائیکہ کسی ولی، کسی بزرگ، کسی مشائخ کو اللہ کی مشیت میں دخیل یا مختار سمجھا جائے؟

نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ کوئی وزیر نہ کوئی مشیر و مددگار وَھُوَ الْوَاحِدُ

الْاَحَدُ الصَّمَدُ الْفَرَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔
فَسُبْحَانَ مَنْ لَّا شَرِیْکَ لَہٗ
وَلَا وَزِیْرَ لَہٗ وَلَا مَثِیْلَ لَہٗ

شہدائے اُحد کی تجہیز و تکفین

غزوۂ اُحد میں ستّر صحابۂ کرام نے جامِ شہادت نوش کیا ہے۔ اِن میں اکثر تعداد اہل مدینہ (انصار) کی ہے۔ جنھوں نے مسلمان، اسلام، اللہ و رسول کی رفاقت کا عملی ثبوت دیا ہے۔ بے سروسامانی کا یہ حال تھا کہ کفن کی پوری چادریں بھی میسّر نہ تھیں۔ چنانچہ سیّدنا مصعب بن عمیرؓ جو ایک رئیس خاندان کے فرد تھے اسلام قبول کرنے کی پاداش میں گھر سے نکال دیئے گئے تھے اس غزوہ میں شہید ہوئے۔ جب انہیں کفن پہنایا گیا تو چادر اتنی چھوٹی تھی کہ سر اگر ڈھانکا جاتا تو پیر کھُل جاتے اور اگر پیر ڈھانکے جاتے تو سر کھُل جاتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صورتِ حال کی اطلاع دی گئی آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ سر ڈھانک دو اور پیروں پر اِذخر (گھاس) ڈال دو۔ (بخاری غزوہ اُحد)

ایسا ہی واقعہ سیدنا حمزہ رضؓ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا۔ اور بعض کے لئے یہ بھی میسّر نہ آیا۔ دو دو شہیدوں کو ایک ہی چادر میں کفن دیا گیا۔ دو دو تین تین شہیدوں کو ملا کر ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ دفن کے وقت آپؐ دریافت فرماتے اِن میں سے زیادہ قرآن کس کو یاد تھا؟ جب شہید کی طرف اشارہ کیا جاتا اُسی کو قبر میں قبلہ رُخ رکھ دیا جاتا۔

آپؐ یہ بھی ارشاد فرماتے تھے:-

اَنَا شَہِیْدٌ عَلٰی ھٰٓؤُلَاءِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

میں قیامت کے دن اِن سب کی شہادت دوں گا۔

تمام شہداء کو سنتِ اسلام کے مطابق بلاغسل، خون آلود حالت ہی میں دفن کیا گیا۔ (بخاری کتاب الجنائز)

بعض صحابہؓ نے اپنے عزیزوں کو شہر مدینہ لیجا کر دفن کرنا چاہا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جہاں شہید ہوئے ہیں وہیں دفن کئے جائیں۔ (ابن ہشام ج ۲ ص۹۱)

غزوۂ اُحد کے اِجمالی نتائج

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے غزوۂ اُحد کے بیان میں ساٹھ آیات نازل فرمائی ہیں۔ اِن آیات میں فتح و شکست کے اسباب، اللہ کی مرضیات و نامرضیات کا بیان، اسلام و ایمان کی علامت، مخلص اور غیر مخلص کا امتیاز، ذوقِ شہادت کا انجام، سنۃ اللہ کی وضاحت، نعمت پر شکر گزاری اور غم و مصیبت پر صبر و تحمل کا درس، ابتلاء و آزمائش کے نتائج و عواقب کی نشاندہی، تعلق مع اللہ کا معیار وغیرہ نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جنکو اجمالی طور پر سلسلہ وار بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) حسب وعدۂ خداوندی معرکہ اُحد میں پہلے ہی دن مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ اور تسلط حاصل ہوگیا تھا مگر مسلمانوں کی ایک جماعت اُس مرکز سے ہٹ گئی جس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح و شکست ہر حال میں قائم و دائم رہنے کا حکم دیا تھا اِن میں سے بڑی تعداد نے مرکز چھوڑ دیا اور پہاڑ سے نیچے اُتر آئے اور مالِ غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہوگئے۔ میدان جنگ کا نقشہ پلٹ گیا فتح شکست سے بدل گئی، نظم و ضبط پراگندہ ہوگیا، اسلامی افواج افرا تفری کا باعث ہوگئی، نبی و رسول کے حکم کی عملی پیروی نہ کرنے پر نعمت، زحمت و مصیبت سے بدل گئی۔

(آل عمران آیت ۱۵۲)

(۲) غزوۂ اُحد میں بعض صحابہ کی یہ لغزش کسی بغاوت و نافرمانی یا دیدہ و دانستہ انحراف و سرکشی کا نتیجہ نہ تھی بلکہ ایک بھول و غفلت اور عدم اہتمام کا نتیجہ تھا جو ابتدائی فتح و نصرت میں پیدا ہوگیا تھا۔ جسکی شہادت خود قرآن حکیم نے دی ہے اور اس کو شیطانی لغزش قرار دیا ہے۔ (آل عمران آیت ۱۵۵)

(۳) مخلص اور غیر مخلص، پکے اور کچے، جھوٹے اور سچے کا امتیاز ہوگیا، مومن ومنافق کا ایسا واضح فیصلہ ظاہر ہوگیا کہ پھر کوئی اشتباہ باقی نہ رہا۔ اس غزوہ کے آغاز میں منافقوں کی ایک بڑی تعداد (تقریباً تین سو آدمی) درمیان راہ سے جدا ہوگئے اور وہ مدینہ واپس لوٹ آئے۔ (آل عمران آیت ۱۶۷،۱۶۸)

(۴) ذوقِ شہادت رکھنے والوں کو شہادتِ عظمیٰ کا درجہ دیا جاتا ہے اور وہ اپنے مقصدِ حیات کو دنیا میں پالیتے ہیں۔ ان کی نیّت اور عمل کو ضائع نہیں کیا جاتا۔ یہ دنیا میں بھی سرخرو ہوتے ہیں اور آخرت تو انھیں کے لئے بنائی جاتی ہے۔

(آل عمران آیت ۱۴۰)

(۵) ہر دور میں سنّت اللہ یہی رہی ہے کہ مخلصین صادقین کی لغزشوں اور گناہوں کو دنیا کی زندگی ہی میں صاف و معاف کیا جاتا ہے تاکہ آخرت کا داخلہ پاک وصاف حالت میں ہوجائے اور اللہ کی عنایات وکرم کا پورا پورا حصہ نصیب ہو۔
اسکے لئے نیکیوں پر ابتلاء وآزمائش، مشاکل اور مصائب رنج وغم کے حالات پیش آتے ہیں لیکن اللہ کے یہ نیک بندے صبر وضبط ہمت واستقامت سے ثابت قدم رہتے ہیں۔ اسپر اللہ کی تائید ونصرت شامل حال ہوجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں ان کا دوست ہوجاتا ہے۔ (آل عمران آیت ۱۴۱)

(۶) زمانۂ قدیم سے اللہ تعالیٰ کا قانون یہی رہا ہے کہ زمین کی خلافت وحکومت پر کسی بھی مخلوق کی اجارہ داری روا نہیں رکھی گئی، کبھی نیکوں اور دوستوں کو فتح ونصرت سے سرفراز کرتے ہیں اور کبھی دشمنوں کو غلبہ دے دیتے ہیں لیکن آخرت کا انجام صرف اہل ایمان ہی کو دیا جاتا ہے۔ (آل عمران آیت ۱۴۰)

(۷) بغیر محنتِ عمل اور جُہد مسلسل کے کوئی مشکل آسان نہیں ہوتی۔ خاص طور پر اللہ تعالےٰ کی راہ میں جدوجہد بلند مراتب اور اعلیٰ درجات کا سبب بنتی ہیں۔ محض تمنّا اور شوق تصور وخیال سے منزل قریب نہیں ہوتی۔ لسانِ نبوت نے ایسے شخص کو عاجز اور بیوقوف بتایا ہے جو خواہشات میں پڑا رہے اور اللہ سے عمدہ عمدہ تمنائیں دل میں رکھے۔ (آل عمران آیت ۱۴۲)

(۸) نیکوں کے لئے وقتی ہزیمت وشکست اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم حکمت ومصلحت پر مبنی رہتی ہے

جسکا ایک درس یہ ہے کہ زہد و قناعت، صبر و تحمل، ایثار و قربانی کے اعلیٰ کردار ظاہر ہوں۔ دنیا کا وجود اور عدم دل کی نگاہوں میں برابر ہوجائے۔ دنیا کے آنے سے دل غافل نہ ہوجائے اور دنیا کے جانے سے دل برداشتہ اور آخرت سے دور نہ ہوجائے۔ معرکہ اُحد میں صحابہ کرام کو یہ جو غم دیا گیا کہ فتح شکست سے بدل گئی اسمیں اللہ تعالیٰ کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ آئندہ سے اہل ایمان دنیا کے فوت ہوجانے کا غم نہ کریں بلکہ قضاء الٰہی پر راضی اور خوش و مطمئن رہیں۔

(آل عمران آیت ۱۵۳)

(۹) دورانِ معرکہ بعض نے یہ افواہ اُڑادی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے ہیں۔ بعض صحابہ کے قلوب اس وحشتناک اثر خبر کی تاب نہ لاسکے اور اس درجے پریشان ہوگئے کہ میدانِ جنگ سے پیر اُکھڑ گئے اور اسلامی فوج میں ابتری پھیل گئی۔

اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو قیامت تک کے لئے انتباہ دیا کہ اسلام اللہ کا دین ہے۔ اُسی کی عبادت اور اُسی کی توحید کا تم نے کلمہ پڑھا ہے۔ اُسی کے نام پر تم نے کفر سے خروج کیا ہے اور اسلام میں داخل ہوئے ہو، وہ حیّ قیوم باقی اور غیر فانی ہے۔

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُسی کے بندے اور رسول ہیں، اللہ کے ہادی و رہبر ہیں، اُسی کی مرضیات اور تعلیمات کے امین و محافظ، وہ عبد ہیں رب نہیں۔ مطلب سوال کا یہ ہے کہ جب دینِ اسلام کی حقیقت تمہاری نظروں میں ثابت ہوچکی اور نبی و رسول کا مرتبہ تم نے اسلام میں خوب سمجھ لیا اور اس کا اعتراف و اقرار بھی کرلیا ہے تو اب اللہ کے قاصد و پیغامبر کی شہادت یا موت کی وجہ سے اقرار کردہ حقیقت و صداقت پر کچھ منفی اثر نہ ہونا چاہیئے! کیا تم محض اس خبر سے کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے کہ اب (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وفات پاگئے ہیں؟

اگر تمہارا اسلام و ایمان ایسا کمزور اور ضعیف ہے کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی تم اپنے سابقہ دین و مذہب کی طرف

پلٹ جاؤ جس سے نکل کر تم آئے تھے تو اللہ کو تمہارے ایسے دین کی ضرورت نہیں ہے۔
موت تو ہر مخلوق کے لئے مقدّر ہو چکی ہے اگر آج یہ رسول وفات پا جائیں تو اِن سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی میعادِ عمر پوری کر کے دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ یا جیسے حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام دشمنانِ دین کے ہاتھوں شہید ہو چکے ہیں کسی بھی انسان کا اسلام و ایمان اپنے نبی و رسول کی صرف حیات یا موت تک وابستہ نہیں ہوتا۔ نبی و رسول تو وفات پاتے ہی ہیں اللہ کی ذات زندہ اور باقی ہے اسکو فنا نہیں۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا حادثہ بھی اس قدر سخت تھا کہ حضرت فاروق اعظم رضؓ جیسے باوقار اور عالی ظرف انسان بھی صبر و ضبط کھو بیٹھے اور بے اختیار ہو گئے تھے۔ عین اُس وقت پر اُن سے بھی برتر شخصیت سیّدنا ابو بکر صدیق رضؓ نے اسی حقیقت کا برمحل اظہار کر کے اُن کے اور سب کے جذبات کو قابو میں لے آئے تھے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ الخ

(آل عمران آیت ۱۴۴)

اور محمدؐ تو بس ایک رسول ہی ہیں، اِن سے قبل اور بھی رسول گزر چکے ہیں، سو اگر یہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں واپس چلے جاؤ گے؟
اور جو کوئی بھی اُلٹے پاؤں واپس چلا جائیگا وہ اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ کریگا اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو بدلہ دیگا۔

(۱۰) سیّدنا حمزہ رضؓ کی شہادت کا تذکرہ اوپر آچکا ہے دشمنوں نے جس بے دردی سے قتل کیا اور نعش مبارک کو جس طرح بگاڑ دیا تھا وہ جہالت اور قساوتِ قلب کی بدترین مثال ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بے حرمتی کو دیکھ کر قسم کھالی اور یہ اعلان کر دیا تھا۔

"اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے کافروں پر غلبہ دیا تو حمزہؓ کے بدلے میں ستّر کافروں کی لاشوں کو بگاڑ دوں گا۔"

ابھی آپؐ اپنی جگہ سے ہٹنے بھی نہ پائے تھے کہ قرآن نازل ہوا اور آپؐ کو ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ الخ (النحل آیت ۱۲۶)

"اگر تم لوگ بدلہ لو تو بس اُسی قدر لے لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہے لیکن اگر تم صبر کرو (یعنی بدلہ نہ لو) تو یقیناً یہ بات صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صبر سے کام لو اور آپ کا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہوگا۔ اُن لوگوں کی حرکتوں پر رنج وغم نہ کیجئے اور اُن کی چالبازیوں پر تنگ دل نہ ہوں بیشک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور وہ جو نیک عمل کرتے ہیں۔"

جس کا خلاصہ یہ کہ راہ جہاد و تبلیغ میں اگر تم کو کچھ سختیاں اور تکلیفیں پہنچائی گئی ہوں تو قدرت و طاقت حاصل ہونے کے بعد اس کا برابر بدلہ لیا جاسکتا ہے لیکن صبر کا مقام اس سے کہیں زیادہ بلند و بالا ہے۔ اگر صبر کروگے اور ظلم و زیادتی سے درگزر کروگے تو یہ عمل خود آپ کے حق میں اور دیکھنے والوں بلکہ خود زیادتی کرنے والوں کے حق میں بہتر ثابت ہوگا۔

مظالم و شدائد پر صبر کرنا کچھ سہل کام نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہی مدد فرمائے تو ہوسکتا ہے کہ آدمی ظلم سہتا رہے اور اف تک نہ کرسکے لیکن انسان جسقدر بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اقتدار کا تصور کرے گا یہ بات آسان ہوجائے گی اور ظلم کرنے والوں کو نہ صرف وہ معاف کردے گا بلکہ ان پر اپنے عفو و درگزر کے علاوہ احسان و نیکی کا تأثر قائم کرے گا۔ یہ اخلاقِ انسانی کی انتہائی معراج ہے۔ انبیاء کرام اسی خلق عظیم پر فائز ہوا کرتے ہیں۔

ان آیات کے نزول کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا اعلان واپس لے لیا اور قسم کا کفارہ ادا فرمادیا۔

اسی سلسلہ میں آپ کا یہ ارشاد روحِ اخلاق کی حیثیت رکھتا ہے۔

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ وَاَحْسِنْ اِلٰى مَنْ اَسَاءَ اِلَيْكَ۔ (الحدیث)

جو تجھ سے کٹ جائے تو اُس سے تعلق قائم رکھ اور جس نے تجھ پر ظلم کیا ہے اسکو معاف کر دے اور جس نے تیرے ساتھ بُرا سلوک کیا ہے تو اسکے ساتھ نیکی و احسان کر۔

غَزْوَهٔ اَحْزَاب

(غزوۂ خندق)

تعارفِ غزوہ اس غزوہ کے دو نام ہیں غزوۂ احزاب، غزوۂ خندق۔ حزب کے معنی گروہ جماعت کے ہیں اور اسکی جمع احزاب آتی ہے۔

چونکہ اس غزوہ میں عرب کے بہت سے قبائل مشترکہ طور پر جمع ہوکر اسلام اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے جمع ہوگئے تھے اور مدینہ کے اندر بھی منافقین کا گروہ خفیہ طور پر اُن کافر جماعتوں کی مدد کر رہا تھا اس لئے اس غزوہ کا نام احزاب (کافر جماعتوں کا مشترکہ حملہ) ہوگیا۔ علاوہ ازیں اسی غزوہ میں حضرت سلمان فارسی رضؓ کے مشورے پر عرب میں پہلی مرتبہ شہر مدینہ کے اطراف خندق کھود کر شہر کو دشمنوں سے محفوظ رکھنے کی تدبیر اختیار کی گئی تھی اس لئے اس غزوہ کو غزوۂ خندق بھی کہا گیا۔ یہ غزوہ تمام غزوات میں خصوصی اہمیت رکھتا ہے اور اپنی نوعیت کے اعتبار سے بھی نرالا ہے۔ کیونکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پہلی مرتبہ اتنی بڑی اور منظم سازش کی گئی تھی جو خاک آلود ہو کر رہ گئی۔

یہ غزوہ ماہ شوال ۵ھ مطابق ماہ فروری ۶۲۷ء میں پیش آیا جبکہ قریشِ مکہ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں ناکام و نامراد

ہو کر واپس ہو گئے تھے۔ غزوۂ بدر میں تو ان کے ستّر سردار مارے گئے تھے اور اتنے ہی قید و گرفتار کر لئے گئے تھے۔ اور غزوۂ اُحد میں اگرچہ انھوں نے مسلمانوں کی ایک تعداد پر قتل و غارت گری کی تھی لیکن بعد میں مسلمانوں کے متحد اور مقابل ہو جانے پر راہِ فرار اختیار کیا تھا۔ اسکے بعد ان کے بغض و عناد کی آگ بھڑک رہی تھی۔

غزوہ اُحد سے واپس ہوتے وقت لشکر کے سردار ابوسفیان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیام دیا تھا کہ سال آئندہ ہماری اور تمہاری لڑائی میدانِ بدر میں پھر ہوگی۔

اسپر آپؐ نے بھی ہاں کر لی تھی۔ آپ حسب وعدہ ماہ شعبان ۴ھ میں پندرہ سو صحابہ کو لیکر بدر کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں آٹھ روز تک ابوسفیان کا انتظار کیا لیکن وہ مرعوب و خائف ہو گیا تھا مقابلہ کی ہمت نہ کر سکا۔ اس طرح جنگ کا ایک بڑا خطرہ ٹل گیا۔

لیکن مشرکین مکہ کی ہمتیں اُن سازشوں سے اُبھرنے لگیں جو مدینہ کے جلاوطن یہود و نصاریٰ اور منافقینِ مدینہ کی ریشہ دوانیوں سے تقویت پا رہی تھیں۔ چنانچہ قریشِ مکہ نے بہت سے قبائل کی مدد سے ایک بڑی جمعیت تیار کر لی تاکہ سب ملکر مدینہ پر ٹوٹ پڑیں۔

ماہِ شوّال ۵ھ مطابق ماہ فروری ۶۲۷ء قریش مکہ کے سردار ابوسفیان دس ہزار سے زائد نفری تعداد لیکر مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے مکہ سے روانہ ہوا۔ قبائل عرب کی یہ اتنی بڑی جمعیت تھی جو اس سے پہلے عرب میں کبھی جمع نہ ہوئی تھی۔

یہ خبر مدینہ میں تیزی سے پھیل گئی جس سے ایک ہلچل پیدا ہو گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ ایسے موقعہ پر کیا کرنا چاہیئے؟ حضرت سلمان فارسی رضؓ (ایران کے باشندے) نے عرض کیا یارسول اللہ ہم اہلِ فارس کا یہ دستور ہے کہ ایسے موقع پر شہر کے اطراف خندق کھود کر دشمن سے خود کو محفوظ

کر لیتے ہیں اور اسکو مجبور و بے بس بنا دیتے ہیں۔

عرب کے جنگی طور طریقوں میں خندق کھدوانے کا رواج نہ تھا پہلی مرتبہ یہ تجربہ کیا گیا اور حضرت سلمان رض کا مشورہ قبول کیا گیا، یہ خندق شہر کے مشرقی و مغربی جانب تیار کی گئی۔ جدھر سے دشمن کے حملہ کا اندیشہ تھا اس طرح شہر کو محفوظ کر لیا گیا، یہ جنگی تدبیر کفار قریش کے جنگی نقشے میں بالکل نہ تھی کہ انھیں مدینہ کے باہر ایک طویل و گہری خندق سے سابقہ پڑے گا۔ کیونکہ اہل عرب اس طریق دفاع سے قطعاً آشنا نہ تھے۔ جب ان کا لشکر مدینہ کے قریب پہنچا تو انھیں ایک طویل محاصرے کے لئے تیار ہونا پڑا جس کے لئے وہ چلتے وقت تیار ہو کر نہ آئے تھے۔ جاڑے کا زمانہ تھا، محاصرہ (۲۵) دن سے زیادہ طویل ہو گیا اتنے بڑے لشکر کے لئے چارے پانی غذا کی فراہمی مشکل سے مشکل تر ہو رہی تھی۔ دوسری جانب "حزب اللہ" اللہ کا لشکر جوش و خروش اور پورے عزم و بیداری کے ساتھ خندق کی حفاظت میں مشغول تھے۔

کائناتِ انسانی کی تاریخ میں آقا و غلام، حاکم و محکوم، خادم و مخدوم کے درمیان یہ پہلا منظر تھا جو آنکھوں نے دیکھا کہ دوجہاں کا سردار (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اپنے ہاتھ میں کدال لئے تین دن کے مسلسل فاقہ کے ساتھ شریک کار ہے۔ ایک موقعہ پر ایک بڑی چٹان نے صحابہ کرام کو بے بس کر دیا تھا سرورِ کائنات نے بسم اللہ کہہ کر اپنی ایک ضرب سے چٹان کو پارہ پارہ کر دیا۔ (بخاری باب غزوۂ احزاب)

خندق کی تیاری میں آپ بطور رجز (کلمات ہمت افزائی) اس طرح فرماتے تھے :-

اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَہْ

فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَ الْمُھَاجِرَہْ

الٰہی زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے۔ پس تو مہاجرین و انصار کو مغفرت سے نواز۔

صحابہ کرام جب یہ کلمات سنتے تو والہانہ انداز میں اس طرح جواب دیتے۔

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدَا ؛ عَلَی الْجِہَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدَا

"ہم تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر زندگی بھر کے لئے جہاد کا عہد کر لیا ہے"۔ اس فداکاری و اقرار عہد پر آپؐ اس طرح دُعائیہ کلمات فرماتے :۔

اَللّٰھُمَّ لَاخَیْرَ اِلَّاخَیْرُ الْاٰخِرَۃ
فَبَارِكْ فِی الْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃ۔

الٰہی خیر و نیکی تو بس آخرت ہی کی ہے پس تو انصار و مہاجرین کے درمیان اپنی برکت نازل فرما۔ (بخاری غزوۃ الاحزاب)

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت یہ تھی کہ خندق سے مٹی اُٹھا کر اِدھر اُدھر منتقل کر رہے تھے اور جسم مبارک گرد آلود ہو رہا تھا اور زبان مبارک پر یہ رجز جاری تھا :۔

وَاللّٰہِ لَوْلَا اللّٰہُ مَا اھْتَدَیْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا
اللہ کی قسم اگر اُسکی ہدایت رہنمائی نہ کرتی۔ تو نہ ہمکو ہدایت ملتی نہ صدقہ و نماز ادا کرتے
فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّاقَیْنَا
پس اے اللہ تو ہم پر طمانیت نازل فرما۔ اور میدان جنگ میں ثابت قدم رکھ
اِنَّ الْاُلٰی قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَۃً اَبَیْنَا
ان لوگوں نے ہم پر بڑا ظلم کیا ہے۔ یہ جب کبھی ہم کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں تو ہم اسکو قبول نہیں کرتے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا خندق کی کھدائی میں ایک بڑی چٹان حائل ہوگئی تھی جس نے سب کو تھکا دیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کہہ کر اپنی کدال سے ایک ضرب لگائی جس سے وہ پارہ پارہ ہوگئی۔ یہ روایت بخاری شریف کی ہے البتہ مسند احمد اور نسائی شریف میں اس قدر مزید اضافہ نقل کیا گیا ہے کہ جب آپؐ نے بسم اللہ کہہ کر پہلی ضرب لگائی تو وہ چٹان ایک تہائی ٹوٹ گئی آپؐ نے اس پر ارشاد فرمایا اللہ اکبر مجھکو ملک شام کی کنجیاں عطا کی گئیں اللہ کی قسم اس وقت مجھے ملکِ شام کے سرخ محل نظر آرہے ہیں۔

پھر آپؐ نے دوسری بار اُسی چٹان پر ضرب لگائی دوسرا تہائی حصہ ٹوٹ کر گر پڑا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اللہ اکبر ملکِ فارس (ایران) کی کنجیاں مجھکو عطا ہوئیں، اللہ کی قسم شہر مدائن کے قصر ابیض (سفید محل) کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

تیسری بار بسم اللہ کہہ کر کدال ماری تو بقیہ چٹان بھی ٹوٹ گئی۔ آپؐ نے فرمایا اللہ اکبر ملک یمن کی کنجیاں مجھکو عطا ہوئیں۔ اللہ کی قسم شہر صنعاء کے دروازوں کو میں اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہوں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رح فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند حَسَنٌ ہے۔

ایک اور روایت میں مزید یہ بھی اضافہ منقول ہے کہ صحابہ کرام نے آپؐ کی تکبیر پر اللہ اکبر کہا پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا جبرئیل امین نے مجھکو خبر دی کہ میری امت اِن شہروں کو فتح کرے گی۔

(فتح الباری ج ۷ صـ۳۰۲)

تاریخ نے بعد میں ثابت کر دیا کہ خلافتِ فاروقی رضؓ میں یہ تمام شہر خلافتِ راشدہ کے ماتحت تھے۔ (فَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ جَمِیْعًا)

مؤرخ ابن سعد لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام صرف چھ۶ دن میں اس طویل وعریض خندق سے فارغ ہوگئے۔ اس طرح دشمن سے حفاظت کا پوری طرح سامان ہوگیا۔ اس درمیان قریش کا دس۱۰ ہزار افراد پر مشتمل لشکر مدینہ کے قریب آپہنچا اور کوہ اُحد کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار مسلمانوں کی جمعیت لیکر مقابلہ کے لئے کوہِ سَلع کے قریب جا ٹھہرے۔ خندقیں دونوں فریقین کے درمیان حائل تھیں۔ دو ہفتے اس طرح گزر گئے مگر دست بدست لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ دونوں جانب سے تیر اندازی ہوتی رہی۔ ایک موقع پر قریش کے چند نوجوان ایک خندق کو جس کا عرض کچھ کم تھا پھاند کر مسلمانوں کی طرف بڑھے اور ان میں سے عمرو بن عبد جو سر سے پیر تک غرق

آہن تھا مقابلہ کے لئے آواز دی. سیدنا علیؓ اسکے مقابلہ کے لئے آگے بڑھے اور کہا اے عمرو میں تجھکو اللہ اور اسکے رسول کی طرف بلاتا ہوں اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں. عمرو نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

سیدنا علیؓ نے فرمایا اچھا تو میں لڑائی اور مقابلہ کی دعوت دیتا ہوں، عمرو نے کہا تم کمسن ہو اپنے سے بڑے کو میرے مقابلہ کے لئے بھیجو میں تمہارے قتل کو پسند نہیں کرتا۔

سیدنا علیؓ نے جواب دیا لیکن میں تیرے قتل کو پسند کرتا ہوں۔ یہ سنکر عمرو کو طیش آگیا گھوڑے سے نیچے اُترا اور آگے بڑھکر حضرت علیؓ پر وار کیا جس کو حضرت علیؓ نے اپنی سپر سے روکا لیکن پیشانی پر زخم آگیا۔ پھر معاً حضرت علیؓ نے اُس پر وار کیا جس نے اس کا کام تمام کر دیا۔ انہی مشرکوں میں نوفل بن عبد اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادے سے آگے بڑھا گھوڑے پر سوار تھا خندق کو پھاندنا چاہتا تھا کہ خندق میں گر پڑا اور گردن ٹوٹ گئی اور مر گیا۔ چونکہ یہ قوم کا سردار اور رئیس تھا مشرکین نے دس ہزار درہم آپؐ کی خدمت میں پیش کیے کہ ہمارے اس سردار کی لاش حوالہ کر دی جائے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا وہ بھی خبیث تھا اور اس کا بدلہ بھی خبیث و ناپاک ہے۔ اللہ کی لعنت ہے اسپر اور اسکے بدلہ پر بھی۔ آپؐ نے دونوں چیزیں لوٹا دیں۔

حملہ کا یہ دن نہایت ہی سخت تھا۔ تمام دن، تیر اندازی اور سنگ باری میں گزرا۔ یہی وہ غزوہ ہے جسمیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کی چار نمازیں قضا ہوگئیں تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو ایک قلعہ میں محفوظ کر دیا تھا اور حضرت حسان بن ثابت رضؓ کو قلعہ کی حفاظت پر مقرر کر دیا تھا۔ یہودِ مدینہ کی آبادی وہاں سے قریب ہی تھی) ایک

جاسوس قلعہ کے قریب گشت کر رہا تھا۔ حضرت صفیہ رضؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی تھیں اسی قلعہ میں اُس جاسوس کو دیکھ لیا اور اندیشہ کیا کہ کہیں یہ جاسوس نہ ہو اور دشمنوں کو ہماری مخبری نہ کر دے حضرت حسان رضؓ سے کہا کہ اس کو قتل کر دو! حضرت حسان رضؓ نے جواب دیا اے صفیہ رضؓ تم کو معلوم ہے کہ میں اس کام کا نہیں ہوں۔ حضرت صفیہ رضؓ خود اُٹھیں اور خیمہ کی ایک لکڑی لیکر اُس یہودی کے سر پر اس زور سے وار کیا کہ اُس کا سر ہی پھٹ گیا اور وہ گر پڑا۔

واپس آکر حضرت حسان رضؓ سے کہا میں نے اُس کا کام تمام کر دیا ہے۔ چونکہ وہ اجنبی مرد ہے اور میں عورت ہوں اس لئے اُس کو ہاتھ نہیں لگا سکتی تم اُسکے ہتھیار اُتار لاؤ!

حضرت حسان رضؓ نے کہا مجھے اسکے ہتھیار اور سامان کی بھی ضرورت نہیں۔ (سیرت ابن ہشام)

محاصرہ بڑا سخت تھا بیسؓ دن سے زائد ہو گئے تھے سردی کا زمانہ تھا اثنار محاصرہ ایک دن قبیلہ غطفان کے ایک رئیس نعیم بن مسعود اشجعی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ میں نے آپؐ پر ایمان لایا ہے میری قوم کو میرے ایمان لانے کا علم نہیں اگر آپؐ اجازت دیں تو میں کوئی ایسی تدبیر کروں جس سے یہ حصار ختم ہو جائے؟

آپؐ نے فرمایا ہاں تم تجربہ کار آدمی ہو کوئی ایسی تدبیر ہو تو کر گزرو۔ چنانچہ نعیم رضؓ نے ایسی تدبیر کی کہ کفار قریش اور اُن کے مددگار بنو قریظہ میں (جو اس جنگ میں قریش کا ساتھ دے رہے تھے) پھوٹ پڑ گئی (مفصل قصہ فتح الباری ج ۷ ص ۳۰۹ اور تاریخ طبری ج ۳ ص ۵۰ میں مذکور ہے)

مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ ہم نے حصار کی شدت اور سختی کا ذکر کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دُعا کی درخواست کی آپؐ نے یہ دُعا تلقین فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا۔

"اے اللہ ہمارے عیبوں کو چھپا اور ہمارے خوف کو دور فرما۔"

اور صحیح بخاری میں یہ دعا منقول ہے :۔

اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ وَمُجْرِيَ السَّحَابِ وَهَازِمَ الْاَحْزَابِ اِهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ۔ (بخاری کتاب الجہاد)

اے قرآن کے نازل کرنے والے، بادلوں کو چلانے والے، کفار کی جماعتوں کو ہلاک کرنے والے انھیں شکست دے اور ہماری مدد فرما۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ ایک رات ایسی سخت ہوا کا طوفان اٹھا جس نے آن کی آن میں دشمن کے تمام لشکر کو زیر وزبر کر دیا۔ ہوا میں سخت سردی اور کڑک وچمک تھی اور اندھیرا اتنا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھائی دیتا تھا خیمے اکھڑ گئے، چوپائے بھڑک بھڑک کر بھاگنے لگے اور سارے لشکر میں ابتری پھیل گئی۔ دشمن محاصرہ چھوڑ چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کرنے لگے۔ قدرتِ خداوندی کا یہ ایسا کاری وار تھا جسکو وہ برداشت نہ کر سکے۔ راتوں رات ہر ایک نے اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔ جب صبح ہوئی تو ایک دشمن بھی نہ تھا۔ اس موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا :۔

نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے مجھکو پروا ہوا کے ذریعہ فتح عطا کی گئی اور قومِ عاد پچھوا ہوا سے ہلاک کئے گئے تھے۔

اسی ہوا کے طوفان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضؓ صحابی کو کفار قریش کی خبر لانے کے لئے حکم دیا تھا۔ حضرت حذیفہ رضؓ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں پکڑا نہ جاؤں؟

آپؐ نے ارشاد فرمایا

اِنَّكَ لَنْ تُؤْسَرَ۔

تو ہرگز گرفتار نہ ہوگا۔

پھر جب میں چلنے لگا تو آپؐ نے یہ دُعا دی :۔

اَللّٰهُمَّ احْفَظْهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَعَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَمِنْ فَوْقِهٖ وَمِنْ تَحْتِهٖ۔

"اے اللہ آگے پیچھے، دائیں بائیں، اوپر، نیچے سے حذیفہ کی حفاظت فرما۔"

آپکی اس دُعا سے میرا تمام خوف دور ہوگیا۔ میں نہایت اطمینان سے جب چلنے لگا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا حذیفہؓ کوئی نئی بات نہ کرنا!

جب میں دشمن کے لشکر میں پہنچا تو ہوا اس قدر تیز تھی کہ کوئی چیز اپنی جگہ نہیں ٹھہرتی تھی۔ تاریکی ایسی تھی کہ کوئی چیز دکھائی نہ دیتی تھی۔ اتنے میں میں نے ابوسفیان لشکر کے سردار کو یہ کہتے سُنا :۔

اے لوگو! یہ ٹھیرنے کا مقام نہیں ہے۔ ہمارے جانور ہلاک ہوگئے ہیں۔ ہمارے مددگار بنو قریظہ نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور اس تیز و تند ہوا نے ہم کو سخت پریشان کر دیا ہے۔ چلنا پھرنا، بیٹھنا اُٹھنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ فوراً لوٹ جاؤ! یہ کہکر ابوسفیان اپنے اونٹ پر سوار ہوگیا۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں خیال آیا کہ اِسکو ایک تیر سے مار ڈالوں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یاد آگیا کہ، اے حذیفہؓ کوئی نئی بات نہ کرنا۔ پھر میں واپس آگیا۔

(زرقانی ج ۲ ص ۱۱۸)

صبح کو آپؐ نے میدانِ جنگ خالی دیکھ کر فرمایا :۔

اَلْاٰنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَنَا نَحْنُ نَسِيْرُ اِلَيْهِمْ۔

(بخاری)

اب ہم اُن پر حملہ آور ہوا کریں گے اور وہ لوگ ہم پر آئندہ حملہ نہ کرسکیں گے اب آئندہ اقدام ہمارا ہی ہوگا (یعنی مذہب

مذہب کفر اب اتنا کمزور ہوگیا کہ اسمیں اتنی قوت وطاقت نہیں رہی کہ وہ اسلام کے مقابلہ میں کوئی اقدام کر سکے گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی تھی) اس طرح یہ بڑا حادثہ ٹل گیا اور مسلمانوں کو فتح ونصرت حاصل ہوئی۔

صَدَقَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ (بخاری ص۵۹)

قرآن حکیم کی ایک سورت کا نام سورۃ الاحزاب بھی ہے۔ اسی میں غزوہ احزاب کا تذکرہ ملتا ہے۔ جسکی تفصیل درج کی جاتی ہے۔

قرآنی مضمون

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا۔ (احزاب آیات ۹ تا ۲۷)

اے ایمان والو اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر کئی کئی لشکر چڑھ آئے تھے (یعنی کفار قریش کا لشکر قبیلہ غطفان کا لشکر اور یہود مدینہ کا لشکر) پھر ہم نے اُن پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج (فرشتوں کی) جو تم کو دکھائی نہیں دیتی تھی اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا تھا۔ جب کہ وہ لوگ تم پر آ پڑے تھے تمہارے اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی اور جبکہ آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آرہے تھے (یعنی شدید خوف کی حالت طاری ہوگئی تھی) اور تم اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کررہے تھے (یعنی وسوسہ میں مبتلا ہورہے تھے)

اس موقع پر مسلمانوں کا پورا امتحان لیا گیا اور وہ سخت زلزلہ میں ڈالے گئے۔

اور جبکہ منافقوں نے اور اُن لوگوں نے جن کے دلوں میں مرضِ نفاق ہے یوں کہنا شروع کیا تھا کہ ہم سے اللہ اور اُس کے

رسول نے تو محض دھوکہ کا ہی وعدہ کر رکھا ہے۔

اور یہ اسوقت ہوا جب اُن میں سے ایک گروہ نے کہا (یعنی منافقین) اے یثرب (مدینہ) کے لوگو تمہارے ٹھیرنے کا موقع نہیں ہے سو اپنے گھروں کو واپس ہو جاؤ اور بعض لوگ اِن میں نبی سے اجازت مانگتے تھے کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ حالانکہ وہ ذرا بھی غیر محفوظ نہیں ہیں۔ یہ محض بھاگنا ہی چاہتے تھے۔ اور اگر اِن لوگوں پر مدینہ کے اطراف سے کوئی لشکر کافروں کا آگھسے پھر اِن سے فساد کی درخواست کی جائے تو یہ اسے منظور کر لیں گے اور گھروں میں بس برائے نام ہی ٹھیریں گے۔

حالانکہ یہی لوگ پہلے اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اُسکی باز پُرس ہوگی۔

اے نبی آپؐ کہہ دیجئے تمہیں بھاگنا کچھ بھی نفع نہیں دے سکتا اگر تم موت یا قتل سے بھاگتے ہو اور اس سے نفع بھی حاصل نہیں کر سکتے بجز چند روز کے (یعنی عمر کا بقیہ حصہ)

آپؐ کہہ دیجئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچاوے؟ اگر اللہ تمہارے ساتھ بُرائی کرنا چاہے یا اسکو روک سکے جب وہ تم پر فضل کرنا چاہے؟ اور وہ لوگ اللہ کے سوا نہ اپنا کوئی حمایتی پائیں گے اور نہ مددگار۔ اور اللہ تم میں سے اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو روکنے والے ہوتے ہیں اور جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آجاؤ اور یہ لوگ تو لڑائی میں بس نام ہی کو آتے ہیں۔

تمہارے حق میں بخیل ہو کر (انھیں یہ گوارا ہی نہیں کہ مسلمانوں کو مالِ غنیمت ملے) پھر جب کوئی خطرہ پیش آتا ہے تو آپؐ ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپؐ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ اُن کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو۔ پھر جب وہ خطرہ دور ہو جاتا ہے تو تم کو تیز زبانوں سے طعنہ دیتے ہیں مالِ غنیمت پر حرص کئے ہوئے

(مالِ غنیمت لینے کے لئے مسلمانوں سے دلخراش باتیں کرتے ہیں مثلاً یہ کہ ہماری وجہ سے تم کو فتح ہوئی ہے وغیرہ وغیرہ) یہ لوگ ایمان نہیں لائے چنانچہ اللہ نے اُن کے اعمال بیکار کر رکھے ہیں (یعنی ظاہری اطاعت تک کا اجر نہیں ملا) اور یہ بات اللہ کے لئے آسان ہے۔ ان منافقوں کا خیال ہے کہ لشکر ابھی تک گئے نہیں ہیں (اُن کی بزدلی کا یہ حال کہ فوج چلی بھی گئی اور یہ ابتک اُس کے ڈر سے دبے سہمے ہوئے ہیں) اور اگر یہ لشکر آپڑیں تو یہ لوگ یہ چاہیں گے کاش ہم دیہاتوں میں باہر جا رہتے اور وہیں سے تم لوگوں کی خبریں پوچھتے رہتے اور اگر تم ہی میں رہیں تو جب بھی برائے نام ہی لڑیں۔

رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ تمہارے لئے موجود ہے۔ یعنی اُس کے لئے جو ڈرتا ہو اللہ اور روزِ آخرت سے اور ذکرِ الٰہی کثرت سے کرتا ہو۔

اور جب اہلِ ایمان نے لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے یہی وہ موقع ہے جس کی ہمیں اللہ اور اُسکے رسول نے خبر دی ہے۔ اور اللہ اور اُس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کے ایمان و طاعت میں ترقی ہی ہوئی اہلِ ایمان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ اُنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اُس میں سچے اُترے۔ سو اُن میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور کچھ اُن میں کے راستہ دیکھ رہے ہیں اور اُنھوں نے ذرا فرق نہ آنے دیا۔

یہ اس لئے ہوا تاکہ اللہ سچوں کو بدلہ دے انکی سچائی کا اور منافقین کو چاہے تو عذاب دے یا چاہے تو اُن کو توبہ کی توفیق دے بیشک اللہ بڑا مغفرت والا نہایت رحم والا ہے۔

اور اللہ نے کافروں کو اُس غصہ میں بھرا ہوا لوٹا دیا کہ اُن کے کچھ بھی ہاتھ نہ لگا (محاصرۂ مدینہ سے ناکام واپس ہونا پڑا) اور بیشک اللہ اہلِ ایمان کے لئے جنگ میں کافی ہو گیا اور اللہ تو ہے ہی بڑی قوت والا زبردست۔

اور جن اہل کتاب (یہودیوں) نے ان کافروں کی مدد کی تھی اللہ نے انھیں ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور اُن کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھا دیا۔ پھر بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کر لیا اور تمہیں مالک بنا دیا ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا اور اُن کے مال کا اور اُس زمین کا بھی جس پر تم نے ابتک قدم نہیں رکھا اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔
(اشارہ ہے قبائل یہود کی اُن زمینوں اور جائداد کا جو چند دنوں بعد مسلمانوں کے قبضے میں آگئیں)

ضروری نوٹ :۔ آخری آیت میں غزوہ بنی قریظہ کی جانب اشارہ ہے۔

بنو قریظہ مدینہ کے قریب یہودیوں کا ایک طاقتور قبیلہ تھا جس نے اسلام اور مسلمانوں سے اتحاد کا عہد کیا تھا۔ پھر جب مکّہ کے کفار مدینہ پر حملہ کرنے آئے تو انھوں نے عہد توڑ کر کافروں کا ساتھ دیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق سے فارغ ہوکر نماز فجر کے بعد مدینہ واپس ہوئے آپؐ اور صحابۂ کرام نے ہتھیار اُتار دیئے۔ جب ظہر کا وقت آیا تو جبرئیل امین ایک خچر پر سوار عمامہ باندھے ہوئے تشریف لائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوکر فرمایا کیا آپؐ نے ہتھیار اُتار دیئے ؟

آپؐ نے فرمایا ہاں! اسپر جبرئیل امین نے کہا فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار نہیں اُتارے ہیں اور نہ وہ واپس ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بنی قریظہ کی جانب حملہ کرنے کا حکم دیا ہے اور میں خود بھی بنی قریظہ کی جانب جارہا ہوں اور جاکر اُن کو متزلزل کرتا ہوں۔

(ابن ہشام ج ۲ ص ۱۲۵)

جبرئیل امین روانہ ہوگئے ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو فوری کوچ کرنے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ کوئی شخص بھی سوائے بنو قریظہ کے

اور کہیں راہ میں نماز عصر نہ پڑھے۔
پچیس دن تک بنی قریظہ کا محاصرہ کیا گیا آخر وہ صلح پر آمادہ ہو گئے اور کہلا بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم دیں گے وہ ہمیں منظور ہے۔ آپؐ نے حضرت سعد بن معاذ رضؓ کو مقرر کیا کہ وہ فیصلہ کریں؛ چنانچہ بنو قریظہ نے بھی ان کو پسند کیا۔

حضرت سعد بن معاذ رضؓ نے یہ فیصلہ دیا کہ اُن میں کے لڑنے والوں یعنی مردوں کو قتل کیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور ان کا مال و جائداد مسلمانوں میں تقسیم کر دی جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فیصلہ پر ارشاد فرمایا اے سعدؓ تو نے اللہ کے منشاء کے مطابق فیصلہ کیا ہے؛ چنانچہ تمام بنی قریظہ کو گرفتار کر کے مدینہ لایا گیا اور فیصلہ چکا دیا گیا۔ (احزاب آیت ۲۷)

حضرت جابر رضؓ سے روایت ہے کہ ان گرفتار شدگان کی جملہ تعداد چار سو تھی۔ (ترمذی، نسائی)

شہدائے غزوۂ احزاب:- اس غزوہ میں مشرکین کے تین آدمی قتل ہوئے اور مسلمانوں میں چھ افراد شہید ہوئے۔

(۱) سعد بن معاذ رضؓ (۲) انس بن اویس رضؓ (۳) عبداللہ بن سہل رضؓ (۴) طفیل بن نعمان رضؓ (۵) ثعلبہ بن عنمہ رضؓ (۶) کعب بن زید رضؓ۔

لیکن مؤرخ حافظ دمیاطی نے دو نام اور شمار کئے ہیں۔

(۱) قیس بن زید رضؓ (۲) عبداللہ بن ابی خالد رضؓ۔ واللہ اعلم۔

نتائج و عبر

نبوّت اور بادشاہت

غزوۂ خندق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مخلص رفقار کے ساتھ بھوک و پیاس کی شدت میں خندق کھودنے اور مٹی منتقل کرنے میں برابر کا حصّہ لے رہے تھے۔

دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ آپؐ سر سے پیر تک گرد آلود ہو رہے ہیں۔ دُنیاوی بادشاہ اور نبی و رسول اعظمؐ کی عملی زندگی میں یہ واقعہ کسقدر واضح فرق ظاہر کرتا ہے۔

دونوں کی عملی زندگی میں کتنا تضاد ہوتا ہے اور ایسے نازک وقت پر ایک بادشاہ کا کیا کردار ظاہر ہوتا ہے تاریخ میں ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہر دور میں آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔

رسول اکرمؐ کا ایک سپاہی کے دوش بدوش ادنیٰ سے ادنیٰ کام انجام دینا آپکے اخلاق و کردار کی وہ بلند مثال ہے جس سے شاہانِ عالم کی زندگیاں خالی نظر آتی ہیں۔

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہمارے بزمِ خیال میں نہ دوکانِ آئینہ ساز میں

اخلاص کی بلندی

حضرت سعد بن معاذ رضؓ غزوۂ خندق میں شدید زخمی ہو گئے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قیام کیلئے مسجد نبوی کے ایک حصّے میں خیمہ لگا دیا تھا تاکہ وقتاً فوقتاً انکی عیادت کی جا سکے۔ بنی قریظہ کی عہد شکنی پر ان کے مستقبل کا فیصلہ حضرت سعد بن معاذ رضؓ ہی کے حوالہ کیا گیا تھا۔

حضرت سعدؓ نے اِن دشمنانِ اسلام کے بارے میں یہ فیصلہ دیا کہ قبیلہ کے مرد قتل کر دیئے جائیں اور عورتیں اور بچے قید کر لئے جائیں اور ان سب کا مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

اسکے بعد حضرت سعدرضؓ نے یہ دُعا مانگی :۔

"اے اللہ! آپ کو خوب معلوم ہے کہ مجھکو اس سے زیادہ اور کوئی چیز محبوب نہیں کہ اُس قوم سے جہاد کروں جس قوم نے آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اور ان کو حرم مکّی سے نکالا۔ اے اللہ! میں نیک گمان کرتا ہوں کہ آپ نے ہمارے اور ان کے درمیان لڑائی ختم کر دی ہے۔ پس اگر قریش سے ابھی لڑنا باقی ہے تو مجھکو زندہ رکھ تاکہ آپ کی راہ میں اُن سے جہاد کروں اور اگر آپ نے لڑائی ختم کر دی ہے تو میرے اس زخم کو جاری فرما دے اور اسی کو میری شہادت کا ذریعہ بنائیے۔"

دُعا کا ختم کرنا ہی تھا کہ زخم جاری ہوگیا اور اسی میں وفات پائی۔

• حضرت جابر بن عبد اللہ رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ سعد بن معاذ رضؓ کی موت پر عرشِ عظیم دَھل گیا۔ (بخاری)

ایک اور روایت ہے کہ آسمان کے تمام دروازے ان کے لئے کھول دیئے گئے اور آسمانوں کے فرشتے ان کی روح کے چڑھنے سے مسرور ہوئے۔ (فتح الباری)

اور ستّر ہزار فرشتے ان کے جنازے میں شریک ہوئے جو اس سے پہلے کبھی آسمان سے نازل نہ ہوئے تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص۱۲۸)

کتاب روض الانف میں یہ اضافہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ ان کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ (روض الانف ج ۲ ص۱۹۳)

واللہ اعلم

توبہ کی عظیم مثال

حضرت ابو لُبابہ بن عبد المنذر رضؓ ایسے صحابیِ رسول ہیں جن کے تعلقات اور معاہدات یہود کی آبادی بنو قریظہ سے قائم تھے۔ جب بنی قریظہ پر حملہ کیا گیا تو یہ لوگ اپنے مضبوط قلعوں میں پناہ لے لئے تھے۔ پچیس (۲۵) دن تک ان کے قلعوں کا محاصرہ کیا گیا یہ لوگ مجبور اور بے بس ہوگئے۔ ان کے سردار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ درخواست روانہ کی کہ آپؐ حضرت ابو لبابہ رضؓ کو ہمارے

پاس بھیج دیجئے تاکہ ہم اُن سے مشورہ کرکے آپکو اپنے فیصلہ کی اطلاع دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولبابہ رضؓ کو روانہ کردیا جب یہ اُن کے قلعوں میں پہنچے تو سب یہودی جمع ہوگئے۔ عورتیں اور بچے ان کو دیکھ کر رونے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت ابولبابہ رضؓ کا دل بھر آیا۔ بنی قریظہ نے جب اِن سے یہ دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو ہم قبول کرلیں ؟

حضرت ابولبابہ رضؓ نے کہا بہتر یہی ہے۔ لیکن حلق کی جانب اشارہ کرکے بتایا کہ تم سب لوگ قتل بھی کئے جاؤگے۔

حضرت ابولبابہ رضؓ اپنی جگہ سے ہٹنے بھی نہ پائے تھے کہ فوراً احساس ہوا کہ میں نے اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ خیانت کی ہے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز میں نے ظاھر کر دیا ہے) سیدھے وہاں سے مسجد نبوی پہنچے اور اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ لیا۔ (آج یہ مقام مسجد نبوی کے حصے ریاض الجنۃ میں اُسطوانہ ابی لبابہ رضؓ کے نام سے معروف ہے) اور قسم کھائی کہ جب تک اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہ فرمائے اُس وقت تک اس جگہ سے نہ ہٹوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اسکی خبر ہوئی تو ارشاد فرمایا اگر ابولبابہ رضؓ سیدھے میرے پاس آجاتا تو میں اُس کے لئے دُعائے مغفرت کردیتا لیکن وہ ایسا کام کر گزرا ہے کہ میں اُس کو اپنے ہاتھ سے نہ کھولوں گا جب تک کہ اللہ تعالےٰ اس کی توبہ قبول نہ فرمائے۔

حضرت ابولبابہ رضؓ مسجد کے ستون سے بندھے رہتے تھے صرف نماز اور قضائے حاجت کے لئے کھول دیئے جاتے تھے۔ کھانا پانی بھی بند کرلیا تھا۔ لوگوں کے پوچھنے پر کہتے تھے کہ میں اسی طرح رہوں گا یا مرجاؤں یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمالیں۔ چھ دن کے بعد ان کی توبہ نازل ہوئی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ اُم سلمہ رضؓ کے مکان میں آرام فرما تھے۔ سحر کا وقت تھا آپؐ نے ارشاد فرمایا جبرئیل امین نے اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ نے ابولبابہ رضؓ کی توبہ قبول کرلی ہے۔ حضرت ام سلمہ رضؓ نے آپؐ کی اجازت سے ابولبابہ رضؓ کو یہ بشارت سُنائی اور مبارکباد دی۔ صحابہ کرام دوڑے کہ اِن کو ستون سے کھول دیں۔

ابولبابہ رضؓ نے کہا میں قسم کھاچکا ہوں کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے نہ کھولیں گے اُس وقت تک میں بندھا رہوں گا۔ چنانچہ جب آپؐ فجر کی نماز کے لئے مسجد تشریف لائے تو اپنے دستِ مبارک سے اِن کو کھولا۔

سورۂ انفال کی آیت نمبر ۲۷، ۲۸ اسی واقعہ پر نازل ہوئی ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ الخ

اے ایمان والو جانتے بوجھتے اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ
خیانت نہ کرو۔ اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب نہ ہو۔
اور یاد رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں سامانِ
آزمائش ہے اور اللہ کے پاس اجر وصلہ دینے کے لئے بہت کچھ ہے۔

عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خیانت مال و دولت ہی میں ہوتی ہے اور اس میں بیجا تصرف کرنے کو خیانت کہا جاتا ہے (یہ ایک حقیقت بھی ہے) لیکن آیت مذکورہ نے مزید اس کی یہ بھی تشریح کی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام اور منشاء کے خلاف کرنا بھی خیانت ہے۔ کیونکہ ایمان لاکر یہ عہد کیا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات پر عمل کروں گا۔ پھر اگر ان تعلیمات کے خلاف کیا تو یہ صریح خیانت ہو گی۔ زبان سے تو اپنے آپ کو مسلمان کہیں اور کام کافروں کے کریں۔ حضرت ابو لبابہ رضؓ نے راز کا افشا کر دیا جو منشار رسول کے خلاف تھا اسی پر آیت نازل ہوئی اور اسکو خیانت قرار دیا گیا۔

حدیث میں یہ حقیقت اور واضح کی گئی :-

اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ (الحدیث)

جس سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ بات کا امین و محافظ ہوتا ہے۔

یعنی مشورہ کی بات کو بغیر اجازت کسی دوسرے سے بیان نہ کی جائے۔ مشورہ کی بات امانت ہوا کرتی ہے۔

صُلح حُدیبیہ

واقعۂ حُدیبیہ حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے جس کے متصل ایک گاؤں آباد تھا جو اسی نام سے مشہور ہوا۔ آجکل اس کا نام شُمیسی ہے۔

مکہ مکرمہ سے اس کا فاصلہ تقریباً ۱۳ میل ہے۔ یہ بستی قدیم شاہراہ جدہ پر واقع ہے۔

مورخ طبری کہتے ہیں کہ اس کا اکثر حصہ حدودِ حرم میں داخل ہے

باقی حِل میں (خارجِ حرم اور داخل میقات) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ایک دن خواب دیکھا کہ آپؐ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ معظمہ میں امن کے ساتھ داخل ہو کر عمرہ ادا کر رہے ہیں اور عمرہ کے بعد بعض اصحاب نے سر منڈالیا اور بعض نے بال ترشوائے۔ نبی و رسول کا خواب چونکہ وحی کی ایک قسم ہوتی ہے اس لئے یہ خواب فقط خواب و خیال نہ تھا بلکہ خداوندی اشارہ تھا جس کی پیروی نبی اور مسلمانوں کو کرنی ضروری ہوتی ہے۔ چنانچہ سورہ الفتح کی آیت ۲۷ میں اللہ تعالےٰ نے خود توثیق کر دی کہ یہ خواب ہم نے اپنے رسول کو دکھایا تھا۔

مکہ مکرمہ میں داخلہ کے بظاہر اسباب موجود نہ تھے کیونکہ قریشِ مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لئے تقریباً آٹھ سال سے بیت اللہ کا داخلہ بند کر دیا تھا اور اس پوری مدت میں کسی مسلمان کو انھوں نے حج یا عمرہ کرنے کا موقعہ نہ دیا تھا۔ ان حالات میں کوئی شخص یہ نہ سمجھ سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اس اشارے پر کیونکر عمل کرنیکا موقع ملیگا؟ مگر رسول و نبی کی شان اس سے بالکل مختلف ہوتی ہے وہ اللہ کے حکم و منشاء پر عمل کرنے کے لئے دنیاوی اسباب کا سہارا نہیں لیتے۔ وہ بے خوف اور بغیر اندیشہ اسپر عمل شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے صحابہ کو اپنا یہ خواب سُنایا اور سفر کی تیاری شروع کر دی۔ زیارت بیت اللہ کے شوق نے سب کو بے چین و بے تاب کر دیا۔

پہلی ذوالقعدہ ۶ھ دوشنبہ کے دن آپ بقصد عمرہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ آس پاس کے قبائل میں بھی آپؐ نے اعلان کروا دیا کہ ہم عمرہ ادا کرنے مکہ معظمہ جا رہے ہیں جو ہمارے ساتھ چلنا چاہے وہ آجائے۔ چنانچہ تقریباً پندرہ سو مہاجرین وانصارِ مدینہ کا قافلہ آپؐ کے ہمراہ ہو گیا۔ مقام ذُوالحلیفہ (جسکو آجکل بئرعلی کہا جاتا ہے اور مدینہ منورہ کے حاجی اسی مقام سے حج اور عمرہ کا احرام باندھتے ہیں) پہنچکر آپؐ نے اور آپ کے اصحاب نے عمرہ کا احرام باندھا اور قربانی کے

تقریباً ستر اونٹ ساتھ لئے جن کی گردنوں میں قربانی کے جانور کی علامت کے طور پر قلاوے ڈالے گئے۔ اس طرح یہ مقدس قافلہ لبیک لبیک کی صدائیں بلند کرتا ہوا بیت اللہ کی جانب چل پڑا۔ چونکہ جنگ کا ارادہ قطعاً نہ تھا اس لئے کسی قسم کا سامان حرب وضرب ساتھ نہ تھا، صرف اُسی قدر ہتھیار ساتھ تھے جو ہر مسافر کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔
(فتح الباری وطبقات ابن سعد ج ۲ ص ۶۹)

درمیان راہ آپؐ نے ایک شخص کو مخبر کی حیثیت سے آگے روانہ کر دیا تاکہ قریشِ مکہ کے ارادوں اور اُن کی نقل وحرکت سے آپ کو مطلع کرتا رہے۔ مقام عُسفان پر اُس مخبر نے آپ کو یہ اطلاع دی کہ قریشِ مکہ نے پوری جنگی تیاری کے ساتھ مقام ذی طُویٰ میں اپنا پڑاؤ ڈال دیا ہے اور خالد بن ولید کو (جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے) دو سو سواروں کیساتھ آگے بھیج دیا ہے تاکہ وہ آپ کا راستہ روکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اطلاع پاتے ہی اپنا راستہ بدل دیا اور ایک دشوار گزار راستے سے مشقت اٹھا کر مقام حدیبیہ پر پہنچ گئے جو حدودِ حرم کی سرحد پر واقع تھا۔ اس مقام سے جب آپ نے اپنی اونٹنی کو مکہ مکرمہ کی جانب موڑنا چاہا تو وہ بیٹھ گئی۔ صحابہ نے اُسکو اٹھانا چاہا مگر اونٹنی اپنی جگہ سے نہ اُٹھی۔ بعض لوگوں نے یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ اونٹنی نافرمان ہوگئی ہے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا یہ اسکی عادت نہیں ہے بلکہ اسکو اسی اللہ عزوجل نے روک دیا ہے جس نے ابرہہ کے ہاتھی کو آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ پھر آپؐ نے فرمایا قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ اگر قریش مکہ مجھ سے کسی ایسے امر کی درخواست کریں جس میں شعائر اللہ کی تعظیم ہوتی ہو تو میں اُس کو ضرور منظور کر لوں گا۔ یہ کہہ کر آپؐ نے ایک کنویں کے پاس قیام کیا پیاس کی شدت تھی اور پانی قلیل مقدار میں تھا جو کھینچ لیا گیا۔ صحابہ نے صورتِ حال بیان کی آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر اُس کنویں

میں گاڑ دیا۔ اُسی وقت پانی اس قدر جوش مارنے لگا کہ تمام لشکر سیراب ہوگیا۔ حدیبیہ پہنچکر آپؐ نے خراش بن اُمیہ خزاعی رضؓ کو بطور سفیر مکہ مکرمہ روانہ کیا تاکہ قریش سے بات کریں اور انھیں واضح طور پر بتادیں کہ مسلمانوں کا یہ قافلہ صرف اور صرف بیت اللہ کی زیارت کے لئے آیا ہے جنگ کے لئے نہیں۔ لیکن اہل مکہ نے حضرت خراش رضؓ کے ساتھ بُرا سلوک کیا اور اُن کے اونٹ کو ذبح کر دیا۔ حضرت خراش رضؓ اپنی جان بچا کر حدیبیہ واپس آگئے اور واقعہ بیان کیا، پھر آپؐ نے مشورہ فرمایا اور طے یہ پایا کہ حضرت عثمانؓ کو مکہ روانہ کیا جائے۔ حضرت عثمان رضؓ جب مکہ میں داخل ہوئے تو سرداران قریش سے گفتگو کی اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ صرف بیت اللہ کی زیارت کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب لوگ احرام میں ہیں اور ساتھ سامان حرب وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے۔ لہذا تم کو روکنا مناسب نہیں ہے۔

لیکن اہل مکہ نے ایک بات نہ مانی اور صاف جواب دے دیا کہ اس سال تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسلمان مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ البتہ اگر تم چاہو تو بیت اللہ کا طواف کرلو

حضرت عثمان رضؓ نے جواب دیا یہ تو میں ہرگز کر نہیں سکتا میں بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کبھی طواف نہ کروں گا۔ قریش نے حضرت عثمان رضؓ کا یہ جرأت مندانہ جواب سنکر اُنہیں روک لیا۔ کسی شریر نے یہ افواہ پھیلادی کہ حضرت عثمان رضؓ قتل کر دیئے گئے۔

بیعتُ الرضوانْ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر ملی تو آپؐ بے چین ہوگئے اور اپنے اصحاب میں اعلان کر دیا کہ جب تک میں عثمانؓ کا بدلہ نہ لوں واپس نہ ہوں گا۔ اس وقت آپ حدیبیہ میں کیکر کے درخت کے نیچے تشریف فرما تھے۔ اپنے اصحاب کو طلب فرمایا اور "بیعت علی الموت" یعنی ہر ایک سے اللہ کی

راہ میں شہید ہو جانے کا اقرار لیا۔ اس بیعت نے صحابہ میں ایسا جوش وخروش پیدا کر دیا کہ کوئی بھی پیٹھ پھیرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ شُدہ شُدہ یہ خبر مکہ مکرمہ پہنچی، مشرکین مکہ بہت گھبرائے اور خوفزدہ ہو کر مسلمانوں تک یہ خبر پہنچائی کہ قتلِ عثمان رضؓ کی اطلاع غلط ہے اور حضرت عثمان رضؓ کو واپس کر دیا۔

چونکہ جہاد کی یہ بیعت بہت ہی نازک اور اہم موقع پر لی گئی تھی اور صحابہ کرام نے پورے عزم و حوصلے اور جذبۂ ایثار کے ساتھ اقرار کیا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اِن کی اس جانثاری اور فداکاری کی قدر و منزلت فرمائی اور اِن سب کو اپنی رضا و خوشنودی کا پروانہ عطا فرمایا اور قرآن میں اس واقعہ کے ذکر کر کے قیامت تک کے لئے صحابہ کرام کے ایمان و اخلاص کی توثیق فرما دی۔ مشرکین مکہ کو جب اس بیعت کا علم ہوا تو مرعوب اور خوفزدہ ہو کر صلح کیلئے نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کر دیا۔ (فتح الباری ج ۷، ص ۳۴۵)

قبیلۂ خزاعہ کا سردار بُدیل بن ورقاء اور اس کے بعد عروہ بن مسعود ثقفی باری باری سے بات چیت کرنے آئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو ایک ہی جواب دیا کہ ہم صرف بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں تین دن کے اندر واپس ہو جائیں گے۔ لیکن بات تکمیل کو نہ پہنچی۔ یہ دونوں واپس ہو گئے۔ اسکے بعد قریشِ مکہ نے سُہیل بن عمرو کو صلح کی چند شرائط دے کر روانہ کیا۔ جب یہ پہنچے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کے نقطہ خیالی کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا طویل گفت و شنید کے بعد چند ایک دفعات پر دونوں جانب سے اتفاق کیا گیا۔ آپؐ نے حضرت علی رضؓ کو معاہدہ لکھنے کا حکم دیا اور سرِ ورق بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھوایا۔

معاہدہ صُلح حضرت علی رضؓ نے لکھنا شروع کیا۔ سُہیل نے کہا میں بسم اللہ الرحمٰن

الرحیم کو نہیں جانتا۔ عرب کے قدیم دستور کے مطابق بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھو۔ (اے اللہ تیرے نام سے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا یہی لکھو۔ اسکے بعد آپؐ نے فرمایا یہ لکھو:-

هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر محمد اللہ کے رسول نے صلح کی ہے۔

سُہیل نے کہا اگر ہم آپؐ کو اللہ کا رسول تسلیم کر لیتے تو پھر نہ آپؐ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ آپ سے لڑائی جاری رکھتے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا اللہ کی قسم میں اُس کا رسول ہوں اگرچہ تم لوگ میری تکذیب کرتے ہو۔ پھر آپؐ نے حضرت علی رضؓ سے فرمایا یہ الفاظ مٹا کر اُن کی خواہش کے مطابق صرف میرا نام لکھ دو۔

حضرت علی رضؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میرے ہاتھ سے یہ کیونکر ممکن ہے؟

آپؐ نے جب یہ محسوس کیا تو لفظ رسولُ اللہ کو اپنے دست مبارک سے محو کر دیا۔ اور محمد بن عبد اللہ لکھنے کا حکم فرمایا۔ (تاریخ طبری ج ۳ ص ۸۰)

حضرت علی رضؓ نے شرائط صلح لکھنا شروع کیا:-

(۱) اس سال مسلمان اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ میں داخل ہوئے بغیر ہی واپس چلے جائیں۔

(۲) آئندہ سال عمرہ کرنے کی اجازت رہے گی دو شرطوں کے ساتھ۔ پہلی یہ کہ بغیر جنگی ہتھیار مکہ میں داخل ہوں۔ دوسری شرط یہ کہ صرف تین دن قیام کر سکیں گے۔

(۳) معاہدہ کی مدت کے اندر دونوں جانب امن و عافیت کے ساتھ آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہے گا۔

(۴) اگر کوئی شخص مکہ سے اپنے ولی (ذمہ دار) کی اجازت کے بغیر مسلمان ہو کر مدینہ چلا جائے تو اُسکو مکہ واپس کرنا ہوگا۔ اور اگر مدینہ سے

کوئی شخص بھاگ آئے گا تو ہم اُس کو واپس نہیں کریں گے۔
(۵) قبائلِ عرب میں سے جو قبیلہ بھی فریقین میں سے کسی ایک کا حلیف (دوست) بن کر اِس معاہدے میں شامل ہونا چاہے تو اُسکو اختیار ہوگا۔
(۶) یہ معاہدہ دس سال تک قائم رہے گا اور کوئی فریق اس مدت میں اسکی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔

جس وقت معاہدے کی شرائط طے ہو رہی تھیں اُس وقت اسلامی فوج میں سخت اضطراب اور بے چینی پیدا ہو رہی تھی۔ کوئی شخص بھی اُن مصلحتوں کو نہیں سمجھ رہا تھا جسکو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر و فکر دیکھ رہی تھی۔ کفار قریش اسکو اپنی کامیابی سمجھ رہے تھے اور مسلمان بے تاب تھے کہ یہ صلح دب کر کیوں کی جا رہی ہے ؟

صلح نامہ ابھی لکھا ہی جا رہا تھا کہ سہیل بن عمرو (وفد مکّہ کا سردار) کے بیٹے حضرت ابو جندل رض جو مکہ میں مسلمان ہو چکے تھے اور کفار مکّہ نے انھیں قید کر رکھا تھا پا بزنجیر قید سے نکل کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حدیبیہ حاضر ہو گئے اور آپ سے فریاد کی۔ یا رسول اللہ ! اسلام لانے کی پاداش میں مشرکینِ مکہ نے مجھے بہت ستایا ہے اور مجھے قید کر رکھا ہے۔ یارسول اللہ مجھے اس مصیبت سے نجات دلائیے۔ ابو جندل رض کے پیر میں زنجیر تھی اور جسم پر مار پیٹ کے نشان تھے۔

سہیل بن عمرو نے کہا یہ پہلا شخص ہے جو عہد نامہ کے مطابق ہم کو واپس ہونا چاہیئے ؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی تو صلح نامہ پورا لکھا نہیں گیا اور نہ دستخط ہوئے ہیں۔ لہٰذا ابھی اسپر عمل ضروری نہیں ہے۔ لیکن سہیل برابر اصرار کرتا گیا۔ آخر کار آپؐ نے ابو جندل رض کو سہیل کے حوالہ فرما دیا۔ یہ منظر بڑا دل گداز تھا جبکہ ابو جندل رض نے حسرت بھرے الفاظ میں مسلمانوں کو خطاب کر کے کہا ! اے مسلمانو کیا میں اب بھی

کافروں کے حوالہ کیا جارہا ہوں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجندل رضؓ کو تسلی دی فرمایا اے ابوجندل صبر کرو اور اللہ سے امید رکھو اور یقین کرو کہ اللہ تعالےٰ عنقریب تمہارے نجات کی صورت نکالے گا۔

حضرت ابوجندل رضؓ کافروں کے حوالہ کر دیئے گئے۔ مگر عام صحابہ پر ان کی واپسی نہایت شاق گزری۔ حضرت عمرؓ فاروق جیسے مدبر بالغ النظر صحابی سے ضبط نہ ہو سکا عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپؐ اللہ کے برحق نبی نہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کیوں نہیں! پھر حضرت عمر رضؓ نے عرض کیا کیا ہم حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں؟ آپ نے فرمایا بیشک! حضرت عمر رضؓ نے کہا پھر یہ ذلت کیوں گوارہ کی جائے؟ آپ نے ارشاد فرمایا اے عمر رضؓ میں اللہ کا رسول اور نبی ہوں اُسکے حکم کے خلاف نہیں کرسکتا وہ میرا مُعین و مددگار ہے۔ حضرت عمر رضؓ نے کہا یا رسول اللہؐ کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا میں نے یہ کب کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے!

حضرت عمر رضؓ یہاں سے اُٹھے اور حضرت صدیق اکبر رضؓ کے ہاں آئے اور اُن سے بھی یہی گفتگو کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے لفظ بلفظ وہی جواب دیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوا تھا۔

حضرت عمر رضؓ فرماتے ہیں کہ بعد میں مَیں اپنی اس جرأت پر بہت نادم ہوا اور اسکے کفارہ میں بہت سی نمازیں پڑھیں اور روزے رکھے اور صدقہ وخیرات کرتا رہا اور غلام بھی آزاد کئے۔

الغرض صلح کے شرائط تحریر کئے گئے اور فریقین نے اُس پر دستخط کر دیے۔

تکمیل صلح کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ اپنے قربانی کے جانور ذبح کر دیں اور اپنا احرام بغیر طواف اُتار دیں۔ لیکن صحابہ کے قلوب اس قدر مغموم اور شکستہ خاطر تھے کہ باوجود تین بار

ارشاد فرمانے کہ کوئی شخص بھی اُٹھ نہ سکا۔ آپؐ اپنے خیمے میں جاکر اپنی زوجہ سیدہ امّ سلمہؓ سے اس غیر متوقع صورتِ حال کا ذکر کیا۔ حضرت سیدہ ام سلمہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ آپؐ کبیدہ خاطر نہ ہوں آپؐ خاموشی سے جاکر اپنا اونٹ ذبح کر دیں اور حجام کو بلواکر اپنا سر منڈ والیں۔ اسکے بعد لوگ خود بخود آپؐ کے عمل کی پیروی کریں گے اور سمجھ لیں گے کہ جو فیصلہ ہوچکا ہے وہ اب بدلنے والا نہیں ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپؐ کے عمل کو دیکھ کر صحابہ نے بھی اپنی اپنی قربانی ذبح کرلیں اور سر منڈ والیا اور احرام سے باہر ہوگئے۔
(فتح الباری ج ۵ ص۲۴۵)

حدیبیہ میں دو ہفتے قیام کرکے آپؐ مع صحابہ مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ درمیان راہ مقام کراع الغمیم پر سورہ فتح نازل ہوئی اور اس صلح کو "فتح مبین" کا خطاب دیا گیا۔

اس سورۃ کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ آج مجھ پر وہ چیز نازل ہوئی ہے جو میرے لئے دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے۔

اگرچہ اہل ایمان تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سُنکر مطمئن ہوگئے تھے مگر کچھ زیادہ مدّت نہیں گزری تھی کہ اس صلح کے فوائد ایک ایک کرکے ظاہر ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اس صلح کا فتح مبین ہونا آنکھوں سے دیکھا گیا۔

صحابہ میں حضرت ابن مسعودؓ، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت براء بن عازبؓ تینوں حضرات سے قریب قریب ایک ہی معنی میں یہ قول منقول ہے کہ:۔

"لوگ فتح مکہ کو فتح کہتے ہیں حالانکہ ہم اصل فتح صلح حدیبیہ کو سمجھتے ہیں۔" (بخاری، مسلم، مسند احمد)

قرآن حکیم نے صلح حدیبیہ اور صحابہ کی "بیعت علی الموت" کا ذکر

اور صلح کی برکات و فوائد کا بیان تفصیل سے کیا ہے :-

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا الخ (سورہ الفتح آیات ۱ تا ۲۹)

قرآنی مضمون

اے نبیؐ ہم نے آپؐ کو کھلی فتح عطا کر دی تاکہ اللہ آپؐ کی اگلی پچھلی ہر کوتاہی سے درگزر فرمائے اور آپؐ پر احسانات کی اور زیادہ تکمیل کر دے۔ اور آپؐ کو سیدھا راستہ دکھائے اور آپؐ کو زبردست نصرت بخشے۔

وہ اللہ وہی ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں تحمل پیدا کیا تاکہ اپنے پہلے ایمان کے ساتھ اُن کا ایمان اور زیادہ ہوجائے اور زمین و آسمان کے سب لشکر اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ وہ بڑا جاننے والا بڑا حکمت والا ہے۔

اُس نے یہ کام یہ اس لئے کیا ہے تاکہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ہمیشہ رہنے کے لئے ایسی جنّتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی اور تاکہ اُن کے گناہ دور کر دے اور اللہ کے نزدیک یہ بڑی کامیابی ہے۔

اور اُن منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے جو اللہ کے متعلق بُرے گمان رکھتے ہیں اُن پر بُرا وقت آنے والا ہے اور اللہ اُن پر غضبناک ہوگا اور اُنہیں رحمت سے دور کر دے گا اور اُن کے لئے جہنم تیار رکھی ہے اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔

اور زمین و آسمانوں کے لشکر اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور اللہ بڑا زبردست حکمت والا ہے۔

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم کو شہادت دینے والا اور بشارت دینے والا اور خبردار کر دینے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اُسکے رسول پر ایمان لاؤ اور اُس کے دین کی مدد کرو

اور اُسکی تعظیم کرو اور صبح و شام اُسکی تسبیح کرتے رہو۔
(اے نبیؐ) جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔ لہذا جو کوئی عہد توڑے گا تو اُسکے عہد توڑنے کا وبال اُسی پر پڑے گا اور جو کوئی اُس عہد کو پورا کرے گا جو اُس نے اللہ سے کیا ہے۔ اللہ عنقریب اس کو بڑا اجر عطا فرمائے گا۔
(اے نبی) جو دیہاتی اس سفر (حدیبیہ) میں پیچھے رہ گئے تھے وہ عنقریب آکر آپؐ سے کہیں گے ہم کو ہمارے مال اور بال بچوں کی فکر نے مشغول کر رکھا تھا۔ لہذا آپؐ ہمارے لئے مغفرت کی دُعا فرمائیں۔ یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں۔
اے نبی آپؐ ان سے کہہ دیجئے وہ کون ہے جو اللہ کے مقابلہ میں تمہارے لئے کسی چیز کا بھی اختیار رکھتا ہے ؟ اگر اللہ تمہیں کچھ نقصان پہنچانا چاہے یا کوئی نفع پہنچانا چاہے ؟
نہیں بلکہ اللہ ہی تمہارے سب اعمال سے خوب باخبر ہے۔ دگر اصل بات وہ نہیں جو تم کہہ رہے ہو، بلکہ تم نے یوں سمجھا کہ رسول اور مومنین اپنے گھر والوں میں ہرگز پلٹ کر نہ آسکیں گے اور یہ خیال تمہارے دلوں کو بہت بھلا لگا اور تم نے بہت بُرے گمان کئے اور تم برباد ہونے والے لوگ ہوگئے۔ اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان نہ لایا سو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا مالک اللہ ہی ہے جسے چاہے معاف کردے اور جسے چاہے سزا دے اور وہ غفور و رحیم ہے۔
اور یہ پیچھے رہ جانے والے عنقریب جب تم مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لئے جانے لگو گے تو تم سے یہ لوگ ضرور کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے فرمان کو بدل دیں۔ ان سے صاف کہہ دینا کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔

اللہ پہلے ہی یہ فرما چکا ہے۔ یہ کہیں گے کہ نہیں بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کر رہے ہو۔ (حالانکہ بات حسد کی نہیں ہے) اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ بہت کم ہی بات سمجھتے ہیں۔

آپؐ اِن پیچھے رہ جانے والوں (منافقوں) سے کہہ دیجئے کہ عنقریب تم ایسے لوگوں سے لڑنے کے لئے بلائے جاؤگے جو بڑے زورآور ہیں تم کو ان سے جنگ کرنی ہوگی یا پھر وہ مطیع و فرمانبردار ہوجائیں۔ اُس وقت اگر تم نے حکم جہاد کی پیروی کی تو اللہ تمہیں اچھا اجر دے گا۔ اور اگر تم پھر اُسی طرح مُنہ موڑ دیئے جس طرح پہلے موڑ چکے ہو تو اللہ تم کو دردناک عذاب دے گا۔

کوئی گناہ نہ اندھے پر ہے اور نہ لنگڑے پر ہے اور نہ بیمار پر (جبکہ یہ لوگ جہاد نہ کریں) اور جو کوئی اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ اُسے ان جنتوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں اور جو کوئی روگردانی کریگا اُسے وہ دردناک عذاب دے گا۔

بیشک اللہ خوش ہوا اُن مسلمانوں سے جبکہ وہ آپ سے درخت کے نیچے بعیت کر رہے تھے سو اللہ کو اُن کے دلوں کا حال معلوم تھا اس لئے اُس نے اُن پر اطمینان نازل کیا اور اُن کو انعام میں ایک قریبی فتح بخشی اور بہت سا مال غنیمت اُنھیں عطا کر دیا جسے وہ عنقریب حاصل کریں گے اور اللہ بڑا زبردست حکمت والا ہے (اشارہ فتح خیبر کی جانب ہے جو یہودیوں کا دولت مند شہر تھا)

اللہ تم لوگوں سے بکثرت اموال غنیمت کا وعدہ کرتا ہے جنہیں تم حاصل کروگے سو اُس نے اِن میں سے یہ فتح تم کو فوری دیدی اور دشمنوں کے ہاتھ تمہارے خلاف اُٹھنے سے روک دیئے تاکہ یہ بات مومنوں کے لئے ایک نشانی بن جائے اور تاکہ اللہ سیدھے راستے کی طرف تمہیں ہدایت بخشے۔

اسکے علاوہ دوسری ایک اور فتح کا بھی وہ تم سے وعدہ

کرتا ہے جن پر تم ابھی تک قادر نہیں ہوئے ہو اللہ اُسے احاطۂ قدرت میں لئے ہوئے ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (یعنی فتح مکہ)

اور اگر تم سے یہ کافر (یہود خیبر) لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے پھر نہ انھیں کوئی یار ملتا نہ مددگار۔ یہ اللہ کی سنت ہے جو پہلے سے چلی آرہی ہے اور تم اللہ کی سُنت (دستور) میں کوئی تبدیلی نہ پاؤگے۔ وہ اللہ وہی تو ہے جس نے مکہ کی وادی میں اُن کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ اُن سے روک دیئے۔ حالانکہ وہ اُن پر تم کو غلبہ عطا کر چکا تھا اور جو کچھ تم کر رہے تھے اللہ اُسے دیکھ رہا تھا (یعنی صلح حدیبیہ کی جانب اشارہ ہے۔ حدیبیہ کو بطن مکہ کہا گیا ہے)

یہ وہی لوگ تو ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام (بیت اللہ) سے روکا اور قربانی کے اونٹوں کو اُن کی جگہ (حدود حرم) میں پہنچنے نہ دیا۔ اور اگر مکہ میں ایسے مومن مرد اور مومن عورتیں موجود نہ ہوتے جنھیں تم نہیں جانتے تھے اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لاعلمی میں تم انہیں پامال کر دوگے پھر اس سے تم پر حرف آئے گا (تو جنگ نہ روکی جاتی اور مکہ بھی فتح ہو جاتا لیکن جنگ روکی گئی) تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے۔ اور اگر مکہ کے یہ بے بس مسلمان وہاں سے الگ ہو گئے ہوتے تو اہل مکہ میں سے جو کافر تھے اُن کو ہم ضرور سخت سزا دے دیتے۔ (یعنی یہ تھی وہ مصلحت جسکی بنا پر اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ میں جنگ نہ ہونے دی)

(یہی وجہ ہے کہ) جب ان کافروں نے اپنے دلوں میں عصبیت بٹھا لی جاہلی عصبیت تو اللہ نے اپنے رسولؐ اور ایمان والوں پر صبر و تحمل نازل فرمایا اور اللہ نے انھیں تقوی کی بات پر قائم رکھا اور وہ اسکے مستحق بھی ہیں اور اہل بھی اور اللہ تو ہر شئے کا پورا علم رکھتا ہے۔

فی الواقع اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا تھا جو ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق تھا۔ انشاء اللہ تم مسجد حرام (بیت اللہ شریف) میں پورے اطمینان وامن کے ساتھ داخل ہوگے۔ تم میں کوئی سر منڈاتا ہوگا اور کوئی

بال کترا تا ہوگا، کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا۔ سو اللہ تعالیٰ کو وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں۔ اس لئے وہ خواب پورا ہونے سے پہلے اُس نے یہ قریبی فتح دے دی (یعنی خیبر کی فتح)

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اُس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کی صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں آپس میں مہربان ہیں۔ (اے مخاطب) تو اُنھیں دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں۔ اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ اُن کے آثار سجدہ کی تاثیر سے اُن کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ یہ اُن کے اوصاف کتاب تورات میں ہیں اور کتاب انجیل میں اُنکی مثال یوں دی گئی جیسے کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی پھر اُس کو قوی کیا پھر وہ کھیتی اور موٹی ہوئی پھر وہ اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کاشت کرنے والوں کو خوش کرتی ہے (یہ نشو و نما صحابہ رسول کو اس نے دیا) تاکہ کافروں کو اُن سے جلائے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن صاحبوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

نتائج و عبر

اسلامی مزاج

صلح حدیبیہ کے واقعہ میں مشرکینِ مکّہ کی جانب سے بات چیت کرنے جو سردار آپ کی خدمت میں آئے تھے اُن میں عُروہ بن مسعود ثقفی بھی شامل ہے جس کو قریشِ مکّہ نے اپنا سفیر بنا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا تھا، عُروہ جب کبھی کوئی بات کرتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی کو ہاتھ لگاتے (جو اُس زمانے میں احترام کی علامت تھی) حضرت مغیرہ بن شعبہ (عروہ کے بھتیجے) جنگی لباس میں ملبوس تلوار ہاتھ میں لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر کھڑے تھے بارگاہ نبوی میں اپنے چچا کی یہ جرأت برداشت نہ کی فوراً کہا اپنا ہاتھ رسول اللہ علیہ وسلم کی داڑھی سے ہٹائیے کسی مشرک کو زیبا نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ لگائے۔

اسکے بعد عروہ بن مسعود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی حُسنِ عقیدت اور اخلاص وجاں نثاری کا ایسا عجیب وغریب منظر دیکھا جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ وہ یہ کہ جب آپؐ کسی صحابی کو کوئی حکم دیتے تو ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ میں اسکو پورا کروں۔ جب آپ کے دہن مبارک سے تھوک یا بلغم نکلتا تو وہ زمین پر گرنے نہیں پاتا تھا۔ آپؐ کے اصحاب اسکو اپنے ہاتھوں میں لے لیتے، جب آپؐ وضو فرماتے تو یہی حال ہوتا تھا کہ وضو کا پانی زمین پر گرنے نہیں پاتا تھا۔ جب آپ کوئی کلام فرماتے تو ایک سناٹا سا ہو جاتا تھا گویا ہر شخص سراپا گوش ہے، ہر ایک کی نگاہیں نیچی ہو جاتی ہیں۔

عروہ جب آپؐ کے پاس سے واپس ہوئے تو قریش سے

جاکر کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی قسم میں نے قیصر روم اور ایران کے کسریٰ اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے دربار دیکھے ہیں مگر ایسی عقیدت اور محبت و تعظیم کا یہ عجیب و غریب منظر کہیں نہیں دیکھا ہے۔ محمد بادشاہ نہیں لیکن بادشاہوں سے بڑی شان رکھتے ہیں۔ (زرقانی ج ۲ ص ۱۹۲)

پوشیدہ حکمت اور برکاتِ صلح

جس وقت معاہدے کی شرائط طے ہو رہی تھیں صحابہ کرام میں عام بے چینی اور اضطراب کی کیفیت طاری تھی۔ کسی کا ذہن اُن مصلحتوں اور برکات کو محسوس نہیں کر رہا تھا جنکو چشمِ نبوت دیکھ رہی تھی۔ اس صلح کے نتیجے میں جو خیر عظیم رونما ہونے والا تھا اس کا ادراک ہر ایک کی نظر سے باہر تھا۔ معاہدے کی دو باتیں خاص طور پر صبر آزما تھیں جس سے ہر ایک متاثر تھا۔

اوّل یہ کہ مکہ سے جو مسلمان بھاگ کر مدینہ جائے اسکو واپس کرنا ہوگا اور جو مسلمان مدینہ سے مکہ آجائے اُسکو ہم واپس نہیں کریں گے۔

دوسری بات یہ کہ اس سال مسلمان بغیر عمرہ ادا کئے مدینہ واپس چلے جائیں آئندہ سال صرف تین دن کے لئے مکہ آئیں اور عمرہ ادا کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری شرط کے بارے میں صحابہ سے فرمایا کہ یقیناً ہم نے مدینہ میں خواب دیکھا تھا کہ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں لیکن اسی سال ایسا ہوگا ایسی کوئی ضمانت نہیں تھی۔ انشاء اللہ آئندہ سال طواف کریں گے۔

پہلی بات اگرچہ صلح کے معاہدات میں یقیناً نامساوی شرط اور بظاہر مسلمانوں کی ذلت و شکست کا باعث نظر آرہی تھی لیکن اس شرط کے مابعد نتائج و فوائد ایسے تھے جسکو فتح مبین قرار دیا گیا۔

مشہور محدث امام زہریؒ لکھتے ہیں کہ

> اسلام میں جو عظیم الشان فتوحات شمار کی گئی ہیں اُن میں صلح حدیبیہ اسلام کی سب سے پہلی فتح عظیم ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ صلح سے پہلے کفار مکہ سے جنگ و پیکار کا سلسلہ جاری تھا کسی وقت بھی چین و امن کا موقعہ نہ تھا۔ اس صلح کی وجہ سے ہر دو فریق کو امن و اطمینان کا موقعہ ملا۔ ایک

دوسرے سے ملنے ملانے کی صورت نکل آئی اور تبادلۂ خیالات کا موقعہ فراہم ہوا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو شخص بھی اسلامی تعلیمات کو آزادی سے سُنا اُسپر اسلام کی حقانیت واضح ہوئی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ چنانچہ معاہدہ کے ان ڈیڑھ سال میں جسقدر مسلمان ہوئے اس سے پہلے اتنی بڑی تعداد مسلمان نہیں ہوئی۔"

مؤرخ ابن ہشام نے امام زہریؒ کی تائید میں یہ کھُلی شہادت پیش کی ہے کہ :-

واقعہ حدیبیہ میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تھے تو چودہ سو مسلمان آپ کے ساتھ تھے۔ اس معاہدہ کے صرف ڈیڑھ سال بعد فتح مکہ کے لئے آپؐ نے کوچ فرمایا تو دس ہزار مسلمان آپؐ کے ساتھ ہیں۔
(فتح الباری ج ۷ ص ۳۵۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی رہ لکھتے ہیں کہ :-

"صلح حدیبیہ نے فتح مکہ کے لئے راہ کھول دی تھی۔ یہ اس لئے کہ جب جنگ کا خطرہ درمیان سے جاتا رہا اور امن و اطمینان کی صورت پیدا ہو گئی تو مکہ اور مدینہ کے درمیان آمدورفت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضا اور حضرت خالد بن الولید رضا جیسے فاتحانِ اسلام کا مسلمان ہو جانا اسی صلح کے باعث ہوا۔"

اُس نامساوی اور یکطرفہ شرط کے تعلق سے جب عرض کیا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں جو شخص ہم میں کا اُن مشرکینِ مکہ سے جا ملے ہمیں اُس کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کو اپنی رحمت سے دُور پھینک دیا (اور ہم کو اُسکے شر سے بچا دیا) اور جو شخص اُن مشرکینِ مکہ سے مسلمان ہوکر ہماری طرف مدینہ آجائے گا تو اگرچہ ازروئے معاہدہ وہ واپس کر دیا جاوے لیکن اُس پر اندیشہ کرنیکی بات نہیں اللہ تعالیٰ اُس کے لئے عنقریب نجات کی کوئی صورت پیدا کر دے گا (اس طرح کفر کے ماحول میں ایک مسلمان داخل ہوکر تبلیغ اسلام کا ماحول پیدا کر دیا اور مکہ میں اسلام کی تبلیغ کا ایک قانونی موقع فراہم

ہو گیا) (صحیح مسلم)

اس سلسلے میں اس دوران ایک واقعہ پیش آیا جس نے اس پوشیدہ حکمت کو طشت از بام کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ واپس پہنچ گئے کچھ دنوں بعد مکہ سے ایک مسلمان ابوبصیرؓ نامی مشرکین مکہ کی قید و بند سے فرار ہو کر مدینہ پہنچے۔ قریش مکہ نے ان کے پیچھے دو آدمی روانہ کئے تاکہ انھیں پکڑ لائیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے از روئے معاہدہ ابوبصیرؓ کو مشرکین کے حوالہ کر دیا اور ابوبصیرؓ سے فرمایا میں خلاف عہد نہیں کرتا بہتر ہے تم مکہ واپس چلے جاؤ۔

ابوبصیرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ مشرکین مجھکو طرح طرح سے ستاتے ہیں اور مجھکو دین اسلام سے پھیرنا چاہتے ہیں۔ میں ان کے ظلم سے بڑی مصیبت میں ہوں۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا ابوبصیرؓ صبر کرو اور اللہ تعالےٰ سے امید رکھو انشاء اللہ تمہارے لئے نجات کی صورت نکل آئیگی۔ ابوبصیرؓ اُن دونوں مشرکوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ مقام ذوالحلیفہ پر پہنچے تو وہ دونوں آرام لینے کے لئے کچھ دیر ٹھیر گئے۔ ابوبصیرؓ نے ایک سے کہا کہ تمہاری تلوار بہت عمدہ معلوم ہوتی ہے یہ تم کو کہاں سے حاصل ہوئی؟ اُس مشرک نے کہا خدا کی قسم یہ نہایت عمدہ تلوار ہے میں نے اس کو بارہا آزمایا ہے۔ دراصل یہ میرے آباء واجداد سے چلی آرہی ہے۔

حضرت ابوبصیرؓ نے خواہش ظاہر کی کہ ذرا مجھے دکھا بھی دو؟ اُس نے فوراً نیام سے نکال کر ابوبصیرؓ کو دے دیا۔ ہاتھ میں آنا ہی تھا کہ ابوبصیرؓ نے ایک زبردست وار کر دیا اور وہ مشرک اُسی وقت ڈھیر ہو گیا۔ اس کا ساتھی یہ منظر دیکھتے ہی بھاگ پڑا اور سیدھے مدینہ طیبہ پہنچا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ میرا ساتھی تو مارا گیا اور اب میں بھی مارا جانے والا ہوں مجھ پر رحم کیجئے اور میری مدد فرمائیے۔ آپؐ نے اُس مشرک کو روک لیا۔ اتنے میں حضرت ابوبصیرؓ

حاضرِ خدمت ہو گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ آپؐ نے تو اپنا عہد پورا کر دیا ہے اور مجھکو اُن کے حوالہ فرما دیا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے مجھکو اُن سے نجات دی ہے اور جو کچھ کارروائی میں نے کی ہے وہ اس لئے کہ میرے اور اُن مشرکین کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ میں کسی عہد و معاہدہ کا پابند نہیں ہوں۔ یا رسول اللہ اگر آپ مجھکو ان لوگوں کے حوالہ فرما دیں تو وہ لوگ مجھکو دین اسلام سے منحرف کرنے کے لئے وہ سب کچھ کریں گے جو ظالم مظلوم پر کیا کرتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ناگواری کے انداز میں فرمایا:-

"لڑائی کا بھڑکانے والا ہے کاش کہ اسکا کوئی ساتھی ہوتا۔"

حضرت ابو بصیرؓ سمجھ گئے کہ اگر میں مدینہ میں رہ گیا تو کسی بھی وقت کفار مکّہ کے حوالہ کر دیا جاؤں گا۔ موقع پا کر مدینہ سے بھاگ پڑے اور ساحل بحر احمر کے اُس راستہ پر جا بیٹھے جس راستے سے قریش کے کاروانِ تجارت ملکِ شام کو جایا آیا کرتے تھے۔ حضرت ابو بصیرؓ یہاں ٹھہر گئے۔ شُدہ شُدہ یہ بات مکّہ کے بے بس و مجبور مسلمانوں کو معلوم ہوئی جنکو ہجرتِ مدینہ سے روک دیا گیا تھا۔ یہ مظلوم و غریب مسلمان چھُپ چھُپ کر ابو بصیرؓ کے ہاں پہنچنے لگے۔ اسی درمیان حضرت ابو جندل رضؓ (جنکا تذکرہ صلح حدیبیہ میں آچکا ہے) بھی حضرت ابو بصیرؓ کے ہاں پہنچ گئے۔ اسی طرح چند ہی دنوں میں ستّر مسلمانوں کا ایک جتھا وہاں جمع ہو گیا۔ مشہور مؤرخ علّامہ سُہیلی لکھتے ہیں کہ تین سو آدمی جمع ہو گئے۔ امام زہریؒ اور موسیٰ بن عقبہ سے بھی یہی تعداد منقول ہے۔ (زرقانی ج ۲ ص ۲۰۳)

اِدھر کفارِ قریش کا جو بھی تجارتی قافلہ ساحل بحر سے گزرتا اُنپر حملوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جو بھی مالِ غنیمت ملتا اُس سے گزر بسر کر لیتے اس طرح مکہ کا ہر تجارتی قافلہ غیر محفوظ ہو گیا۔

کفارِ قریش اس ناگہانی مصیبت سے پریشان ہو گئے اور انکی تجارت ٹھپ ہو گئی چند آدمیوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

مدینہ روانہ کیا اور رحم کی درخواست کی اور قرابت و رشتہ داری کا واسطہ دے کر گزارش کی کہ آپ ابو بصیر رضؓ اور اُن کی جماعت کو مدینہ بلالیں علاوہ ازیں صلح حدیبیہ کی چوتھی شرط سے بھی دست برداری کا اعلان کیا کہ جو شخص بھی ہم میں سے مسلمان ہوکر مدینہ چلا جائے اُسکو ہم واپس طلب نہیں کریں گے۔ کفار قریش کی اس بے بسی اور جزع فزع پر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بصیر رضؓ کے نام ایک مکتوب روانہ کیا جسمیں مدینہ طیبہ آجانے کی خواہش کا اظہار تھا جس وقت یہ والا نامہ پہنچا ہے اُس وقت حضرت ابو بصیر رضؓ دنیا سے رخصت ہو رہے تھے۔ نزع کا عالم تھا آپؐ کا مکتوب گرامی پڑھ کر سُنایا گیا خوشی و مسرت سے بے خود ہو ہو جاتے تھے۔ اسی حالت میں روح پرواز کر گئی۔ رضی اللہ عنہ۔

ایک روایت میں ہے کہ والا نامہ ہاتھ میں تھا۔ (فتح الباری)

حضرت ابو جندل بن سہیل رضؓ نے تجہیز و تکفین کی اور اُسی جگہ انہیں سپرد خاک کیا گیا۔ (برّد اللہ مضجعہٗ)

بعد ازاں حضرت ابو جندل رضؓ اپنے تمام ساتھیوں کو لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوگئے۔

جس صلح کو کفار مکہ اپنی فتح اور عزت سمجھ رہے تھے خود اُن کے ہاتھوں شکست و ذلت کا باعث ہوگئی۔ صلح حدیبیہ پر تین ماہ بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ یہودیوں کا سب سے بڑا گڑھ خیبر فتح ہوگیا اور اتنا مالِ غنیمت ہاتھ آیا کہ عہد نبوت میں اسکی نظیر نہیں ملتی۔ ان کے بعد فدک وادی القریٰ، تیما اور تبوک کی یہودی بستیاں اسلام کے زیر نگیں آتی چلی گئیں۔ پھر وسط عرب کے وہ تمام قبیلے جو یہود اور قریش مکہ کے ساتھ گٹھ جوڑ رکھتے تھے ایک ایک کرکے تابع فرمان ہوگئے۔ اس طرح حدیبیہ کی صلح نے دو سال کے اندر اندر عرب میں قوت و طاقت کا توازن اتنا بدل دیا کہ قریش و مشرکین کی طاقت بے حقیقت ہوکر رہ گئی۔ فَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ۔

حدیبیہ میں مسلمانوں اور کفارِ قریش کے درمیان جنگ کو اللہ نے روک دیا اور پھر اسکو اپنے احسانات میں شمار کیا ہے اور یقیناً یہ اللہ کا بہت بڑا فضل و کرم تھا۔

لیکن یہ جنگ اللہ تعالیٰ نے اس لئے نہیں روکی کہ وہاں مسلمانوں کے شکست کھا جانے کا امکان تھا بلکہ اسکی مصلحت کچھ اور تھی جسکو قرآن حکیم میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اگر یہ مصلحت مقصود نہ ہوتی تو جنگ ہوجاتی اور کفار کو یقیناً شکست ہوتی اور مکہ مکرمہ اُسی وقت فتح ہوجاتا۔

اُس مصلحت کے دو پہلو تھے۔ ایک یہ کہ اُس وقت مکہ مکرمہ میں بہت سے مسلمان مرد و عورت ایسے موجود تھے جنھوں نے یا تو اپنا ایمان واسلام چھپا رکھا تھا جسکی وجہ سے وہ جانے پہچانے نہیں جاتے تھے یا مشہور و معروف تو تھے لیکن اپنی مالی وجسمانی کمزوری کے باعث ہجرت سے معذور تھے اور مکہ میں ظلم و ستم کا شکار ہورہے تھے۔ اس صورتِ حال میں اگر جنگ ہوجاتی تو لاعلمی میں یہ مجبور و معذور مسلمان بھی کافروں کے ساتھ مارے جاتے اور اُن کا کوئی تحفظ نہ ہوسکتا تھا۔ انکی معذوری و مجبوری کا علم اللہ علیم وخبیر ہی کو تھا۔ اب اگر یہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جاتے تو خود مسلمانوں کو اِس کا شدید صدمہ ہوتا اور دوسری طرف مشرکین مکہ کو یہ طعنہ دینے کا موقعہ ہاتھ آجاتا کہ مسلمان خود اپنے مسلمان بھائیوں کو قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اِن بے بس مسلمانوں پر رحم کرکے اور صحابہ کرام کو رنج و بدنامی سے بچانے کے لئے حدیبیہ کے موقع پر جنگ کو ٹال دیا۔

اُس مصلحت کا دوسرا پہلو یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ حرمِ پاک (ارضِ حرم) کو خون ریز جنگ سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ وہ ارضِ مقدس ہے جسمیں جنگ و جدال تو درکنار ہتھیار اُٹھانا بھی حرام کیا گیا ہے تو پھر رسول اور اہل ایمان سے تلوار اُٹھوا کر اسکی حُرمت کیونکر متاثر کی جاتی؟

اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتے تھے کہ صلح حدیبیہ کے ضمن میں قریش مکہ

کو دو سال کے اندر اندر مسلمان ہر طرف سے گھیر کر اس طرح بے بس و بے طاقت بنا دیں کہ وہ کسی مزاحمت کے بغیر اللہ کے گھر کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیں اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو جائیں۔

قرآن حکیم کی آیاتِ ذیل ان مصلحتوں کی تائید کرتی ہیں:-

وَأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا الآیۃ (الفتح آیت ۲۱)

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ الآیۃ (الفتح آیت ۲۲)

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ الآیۃ (الفتح آیت ۲۴)

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَن تَطَئُوهُمْ الآیۃ (الفتح آیت ۲۵)

سندِ خوشنودی

بسا اوقات ہماری ظاہری آنکھیں ایک معاملہ کو اپنی شکست و محرومی دیکھتی ہیں لیکن اللہ علیم و خبیر کے علم و نگاہ میں وہ سراپا خیر و برکت اور موجبِ سعادت ہوتی ہیں۔ اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی چیز کے بارے میں ہم خیر و برکت کا تصور کرتے ہیں لیکن وہ نتیجہ و انجام میں ناکامی اور نقصان کا باعث ثابت ہوتی ہے۔

قرآن حکیم کی ہدایات میں یہ راز حکمت کا عظیم خزانہ ہے جس نے اللہ و رسول کے احکام کو ہر معاملہ میں راہنما بنا لیا اور اُسی میں اپنی صلاح و فلاح کا عقیدہ قائم کر لیا اُس کی نہ صرف دنیا کامیاب رہی بلکہ آخرت کی دائمی فلاح بھی نصیب ہو گئی۔

جو لوگ قلت تعداد اور اسباب ظاہری کے فقدان کے باوجود اللہ کے رسول کے ہاتھ پر فداکاری و جاں نثاری کا عہد کر رہے تھے اللہ نے اُن کے ایثار و قربانی کی جزائے عظیم یہ عطا فرمائی کہ قرآن حکیم میں کامل صراحت کے ساتھ ان کو اپنی خوشنودی و رضامندی کی سند بخشی اور اسی مبارک سند کی بنا پر اُن کا وہ عہد و پیمان "بیعت رضوان" کے نام سے رہتی دنیا تک موسوم پایا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ

الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ الخ

(الفتح آیت ۱۸)

یقیناً اللہ تعالیٰ اُن مسلمانوں سے راضی ہوگیا جبکہ یہ لوگ آپ سے (اے نبیؐ) درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور اُن کے دلوں میں جو کچھ بھی (اخلاص وتقویٰ) تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا۔ پس اللہ نے (اُن کے دلوں) میں اطمینان پیدا کر دیا (جس سے اُن کو اللہ تعالیٰ کا اور اُسکے رسول کا حکم ماننے میں ذرا اپس و پیش نہیں ہوا) اور اُن کو ایک ہاتھ در ہاتھ فتح دے دی (یعنی یہودیوں کا دولت مند شہر خیبر بغیر کسی جنگ وجدال قبضہ میں آگیا۔)

انعامِ عظیم

شرائط صلح حدیبیہ کے فوائد و برکات کتنے تھے اور کتنے ظاہر ہوئے؟ یہ اللہ علیم وخبیر ہی کے علم میں ہے۔ علماء اسلام نے تو چند ایک کا ذکر کیا ہے لیکن مرکزِ اسلام مکۃ المکرمہ کی بازیابی بھی اسی صلح کا ثمرہ ہے جس نے قیامت تک کے لئے اس مقدس شہر (بلد امین) کو ایمان و اسلام کا مرکز بنا دیا اور تاریخ یہ شہادت دیتی ہے کہ اس ڈیڑھ ہزار سال میں اس پر کفر وشرک کا اقتدار طاری نہیں ہوا۔

(حَفِظَہُ اللّٰہُ وَاَبْقَاہُ)

فتحِ مکّہ

نصر اللہ والفتح

حُدیبیہ کے معاہدے میں قبائلِ عرب کو یہ آزادی دی گئی تھی کہ وہ جس قبیلے سے بھی دوستی اور عہد و پیمان کے تعلقات قائم کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ انہی قبائل میں قبیلہ بنو خُزاعہ اور قبیلۂ بنو بکر نے جنھیں زمانۂ قدیم سے سخت دشمنی اور اختلاف چلا آرہا تھا اس آزادی سے فائدہ اُٹھایا۔

بنو خُزاعہ نے اعلان کیا کہ ہم مسلمانوں کے دوست اور حلیف ہونا پسند کرتے ہیں .بنو بکر نے کہا ہم قریشِ مکّہ (مشرکین) کے حلیف بننا چاہتے ہیں۔

اس طرح دونوں قبیلے الگ الگ دُو جماعتوں کے دوست ہو گئے اور ضرورت پر ایک دوسرے کی مدد اور لڑائی میں تعاون کا معاہدہ کر لیا۔ اس طرح دونوں قبیلے ایک دوسرے سے مامون اور بے خوف بھی ہو گئے۔ لیکن ایک دوسرے میں جو بغض و عناد تھا وہ دور نہ ہوا۔ ہر ایک قبیلہ اس تاک میں تھا کہ دوسرے سے اپنا سابقہ انتقام لے۔

تقریباً ڈیڑھ سال تک تو ہر دو جانب سے معاہدہ پر عمل ہوتا رہا لیکن بغض و عناد کی آگ بھڑک پڑی۔ بنو بکر (قریش کے دوست) نے ایک شب بنو خُزاعہ پر اچانک حملہ کر دیا اور اُن پر تباہی مچادی۔

اس غارت گری میں قریش نے بنو بکر کا ساتھ دیا اور ہتھیار اور افراد سے ان کی مدد کی۔ مقصد ان کا یہ تھا کہ بنو خُزاعہ کو جنھوں نے مسلمانوں سے عہد و پیمان کیا ہے مزہ چکھایا جائے۔ اور یہ خیال کیا کہ شب کا وقت ہے پیغمبر اسلام اور مسلمان یہاں سے بہت دور مدینہ میں ہیں انھیں اسکی کیا خبر ہو سکتی ہے۔ چنانچہ بنو بکر نے قریشِ مکّہ کی تائید و تعاون سے بنو خزاعہ پر قیامت ڈھادی۔ بنو خزاعہ نے بھاگ کر حرم شریف میں پناہ لی لیکن ان کو یہاں بھی پناہ نہ مل سکی۔

دوسرے دن صبح بنو خزاعہ کے سردار عمرو بن سالم خُزاعی اپنے چالیس آدمیوں کا ایک وفد لیکر مدینہ منورہ بارگاہِ نبوی میں روانہ ہوا اور مسجد نبوی میں پہنچکر بنو خزاعہ کی دردناک داستان سنائی اور مدد و تعاون کا طالب ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس عہد شکنی

کی تفصیل سُنی تو ارشاد فرمایا:۔

"اللہ کی قسم جس بات کو میں پسند نہیں کرتا اُس سے تم کو بھی محفوظ رکھوں گا۔"

شُدہ شُدہ یہ بات قریش مکہ کو پہنچی تو انھیں اندیشہ ہوا کہ مسلمان بنو خُزاعہ کی تائید میں ہماری اس عہد شکنی کا بدلہ لیں گے۔

جب یہ وفد واپس ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک قاصد قریشِ مکہ کے ہاں روانہ کیا اور انھیں یہ پیام پہنچایا کہ تین باتوں میں سے ایک بات اختیار کر لیں۔

(۱) بنو خزاعہ کے جن لوگوں کو مارا گیا اُسکی دیت (جُرمانہ) ادا کریں۔

(۲) یا بنو بکر کی حمایت اور عہد و پیمان سے علیحدہ ہو جائیں۔

(۳) یا حدیبیہ کے معاہدے کو ختم کر دینے کا اعلان کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد نے جب یہ پیام پہنچایا تو قریش کی طرف سے یہ جواب دیا گیا کہ ہم کو پہلی دو باتیں قبول نہیں ہیں البتہ حدیبیہ کے معاہدے کو ہم ختم کر دینا پسند کرتے ہیں۔

اللہ کے رسول کا قاصد مکہ سے روانہ ہوا لیکن اس کے چند گھنٹوں بعد ہی قریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اُنھوں نے سردار قریش ابوسفیان کو معاہدہ کی تجدید اور مدتِ صلح کو بڑھانے کے لئے مدینہ منورہ روانہ کیا۔ ابوسفیان مدینہ پہنچکر سب سے پہلے اپنی بیٹی امّ حبیبہ رضؓ کے گھر داخل ہوا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مکرمہ تھیں۔ جوں ہی آپؐ کے بستر پہ بیٹھنے کا ارادہ کیا سیدہ امّ حبیبہؓ نے بستر فوراً لپیٹ دیا کہنے لگیں:۔

ابا جان! یہ اللہ کے رسول کا بستر ہے۔

ابوسفیان نے کہا تو پھر کیا ہوا؟ میں تیرا باپ ہوں۔

سیدہ امّ حبیبہ رضؓ نے کہا یہ صحیح ہے لیکن آپ مشرک ہیں اور یہ رسول اللہ کا پاک بستر ہے۔

ابوسفیان اگرچہ اس وقت بڑبڑاتا ہوا وہاں سے نکل گیا لیکن اس حیرت فزا واقعہ نے اسکی آنکھیں کھول دیں اور وہ سمجھ گیا کہ حقیقتِ حال کچھ اور ہی ہے۔ یہاں سے وہ سیدھے مسجد نبوی میں آیا اور آپ سے صلح حدیبیہ کی تائید و توثیق کرنے لگا۔ آپؐ نے دریافت کیا

معاہدے کی تجدید یا توثیق کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟ کیا کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے ؟

ابوسفیان نے کہا نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا تو پھر تم مطمئن رہو ہم اپنے عہد پر قائم ہیں۔ ابوسفیان اس جواب کو سنکر مطمئن نہ ہوا کیونکہ وہ حقیقتِ حال کو چھپاکر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاف اور سچے جواب نے اُسکے فریب کو ناکام کر دیا۔ مسجد نبوی سے نکل کر صدیق اکبرؓ فاروق اعظمؓ اور علی مرتضیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جُدا جُدا گفتگو کی اور چاہا کہ قریش کے حسب مراد معاملہ طے ہوجائے لیکن خواہش پوری نہ ہوئی اور وہ بے نیل و مُرام مکہ واپس ہوگیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

صدیق اکبرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے اور قریش کے درمیان تو معاہدہ ہے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ تھا مگر قریش نے ازخود نقضِ عہد کر دیا ہے۔ اب ہم اپنے عہد کے پابند نہیں ہیں۔

اب جہاد کی تیاری شروع ہوگئی۔ آپ نے مدینہ طیبہ اور اطرافِ مدینہ میں اعلانِ عام کرادیا کہ: جو شخص بھی اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے وہ ماہ رمضان تک مدینہ طیبہ پہنچ جائے۔

مگر عام طور پر کسی کو معلوم نہ تھا کس جانب حملہ کا ارادہ ہے۔

آپؐ کی خواہش یہ تھی کہ ہماری تیاری کا علم قریشِ مکہ کو نہ ہونے پائے اور رازداری کے ساتھ اسلامی لشکر کوچ کرے لیکن اس درمیان ایک حادثہ پیش آگیا۔

حاطب بن ابی بلتعہؓ ایک بدری صحابی تھے اِن کے اہلِ وعیال مکہ مکرمہ ہی میں مقیم تھے۔ حاطب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے کی پوری خبر تھی ان کو اپنے خاندان والوں کا خیال ستایا کہ اگر مکہ پر اچانک حملہ ہوگیا تو میرے افرادِ خاندان بھی زد میں آجائیں گے۔ پھر یہ بھی خیال آیا کہ مشرکینِ مکہ کو بہر حال علم تو ہو ہی جائے گا کیوں نہ میں قریشِ مکہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے کی اطلاع کر دوں اس طرح انکی ہمدردی حاصل کر کے اپنے اہل خاندان کو محفوظ کرسکوں گا۔

چنانچہ مشرکینِ مکہ کے نام ایک خط لکھ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب ایک بڑے لشکر کے ساتھ تمہاری جانب کوچ کرنے والے ہیں۔ اور مخفی طور پر ایک عورت کے

ذریعہ اس خط کو مکہ روانہ کر دیا۔ یہ عورت مدینہ سے روانہ ہوئی مگر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بذریعہ وحی اس واقعہ کی اطلاع کر دی آپؐ نے فوری طور پر حضرت علی رضؓ حضرت زبیر رضؓ حضرت مقدادؓ کو روانہ کیا کہ تم برابر چلتے رہو یہاں تک کہ مقام روضۂ خاخ میں تم کو اونٹ پر سوار ایک عورت ملیگی اُس کے پاس مشرکین مکہ کے نام حاطبؓ بن ابی بلتعہ کا ایک خط ہے اُس کو حاصل کر لو۔ چنانچہ یہ حضرات جب روضۂ خاخ پر پہنچے تو اُس عورت کو پایا اور خط کا مطالبہ کیا اُس نے ایسے کسی بھی خط کا انکار کیا مگر جب اِن حضرات نے جامہ تلاشی کی دھمکی دی تو مجبور ہو کر اُس نے اپنے سر کے بالوں میں سے ایک پرچہ نکال کر دیا

یہ حضرات وہ خط لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ کے حوالہ کر دیا۔

آپؐ نے حاطب بن ابی بلتعہ کو طلب فرمایا اور پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے ؟

حاطبؓ رضؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ مواخذہ میں عجلت نہ فرمائیں میرا عذر سماعت فرمائیں۔ یا رسول اللہ قریش سے میری کوئی رشتہ داری نہیں ہے صرف دوستانہ تعلقات ہیں۔ اِن دنوں میرے اہل وعیال مکہ میں مقیم ہیں جن کا کوئی حامی اور مددگار نہیں ہے بخلاف مہاجرین مدینہ کے اُن کی قرابتیں اور رشتہ داریاں وہاں موجود ہیں۔ اِن رشتہ داریوں کی وجہ سے اُن کے اہل وعیال محفوظ ہیں۔ اس لئے میں نے چاہا کہ جب قریش سے میری کوئی رشتہ داری نہیں تو اُن کے ساتھ کوئی ایسا احسان کروں جسکے صلہ میں وہ لوگ میرے اہل وعیال کی حفاظت کریں۔ یا رسول اللہ اللہ کی قسم میں نے دین سے مرتد ہو کر یا اسلام کے بعد کفر سے راضی ہو کر یہ کام ہرگز ہرگز نہیں کیا۔ میری غرض ونیت وہی تھی جو میں نے عرض کی ہے۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ جب آپؐ نے یہ عذر سُنا تو فرمایا :۔

اَمَا اِنَّہٗ قَدْ صَدَقَکُمْ۔

(یقیناً اس نے سچ سچ بیان کر دیا)

یہ سُنکر حضرت عمر رضؓ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور عرض کیا اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔ (بخاری)

حاطب بن ابی بلتعہ رضؓ کے اسی واقعہ پر قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ الخ

(سورہ الممتحنہ آیت ۱)

"اے ایمان والو تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم اُن کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہو۔ حالانکہ جو دین حق تمہارے پاس آچکا ہے اُس کو وہ لوگ ماننے سے انکار کر چکے ہیں۔

اُن کی روش تو یہ ہے کہ رسولؐ کو اور تم کو صرف اس وجہ سے جلا وطن کر چکے ہیں کہ تم اللہ پر ایمان لائے ہو جو تمہارا رب ہے۔ جبکہ تم میری راہ میں جہاد کرنے نکل چکے ہو اور میری خوشنودی کے لئے گھروں اور وطن کو چھوڑ چکے ہو۔ تم چُھپا کر اُن کو دوستانہ پیغام بھیجتے ہو۔ حالانکہ جو کچھ تم چُھپا کر کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو ہر چیز کو میں خوب جانتا ہوں۔ جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے گا وہ یقیناً راہِ راست سے بھٹک گیا۔"

بہر حال ماہ رمضان کی ابتدائی تاریخیں تھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار جان نثاروں کے ساتھ مکہ مکرمہ کی جانب کوچ فرمایا۔ گرمی کا زمانہ تھا بعض روزے دار تھے اور بعض نے سفر کی اجازت سے روزہ نہیں رکھا تھا۔ آپ کی ازواج میں حضرت سیدہ ام سلمہؓ اور سیّدہ میمونہؓ ہمراہ تھیں۔ جب آپ مقام عسفان کے قریب پہنچے تو محسوس فرمایا کہ مسلمانوں پر روزے کی سختی حد سے متجاوز ہو چکی ہے۔ آپ نے پانی طلب فرمایا اور علی الاعلان مجمع کے سامنے نوش فرمایا تاکہ صحابہ دیکھ لیں اور سمجھ لیں کہ حالت سفر میں اور پھر جہاد کے موقع پر افطار کرنے کی اجازت ہے۔ روایات میں ہے کہ بعض صحابہ نے اس اجازت سے استفادہ نہیں کیا اور اپنے روزے پر قائم رہے۔ دن کے آخری حصے میں ایک روزے دار صحابی پر غشی طاری ہو گئی۔ آپ کو جب اس بات کا علم ہوا تو ناراض ہوئے اور ارشاد فرمایا:۔

أُولَٰئِكَ الْعُصَاةُ أُولَٰئِكَ الْعُصَاةُ

یہ گنہگار لوگ ہیں یہ گنہگار لوگ ہیں۔

(بخاری باب الغزوات)

اسی سفر میں آپ کے چچا سیدنا عباس رضؓ مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے اُن سے ارشاد فرمایا اہل و عیال کو مدینہ روانہ کر دو اور آپ ہمارے ساتھ مکہ مکرمہ کی مہم میں شریک ہو جائیے۔

اسلامی لشکر جب مکہ کے قریب پہنچا تو سردار قریش ابوسفیان چھپ کر لشکرِ اسلام کا صحیح اندازہ کر رہے تھے مسلمانوں نے انہیں گرفتار کر کے خدمتِ اقدس میں پیش کیا۔ آپؐ نے ابوسفیان پر نظر کرم ڈالتے ہوئے معاف کر دیا اور قید سے بھی آزاد کر دیا۔ حضرت ابوسفیانؓ رحمۃ للعالمین کا یہ خُلق عظیم دیکھ کر مشرف باسلام ہو گئے۔ آپؐ نے ان کے اسلام لانے پر بہت ہی مسرت کا اظہار فرمایا اور حضرت عباس رضؓ سے فرمایا کہ قریب کی پہاڑی پر ابوسفیان کو لیجاؤ تاکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی شان و شوکت دیکھیں! چنانچہ حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت عباس رضؓ پہاڑی پر کھڑے اسلامی لشکر کا نظارہ کر رہے تھے۔ مہاجرین اور انصار کے قبائل اپنے اپنے پرچم لئے سامنے سے گزر رہے تھے۔ حضرت ابوسفیانؓ ان کو دیکھ دیکھ کر متاثر ہو رہے تھے۔ قریب سے ایک انصاری قبیلہ کا لشکر گزرا جسکی قیادت حضرت سعد بن عبادہ انصاریؓ کر رہے تھے انھوں نے حضرت ابوسفیانؓ کو دیکھ کر پُرجوش لہجہ میں یہ رجز پڑھا:—

الیوم یوم الملحمہ　　الیوم تستحل الکعبہ
آج کا دن جنگ کا دن ہے　　آج خانہ کعبہ میں بھی جنگ حلال ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سُنا تو فرمایا سعد بن عبادہؓ نے غلط کہا۔ آج اللہ تعالیٰ خانہ کعبہ کی عظمت و شوکت کو دوبالا کرے گا اور آج خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جائے گا۔ (بخاری)

اسکے بعد مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی تیاری شروع ہو گئی حضرت خالد بن ولید رضؓ کو حکم فرمایا کہ تم اپنے لشکر کے ساتھ مکہ مکرمہ کے نچلے حصے کدٰی سے داخل ہوں اور دیکھو خبردار کسی کو قتل نہ کرنا اور نہ کسی پر زیادتی کرنا۔ لیکن درمیان راہ بعض قبائل کے افراد نے مزاحمت کی اور

اس کشاکشی میں چند مشرک مارے گئے اور دو مسلمان شہید بھی ہوئے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقام کداء (مکہ مکرمہ کا بالائی حصہ) سے گزرتے ہوئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ داخلہ کے بعد ہی آپ اپنی چچازاد بہن حضرت امّ ہانی بنت ابی طالب کے گھر تشریف لے گئے (جہاں آپؐ نے پرورش پائی تھی) اور غسل کرکے آٹھ رکعت نماز ادا کی۔ یہ چاشت (دن چڑھے) کا وقت تھا۔ (بخاری)

بعد از اں آپؐ نے یہ اعلان کروایا۔

(۱) جو شخص ہتھیار ڈال دے اُسکو امن ہے۔

(۲) جو شخص اپنا دروازہ بند کرلے اسکو امن ہے۔

(۳) جو شخص ابوسفیان کے گھر داخل ہوجائے اُسکو امن ہے۔

(۴) جو شخص مسجد حرام (بیت اللہ شریف) میں پناہ لے اسکو امن ہے۔

البتہ اس امنِ عام اور عفوِ عظیم میں چند ایسے افراد کو معاف نہیں کیا گیا جنھوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بے پناہ ظلم وستم کیا تھا اور جو نہایت درجہ گستاخ و دریدہ دہن تھے۔ اِن کے متعلق یہ حکم ہوا کہ یہ جہاں کہیں ملیں انھیں قتل کردیا جائے۔

مَلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا الآية

(احزاب آیت ۶۱)

ایسے مجرموں کی جملہ تعداد پندرہ یا سولہ بیان کی جاتی ہے۔ لیکن اِن میں سے چند ایک ہی کو قتل کیا گیا بقیہ یا تو فرار ہوگئے یا اسلام قبول کرلیا اور قتل سے محفوظ ہوگئے۔ (سیرت ابن ہشام)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہوکر سورہ الفتح کی آیات بلند آواز سے تلاوت فرماتے ہوئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ تواضع کا یہ عالم تھا کہ آنکھیں نیچی سر مبارک جھکا ہوا۔

سب سے پہلے آپ مسجد حرام میں داخل ہوئے اور حکم فرمایا کہ تمام بت نکال باہر کئے جائیں اور خانہ کعبہ کی دیواروں پر جو تصاویر

منقوش تھیں وہ مٹا دیئے جائیں۔ چنانچہ جب تین سو ساٹھ بتوں کے سرنگوں ہونے کا وقت آیا تو ان میں دو مورتیاں سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اور سیدنا اسمٰعیل ذبیح اللہ کے نام نامی اس حالت میں نظر آئیں کہ اُن کے ہاتھوں میں جوے کے تیر تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا اللہ مشرکوں کو ہلاک کرے وہ خوب جانتے تھے کہ یہ ہر دو مقدس ہستیاں اس ناپاک عمل سے بالکل پاک وصاف و بری تھے۔

جب بیت اللہ شریف بتوں کی نجاست سے پاک کر دیا گیا تو آپؐ نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر آپؐ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور چاروں گوشوں میں گھومتے ہوئے بلند آواز سے تکبیرات کہتے رہے اور نفل نماز ادا کی۔ باہر تشریف لاکر مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

نماز کے بعد باب کعبہ پر تشریف لائے اسوقت حرم شریف مسلمانوں سے بھر گیا تھا۔ پھر آپؐ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں اللہ عزوجل کی حمد وثنا کے بعد ضروری ہدایات تھیں اور چند بنیادی احکام کی تلقین تھی۔ پھر عام مجرموں کو معافی کا مژدہ سنایا۔

خطبہ سے فارغ ہو کر آپؐ حرم شریف میں بیٹھ گئے اسوقت بیت اللہ کی کنجی آپؐ کے ہاتھ میں تھی۔

سیدنا علیؓ اور سیدنا عباسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ کنجی ہم کو عنایت فرما دیجئے تاکہ زمزم (سقایہ) کی خدمت کے ساتھ بیت اللہ کی دربانی (حجابہ) کا شرف بھی ہمیں حاصل ہو جائے۔

اس درخواست پر اُسی وقت قرآن نازل ہوا:۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا الآیہ

اللہ تو تم کو حکم دیتا ہے امانتیں پہنچا دو امانت والوں کو۔ (نساء آیت ۵۸)

آپ نے عثمان بن طلحہ حجبی (جن کے خاندان میں زمانۂ قدیم سے بیت اللہ کی خدمتِ دربانی چلی آرہی تھی) کو طلب فرمایا اور کنجی حوالہ کی اور ارشاد

فرمایا یہ کنجی ہمیشہ کے لئے لے لو (یعنی ہمیشہ تمہارے خاندان ہی میں رہے گی) میں نے یہ کنجی خود نہیں دی بلکہ اللہ تعالےٰ نے تم کو دلائی ہے۔ سوائے ظالم اور غاصب کے کوئی تم سے نہ چھین سکے گا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۱۵)

(یہ وہی عثمان بن طلحہ ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ خانہ کعبہ میں داخل ہونے نہیں دیا تھا اور کلید کعبہ کو اپنا حق بتایا تھا۔ یہی خاندان آج تک کلید بردار ہے اور شیبی لقب سے مشہور ہے)

ظہر کی نماز کا وقت آیا آپؐ نے سیدنا بلال حبشی رضؓ کو حکم دیا کہ خانہ کعبہ کی چھت پر اذان دیں۔ یہ رمضان المبارک کی ۲۰ تاریخ تھی۔ خانہ کعبہ میں اسلام کی یہ پہلی اذان تھی۔

مکہ مکرمہ میں تقریباً پندرہ یوم قیام فرما کر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ روانگی سے قبل حضرت عتاب بن اسید رضؓ کو مکہ مکرمہ کا حاکم تجویز کیا۔ اس وقت اِن کی عمر اکیس ۲۱ سال کی تھی۔ (روض الانف ج ۲ ص ۲۷۶) اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک امیر مکہ کی حیثیت سے رہے۔ صدیق اکبر رضؓ نے بھی انھیں اس خدمت پر برقرار رکھا۔ جس دن صدیق اکبرؓ کی وفات ہوئی اُسی دن حضرت عتاب بن اسید رضؓ نے بھی وفات پائی۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

فتح مکہ کا ذکر سورہ النصر میں وضاحت کے ساتھ اور سورہ الحدید اور سورہ الفتح میں ضمناً واشارۃً آیا ہے:۔

قرآنی مضمون

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا۔ الخ (النصر)

جب اللہ کی مدد اور فتح (مکہ) آپہنچے اور اے نبی آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے دیکھ لیں تو آپ اپنے پروردگار کی پاکی حمد وثنا کے ساتھ ادا کیجئے اور اُس سے مغفرت طلب کیجئے۔ بیشک

وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

شہر مکہ فتح ہو جانے کے بعد کہنا چاہیئے کہ سارے حجاز پر اسلام کا تسلط ہو گیا۔ شہر مکہ، شہر طائف اور ملک یمن اور قبیلۂ ہوازن و قبیلۂ ثقیف کے لوگ فتح مکہ کے بعد کثیر تعداد میں داخل اسلام ہونے لگے۔

لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قَاتَلَ الآیۃ

(حدید آیت ۱۰)

تم میں سے جو لوگ فتح مکہ سے قبل خرچ کر چکے اور لڑ چکے وہ لوگ اُن لوگوں کے برابر نہیں جو فتح مکہ کے بعد لڑے اور خرچ کئے۔ وہ لوگ درجے میں بڑھے ہوئے ہیں اُن لوگوں سے جنھوں نے بعد کو خرچ کیا اور لڑے اور اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ تو سب ہی سے کر رکھا ہے اور اللہ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے۔

یعنی جن مجاہدین نے شروع زمانۂ اسلام میں جان و مال سے جہاد کیا یہ لوگ اُن مجاہدین سے اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں جنھوں نے مکہ فتح ہونے کے بعد جبکہ اسلام اور مسلمانوں کو قوت و طاقت حاصل ہو گئی تھی جان و مال سے جہاد کیا ہو۔ یہ اس وجہ سے کہ ابتداء اسلام میں جن مصائب و مشکلات کا سامنا تھا وہ فتح مکہ کے بعد نہ رہا۔

وَ اُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا۔ (الفتح آیت ۲۱)

اور ایک اور فتح بھی ہے جو ابھی تمہارے قابو میں نہیں آئی ہے اللہ اُسے احاطۂ قدرت میں لئے ہوئے ہے۔ اور اللہ ہر شئی پر قادر ہے۔ (اس فتح سے مراد فتح مکہ ہے)

وَ یَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا۔ (الفتح آیت ۳)

اور اللہ آپ کو باعزت غلبہ دے گا۔ (اس غلبہ سے مراد فتح مکہ ہے)

نتائج و عبر

کامیابی اور فتحمندی کے وقت

مکہ مکرمہ ۸ھ میں فتح ہوا۔ اگرچہ بزورِ طاقت فتح ہوا لیکن خوں ریزی یا قتل و غارت گری سے بالکل محفوظ رہا۔ پورے حجاز سے کفر کی طاقت پاش پاش ہوگئی۔ ایمان و اسلام کا مرکز جو پوری زمین کا بھی مرکز ہے مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ اگر آج یہ بات پیش آتی تو مسلمان کیا کرتے؟ اور عہدِ اوّل کے مسلمانوں نے کیا کیا۔

انتہائی فتحمندی، کامیابی، کامرانی کے وقت یہ نہیں ہوا کہ جشن دھوم دھام سے منایا گیا ہو؟ جلسہ جلوس نکالے گئے ہوں؟ نقارے بجے ہوں؟ چراغاں روشن کئے ہوں؟ زندہ باد، پائندہ باد کے نعرے لگے ہوں؟ مرد عورتیں باہر نکل آئے ہوں؟ وغیرہ وغیرہ۔

اس کے برخلاف عہد اوّل کے مسلمانوں کو قرآن حکیم یہ ہدایت دیتا ہے کہ ایسے موقعوں پر اللہ کی حمد و ثنا، توبہ و استغفار میں زیادہ مشغول ہوجانا چاہیئے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا۔ (النصر)

اخلاص کا ایک اور پیمانہ

مکہ مکرمہ سے ہجرت کرتے وقت مسلمانوں نے اپنی زمینیں، باغات، مکانات سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔ صرف اور صرف ایمان و اسلام کی بقا و تحفظ میں یہ سب کچھ گوارا کر لیا تھا۔ مسلمانوں کی اِن املاک پر مشرکینِ مکہ نے قبضہ کر لیا تھا۔

جب مکہ فتح ہوا اور مسلمان فاتحانہ داخل ہوئے تو بعض صحابہ نے چاہا کہ انھیں اپنی زمین اور مکان واپس ملجائیں حضرت ابو احمد بن جحش رض صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا مکان ابوسفیان نے لے لیا ہے مجھے واپس دلا دیجئے! آپؐ نے اُن کو بلا کر کچھ آہستہ سے کان میں کہا۔ ابو احمد رض سنتے ہی خاموش ہوگئے۔ بعد میں جب اُن سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے کیا فرمایا تھا؟

ابو احمد رضؓ نے کہا آپؐ نے مجھ سے یہ فرمایا تھا اگر تو صبر کرے تو یہ بہتر ہے اسکے معاوضہ میں تجھ کو جنت کا ایک گھر مل جائے گا۔

میں نے عرض کیا تو پھر میں صبر ہی کروں گا۔

اِن کے علاوہ بعض اور مہاجرینِ صحابہ نے چاہا کہ اُن کے مکانات اُن کو دلائے جائیں۔

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے یہی فرمایا کہ جو مال اللہ کی راہ میں جاچکا ہے میں اُس کی واپسی کو پسند نہیں کرتا۔ اس ارشاد پر سب صحابہ نے دستبرداری اختیار کرلی۔

(الصارم المسلول ص۱۵۴ امام ابن تیمیہ رح)

نبی یا بادشاہ

دنیاوی بادشاہ اور نبی الرحمہ کے درمیان فرق و امتیاز کا ایک اور واضح ثبوت یہ بھی ہے کہ جب کوئی بادشاہ کسی ملک کو فتح کرتا ہے تو مفتوح قوم پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے، قتل و غارت گری عام ہو جاتی ہے، مجرم اور مشتبہ لوگ قتل کر دیئے جاتے ہیں، شریف و عزت والے ذلیل و رسوا ہو جاتے ہیں، عورتیں اور بچے تک محفوظ نہیں رہتے۔ یہ سب کچھ فاتح قوم کی ہوا و ہوس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور زمین پر عام فساد مچ جاتا ہے۔

لیکن نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اقتدار حاصل ہوا اور فتح مکہ کی صورت میں کفار و مشرکین پر قدرت حاصل ہوئی تو تاریخ شہادت دیتی ہے کہ آپ نے اعلان عام کروادیا:۔

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔

آج تم پر کوئی ملامت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔

ایک شخص زندگی بھر آپ کی اور مسلمانوں کی اور اسلام کی مخالفت کرتا رہا فتح مکہ کے دن کانپتا لرزتا خوف کھاتا حاضر ہوا آپؐ نے فرمایا: "خوف نہ کرمیں کوئی بادشاہ نہیں ہوں ایک غریب قریشی عورت کا بیٹا ہوں"۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ۔

غزوۂ حُنَین

معرکہ حنین

فتح مکہ کے بعد مشرکین عرب کی قوت وطاقت کا قریب قریب خاتمہ ہوگیا تھا اور عرب قبائل فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ یہ انقلاب و ترقی دیکھ کر دو قبائل کی جاہلی حمیت بھڑک اُٹھی اور وہ اسلام کی شان و شوکت کو برداشت نہ کر سکے۔ یہ ۲ دو قبائل قبیلۂ ہوازن اور قبیلۂ ثقیف تھے۔ طائف اور مکّہ کے درمیان حنین نامی ایک بستی تھی جسمیں یہ ۲ دو قبیلے آباد تھے۔ نہایت جنگجو، تیرانداز اور سفاک قسم کے لوگ تھے۔ اِن کے سرداروں کا اجتماع ہوا اور مشورہ کیا گیا کہ اب ہم کو کیا کرنا چاہیئے؟ کیونکہ اسلام اور مسلمانوں کے قدم جم گئے ہیں کہیں ایسا نہ ہوجائے کہ وہ ہم پر بھی اچانک حملہ کردیں۔ کیوں نہ ہم خود پیش قدمی کر کے مسلمانوں پر حملہ کردیں اور انہیں شکست دیدیں۔

مشورہ کے بعد طے ہوا کہ مالک بن عوف نصری کو اپنا امیر تسلیم کیا جائے اور اُسکی قیادت میں اس مہم کو پورا کیا جائے۔ چنانچہ مالک بن عوف نے ۲۰ بیس ہزار تیراندازوں کا لشکر لیکر کوچ کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ حال معلوم ہوا تو آپؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا اور اسکے مقابلہ کے لئے آپؐ روانہ ہوئے۔ آپؐ کے ہمراہ ۱۲ بارہ ہزار مسلمان تھے۔ یہ اتنی بڑی تعداد تھی کہ اس سے پہلے کسی غزوہ میں جمع نہ ہوئی تھی۔ یہ ماہ شوال ۸ھ ہجری مطابق ماہ فروری ۶۳۰ء کا واقعہ ہے (یعنی فتح مکہ سے ۲ دو ہفتے بعد) مجاہدین اسلام کا لشکر جب حنین پہنچا تو آپ نے فوج کی صف آرائی کی اور خود بنفسِ نفیس پوری فوج کی قیادت فرمائی۔ ابھی جنگ کا آغاز نہ ہوا تھا کہ مسلمانوں کے دلوں کو لشکرِ اسلام کی کثرت اور قوت وطاقت کی فراوانی نے

متأثر کر دیا اور بعض کی زبانوں سے یہ کلمات نکل پڑے :۔

لَنْ نُغْلَبَ الْيَوْمَ مِنْ قِلَّةٍ۔

آج ہماری قوت کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔

یہ کلمات ایسے تھے جسمیں خود پسندی اور غرور کا عنوان نمایاں ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کا یہ فخر پسند نہ آیا اس نے اپنی تائید ونصرت اُٹھالی اور مسلمانوں کو خود اُن کے اپنے نفس کے حوالہ کر دیا گیا۔

جب جنگ کا آغاز ہوا اور مسلمانوں نے پیش قدمی شروع کی تو دشمن جو پہلے سے منظم تھا اچانک چاروں سمت سے حملہ کر دیا اور اسلامی لشکر پر بارش کی طرح تیر برسنے لگے۔ مسلمانوں کے لئے تیراندازی کا یہ غیر متوقع حادثہ تھا۔ دشمن کی بے پناہ تیراندازی نے مسلمانوں کو سنبھلنے نہ دیا انتشار اور تفریق پیدا ہوگئی اور کچھ دیر بعد قدم اُکھڑ گئے۔ میدان جنگ تنگ ہوگیا اور مسلمان پیٹھ پھیر پھیر کر بھاگنے لگے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اطراف اکابر صحابہ کی ایک مختصر جماعت باقی رہ گئی تھی آپؐ نے تین بار بلند آواز سے فرمایا :۔

اے لوگو اِدھر آؤ میں اللہ کا رسول اور محمد بن عبداللہ ہوں۔

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ۔ (بخاری ومسلم)

حضرت سیدنا عباسؓ بلند آواز تھے آپؐ نے انھیں حکم دیا کہ مہاجرین وانصار کو آواز دیں۔ سیدنا عباس رضؓ نے اونچی آواز سے یامعشر الانصار یااصحاب السَّمُرہ کے کلمات سے مسلمانوں کو آواز دی۔ اے گروہ انصار اے وہ لوگو جنھوں نے کیکر کے درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی۔ آواز کا کانوں تک پہنچنا ہی تھا ایک دم سب کے سب پلٹے گئے اور پروانہ وار شمع نبوت کے گرد جمع ہوگئے۔ آپؐ نے مشرکین پر بھرپور حملہ کرنیکا حکم دیا۔ گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی اور میدان کارزار گرم ہوگیا۔ آپؐ نے ایک مشتِ خاک لیکر کافروں کی جانب پھینک دی اور فرمایا :۔

شَاهَتِ الْوُجُوهُ۔ چہرے خاک آلود ہوں۔ (مسلم)

اس کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا:-

اِنْهَزَمُوْا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ۔

قسم ہے رب محمد کی اُنھوں نے شکست کھائی۔

دشمنوں کی صف میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جسکی آنکھ میں مشتِ خاک کا غبار نہ پہنچا ہو اور چند لمحات بعد دشمن کے قدم اکھڑنے شروع ہو گئے۔ مسلمانوں کا دباؤ شدید تر ہوتا گیا دم کے دم میں کایا پلٹ گئی۔ قبیلہ ہوازن کے تیرانداز جو اپنی قوتِ تیراندازی میں شہرتِ عام رکھتے تھے بدحواس ہو کر بھاگنے لگے اور بہت سے قتل بھی ہوئے ایک بڑی تعداد قید کر لی گئی۔

اس جنگ میں جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا چھ ہزار قیدیوں کے علاوہ چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اُوقیہ چاندی تھی۔ (ایک اُوقیہ مساوی ۳۷ گرام) (فتح الباری ج ۸ صــ۳۸ــ)

چند روز بعد قبیلۂ ہوازن کے چند آدمی آپؐ کی خدمت میں آئے اور اسلام قبول کیا اور آپؐ سے درخواست کی کہ قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے۔ آپؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ تمہارے یہ بھائی مسلمان ہو کر آئے ہیں میں نے اپنا اور اپنے خاندان کا مالِ غنیمت ان کو دیدیا ہے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اور مسلمان بھی ان قیدیوں کو واپس کر دیں۔ سب نے آپؐ کی خواہش کو قبول کیا۔ اس طرح چھ ہزار قیدی رہا کر دیئے گئے۔ ان ہی قیدیوں میں آپؐ کی رضاعی بہن شیما بھی تھیں لوگوں نے جب انھیں گرفتار کیا تو انھوں نے کہا اے لوگو میں تمہارے نبی کی بہن ہوں۔ صحابہ تصدیق کے لئے آپ کی خدمت میں لے آئے۔ شیما نے کہا اے محمدؐ میں آپ کی بہن ہوں حلیمہ سعدیہ کا دودھ آپ اور میں نے پیا ہے۔ اور یہ علامت بتائی کہ بچپن میں ایک مرتبہ آپؐ نے میرے ہاتھ کو اپنے دانت سے کاٹا تھا جس کا یہ نشان موجود ہے۔ آپؐ نے پہچان لیا اور عزت و اکرام کے ساتھ اِن کو اپنی چادر پر بٹھایا فرطِ مسرت

میں آپؐ کے آنسو نکل آئے اور ارشاد فرمایا اگر تم یہاں رہنا چاہو تو تمہیں عزت و احترام کے ساتھ رکھا جائے گا اور اگر اپنے قبیلہ میں جانا چاہو تو تم کو اختیار ہے۔

شیما نے کہا میں اپنی قوم میں جانا چاہتی ہوں اسکے بعد مسلمان ہو کر قبیلہ ہوازن روانہ ہو گئیں۔ چلتے وقت آپؐ نے انھیں چند اونٹ اور بکریاں اور ایک خادمہ عطا فرمائی۔ (اصابہ ترجمہ شیما ج ۴ ص ۳۴۴)

غزوۂ حنین کا تذکرہ قرآن حکیم نے اس طرح بیان کیا ہے :۔

قرآنی مضمون

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ. الخ

(توبہ آیت ۲۵، ۲۶، ۲۷)

تم کو اللہ تعالیٰ نے لڑائی کے بہت موقعوں میں کفار پر غلبہ دیا (جیسے بدر وغیرہ میں) اور حنین کے دن بھی (جس کا قصہ عجیب وغریب ہے تم کو غلبہ دیا) جبکہ یہ واقعہ ہوا کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہو گیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور (کفار کے تیر برسانے سے ایسی پریشانی ہوئی کہ) تم پر زمین باوجود اپنی اس فراخی کے تنگ ہو گئی پھر آخر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے اس کے بعد اللہ نے اپنے رسولؐ کے قلب پر اور دوسرے مومنوں کے قلوب پر اپنی طرف سے تسلی نازل فرمائی اور (مدد کے لئے) ایسے آسمانی لشکر نازل فرمائے جنکو تم نے نہیں دیکھا (مراد فرشتے ہیں جس کے بعد تم پھر مستعد ہو گئے اور غالب آئے) اور اللہ نے کافروں کو سزا دی (کہ ان کو شکست ہوئی اور وہ قید کر لئے گئے) اور یہ کافروں کی دنیا میں سزا تھی پھر اللہ نے ان کافروں میں سے جس کو چاہا توبہ نصیب کر دیا (چنانچہ بہت سارے مسلمان ہو گئے) اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنیوالے بڑی رحمت کرنیوالے ہیں۔

غزوۂ تبوک

(خاتم الغزوات)

سفر تبوک فتح مکہ کے بعد اسلام اور مسلمانوں کا مؤقف نہایت مستحکم ہوگیا۔ جزیرۃ العرب میں ایسی کوئی طاقت باقی نہ رہی جو سر اُبھار سکے۔ لیکن بعض عیسائیوں نے ملک روم کے بادشاہ ہرقل کو ایک جھوٹا خط لکھ کر روانہ کر دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتقال ہوگیا ہے اور لوگ منتشر ہوگئے ہیں۔ علاوہ ازیں لوگ قحط سالی سے بھوکے مر رہے ہیں۔ عرب پر حملہ کرنے کا یہ بہترین موقع ہے۔

ہرقل نے اس اطلاع کو صحیح سمجھ کر فوراً تیاری کا حکم دے دیا۔ چالیس۴۰ ہزار رومیوں کا لشکر مقابلہ کے لئے تیار ہوگیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ اطلاعات ملیں کہ ہرقل کی فوج روانہ ہوچکی ہے تو آپؐ نے فوراً سفر کی تیاری کا حکم جاری فرما دیا اور اعلان کیا کہ دشمنوں کی سرحد تبوک پر پہنچکر اُن کا مقابلہ کیا جائے گا۔ ماہ رجب ۹ھ موسم سخت گرمی کا تھا قحط سالی اور گرانی کا زمانہ تھا۔ پھر مسافت کی دوری یہ ایسے اسباب تھے جسمیں مسلمانوں کے لئے سخت آزمائش تھی لیکن اسلام کے یہ مخلص مجاہدین عیش دنیا اور مصائب و آلام سے بے پرواہ ہوکر مدینہ منورہ میں جمع ہوگئے۔ ایسے نازک وقت میں جہاد کے لئے نکلنا صرف اور صرف اہل ایمان ہی کا اقدام ہوسکتا تھا۔ منافقین جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے گھبرا اُٹھے خود بھی جان چرانے لگے اور دوسروں کو بھی یہ کہکر بھکانے لگے۔

لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ایسی گرمی میں ہرگز نہ نکلو

(توبہ آیت ۸۱)

ایک مسخرے نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ لوگوں کو معلوم ہے میں حسین و جمیل

عورتوں کو دیکھ کر بے تاب ہو جاتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ میں رومیوں کی عورتوں کو دیکھ کر کسی بڑے فتنے میں مبتلا ہو جاؤں۔ لیکن مخلصین تیار ہو گئے۔ غزوات نبوی میں یہ پہلا موقع تھا کہ آپؐ نے مجاہدین کی مالی امداد کے لئے عام اعلان فرمایا۔ صدیق اکبرؓ نے اپنا کل مال آپؐ کی خدمت میں پیش کر دیا جسکی مقدار چار ہزار درہم تھی۔ آپؐ نے دریافت کیا اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑا ہے؟ صدیق اکبرؓ نے کہا اللہ اور اُسکے رسول کا نام چھوڑ آیا ہوں!

فاروق اعظمؓ نے گھر کا نصف مال پیش کیا۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے دو سو اوقیہ چاندی لاکر دیا۔ حضرت عاصم بن عدیؓ نے ستر وسق (قدیم پیمانہ) کھجوریں پیش کیں۔ سیدنا عثمان غنیؓ نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان حرب اور ایک ہزار دینار آپکی خدمت میں پیش کیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہایت مسرور ہوئے دینار کو بار بار پلٹتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ اس نیک عمل کے بعد عثمانؓ کو کوئی عمل ضرر پہنچا نہ سکے گا۔ اے اللہ میں عثمانؓ سے راضی ہوں تو بھی راضی ہو جا۔ (زرقانی ج ۳ ص ۶۴)

اکثر صحابہ نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق اس تعاون میں حصہ لیا۔ مگر پھر بھی سواری اور زادِ راہ کا پورا انتظام نہ ہو سکا۔ چند غریب صحابہ حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ہم بالکل نادار ہیں ہمارے ہاں اس سفر کے لئے نہ سواری ہے نہ زادِ راہ۔ اے اللہ کے رسول ہم کو کچھ ملجائے تو ہم اس سفر سعادت میں شریک ہوں۔ آپؐ نے فرمایا میرے پاس کوئی سواری نہیں جو تمہیں دے سکوں۔ اسپر وہ حضرات روتے ہوئے واپس ہوئے اور آنسو اُنکی آنکھوں سے جاری تھے۔ انکے اس اخلاص وناداری پر یہ آیت نازل ہوئی:- وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ۔ (التوبہ آیت ۹۲)

اور نہ اُن لوگوں پر کوئی گناہ ہے کہ جب آپؐ کے پاس آئے کہ آپؐ ان کو جہاد میں جانے کے لئے کوئی سواری عطا فرمائیں تو آپؐ نے یہ فرمایا کہ اس وقت کوئی چیز نہیں پاتا جس پر تم کو سوار کردوں۔ تو یہ

لوگ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں اس غم میں کہ ان کو کوئی چیز میسر نہیں جسے وہ سفر جہاد میں خرچ کر سکیں۔"

جب کوچ کا وقت آیا تو آپ نے حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضؓ کو اپنا قائم مقام اور مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا اور حضرت علی رضؓ کو اپنے اہل وعیال کی حفاظت و نگرانی کے لئے مامور فرمایا۔ اس پر حضرت علی رضؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھکو بچوں اور عورتوں میں چھوڑ جاتے ہیں؟ ارشاد فرمایا اے علی رضؓ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون (علیہ السلام) کو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

الغرض مسلمانوں کا لشکر جرار پورے جوش و ولولے کیساتھ تبوک کی جانب کوچ کیا تو روم کے بادشاہ ہرقل کو اُس کے جاسوسوں نے خبر کر دی۔ ہرقل یا تو کرّو فر کے ساتھ جنگ کی تیاریوں میں مشغول تھا یا یہ خبر سنتے ہی ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ ایک لاکھ فوج میں خوف و انتشار پھیل گیا اور مسلمانوں کے تبوک پہنچنے سے پہلے پہلے ساری فوج منتشر ہو گئی، الغرض آپ تیس ۳۰ ہزار فوج کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہو گئے جس میں دس ۱۰ ہزار گھوڑے تھے۔

راہ میں وہ عبرتناک مقام بھی پڑتا تھا جہاں قوم ثمود پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا جب آپؐ اس مقام سے گزر رہے تھے تو اس درجہ متاثر تھے کہ چہرۂ انور پر کپڑا ڈال لیا اور اپنی اونٹنی کو تیز کر دیا اور صحابہ کو تاکید فرمائی کہ کوئی شخص ثمود کے کھنڈرات میں داخل نہ ہو اور نہ یہاں کے کنوؤں سے پانی پیئے۔ جن لوگوں نے غلطی سے پانی لے لیا تھا اُس کو بہا دینے کا حکم دیا۔ (بخاری شریف کتاب الانبیاء)

آگے چل کر ایک منزل پر ٹھہرے تو پانی نہ تھا لوگ سخت پریشان ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی۔ کچھ ہی دیر بعد موسلا دھار بارش ہوئی سب سیراب ہو گئے۔ اسی مقام پر آپؐ کی اونٹنی

گم ہوگئی۔ ایک منافق نے کہا کہ آپؐ تو آسمان کی خبریں بیان کرتے ہیں مگر اپنی اونٹنی کی خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا اللہ کی قسم مجھ کو کسی چیز کا علم نہیں سوائے اسکے کہ اللہ تعالےٰ نے مجھ کو بتلایا ہو۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا اب مجھکو معلوم ہوا ہے کہ وہ اونٹنی فلاں وادی میں ہے اور اِسکی مہار ایک درخت سے اٹک گئی ہے جس سے وہ رُکی ہوئی ہے۔ چنانچہ صحابہ اس وادی کی جانب دوڑ پڑے۔ دیکھا کہ اونٹنی کھڑی ہے اور اُسکو لے آئے۔ (رواہ البیہقی)

تبوک پہنچنے سے ایک دن پہلے آپؐ نے صحابہ سے فرمایا کل صبح کے وقت تم تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے لیکن کوئی شخص اُس چشمہ سے پانی نہ لے۔ دوسرے دن جب اُس مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ پانی کا ایک ایک قطرہ اُس چشمے سے رِس رہا ہے بدقت تمام تھوڑا سا پانی ایک برتن میں جمع ہوگیا آپؐ نے اس پانی سے اپنا چہرہ مبارک اور ہاتھ دھوکر پھر اُسی چشمے میں پانی ڈال دیا۔ اچانک وہ چشمہ فوّارہ بن گیا۔ تمام لشکر سیراب ہوا پھر آپؐ نے معاذ بن جبل رضؓ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا اے معاذ اگر تم زندہ رہو تو اس خطہ کو باغات سے سرسبز و شاداب دیکھوگے۔

(سیرۃ مسلم)

تبوک پہنچکر آپ نے بیس دن قیام کیا مگر مقابلہ کے لئے کوئی نہ آیا دشمن مرعوب ہوگیا آس پاس کے قبائل نے حاضر ہوکر اطاعت قبول کی۔ پھر آپؐ مدینہ کے لئے روانہ ہوگئے۔

کتب حدیث میں اس غزوہ کو آخر غزوات النبی کہا گیا ہے اس لئے علماء اسلام اسکو خاتم الغزوات لکھتے ہیں۔

مسجدِ ضرار جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے تو حضرت مالک بن دخشم رضؓ اور حضرت معن بن عدی رضؓ کو مسجد ضرار کے منہدم کرنے اور اُسکو آگ لگانے کے لئے آگے روانہ کیا۔ یہ مسجد منافقین نے اس لئے بنائی تھی کہ اسمیں بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف مشورہ کیا جائے۔

جس وقت آپ تبوک جارہے تھے اُس وقت منافقین نے آکر آپ سے درخواست کی کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لئے ایک مسجد بنائی ہے براہِ کرم آپ اسمیں ایک مرتبہ نماز پڑھا دیں تاکہ وہ مقبول ومتبرک ہوجائے۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ اس وقت تو میں تبوک جارہا ہوں واپسی کے بعد دیکھا جائے گا۔ چنانچہ جب واپس ہورہے تھے تو قرآن حکیم کی آیات نازل ہوئیں جسمیں اُس مسجد کی حقیقت ظاہر کی گئی۔

قرآنی مضمون

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ الخ (توبہ آیت ۱۰۷ تا ۱۱۰)

اور بعض لوگ ایسے ہیں جنھوں نے ایک مسجد بنائی اس غرض کے لئے کہ (اسلام کو) نقصان پہنچائیں اور (اسمیں بیٹھ بیٹھ کر) کفر کی باتیں کریں اور (اسکی وجہ سے اہل ایمان میں پھوٹ ڈالیں (اور یہ بھی غرض ہے کہ) اُس شخص کے قیام کا سامان کریں جو اس مسجد بنانے سے قبل اللہ اور اُس کے رسول کا مخالف رہا ہے (یعنی ابوعامر راہب) اور پوچھو تو قسمیں کھا جائیں گے کہ بجز نیکی وبھلائی کے اور کچھ ہماری نیّت نہیں ہے۔ اور اللہ گواہ ہے کہ وہ اس دعوے میں بالکل جھوٹے ہیں (جب اُس مسجد کی یہ حالت ہے کہ وہ واقع میں مسجد ہی نہیں ہے) تو آپؐ اے نبی اُس میں کبھی نماز کے لئے کھڑے نہ ہوں۔ البتہ جس مسجد کی بنیاد یوم اوّل سے تقویٰ اور اخلاص پر رکھی گئی ہے (یعنی مسجد قُبا) وہ واقعی اس لائق ہے کہ آپ اسمیں نماز کے لئے کھڑے ہوں۔ اُس (مسجد قُبا) میں ایسے اچھے لوگ ہیں کہ وہ خوب پاک صاف ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے (جب دونوں مسجدوں کے بانیوں کا حال معلوم ہوگیا تو) پھر سمجھ لو آیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت (یعنی مسجد) کی بنیاد اللہ سے ڈرنے پر اور اللہ کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص بہتر ہوگا جس نے اپنی عمارت (یعنی مسجد) کی بنیاد کسی غار کے کنارے پر رکھی ہو جو گرنے کے قریب ہے پھر وہ عمارت اس بانی کو لیکر آتش جہنم میں

گر پڑے۔ اور اللہ ایسے ظالموں کو دین کی سمجھ ہی نہیں دیتا۔

اُن کی یہ عمارت (مسجد ضرار) جو انھوں نے بنائی ہے ہمیشہ اُن کے دلوں میں (کانٹے کی طرح) کھٹکتی رہے گی (کیونکہ جس غرض کیلئے بنائی ہے وہ پوری نہ ہوئی) البتہ اگر اُن کے دل ہی فنا ہو جائیں تو اور بات ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔"

اوپر کی آیات میں جس دشمنِ خدا اور رسول کا ذکر آیا ہے اس سے مراد مدینہ کا عیسائی راہب ابو عامر ہے۔ یہ اپنے ہم مذہب اور منافقینِ مدینہ کو ساتھ لے کر اسلام کے خلاف مسلسل کوشش کر رہا تھا منافقین مدینہ نے اسی کے قیام وطعام کے لئے یہ مسجد بنائی تھی۔ الغرض اس مسجد کو ڈھا دیا گیا اور اسمیں آگ بھی لگا دی گئی۔

حدیثِ کعبؓ (ایک سبق آموز واقعہ)

بخاری و مسلم کے علاوہ کتب حدیث میں ایک تفصیلی روایت حدیثِ کعبؓ کے عنوان سے بیان کی گئی ہے جو غزوۂ تبوک سے متعلق ہے۔ غزوۂ تبوک سخت گرمی کے موسم میں پیش آیا تھا۔ صحابہ کی تنگدستی کا یہ حال تھا کہ روزمرّہ کی خوراک تک میسر نہ تھی۔ سفر دور دراز مقام کا تھا ہر دس آدمی کے حصے میں ایک اونٹ آتا تھا۔ دشمن کی قوت وتعداد بہت زیادہ تھی اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہاد کا کھل کر اعلان کر دیا تھا تاکہ مسلمان اس جہاد کے لئے پوری تیاری کر سکیں۔

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق دس ہزار مسلمان روانہ ہوئے تھے جس وقت آپ روانہ ہو رہے تھے یہ وہ وقت تھا کہ کھجوریں پک رہی تھیں۔ باغات والے ان میں مشغول تھے ایسے وقت کوچ کرنا ایک سخت آزمائش تھی۔

حضرت کعب بن مالکؓ خود اس واقعہ کو اپنی زبان میں بیان کرتے ہیں۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے غزوات میں شرکت کی ہے اُن سب میں سوائے غزوہ تبوک کے میں آپ کے ساتھ شریک رہا تھا البتہ غزوۂ بدر کا واقعہ چونکہ اچانک پیش آیا تھا علاوہ ازیں آپ نے سب کو شریک ہونے کا حکم بھی نہیں دیا تھا اور شریک نہ ہونے والوں پر

کوئی عتاب بھی نہیں فرمایا تھا اسمیں میں بھی شریک نہ ہو سکا۔ البتہ لیلۃُ العقبہ (قبل الہجرۃ) کی بیعت میں بھی شریک تھا۔ جس میں ہم نے اسلام کی حمایت و حفاظت کا عہد کیا تھا اور مجھکو یہ بیعت عقبہ کی حاضری غزوۂ بدر کی حاضری سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ اگرچہ غزوۂ بدر کا زیادہ شُہرہ ہے۔

میرا واقعہ غزوۂ تبوک میں غیر حاضری کا یہ ہے کہ میں کسی وقت بھی اُس وقت سے زیادہ خوشحال اور مالدار نہ تھا۔ اللہ کی قسم میرے پاس کبھی اس واقعہ سے پہلے دو سواریاں جمع نہیں تھیں جو غزوۂ تبوک کے موقع پر موجود تھیں۔

غزوات میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ کوچ کرنے سے پہلے مخالف سمت کی معلومات حاصل کرتے تھے تاکہ دشمن کو علم ہو جائے کہ آپؐ ہم پر حملہ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں۔ (اسطرح دشمن کی غفلت سے فائدہ اٹھایا جاتا تھا جنگی اصطلاح میں ایسے عمل کو توریہ کہا جاتا ہے)

لیکن غزوۂ تبوک کے موقع پر اللہ کے رسول نے توریہ کا عمل اختیار نہیں کیا بلکہ اس جہاد کا کھُل کر اعلان کر دیا تاکہ مسلمان اس جہاد کی پوری تیاری کرلیں۔ وجہ اسکی یہ تھی کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اور وہ ایک طاقتور فوج رکھتا تھا۔ پھر سفر بھی مدینہ سے بہت دور کا تھا جو اس سے پہلے کبھی پیش نہ آیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مسلمان سفر کی تیاری شروع کر دیئے لیکن میرا یہ حال تھا کہ میں ہر صبح ارادہ کرتا کہ آج جہاد کی تیاری کروں گا مگر بغیر کسی تیاری کے دن گزر جاتا پھر مجھے خیال آتا تھا کہ میرے پاس سامان جہاد موجود ہے تیاری کی ضرورت بھی کیا ہے جس وقت چاہوں نکل پڑوں گا مگر آجکل آجکل ہی میں میرا ارادہ ملتوی ہوتا گیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان جہاد کے لئے روانہ ہوگئے۔ پھر بھی میرے دل میں یہی خیال

آتا کہ میں بھی روانہ ہو جاؤں گا اور راستے میں مل جاؤں گا۔ کاش کہ میں ایسا ہی کر لیتا مگر یہ کام بھی نہ ہو سکا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے مدینہ سے کوچ کر جانے کے بعد جب میں گھر سے باہر نکلتا تو یہ بات مجھے غمگین کر دیتی تھی کہ اس وقت شہر مدینہ میں یا تو وہ لوگ نظر آتے جو نفاق میں ڈوبے ہوئے تھے یا پھر ایسے بیمار یا معذور تھے جو سفر کے قطعاً قابل نہ تھے۔

دوسری طرف پورے راستے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا خیال نہیں آیا۔ جب آپ مقام تبوک پہنچ گئے اُس وقت آپ نے ایک مجلس میں ذکر فرمایا کہ کعب بن مالک کو کیا ہوا؟ اور وہ کہاں ہیں؟ بنو سلمہ کے ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ ان کو دنیا کی زندگی اور اُسکے عیش نے جہاد سے روک دیا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس شخص نے بدگمانی کی ہیں نے اُن میں سوائے خیر کے اور کچھ نہیں پایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سُنکر خاموش ہو گئے۔

الغرض میں آج اور کل کے ارادے میں اتنا سُست ہو گیا کہ پورے بیس دن گزر گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واپس تشریف لانے کی خبر ملی۔ مجھ پر بڑی فکر سوار ہو گئی کہ اپنی غیر حاضری کا کیا عذر پیش کروں جسکے ذریعہ آپ کی ناراضی سے محفوظ ہو جاؤں اور مختلف خیالات و وساوس نے مجھے گھیر لیا۔ پھر مجھے یہ خبر ملی کہ آپ تشریف لا چکے ہیں تو اُس اطلاع پر میرے وساوس و خیالات فاسدہ یکدم دُور ہو گئے اور مجھے شدت سے یہ بات محسوس ہوئی کہ سچ بولنے ہی میں نجات ہے اور مجھکو سچ سچ کہہ دینا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو عادت شریفہ کے مطابق پہلے مسجد تشریف لے گئے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ پھر آپ مسجد میں بیٹھ گئے۔ غزوۂ تبوک میں نہ جانے والے منافقین جنکی تعداد اسی سے کچھ زائد تھی یکے بعد دیگرے آپ کی خدمت میں آکر جھوٹے عذر پیش کئے اور اسپر قسمیں

بھی کھائیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن کے ظاہری قول و قرار کو قبول کر لیا اور دلوں کی نیتوں کو اللہ علیم وخبیر کے حوالہ کر دیا۔ اسی درمیان میں بھی حاضر خدمت ہوا اور قریب پہنچکر سلام کیا۔ آپؐ نے مجھ کو دیکھ کر تبسّم فرمایا ایسا تبسّم جو ناراض آدمی کیا کرتا ہے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپؐ نے اپنا رُخ پھیر لیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے مجھ سے چہرہ کیوں پھیر لیا۔ اللہ کی قسم میں نہ منافق ہوں اور نہ دین کے معاملہ میں کسی شک وشبہ میں مبتلا ہوں اور نہ میں نے اسمیں کوئی تبدیلی کر لی ہے۔

آپؐ نے فرمایا پھر جہاد میں کیوں نہیں گئے؟ کیا تم نے سواری خرید نہ لی تھی؟

میں نے عرض کیا بیشک یا رسول اللہ اگر میں آپؐ کے سوا دنیا کے کسی دوسرے آدمی کے سامنے بیٹھتا تو مجھے یقین ہے کہ میں کوئی معقول عذر گھڑ کر اُسکی ناراضی سے بچ جاتا۔ کیونکہ مجھکو بات بنانے میں مہارت حاصل ہے۔ لیکن قسم ہے اللہ کی میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اگر آپؐ سے کوئی جھوٹی بات کہدی جس سے آپ وقتی طور پر راضی ہو جائیں تو مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقتِ حال آپ پر واضح کر کے مجھ سے ہمیشہ کے لئے ناراض کر دیگا۔ اور اگر میں نے سچی بات بتلادی تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرینگے۔ یا رسول اللہ صحیح بات یہی ہے کہ جہاد سے غائب رہنے میں میرا کوئی عذر نہیں تھا۔ میں کسی وقت بھی مالی اور جسمانی حیثیت سے قوی اور بہتر نہیں ہوا تھا جتنا کہ اس وقت تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنتے ہی فرمایا:-

اَمَّا هٰذَا فَقَدْ صَدَقَ فَقُمْ حَتّٰى يَقْضِيَ اللّٰهُ فِيْكَ۔

تم نے سچ سچ بات کہدی۔ اب جاؤ اور اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرو!

میں اُٹھ کر چلا تو قبیلہ بنوسلمہ کے چند آدمی میرے پیچھے پڑ گئے۔ کہنے لگے اے کعب! یہ تم نے کیا غلطی کر دی اس وقت کوئی عذر پیش کر دیتے جیسا کہ

دوسرے لوگ کر چکے ہیں اور تمہارے گناہ کی معافی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کافی تھا۔

اللہ کی قسم یہ لوگ مجھے بار بار ملامت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میرے دل میں خیال آیا کہ پھر لوٹ جاؤں اور عرض کردوں، یارسول اللہ میں نے جو بات پہلے کہی ہے وہ غلط تھی میرا صحیح عذر یہ ہے۔ لیکن اللہ نے میری مدد کی دل نے کہا کہ میں ایک گناہ کے بجائے دو گناہ نہ کرلوں۔ ایک جہاد میں شریک نہ ہونے کا گناہ دوسرا جھوٹ بولنے کا گناہ۔ پھر میں اس خیال سے دور ہوگیا اور اُن لوگوں سے پوچھا، کیا پیچھے رہ جانے والوں میں کسی نے میری طرح جرم کا اعتراف کرلیا ہے؟ اُن لوگوں نے بتایا کہ دو آدمی اور ہیں جنھوں نے تمہاری طرح اقرار جُرم کرلیا ہے۔ اور اُن کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب دیا ہے جو تم کو دیا ہے۔ میں نے پوچھا وہ کون ہیں؟

اُن لوگوں نے کہا مُرارہ بن ربیع، ہلالؓ بن اُمیّہ۔

دکعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ جب میں نے ایسے دو بزرگوں کا نام سُنا جو غزوۂ بدر کے مجاہدین میں سے ہیں تو میرا غم کچھ ہلکا ہوا اور میں نے اُن لوگوں سے کہا بس میرے لئے اِن دو بزرگوں کا عمل قابلِ تقلید ہے۔ یہ کہہ کر میں اپنے گھر چلا آیا۔

میرے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو حکم فرمادیا کہ اِن تینوں سے سلام وکلام، لین دین سب ترک کردیا جائے۔ چنانچہ تمام مسلمانوں نے ہم تینوں سے قطع تعلق کرلیا۔

اللہ کی قسم اس واقعہ نے ہم تینوں پر جو کچھ اثر کیا اُس کا اندازہ کوئی دوسرا ہرگز نہیں کرسکتا۔ میرے دونوں ساتھی مُرارہ بن ربیع رضؓ اور ہلال بن اُمیّہ رضؓ پر تو اس درجہ اثر پڑا کہ انھوں نے باہر نکلنا ہی چھوڑدیا۔ دن رات اپنے گھر میں روتے پڑے رہے ہیں جوان آدمی تھا نمازوں کے اوقات میں مسجد نبوی حاضر ہوتا اور نماز سے فارغ ہوکر کسی کو سلام کرتا تو نہ کوئی جواب

دیتا اور نہ کوئی کلام کرتا۔

مسند عبد الرزاق کی روایت میں ہے کہ اسوقت ہماری دنیا بالکل بدل گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نہ وہ لوگ ہیں جو پہلے تھے اور نہ ہمارے باغ و مکان وہ ہیں جو پہلے تھے سب اجنبی نظر آتے تھے لیکن سب سے زیادہ فکر جو مجھکو ستارہی تھی وہ یہ کہ اگر میں اسی حال میں مرگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے جنازے کی نماز نہیں پڑھائیں گے۔ یا خدانخواستہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو میں عمر بھر اسی طرح لوگوں میں ذلیل و خوار پھرتا رہوں گا۔ اس احساس نے مجھکو ہر وقت بیقرار کر رکھا تھا۔ اللہ کی کشادہ زمین مجھ پر تنگ ہوگئی۔ اس حال میں ہم پر پچاس راتیں گزر گئیں۔ چونکہ میں جوان آدمی تھا اس لئے ہر روز باہر نکلتا، بازار جاتا، نماز میں سب مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوتا مگر کوئی بھی نہ مجھ سے کلام کرتا نہ سلام کا جواب دیتا اور نہ ہی قریب ہوتا۔ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا تو دیکھتا کہ کیا آپؐ کے لب مبارک کو حرکت ہوئی یا نہیں مگر محرومی کے سوا اور کچھ نہ پاتا۔ البتہ یہ محسوس کرتا تھا کہ جب میں نماز میں مشغول ہوتا ہوں تو آپؐ میری جانب دیکھتے ہیں اور جب میں فارغ ہوکر آپؐ کی جانب متوجہ ہوتا تو آپؐ میری جانب سے رُخ مبارک پھیر لیتے ہیں۔

جب مسلمانوں کی بے تعلقی دراز ہوگئی تو ایک روز میں اپنے چچازاد بھائی ابو قتادہ رضؓ کے پاس گیا جو میرے محبوب ترین دوست تھے میں اُن کے باغ میں دیوار پھاندکر داخل ہوا اور اُن کو سلام کیا۔ اللہ کی قسم اُنھوں نے بھی سلام کا جواب نہیں دیا۔ میرا دل بھر آیا پوچھا اے ابو قتادہ رضؓ کیا تم نہیں جانتے کہ میں اللہ اور اسکے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت رکھتا ہوں؟

اسپر بھی ابو قتادہؓ نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب میں بار بار یہ سوال دُھرایا تو تیسری یا چوتھی مرتبہ اُنھوں نے صرف اتنا کہا اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ

اَعْلَمُ۔ اللہ اور اُس کا رسول ہی خوب جانتا ہے۔

میں یکدم رو پڑا اور اسی طرح دیوار پھاند کر باغ سے باہر آگیا۔ انہی دنوں ایک روز مدینہ کے بازار میں تھا دیکھا کہ ملکِ شام کا ایک نبطی شخص جو غلّہ فروخت کرنے مدینہ آیا تھا لوگوں سے دریافت کر رہا ہے کہ تم میں کعب بن مالکؓ کون ہے ؟ لوگوں نے میری جانب اشارہ کیا وہ آدمی میرے قریب آیا اور مجھکو بادشاہِ غسان کا ایک خط دیا جو ریشمی رومال پر لکھا ہوا تھا جس کا مضمون یہ تھا:۔

"امابعد! مجھکو یہ خبر ملی ہے کہ آپ کے نبیؐ نے آپ سے بیوفائی کی ہے اور آپ کو دور کر رکھا ہے اور اللہ نے آپ کو ذلت و رسوائی کا مقام نہیں دیا ہے۔ لہٰذا اگر آپ ہمارے ملک آنا پسند کریں تو ہم آپ کی ہر طرح مدد کریں گے۔"

میں نے جب یہ خط پڑھا تو بے ساختہ میری زبان سے نکلا کہ میری ایک اور آزمائش آئی ہے اور یہ پہلی آزمائش سے زیادہ کٹھن ہے۔ اے اللہ کفار کو میرے بارے میں یہاں تک توقع ہوگئی ہے۔ میں نے اُس نبطی سے کچھ نہ کہا آگے بڑھا ایک دکان پر تنور جل رہا تھا اس خط کو اُسمیں جھونک دیا اور اُس نبطی سے کہا اپنے بادشاہ کو کہنا کہ یہ اُس کا جواب ہے۔ یہ کہہ کر میں اپنے گھر آگیا۔

الغرض اس طرح چالیسؔ راتیں گزر چکی تھیں۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد خُزیمہ بن ثابت میرے ہاں آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیام دیا کہ تم اپنی بیوی سے بھی علیحدگی اختیار کرلو۔

میں نے پوچھا کیا اس کو طلاق دے دوں ؟ قاصد نے کہا نہیں، عملاً اُن سے دور رہو۔

حضرت کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ اسی طرح کا حکم میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی پہنچا۔ میں نے تو اپنی بیوی سے کہا کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ اور وہیں رہو جب تک اللہ کا کوئی فیصلہ نہ آجاوے۔

ہلال بن امیہ رضؓ کی بیوی خولہ بنت عاصم رضؓ نے قاصد کا یہ پیام سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ہلال بن امیہ رضؓ بوڑھے ضعیف آدمی ہیں اور ضعیف البصر بھی ان کے ہاں کوئی خادم بھی نہیں جو ان کی خدمت کر سکے۔ یا رسول اللہ اگر آپؐ اجازت دے دیں تو میں ان کی خدمت کرتی رہوں۔ آپؐ نے انھیں صرف خدمت کر دینے کی اجازت دے دی۔ کہنے لگی یا رسول اللہ وہ تو اس حادثے سے ایسے متأثر ہیں کہ اُن میں کوئی حرکت ہی نہیں، اللہ کی قسم اُن پر مسلسل گریہ طاری ہے۔ رات دن روتے رہتے ہیں۔

کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے بھی میرے خاندان والوں نے کہا کہ اے کعبؓ تم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے برائے خدمت بیوی کی اجازت لے لو۔ جیسا کہ ہلال بن امیہ رضؓ کو اجازت مل گئی ہے۔

میں نے کہا میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا معلوم نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جواب دیں! اسکے علاوہ میں جوان آدمی ہوں (مجھے خدمت کی چنداں ضرورت بھی نہیں) چنانچہ اس حال پر مزید دسؔ راتیں اور گزر گئیں۔ اس طرح پچاسؔ راتیں مکمل ہوگئیں تھیں۔ ایک دن صبح کی نماز پڑھکر میں اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا اور میری حالت وہی تھی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے کہ اُن پر عرصۂ حیات تنگ ہو چکا تھا۔ اچانک کوہِ سلع کے اوپر کسی پکارنے والے آدمی کی آواز سنی جو بلند آواز سے کہہ رہا ہے :-

"اے کعب بن مالکؓ تم کو بشارت ہو اللہ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے!"

مسند عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ ہماری توبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک تہائی رات گزرنے کے وقت نازل ہوئی ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضؓ جو اس وقت حجرۂ نبوی میں تھیں عرض کیا اگر اجازت ہو تو میں کعب بن مالکؓ کو اسکی خبر دوں؟ آپؐ نے فرمایا ابھی لوگوں کا

ہجوم ہوجائے گا رات کی نیند مشکل ہوجائے گی۔

الغرض جب کوہِ سلع سے میں نے آواز سنی توسجدہ میں گر پڑا اور فرطِ مسرت سے رونے لگا اور مجھے یقین ہوگیا کہ میری نجات کی صورت ظاہر ہوئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے بعد صحابہ کرام کو ہماری توبہ قبول ہونے کی خوشخبری دی۔

اب ہر طرف سے لوگ ہم کو مبارکباد دینے کے لئے دوڑے بعض لوگ گھوڑے پر سوار ہوکر میرے پاس پہنچے مگر پہاڑ سے آواز دینے والے کی خوشخبری سب سے پہلے پہنچ گئی۔

محمد بن عمرو کی روایت میں ہے کہ یہ آواز دینے والے سیدنا ابوبکر صدیق رض تھے۔ رضی اللہ عنہ

کعب بن مالک رض کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لئے نکلا تو دیکھا کہ لوگ جوق در جوق مجھے مبارکباد دینے کے لئے آرہے ہیں۔ میں اسی حالت میں مسجد نبوی حاضر ہوا دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور آپ کے اطراف صحابہ کرام کا مجمع ہے۔ مجھکو دیکھ کر سب سے پہلے طلحہ بن عبید اللہ رض کھڑے ہوئے اور دوڑ کر مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکباد دی۔ طلحہ رض کا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولا۔ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو آپ کا چہرۂ انور خوشی سے چمک رہا تھا فرمایا:۔

"اے کعب رض تم کو ایسے مبارک دن کی بشارت ہو جو تمہاری زندگی میں سب سے بہتر دن ہے!"

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ حکم آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟

آپ نے فرمایا! نہیں! یہ حکم اللہ کا ہے۔ تم نے سچ کہا تھا اللہ نے تمہاری سچائی ظاہر فرمادی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خوش ہوتے تو آپ کے

چہرۂ مبارک سے نور کی کرنیں ظاہر ہوتی تھیں گویا چہرۂ اقدس چاند کا ٹکڑا ہے اور ہم یہ واضح طور پر دیکھا کرتے تھے۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری توبہ کی علامت یہ ہے کہ میں اپنا کل مال و متاع اللہ کی راہ میں صدقہ کردوں۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا نہیں! کچھ مال اپنی ضرورت کے لئے باقی رکھو یہ بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا تو پھر میں اپنا آدھا مال صدقہ کروں؟ آپ نے اسکی بھی اجازت نہ دی۔ میں نے کہا اپنے ایک تہائی مال کو صدقہ کروں؟ آپؐ نے اجازت دے دی۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ نے سچ بولنے کی وجہ سے مجھے نجات دی ہے اس لئے میں عہد کرتا ہوں کہ زندگی میں کبھی بھی جھوٹ نہ بولوں اور ہمیشہ سچ کہوں گا۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد کعب بن مالکؓ یہ بھی فرماتے تھے کہ اللہ کی قسم اسلام لانے کے بعد اس سے بڑی نعمت مجھکو نہیں ملی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میں سچ کہا اور جھوٹ سے پرہیز کیا ہے۔ اگر میں جھوٹ کہدیتا تو اسی طرح ہلاکت میں پڑجاتا۔ جس طرح جھوٹی قسمیں کھانے والے ہلاک ہوئے جن کے بارے میں قرآن کی یہ آیات نازل ہوئیں:۔

سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ الخ

(توبہ آیت ۹۵، ۹۶)

اور میں اللہ سے یہ اُمید رکھتا ہوں کہ اپنی بقیہ زندگی سچائی پر گزریگی۔ اللہ نے اپنی کتاب قرآن حکیم میں یہ آیات ہمارے بارے میں نازل فرمائی ہیں:۔

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الخ

(توبہ آیت ۱۱۷ تا ۱۲۱)

(بخاری ج ۲ ص ۶۳۴ فتح الباری ج ۸ ص ۹۷)

قرآن حکیم اور غزوۂ تبوک

قرآن حکیم میں غزواتِ نبوی کا تذکرہ موجود ہے لیکن غزوۂ تبوک کا تذکرہ نہایت تفصیل اور اہتمام سے بیان کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس سلسلے میں پند و موعظت کے ذریعہ مسلمانوں کی رشد و ہدایت کا سامان بھی مہیا کیا ہے۔ چنانچہ سورہ توبہ کے چھٹے رکوع سے آخر سورت تک اسی غزوہ سے متعلق حالات اور مواعظ کا تذکرہ ملتا ہے۔

اور اسی غزوۂ تبوک کے تذکرہ میں حضرت کعب بن مالکؓ اور اُن کے دونوں ساتھیوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ منافقین کی ریشہ دوانیاں اور جہاد سے گُریز کرنا اور مسلمانوں میں بے اعتمادی پیدا کرنے کی سازشوں کا تفصیلی ذکر بھی ملتا ہے۔

غزوۂ تبوک کے لئے مدینہ کے سب مسلمانوں کو نکلنے کا حکم عام دیا گیا تھا۔ اس وقت اہل مدینہ کے لوگوں کی پانچ قسمیں ہوگئی تھیں۔

(۱) پہلی قسم اُن مخلص مسلمانوں کی تھی جو حکم جہاد سنتے ہی بغیر کسی تردّد جہاد کے لئے تیار ہوگئے۔
اِن کا ذکر سورہ توبہ آیت ۱۱۷ اِتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ۔ میں ملتا ہے کہ مشکل وقت میں ان لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔

(۲) دوسری قسم ان مخلصین کی تھی جو ابتداءً تو کچھ فکر و تردد میں پڑ گئے تھے مگر پھر سنبھل گئے اور جہاد کے لئے سب کے ساتھ ہوگئے۔ ان کا بیان اسی آیت ۱۱۷ کے اس جملے میں ہے:۔

مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ الآیہ
بعد اسکے کہ قریب تھا دل پھر جائیں بعضوں کے اُن میں سے پھر
مہربان ہوا اللہ اُن پر (یعنی توفیق جہاد مل گئی)

(۳) تیسری قسم اُن مومنین کی تھی جو اگرچہ وقتی سستی و کاہلی کی وجہ سے جہاد میں نہ گئے مگر بعد میں نادم اور تائب ہوئے۔ بالآخر اِن سب کی توبہ قبول ہوگئی۔ یہ کل دس مسلمان تھے جن میں سے سات افراد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک سے واپسی کے بعد فوراً اپنی ندامت و توبہ کا اظہار کیا اور اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا کہ جب تک ہماری توبہ قبول نہ ہوگی بندھے رہیں گے۔ اِن حضرات کی آیت توبہ تو اُسی وقت نازل ہوگئی۔ اس کا ذکر آیت ۱۰۲ میں موجود ہے۔

وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ الآیۃ (توبہ آیت ۱۰۲)

اور اُن میں کچھ ایسے ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا ہے امید ہے کہ اللہ اُن پر رحم فرمادیں۔

ان ہی دس افراد میں سے تین افراد حضرت کعب بن مالکؓ، مرارہ بن ربیعؓ، ہلال بن اُمیہؓ، نے توبہ کا وہ طریقہ اختیار نہیں کیا تھا جیساکہ اُن کے بقیہ سات ساتھیوں نے کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن کے بارے میں عام مقاطعہ کا حکم دے دیا تھا کہ کوئی اِن سے سلام وکلام نہ کرے۔ چنانچہ پچاس دن کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اس کا ذکر آیت ۱۱۸ میں آیا ہے:-

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا الخ (توبہ آیت ۱۱۸)

اور اُن تین شخصوں پر بھی اللہ نے رحم فرمادیا جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا۔

(۴) چوتھی قسم ان بوڑھے اور بیمار حضرات کی تھی جو واقعی طور پر معذور تھے۔ اس عذر شرعی کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہوسکے۔ ان کا ذکر آیاتِ ذیل میں اس طرح ملتا ہے۔

لَیْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى الخ (توبہ آیت ۹۱)

گناہ نہیں ہے ضعیفوں پر اور نہ مریضوں پر اور نہ اُن لوگوں پر جن کے پاس جہاد میں خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں۔ جبکہ یہ لوگ اللہ اور اسکے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ خلوص رکھتے ہوں۔

اِن نیکوکاروں پر کسی قسم کا الزام نہیں (کہ وہ جہاد میں شریک نہ ہوسکے) اور اللہ مغفرت والا رحمت والا ہے۔

(۵) پانچویں قسم منافقین کی تھی جو کفر ونفاق کی وجہ سے جہاد میں شریک نہیں ہوئے ان کی ریشہ دوانیاں، حیلے حوالے، مکر و فریب، دروغ گوئی قول وفعل کا تضاد اور دیگر منافقانہ اعمال کا کھلا ذکر سورہ توبہ کی بکثرت آیات میں موجود ہے۔

قرآن حکیم کی آیاتِ ذیل میں غزوۂ تبوک کا تذکرہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

قرآنی مضمون

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ الخ

(توبہ آیت ۱۱۷ تا ۱۲۱)

اللہ نے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی توجہ فرمائی کہ اُن کو ایسے مشکل جہاد (تبوک) میں مضبوط رکھا جنھوں نے ایسی تنگی کے وقت نبی کا ساتھ دیا بعد اسکے کہ اُن میں سے ایک جماعت کے دلوں میں کچھ کمزوری سی ہو چلی تھی (اور غزوہ تبوک میں جانے سے ہمت ہارنے کو تھے مگر) پھر اللہ نے اُس جماعت کے حال پر توجہ فرمائی (کہ اُن کو سنبھال لیا اور وہ آخر مسلمانوں کے ساتھ ہو لئے)۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب پر بہت ہی شفیق مہربان ہے۔

اور اُن تین شخصوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب اُن کی پریشانی کی یہ حالت ہوگئی کہ زمین باوجود اپنی وسعت کے اُن پر تنگی کرنے لگی اور وہ خود بھی اپنی جان سے تنگ آگئے اور اُنھوں نے سمجھ لیا کہ اللہ کی گرفت سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی سوائے اسکے کہ اُسی کی طرف رجوع کیا جائے۔ پھر اللہ نے اُن کے حال پر خاص توجہ فرمائی تاکہ وہ آئندہ بھی (ہر مواقع پر) اللہ کی طرف رجوع رہا کریں۔ بیشک اللہ تعالےٰ بہت توجہ فرمانے والے بڑے رحم کرنے والے ہیں۔

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور (عمل میں) سچوں کے ساتھ رہو۔

مدینہ کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی اُن کے گرد وپیش میں رہتے ہیں اُن کو یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ نہ دیں اور نہ یہ زیبا تھا کہ اپنی جان کو اُن کی جان سے عزیز سمجھیں (کہ آپ تو تکلیف اُٹھائیں اور یہ آرام سے بیٹھے رہیں) اور یہ مصاحبت اس لئے ضروری ہے کہ اُن کو اللہ کی راہ میں جہاد میں جو پیاس لگی اور جو تھکن پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو چلنا چلے جو کافروں کے لئے باعث غیظ وغضب ہوا اور دشمنوں کی جو کچھ

خبر لی اُن سب پر اُن کے نام ایک ایک نیکی لکھی گئی۔ یقیناً اللہ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتے اور جو کچھ چھوٹا یا بڑا خرچ اُنھوں نے اس راہ میں کیا اور جتنے میدان اُن کو طے کرنے پڑے یہ سب بھی اُن کے نام نیکیوں میں لکھا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ اِن کو اُن کے سب کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

(توبہ آیت ۱۰۲ تا ۱۰۴)

اور کچھ لوگ وہ ہیں جنھوں نے اپنی خطا کا اعتراف کر لیا جنھوں نے ملے جلے (اچھے بُرے) عمل کئے تھے (جیسے اعتراف جو نیک عمل تھا اور بلا عذر عدم شرکت جہاد جو بُرا عمل تھا) اللہ سے امید ہے کہ اُن کے حال پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمادیں (یعنی توبہ قبول کرلیں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں۔ (وہ شات مخلص مسلمان جنھوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا تھا جن کا ذکر اوپر آچکا ہے) اے نبی آپ اِن کے اموال میں سے صدقہ (جسکو یہ لوگ لائے ہیں) لے لیجئے جس کے لینے کے ذریعہ سے آپ اِن کو (گناہ کے آثار سے) پاک صاف کردیں گے اور آپ اُن کے لئے دُعا کیجئے بلاشبہ آپؐ کی دُعا اُن کے لئے باعثِ اطمینان ہے اور اللہ تعالیٰ اُن کے اعتراف کو خوب سنتے ہیں اور اُن کی ندامت کو خوب جانتے ہیں۔ کیا اِن کو یہ خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو قبول کرتا ہے اور بیشک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا رحمت فرمانے والا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ الخ

(توبہ آیت ۹۱ تا ۹۳)

کم طاقت لوگوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ اُن لوگوں پر جن کو (سامان جہاد کی تیاری میں) خرچ کرنے کو میسّر نہیں جبکہ یہ

لوگ اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ خلوص رکھیں (اطاعت کرتے رہیں) ان نیکو کاروں پر کسی قسم کا الزام نہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں۔

اور نہ اُن لوگوں پر (کوئی گناہ اور الزام ہے) کہ جس وقت وہ آپؐ کے پاس اس واسطے آتے ہیں کہ آپ اِن کو کوئی سواری دیدیں اور آپؐ اُن سے کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں جس پر میں تم کو سوار کرادوں تو وہ مایوس ہوکر اس حالت میں واپس چلے جاتے ہیں کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں۔ اس غم میں کہ اُن کو جہاد کی تیاری میں خرچ کرنے کو کچھ میسّر نہیں۔

بس الزام تو صرف اُن لوگوں پر ہے جو باوجود اہل سامان ہونے کے گھر رہنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ یہ لوگ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہوگئے اور اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر کردی جس سے وہ (گناہ وثواب) کو جانتے ہی نہیں (تفسیر دُرِّ منثور میں اُن صحابہ کے نام لکھے گئے ہیں جنھوں نے سامانِ جہاد کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری مانگی تھی لیکن آپؐ کے معذرت کردینے پر وہ بچشم تر واپس ہوگئے۔

ایک حدیث صحیح میں یہ مضمون ملتا ہے کہ غزوۂ تبوک میں آپؐ نے مجاہدین کو مخاطب فرمایا تھا کہ اے لوگو تم مدینہ میں ایک ایسی جماعت کو اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو جو ہر قدم پر تمہارے اجر وثواب میں شریک ہے (یہی لوگ مراد ہیں)

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (توبہ آیت ۴۱ تا ۴۵)

جہاد کے لئے نکل پڑو خواہ تھوڑے سامان سے ہو اور خواہ زیادہ سامان سے ہو اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم یقین رکھتے ہو۔

اگر کچھ لگتے ہاتھ ملنے والا ہوتا اور سفر بھی معمولی سا ہوتا تو یہ

منافق لوگ ضرور آپؐ کے ساتھ ہو لیتے لیکن اُن کو تو راہ کی مسافت ہی دور دراز معلوم ہونے لگی (اس لئے مدینہ ہی میں رہ گئے) اور ابھی (جب تم لوگ جہاد سے واپس آؤ گے تو) اللہ کی قسمیں کھا جائیں گے کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ یہ لوگ (جھوٹ بول بول کر) اپنے آپکو تباہ کر رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں (بلاشبہ ان کو نکلنے کی استطاعت تھی)

اللہ نے آپ کو معاف تو کر دیا لیکن آپؐ نے اُنکو ایسی جلدی اجازت کیوں دے دی تھی جب تک کہ آپؐ کے سامنے سچے لوگ ظاہر نہ ہو جاتے اور جب تک کہ جھوٹوں کو معلوم نہ کر لیتے؟

اور جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے جان و مال سے جہاد کرنے کے بارے میں آپؐ سے چھٹی نہ مانگیں گے (بلکہ وہ حکم کے ساتھ ہی دوڑ پڑیں گے) اور اللہ اِن متقیوں کو خوب جانتا ہے۔ البتہ وہ لوگ جہاد میں نہ جانے کی آپ سے چھٹی مانگتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور اُن کے دل (اسلام کی) شک میں پڑے ہیں سو وہ اپنے شکوک میں پڑے ہوئے حیران ہیں۔ اور اگر وہ لوگ جہاد میں چلنے کا ارادہ کرتے (جیسا کہ عذر کرتے وقت کہہ رہے تھے) تو اُس چلنے کا کچھ سامان تو درست کرتے لیکن (اُنھوں نے شروع ہی سے ارادہ ہی نہ کیا تو) اللہ نے اُن کے جانے کو پسند نہیں کیا اس لئے اُن کو توفیق نہیں دی اور یوں کہہ دیا گیا کہ اپاہج لوگوں کے ساتھ تم بھی یہاں ہی بیٹھے رہو۔

اگر یہ منافق لوگ تمہارے ساتھ شامل ہو جاتے تو سوائے فساد کے اور کچھ زیادہ نہ کرتے اور مسلمانوں کے درمیان فتنہ پردازی کی فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے۔ اور اب بھی تم میں اُن کے کچھ جاسوس موجود ہیں اور اللہ ان ظالموں کو خوب سمجھے گا۔

اُن کو تو پہلے (جنگ اُحد وغیرہ میں) بھی فتنہ پردازی کی فکر

تھی اور (اس کے علاوہ بھی) آپ کی (ضرر رسانی کے) لئے کارروائیاں کرتے ہی رہے یہاں تک کہ سچا وعدہ آگیا اور اللہ کا حکم غالب رہا اور اُن منافقوں کو ناگوار ہی گزرتا رہا۔

اور اُن منافقین میں (جد بن قیس نامی ایک مسخرے نے یہ بہانہ تراشا تھا کہ حضرت مجھے تو مدینہ ہی میں رہنے دیں ملک روم کی عورتیں بہت حسین ہوتی ہیں انھیں دیکھ کر دل قابو میں نہ رکھ سکوں گا لہذا مجھے لیجا کر فتنہ میں نہ ڈالئے)

بعض شخص وہ ہے جو آپ سے کہتا ہے کہ مجھ کو (گھر رہنے کی) اجازت دے دیں اور مجھ کو فتنے میں نہ ڈالئے۔ خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ فتنے ہی میں پڑے ہوئے ہیں اور بلا شبہ جہنم ان کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا
أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الخ

(توبہ آیت ۸۱ تا ۸۲)

یہ پیچھے رہ جانے والے (منافقین) خوش ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (تبوک جانے کے) بعد اپنے گھر بیٹھے رہنے پر اور اُن کو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرنا ناگوار ہوا (دلی کفر اور آرام طلبی کی وجہ سے) اور وہ دوسروں کو بھی کہنے لگے کہ تم ایسی تیز گرمی میں گھر سے نہ نکلو آپ (اے نبی جواب میں) کہہ دیجئے کہ جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ تیز اور گرم ہے کیا خوب ہوتا اگر وہ سمجھتے۔

سو تھوڑے دنوں وہ ہنس لیں اور (پھر آخرت میں) بہت دنوں (یعنی ہمیشہ) روتے رہیں گے۔ یہ جزا ہے ان کاموں کی جو وہ کیا کرتے تھے۔

تو اگر اللہ تعالےٰ آپ کو (اس سفر سے صحیح و سالم) اُن کی کسی جماعت کی طرف واپس لائے پھر یہ لوگ (براہ خوشامدی) آپ کے ساتھ

چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ یوں کہہ دیجئے کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ جہاد میں نہ چلنا اور نہ میرے ہمراہ ہوکر کسی دشمن سے لڑنا تم نے پہلے بھی گھر بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا سو اب بھی اُن لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہو جو پیچھے رہ جانے کے ہی لائق ہیں۔

يَعْتَذِرُونَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ الخ (توبہ آیت ۹۴ تا ۹۶)

یہ منافق لوگ تمہارے سامنے عذر پیش کریں گے جب تم اُن کے پاس جاؤ گے (سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (سب کی طرف سے صاف صاف) کہہ دیجئے کہ (بس رہنے دو) یہ عذر پیش نہ کرو ہم تم کو کبھی سچا نہ سمجھیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہم کو تمہاری خبر دے چکے ہیں (کہ تم کو کوئی بھی عذر نہ تھا) اور آئندہ بھی اللہ اور اُس کا رسول تمہاری کارگزاری دیکھ لیں گے۔ پھر تم ایسی ذات کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے۔ پھر وہ تم کو بتادے گا جو جو تم کیا کرتے تھے۔

ہاں وہ لوگ اب تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھا جائیں گے (کہ ہم واقعی معذور تھے اس لئے جہاد کے لئے نہیں نکل سکے) جب تم اُن کے پاس واپس جاؤ گے تاکہ تم اُن کو اُن کی حالت پر چھوڑ دو (اور ملامت وغیرہ نہ کرو) سو تم اُن کو اُن کی حالت پر چھوڑ دو کیونکہ وہ لوگ بالکل گندے ہیں اور اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے اُن کاموں کے بدلہ میں جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔

یہ اس لئے قسمیں کھائیں گے کہ تم اِن سے راضی ہوجاؤ (بالفرض) اگر تم اُن سے راضی بھی ہو جاؤ (ان کو کیا نفع ہوگا کیونکہ) اللہ تعالیٰ تو ایسے شریر لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔

نتائج و عبر

مسجدِ تفاخر سورہ توبہ میں منافقین کی جس مسجد کا ذکر آیا ہے اُس کی بنیاد تین مقاصد پر تھی:۔

(۱) کفر کا استحکام (۲) اہل ایمان میں تفریق پیدا کرنا (۳) ایک دشمن خُدا اور رسول کا ٹھکانہ بنانا۔

قرآن حکیم نے منافقین کے یہ تینوں مقاصد واضح طور پر بیان کر دیئے ہیں۔

(توبہ آیت ۱۰۷)

چونکہ اس تعمیر کی غرض و غایت عام مساجد کی غرض و غایت سے مختلف ہی نہیں بلکہ متضاد اور مخالف تھی۔ اس لئے منافقین کی اس تعمیر کا نام مسجد ضرار (سراپا شر) رکھدیا گیا۔ جس کا تذکرہ پچھلے صفحات میں تفصیل سے آچکا ہے۔ اہلِ علم نے یہاں ایک بحث یہ پیدا کی ہے کہ آج بھی اگر مسلمان کوئی ایسی مسجد تعمیر کرے جس کے قریب ہی کوئی آباد مسجد موجود ہو اور اس دوسری مسجد کا مقصد باہمی تفرقہ یا پہلی مسجد کی جماعت توڑنا یا ضد وعناد، ریاکاری وشہرت وغیرہ اغراض فاسدہ پیش نظر ہوں تو کیا اِس نئی مسجد کو مسجد ضرار کہا جائے گا؟ اور کیا اس مسجد کا وہی حکم ہوگا کہ اُسکو ڈھا دیا جائے اور اسمیں آگ لگا دی جائے؟ علماء کے ایک طبقے نے ایسا ہی سمجھا ہے اور اِن فاسدہ اغراض کے تحت جو بھی مسجد بنائی جائے وہ مسجد ضرار ہی کے حکم میں آئے گی اور ایسی مسجد کو مسجد ضرار کہا جائے گا۔

لیکن اہل علم کا ایک دوسرا طبقہ اس طرز فکر سے اختلاف رکھتا ہے۔ اِن حضرات کا یہ خیال ہے کہ مسجد ضرار ایک خاص مسجد تھی جو زمانۂ نزول وحی میں تعمیر کی گئی اور تعمیر کرنیوالے خالص منافقین تھے۔ جنکی تصریح قرآن حکیم میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں اس مسجد کی غرض و غایت بھی وحی الٰہی نے بیان کر دی ہے کہ وہ مسجد نہ تھی بلکہ سو فیصد اسلام دشمنی کا گھر تھا۔ ان وضاحتوں کے بعد منافقوں کی وہ تعمیر قطعی طور پر نہ مسجد تھی اور نہ مسجد کے مشابہ۔

لیکن جو مسلمان مسجد کے پڑوس میں ایک اور نئی مسجد تعمیر کرلیں اگرچہ ان کے

اغراض میں نام ونمود، شہرت، باہمی تفرقہ، یا ضد وعناد شامل ہوں تب بھی وہ مسجد ہی شمار کی جائیگی اور اُس کا حکم مسجد ضرار کے حکم سے مختلف ہوگا اُسے ڈھا دینے یا اسمیں آگ لگا دیئے جانے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ اوّل تو نزولِ وحی کا سلسلہ بند ہو چکا ہے ختم نبوت وختم رسالت کا دور ہے اب دلوں کے حقیقی نیتوں کا حال سوائے اللہ علیم وخبیر کے کسی اور کو حاصل نہیں۔ دوسری شخصیت اس حال سے عاجز و بے بس ہے۔ وحی الٰہی ایک واحد ذریعہ تھا جسکے ذریعہ کھرا کھوٹا، حق وباطل، ایمان ونفاق کا قطعی فیصلہ کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مسجد ضرار کی تعمیری حقیقت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کی اطلاع پر "دارِ کفر" قرار دیا اور اُسکو ڈھا دینے اور جلا دینے کا حکم جاری فرمایا۔

چونکہ ختم نبوت کے بعد ایسی قطعی اطلاعات کا امکان نہیں رہا اس لئے کسی اور مسجد کو مسجد ضرار نہیں کہا جائے گا۔ گویا مسجد ضرار ایک خاص تعمیر تھی جو عہد نبوت میں منافقوں نے تعمیر کی تھی جسکو ڈھا دیا گیا اور اسمیں آگ لگا دی گئی۔

اب رہا موجودہ دور میں مسلمانوں کا کوئی ایسی مسجد تعمیر کرنا جسکے اغراض فاسدہ اور واہی تباہی ہوں یقیناً یہ کارِ ثواب تو کجا باعثِ گناہ وظلم شمار ہوگا اور ایسی تعمیر تفریق بین المسلمین کہلائیگی۔ لیکن ان ناپاک اغراض کے باوجود وہ تعمیر مسجد ہی کہلائیگی اُسکو ڈھا دینا یا اس میں آگ لگا دینا درست نہ ہوگا۔ جو لوگ اس میں نماز پڑھیں گے اُن کی نماز ادا ہوجائے گی لیکن ایسی نماز کا دُھرانا واجب ہوگا۔ کیونکہ یہ نماز ایسی جگہ پڑھی گئی ہے جس کے بانی کی نیت میں شر و فساد تھا اور وہ محل اللہ کے لئے خالص نہ تھا۔

تاہم ایسی مسجد کو مسجد ضرار نہیں کہا جائے گا کیونکہ وحی جیسا قطعی ویقینی ذریعہ ہم کو میسّر نہیں ہے۔

علاوہ ازیں مسجد ضرار کے بانیوں نے تو بنیادی طور پر مسجد نہیں بنایا تھا کیونکہ وہ منافق خالص تھے اُن کے اعتقاد میں مسجد کا تصور بھی نہ تھا بخلاف اغراض فاسدہ کے تحت موجودہ دور میں تعمیر کرنے والے مسلمانوں کی نیت واعتقاد ویسا نہیں جیسا کہ منافقین خالصین کا تھا۔ لہٰذا اغراض فاسدہ کے تحت مسجد تعمیر کرنے والوں کی مسجد، مسجد ضرار نہ ہوگی بلکہ مشابہ مسجد ضرار یا مسجد تفاخر ہوگی۔ احکام ظاہری میں وہ مسجد ہے مگر عند اللہ وہ مقبول نہ ہوگی اور اُس کے بانیوں کو آخرت میں کوئی ثواب تو کجا اغراضِ فاسدہ کی وجہ سے عذاب ہوگا۔ اِلّا یہ کہ ایسے لوگ

دنیا ہی میں اپنے فاسد اغراض سے رجوع کرلیں اور خالص توبہ کرلیں۔

(۲) عدوّ اللہ اور مسجدِ ضرار

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے شہر میں داخل ہونے سے پہلے قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں چند روز قیام فرمایا جو شہر کے ایک کنارے آباد تھا۔ یہاں قیام کر کے آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور مسجد نبوی کی تعمیر کی۔ اُس محلہ میں جہاں آپ نماز پڑھتے تھے وہاں کے مسلمانوں نے ایک مسجد تیار کرلی جو مسجد قُبا کے نام سے مشہور ہوئی۔

بعض منافقین نے چاہا کہ اس مسجد کے قریب ایک اور تعمیر مسجد کے نام سے کرلی جائے تاکہ اپنی جماعت علیحدہ قائم کرلی جائے اور بعض سادہ دل مسلمانوں کو مسجد قُبا سے ہٹا کر اپنی جماعت میں شامل کرلیا جائے۔

درحقیقت اس ناپاک تعمیر کا محرک (ابو عامر راہب خزرجی تھا۔ یہ شخص زمانۂ جاہلیت میں نصرانی ہوگیا تھا اور ابو عامرِ راہب کے نام سے مشہور ہوگیا (یہ وہی شخص ہے جن کے لڑکے حضرت حنظلہ رضؓ مشہور صحابیؓ صاحبِ سرِّ رسول اللہ غسیل ملائکہ کے لقب سے معروف ہیں جنکی لاش کو فرشتوں نے غسل دیا تھا)

الغرض ابو عامر نصرانی بنکر راہبانہ زندگی اختیار کر لیا تھا مدینہ اور اطراف مدینہ کے لوگ خصوصاً قبیلہ خزرج کے لوگ اسکے زہد اور درویشی کے معتقد تھے اور بڑی تعظیم کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے اور اسلام و ایمان کا آفتاب طلوع ہوا تو اسکی درویشی کا بھرم کھلنے لگا۔ ابو عامر یہ دیکھ کر چراغ پا ہوگیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکو اسلام کی دعوت دی اور ارشاد فرمایا کہ میں ملتِ ابراہیمی لیکر آیا ہوں اور اُسی کی دعوت دیتا ہوں۔

ابو عامر نے کہا میں پہلے ہی سے اسی ملت پر قائم ہوں لیکن

تم نے ملت ابراہیمی میں اپنی جانب سے اُسکے خلاف بہت ساری چیزیں داخل کر دی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری شدت سے اس الزام کی تردید کی لیکن وہ تسلیم کرنے آمادہ نہ ہوا آخر کار اسکی زبان سے یہ جملہ نکلا کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہے اللہ اُس کو وطن سے دور غربت و بے کسی کی موت مارے۔ آپؐ نے آمین فرمایا۔ پھر اُس نے کہا تمہارے مقابلہ میں جو بھی دشمن آئے گا میں اُس کی مدد کروں گا۔ چنانچہ غزوۂ حنین تک تمام غزوات میں مسلمانوں کے خلاف شرکت کیا۔ معرکۂ احد میں قریش کے ساتھ آیا تھا اور اسی کی تجویز پر میدان اُحد میں چھوٹے چھوٹے گڑھے کھدوائے گئے تھے جس سے صحابہ کو بڑی زحمت اُٹھانی پڑی۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک موقع پر اسی گڑھے میں گر پڑے تھے۔ اسی حادثے میں آپؐ کا چہرہ زخمی اور دندان مبارک ٹوٹ گئے تھے۔ غزوۂ حنین میں قبیلہ ہوازن جو اپنی قوت وطاقت اور تیر اندازی میں مشہور تھا شکست کھا گیا تو ابو عامر مایوس ہوکر ملک شام بھاگ گیا کیونکہ یہی ملک اُس وقت نصرانیوں کا مرکز تھا وہاں سے منافقین مدینہ کو خط لکھا کہ میں قیصر روم سے ملکر ایک بڑا لشکر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ میں لانے والا ہوں جو چشم زدن میں مسلمانوں کو بے نام ونشان کر دے گا۔ لہذا فی الحال تم ایک عمارت مسجد کے نام پر بنالو جہاں نماز کے بہانے جمع ہوکر اسلام کے خلاف ہر قسم کے مشورے ہوں لیکن میرا قاصد وہاں تم کو میرے خطوط اور ہدایات پہنچا دیا کریگا اور جب میں مدینہ آؤں تو اپنا قیام اُسی عمارت میں رکھوں چنانچہ منافقین نے اِسکی ہدایت پر عمارت تعمیر کی جس کا نام اُنھوں نے مسجد رکھا، جب تعمیر مکمل ہوگئی تو یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور یہ بہانہ کیا کہ یارسول اللہ بارش اور سردی وغیرہ میں خاص طور پر بیماروں، کمزوروں اور بوڑھوں کی سہولت کے لئے مسجد قباء کے قریب ایک مسجد تعمیر کرلی گئی ہے تاکہ ایسے لوگوں کو سہولت ہو۔ علاوہ ازیں مسجد قبا میں گنجائش بھی کم ہے۔ گرمی وسردی کے زمانے میں سب لوگ

سما نہیں سکتے۔ یارسول اللہ بخدا ہماری نیت خیر ہے اسکے سوا اور کوئی مقصد نہیں۔ براہِ کرم آپ تشریف لاکر ایک نماز اس مسجد میں ادا فرمادیں تاکہ اس کے آغاز میں برکت ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غزوۂ تبوک کی تیاری میں مشغول تھے آپ نے وعدہ کر لیا کہ اس وقت تو ہمیں سفر درپیش ہے واپسی کے بعد ہم اس میں نماز پڑھ لیں گے۔

جب آپ تبوک سے واپس ہوکر مدینہ طیبہ کے قریب تھے جبرئیل امین یہ آیات لیکر آئے جن میں ان منافقین کی سازش کھول دی گئی اور اُس تعمیر کے ناپاک اغراض کو ظاہر کر دیا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کو جنمیں مالک بن دخشم رضؓ، معن بن عدی اور وحشی (قاتل حمزہ رضؓ) شامل تھے آگے روانہ کیا اور حکم فرمایا کہ اس نام نہاد مسجد کو پیوند خاک کر دیا جائے اور اُس میں آگ لگا دی جائے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی اس طرح منافقین اور اُن کے سردار ابو عامر راہب کے ارمان دل کے دل میں رہ گئے اور قیامت تک اُس تعمیر کا نام "مسجد ضرار" سراپا شر پڑ گیا۔ اور ابو عامر راہب اپنی دُعا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمین کے موافق شہر قنسرین (ملک شام) میں تنہائی و بے بسی غربت کی حالت میں فوت ہوا۔ قرآن حکیم نے اسکو دشمنِ خدا و رسول کے نام سے یاد کیا ہے۔ (ابن کثیر آیت ۱۰۷)

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

وعدہ خلاف ثعلبہ

اہل مدینہ میں ثعلبہ بن حاطب انصاری نامی ایک غریب شخص تھا ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یارسول اللہ میرے لئے دُعا فرما دیجئے کہ اللہ مجھے کثیر مال عطا کرے۔ آپؐ نے اسکے اس مطالبہ پر فرمایا:-

"اے ثعلبہ تھوڑا مال جس کا تو شکر ادا کرے اُس کثیر مال

سے بہتر ہے جس کا شکر ادا نہ ہو سکے۔" یہ سنکر ثعلبہ چلا گیا۔ دوسرے دن پھر آیا اور وہی درخواست پیش کی۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا:-

"اے ثعلبہ کیا تجھ کو یہ بات پسند نہیں کہ تو میرے نقش قدم پر چلے؟ اُس ذات کی قسم جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر میں چاہوں کہ مدینہ کے یہ پہاڑ سونا چاندی ہوجائیں تو یہ ضرور سونا ہوجائیں گے۔ لیکن اے ثعلبہ کثیر مال کی ہوس اچھی نہیں!"

ثعلبہ نے اس نصیحت و خیر خواہی کو قبول نہ کیا کہنے لگا یا رسول اللہ اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر اللہ نے مجھے کثیر رزق دے دیا تو میں ہر حق والے کا حق ادا کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اصرار پر ہاتھ اُٹھا دیئے اور فرمایا:-

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْ ثَعْلَبَةَ مَالًا۔

اے اللہ ثعلبہ کو مال کثیر عطا فرما۔

راوی حضرت ابو اُمامہ الباہلی رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کی برکت سے ثعلبہ کی بکریوں میں اس تیزی سے افزائش شروع ہوگئی جیسا کہ غلاظت میں بیشمار کیڑے پیدا ہوتے ہیں۔ کچھ ہی عرصہ بعد اُس کا گھر تنگ ہوگیا۔ شہر مدینہ سے دور ایک وادی میں زمین خریدی اور وہاں اپنی بکریوں کا انتظام رکھا اور وہ بکریاں اسی طرح تیزی سے بڑھ رہی تھیں اس مشغولیت اور مسافت کی دوری کی وجہ سے نماز ظہر اور عصر کو مسجد نبوی میں مسلمانوں کے ساتھ ادا کر لیتا تھا باقی نمازیں چھوڑ کر کاروبار میں مشغول ہوجاتا لیکن بکریوں میں اور اضافہ ہوگیا تو اُس جگہ سے بھی منتقل ہوکر شہر سے بہت دور جا بسا اور وہاں اپنی بکریوں کا انتظام قائم کیا۔ اب سوائے جمعہ کے مسجد نبوی کی حاضری ختم ہوگئی۔ ہفتہ میں ایک مرتبہ شہر آتا اور جمعہ پڑھکر اپنے مقام واپس ہوجاتا۔ راوی کہتے ہیں کہ اُس کی بکریوں کی افزائش کا وہی سلسلہ تھا کیڑوں کی طرح اُبل رہی تھیں اور

ثعلبہ نہایت مسرور تھا۔ مال کی کثرت اور کام کی مشغولیت اور مسافت کی دوری نے ثعلبہ کو اور زیادہ مشغول کر دیا۔ اب اسکو اتنی فرصت ہی نہ تھی کہ نماز جمعہ کے لئے سہی شہر مدینہ آئے۔ اس طرح جمعہ بھی چھوٹ گیا اور وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے دور ہو گیا۔

لیکن آنے جانے والوں سے پوچھا کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان میرے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں؟ اور کیا میرا کوئی ذکر بھی ہوتا ہے؟ لوگ نفی میں جواب دے دیا کرتے تھے۔

ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثعلبہ کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے اور اُس کا کیا حال ہے؟

لوگوں نے کہا یا رسول اللہ اُس نے بکریوں کا کاروبار شروع کیا تھا لیکن بکریوں کی اتنی کثرت ہو گئی کہ اُس کا مکان تنگ ہو گیا اُس نے شہر سے دور ایک وادی میں زمین خریدی اور وہاں منتقل ہو گیا پھر اتنا پھیلاؤ ہوا کہ اُن میں مشغول ہو کر جمعہ وجماعات بھی ترک کرنے لگا۔ اب وہ شہر سے بہت دور اپنے کاروبار میں مشغول ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افسوس ہے ثعلبہ پر۔ افسوس ہے ثعلبہ پر، افسوس ہے ثعلبہ پر، تین مرتبہ فرمایا اور بات ختم ہو گئی۔

چند دنوں بعد زکوٰۃ کے احکام نازل ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دو آدمی کو ثعلبہ اور ایک دوسرے شخص سُلمی کی طرف روانہ کیا کہ اُن کے جانوروں کی زکوٰۃ وصول کی جائے اور اس کے لئے آپ نے اپنا نامہ مبارک بھی دیا جسمیں وصولی زکوٰۃ کے قوانین مکتوب تھے۔

جب یہ قاصد ثعلبہ کے ہاں پہنچے اور اُسکو فرمان مبارک بتایا تو یہ نہایت تعجب سے فرمان مبارک کو پڑھا پھر کچھ تامل کر کے کہنے لگا یہ تو ٹیکس یا ٹیکس جیسا قانون معلوم ہوتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ زکوٰۃ کیا ہوتی ہے؟ اچھا میں کچھ غور کر لوں گا پہلے سُلمی کی زکوٰۃ وصول کر لو واپسی میں میرے ہاں آنا۔ اللہ کے رسول کے یہ دونوں قاصد ثعلبہ کے پاس سے روانہ ہو گئے اور

سُلمی کے قبیلے پہنچے سُلمی کو جب یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد زکوٰۃ وصول کرنے آئے ہیں تو اِس سے پہلے کہ قاصدِ رسول سُلمی کے ہاں آتے سُلمی نے اپنے جانوروں میں سے عُمدہ فربہ جانور لیکر حاضر ہوگئے اور عرض کیا کہ یہ میرے جانوروں کی زکوٰۃ ہے قبول فرمائیے۔ قاصدِ رسول نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں زکوٰۃ میں عمدہ جانور لینے سے منع کیا ہے اور یہ سب کے سب عمدہ ترین جانور ہیں درمیانی قسم کے جانور لے آؤ۔ لیکن سُلمی نے کہا مجھکو اللہ کی راہ میں عمدہ مال خرچ کرنا پسند ہے۔ میں یہ خوش دلی سے لے آیا ہوں اسپر قاصدوں نے زکوٰۃ کے جانور لے لئے اور سُلمی کو دُعا دی۔ پھر حسب وعدہ ثعلبہ کے پاس آئے اور زکوٰۃ کا مطالبہ کیا۔ ثعلبہ نے کہا ذرا وہ نامہ مبارک تو بتاؤ قاصد نے پھر دے دیا ثعلبہ نے پڑھکر وہی کہا جیسا کہ پہلے کہا تھا کہ یہ تو ٹیکس یا ٹیکس جیسا معلوم ہوتا ہے اچھا تم لوگ چلو میں خود کوئی فیصلہ کرلوں گا اور اپنی زکوٰۃ خود لے آؤں گا۔

قاصد وہاں سے روانہ ہوگئے جب مسجد نبوی کے قریب پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں دیکھتے ہی ارشاد فرمایا:۔

یَا وَیْحَ ثَعْلَبَہ

ثعلبہ ہلاک ہوگیا

اور پھر آپ نے سُلمی کو خیر و برکت کی دُعا دی۔ اسکے بعد قاصدوں نے ساری تفصیل بیان کردی۔

اس موقع پہ قرآن حکیم کی آیات نازل ہوئیں:۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ الخ (توبہ آیت ۷۵ تا ۸۰)

اور اِن منافقین میں وہ بھی ہیں جو اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں مال عطا کرے تو ہم اس میں سے خوب خوب صدقہ کریں گے اور نیک کام کیا کریں گے۔

پھر جب اللہ نے اُن کو اپنے فضل سے مال دے دیا تو وہ

اسمیں بخل کرنے لگے اور منہ پھیر دیا اور وہ تو روگردانی کے عادی ہیں۔
سو اللہ نے اُس کی سزا میں اُن کے قلوب کے اندر نفاق قائم کر دیا جو قیامت کے دن تک رہے گا اس سبب سے کہ انھوں نے اللہ سے اُس کے خلاف کیا جو کچھ اُس سے وعدہ کر چکے تھے اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے رہے۔ کیا انھیں خبر نہیں کہ اللہ کو اِن کے دلی راز اور اور اُن کی سرگوشی کا علم ہے اور یہ کہ اللہ چھپی باتوں سے خوب واقف ہے۔
یہ ایسے لوگ ہیں کہ صدقات کے بارے میں نفل صدقہ دینے والے مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں اور خصوصاً اُن لوگوں پر جنہیں سوائے محنت مزدوری کے اور کچھ نہ ملتا ہو۔ سو یہ لوگ اِنپر ٹھٹھہ کرتے ہیں۔ اللہ اِن کا ٹھٹھہ کرنا ان پر اُلٹ رہا ہے اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔
اے نبیؐ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں اگر ان کیلئے ستر بار بھی استغفار کریں جب بھی اللہ انھیں ہرگز نہیں بخشے گا یہ اس لئے کہ اُنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

واقعہ کے راوی کہتے ہیں کہ نزولِ آیات کے وقت ثعلبہ کے عزیزوں میں ایک شخص موجود تھا وہ اُسی وقت اُٹھا اور ثعلبہ کے ہاں پہنچا اور کہا اے ثعلبہ تجھ پر افسوس ہے تیرے بارے میں قرآن کی آیات نازل ہوئی ہیں اور تیرے منافق ہونے کی اطلاع دی گئی ہے۔
ثعلبہ یہ سنتے ہی اپنی زکوۃ کی بکریاں لیکر مسجد نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ یہ میری زکوۃ ہے اسکو قبول فرمائیے!
آپؐ نے ارشاد فرمایا اللہ نے تیری زکوٰۃ وصول کرنے سے مجھکو منع کر دیا ہے میں ہرگز قبول نہیں کرسکتا۔ ثعلبہ اصرار کرنے لگا اور آخر روتے روتے اپنے سر پر خاک ڈال لی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا یہ تیرا اپنا عمل ہے میں نے تجھ کو جو مشورہ دیا تھا تو نے اسکو قبول نہ کیا، آخر مایوس ہوکر اپنے گھر واپس ہوا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے

تاحیات اُسکی زکوٰۃ قبول نہ کی۔ جب آپ کا انتقال ہوگیا اور سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ خلیفہ تسلیم کرلئے گئے تو آپ کی خدمت میں اپنی دوچند زکوٰۃ لے آیا اور عرض کیا خلیفۃ المسلمین یہ ثعلبہ کی زکوٰۃ حاضر ہے اسکو قبول فرمایئے!

صدیق اکبر رضؓ نے فرمایا جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمایا ہو میں اُسکو کیوں کر قبول کرسکتا ہوں! اپنی زکوٰۃ واپس لے جا میں ہرگز قبول نہ کروں گا۔ مایوس و ناکام واپس ہوگیا۔ پھر سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ کا انتقال ہوا اور سیدنا عمر فاروق رضؓ خلیفۃ المسلمین نامزد ہوئے آپ کی خلافت میں اپنی زکوٰۃ کی بہت بڑی مقدار لے آیا اور وہی گزارش کی کہ میری زکوٰۃ قبول کی جائے!

سیّدنا عمر فاروق رضؓ نے جواب دیا جس چیز کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے خلیفہ سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ نے قبول نہ کیا ہو بھلا اُس کو عمر بن الخطاب کیوں قبول کریگا؟ اپنی زکوٰۃ واپس لے جاؤ میں ہرگز قبول نہ کروں گا۔ خلافتِ فاروقی کے بارہ سال گزر گئے ثعلبہ کی زکوٰۃ کسی سال قبول نہ کی گئی۔ یہاں تک کہ سیدنا عمر فاروق رضؓ شہید ہوگئے اور سیّدنا عثمان غنی رضؓ خلیفہ مقرر ہوئے۔ ثعلبہ نے آپکی خدمت میں بھی اپنی زکوٰۃ پیش کی اور بہت سے صحابہ سے سفارش بھی کروائیں لیکن سیدنا عثمان غنی رضؓ نے بھی یہی جواب دیا کہ جس چیز کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے خلیفہ ابوبکر صدیق رضؓ اور خلیفۃ المسلمین عمر بن الخطاب رضؓ نے رد کردیا ہو اسکو میں کیوں کر قبول کرسکتا ہوں؟ اپنی زکوٰۃ واپس لے جاؤ میں ہرگز قبول نہ کروں گا۔

تفسیر خازن کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ ثعلبہ ذلیل و خوار ہوکر سیّدنا عثمان غنی رضؓ کی مجلس سے اُٹھا اور مدینہ طیبہ کے بازاروں میں اعلان کرنے لگا کہ اے مدینہ کے فقیرو فلاں جگہ زکوٰۃ تقسیم ہورہی ہے جسکو جتنے جانور چاہیئے وہ حاصل کرلے۔

فقیر اور محتاج اس آواز پر دوڑ پڑے۔ جب قریب پہنچے

تو معلوم ہوا کہ ثعلبہ کی زکوٰۃ کے جانور ہیں، فوراً لوٹ جاتے۔ کسی فقیر نے بھی ہاتھ نہ لگایا۔ اس طرح ثعلبہ کی زکوٰۃ مدینہ طیبہ کے فقیروں نے بھی قبول نہ کی۔ عہد عثمانی کے آخر دور میں اسی ذلت و رسوائی کی حالت میں ثعلبہ فوت ہوا۔ (تفسیر ابن کثیر سورۃ توبہ۔ آیت ۷۵)

(۴) معذور وفادار

غزوۂ تبوک کے سفر میں جن تین مخلص مسلمانوں نے شرکت نہ کی تھی اُن میں ایک مرارہ بن ربیع رضؓ اور دوسرے ہلال بن اُمیہ رضؓ ہیں۔ تیسرے صاحب کعب بن مالک رضؓ کا مفصل تذکرہ گزشتہ صفحات میں "حدیث کعب" کے عنوان سے آچکا ہے۔

اِن تینوں حضرات کے ہاں عدم شرکت کا کوئی معقول عذر نہ تھا۔ حضرت مُرارہ بن ربیع رضؓ کی عدم شرکت کا سبب ابن ابی حاتم کی روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اِن کا ایک باغ تھا جس کا پھل اُس وقت پک رہا تھا اور یہی باغ اُن کی زندگی کا سرمایہ تھا۔ انھوں نے اپنے دل میں کہا اے مُرارہ رضؓ تو نے اس سے پہلے بہت سے غزوات میں حصہ لیا ہے اگر اس سال جہاد میں نہ جائے تو کیا حرج ہے آئندہ کسی وقت بھی اسکی تلافی کر دینا۔ اس خیال نے انھیں پیچھے کر دیا۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان تبوک سے واپس آئے تو مُرارہ بن ربیع رضؓ کو اپنی غفلت اور خطا کا شدت سے احساس ہوا اور افسوس و ندامت نے انھیں بے چین کر دیا۔ اس سے پہلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معذرت کے لئے حاضر ہوں اپنا وہ محبوب باغ اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا۔ پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اعترافِ قصور کر لیا۔

دوسرے صاحب ہلال بن اُمیہ رضؓ جو عمر رسیدہ بزرگ تھے ان کا یہ واقعہ ہوا کہ اُن کے اہل و عیال ایک عرصے سے باہر تھے اور وہ تنہا زندگی بسر کر رہے تھے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر مدینہ طیبہ میں یہ

سب جمع ہوگئے۔ حضرت ہلال بن اُمیہ رض کو خیال آیا کہ اس سال جہاد میں شرکت کے بجائے اہل وعیال میں وقت گزاروں اور ویسے بھی اس بڑھاپے میں اتنی دور دراز کا سفر میرے لئے ضروری بھی نہیں ہے۔ اس طرح کے وساوس نے انھیں بھی شرکتِ جہاد سے پیچھے کر دیا اور وہ سفر نہ کر سکے۔ بعد میں انھیں بھی شدت سے اپنی خطا کا احساس ہوا تو عہد کر لیا کہ اب میں اپنے اہل وعیال سے علیٰحدگی اختیار کر لوں گا۔

چونکہ یہ حضرات صادق الایمان تھے اسی ایمانی احساس وحمیّت نے انھیں اعترافِ گناہ پر مجبور کر دیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سچ سچ بیان کر دیا منافقین کی طرح جھوٹے عذر پیش نہیں کئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن کا فیصلہ وحی الٰہی پر موقوف رکھا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ اِن حضرات سے سلام و کلام ترک کر دیا جائے یہاں تک کہ اللہ کا کوئی حکم آجائے۔

اِن تینوں حضرات کے علاوہ سات اور مخلص بھی تھے جنہوں نے سستی اور کاہلی کی بنیاد پر غزوہ تبوک میں شرکت نہ کی تھی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے اور ان حضرات کو معلوم ہوا کہ پیچھے رہ جانے والوں کے متعلق اللہ اور رسول کی کیا رائے ہے تو انہیں سخت ندامت ہوئی اس سے پہلے کہ اِن سے باز پُرس ہو ان سب حضرات نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا اور عہد کر لیا کہ ہم پر نیند اور کھانا پینا حرام ہے جب تک ہم معاف نہ کر دیئے جائیں یا پھر ہم اسی حالت میں مر جائیں۔ ان سات حضرات میں ابو لُبابہ بن عبد المنذر رض پیش پیش تھے۔

چنانچہ اسی طرح کئی دن تک یہ حضرات بے آب وخواب بندھے رہے حتیٰ کہ اُن میں بعض بے ہوش ہو کر گر پڑتے تھے۔ آخر کار جب انھیں بتایا گیا کہ اللہ اور اُس کے رسول نے تم سب کو معاف کر دیا ہے تو یہ حضرات اپنی قید بندی سے آزاد ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ عرض کیا یا رسول اللہ ہماری توبہ میں یہ بھی شامل ہے کہ جس گھر کی

آسائش و رہائش نے ہمیں اللہ کے فرض سے غافل کر دیا وہ اور اُس کا سب ساز و سامان اللہ کی راہ میں صدقہ کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سارا مال دینے کی ضرورت نہیں صرف ایک تہائی کافی ہے۔ چنانچہ ان ساتوں حضرات نے اپنے اپنے گھر کا ایک تہائی حصّہ اُسی وقت خیرات کر دیا۔ (توبہ آیت ۱۰۲، ۱۰۶)

یہ سب حضرات مخلص مؤمن تھے۔ ان کا پچھلا کارنامۂ زندگی ہر عیب سے خالی تھا یہ اللہ اور اس کے رسول کے سچّے وفادار تھے انھوں نے اپنی عملی زندگی کو کفر و نفاق سے ہمیشہ دور رکھا تھا۔ اسلام کے عظیم معرکوں میں پورے جوش و اخلاص سے شرکت بھی کرتے تھے۔ اسلام کی سربلندی کے لئے جان و مال کی بازی لگا دینا اِن کا مقصدِ حیات تھا۔ ان کی زندگی کے یہی لیل و نہار تھے لیکن بشری کمزوریوں سے کون خالی ہوتا ہے۔ لغزش اور کوتاہی ہر انسان کا لازمہ ہیں۔ اگر کسی انسان سے بھول و غفلت ہو جائے یا خطا و نسیان سے ایک فریضہ ترک ہو جائے یا دانستہ بھی کوئی بُرا عمل اتفاقاً ہو جائے تو یہ اُسکے عدمِ اخلاص یا کفر و نفاق کی علامت نہیں ہوتا اور نہ اس کا یہ طرزِ عمل دین بیزاری اور آخرت فراموشی قرار پائے گا۔ یہ بڑی جسارت کی بات ہوگی کو کسی کے گاہے ماہے عمل کو دیکھ کر کوئی حتمی و قطعی فیصلہ کر دیا جائے۔ غزوۂ تبوک میں مذکورہ بالا حضرات کی عدمِ شرکت بھول و غفلت، لغزش و کوتاہی، خطا و نسیان کے باعث تھی۔ کفر و شرک، الحاد و بے دینی ارتداد و نفاق کے باعث نہ تھی جیسا کہ عام منافقوں کی روش رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف ان حضرات کی توبہ قبول کی گئی بلکہ اِن کا ابدی تذکرہ قرآن حکیم کی آیات میں قیامت تک کے لئے رُشد و ہدایت کا عظیم درس قرار پایا۔ یہ اللہ سے راضی رہے اللہ بھی اِن سے راضی ہوا۔

(۵) تلافیِ عمل

غزوۂ تبوک میں جن حضرات سے لغزش ہوگئی تھی اُن کے تذکرے میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ جہاں ان لوگوں نے اعترافِ قصور کر لیا وہاں اپنے مال و اسباب کا ذخیرہ بھی اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا تھا۔ (توبہ آیت ۱۰۳)

یہاں جھوٹے و سچے، مخلص و غیر مخلص، مومن و منافق کا فرق

صاف صاف واضح ہوتا ہے کہ مومن و مخلص سے جب کوئی خطا سرزد ہو جاتی ہے تو وہ نہ صرف یہ کہ فوری توبہ کر لیتا ہے بلکہ اپنے عملِ بد کی تلافی کیلئے بے چین ہو جاتا ہے اور ایسا عمل خیر کر جاتا ہے جو اُس شر کی تلافی کر دے ان کو اِس بُرے عمل سے اُتنا ہی صدمہ ہوتا ہے جتنا کسی بڑے نفع کے موقع سے محروم رہ جانے کا ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ بھول و غفلت نے اُنھیں روک لیا تھا ورنہ وہ خود رُکنے والے نہ تھے۔ گناہوں کی تلافی کے لئے جہاں قلب و زبان کی توبہ ہوتی ہے وہاں عملی توبہ بھی ہونی چاہیئے۔ مذکورہ تذکرہ میں عملی توبہ کی ایک شکل یہ بھی تھی کہ انسان اپنے مال سے راہ خدا میں کچھ خرچ کر دے۔ اس طرح وہ بگاڑ جو قلب میں پرورش پا رہا تھا اور جس کی بدولت آدمی سے گناہ کا صدور ہوا دور ہو جائے اور نیکی کی جانب متوجہ ہونے کی استعداد پیدا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات میں ایک ہدایت یہ بھی موجود ہے کہ کسی گناہ کے بعد نیکی کا عمل کرنا اُس گناہ کو صاف کر دیتا ہے۔ یہ اسی حقیقت کی جانب اشارہ ہے کہ کسی خطا یا معصیت کے بعد کوئی نہ کوئی نیک کام کر لینا چاہیئے۔

غزوۂ تبوک میں جن مخلص مسلمانوں نے شرکت نہیں کی تھی انہیں مال و اسباب ہی کی مشغولیت نے اس خیر کثیر سے روک دیا تھا اس کی تلافی بھی مال و اسباب کے صدقہ خیرات سے کی گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے انکے اس عملِ خیر کو قبول فرمایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی گئی کہ اِن مخلص مسلمانوں کے صدقات کو قبول فرمائیں اور اِنھیں دُعا دیں۔

(توبہ آیت ۱۰۳)

(۶) بیعتِ عقبہ

عہدِ صحابہ میں جیسے بیعتِ رضوان کو اہمیت حاصل تھی اسی طرح بیعت عُقبہ کو بھی بڑی حیثیت حاصل ہے۔

عَقبہ دراصل پہاڑ کے ایک حصّہ کو کہا جاتا ہے اور یہاں پہاڑ کا وہ حصّہ مراد ہے جو مِنیٰ (مکّہ) میں جمرۂ عقبہ (جس کا عُرفی نام بڑا شیطان ہے) سے متصل ہے (لیکن آجکل حجاج کی کثرت کی وجہ سے پہاڑ کا یہ حصّہ

صاف کر کے میدان بنا دیا گیا ہے۔ صرف جمرہؑ کنکری مارنے کا مقام رہ گیا ہے)
اس پہاڑی کے خصہ عقبہ پر مدینہ منورہ کے چند حضرات سے تین مرتبہ بیعت لی گئی تھی۔

پہلی بیعت بعثت نبوی کے گیارہویں سال ہوئی جسمیں مدینہ منورہ کے چھ حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام پر بیعت کی اور مدینہ طیبہ واپس ہو گئے۔ اس بیعت کی وجہ سے مدینہ طیبہ کے گھر گھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا چرچا ہوا۔

اگلے سال موسم حج میں بارہ حضرات اسی جگہ جمع ہوئے جنمیں پانچ حضرات تو سابقہ بیعت کے تھے اور سات دوسرے حضرات تھے سب نے آپؐ کے ہاتھ اسلام پر بیعت کی۔

اس بیعت نے اسلام کی اشاعت کو دوچند کر دیا۔ چند ہی دنوں میں مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کی تعداد چالیس سے زائد ہو گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو اسلام کا مبلغ بنا کر مدینہ طیبہ روانہ فرما دیا تاکہ وہ مسلمانوں کو قرآن پڑھائیں اور اسلام کی تبلیغ کریں۔
حضرت مصعبؓ کی جدوجہد نے مدینہ طیبہ میں بڑی وسعت پیدا کر دی اور بڑے بڑے قبائل میں اسلام داخل ہوا اور کثیر لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

اسکے بعد بعثتِ نبوی کے تیرہویں سال ستر مرد دو عورتیں اسی سابقہ جگہ آئے اور آپ سے اسلام پر بیعت کی۔ یہ تیسری اور آخری بیعت تھی جو ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں پیش آئی۔

تاریخ اسلام میں یہی تیسری بیعت بیعتِ عُقبہ کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اس بیعت کے مقاصد میں جہاں عقائد اسلام اور اعمال صالحہ کا عہد و پیمان تھا خصوصیت سے یہ عہد بھی لیا گیا تھا کہ جب آپ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ پہونچیں گے تو آپ کی اور مسلمانوں کی حفاظت و حمایت کی جائیگی۔ اسی بیعت عقبہ میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے عرض کیا تھا:-

یا رسول اللہ! اس وقت جو معاہدہ ہو رہا ہے آپؐ جو شرائط اپنے رب کے متعلق یا اپنے متعلق کرنا چاہیں وہ واضح فرما دیں!

آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے لئے تو میں یہ شرط رکھتا ہوں آپ سب اُسکی عبادت کریں گے اور اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ ہوگی۔

اور اپنے لئے یہ شرط رکھتا ہوں کہ میری حفاظت اس طرح کرینگے جیسے اپنی جان و مال اور اولاد کی حفاظت کرتے ہو۔ پھر ان لوگوں نے دریافت کیا اگر ہم یہ دونوں شرطیں پوری کر دیں تو اس کا ہمیں کیا بدلہ ملے گا؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا جنّت ملے گی! اس خوشخبری پر سب نے بیک زبان کہا کہ ہم اس سودے پر راضی ہیں اور اس پر قائم رہیں گے۔

اس موقعہ پر یہ آیات نازل ہوئیں:-

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ۔ الخ

(توبہ آیت ۱۱۱)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ایمان والوں سے اُن کے نفس اور اُن کے مال جنت کے عوض میں خرید لئے ہیں، وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں۔

ان سے (جنت کا وعدہ) اللہ کے ذمے ایک پختہ وعدہ ہے۔ کتاب تورات اور کتاب انجیل اور قرآن میں۔ اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہو؟

پس تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے معاملہ ٹھیرایا ہے خوشیاں مناؤ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

(۷) بُری نیّت بُرے ارادے، کَلِمَۃُ الْکُفْر

سورہ توبہ آیت ۷۴ کا ترجمہ یہ ہے:-

یہ منافق لوگ اللہ کی قسم کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے وہ بات نہیں کہی۔ حالانکہ اُنھوں نے وہ کافرانہ بات ضرور کہی ہے اور وہ اسلام قبول کرنے کے بعد کفر کے مرتکب ہوئے اور اُنھوں نے وہ سب کچھ کرنے کا ارادہ کیا جسے وہ کر نہ سکے۔ الخ

منافقوں کی وہ کیا بات تھی جس کا آیت میں اشارہ کیا گیا ہے؟

بنیادی طور پر تو منافقوں کی وہ تمام باتیں مراد ہیں جو وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کہا کرتے تھے تاہم مفسرین نے چند ایک باتیں خاص طور پر نقل کی ہیں ان میں سے ایک واقعہ تو یہ نقل کیا ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں منافقین کی بدحالی اور اُن کے انجام بد کا تذکرہ فرمایا تھا۔ حاضرین میں ایک منافق جُلّاس نامی بھی موجود تھا اُس نے اپنی مجلس میں جاکر کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ کہتے ہیں اگر وہ سچ ہے تو پھر ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔ اس کا یہ کلمہ حضرت عامر بن قیس رضؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا، لیکن جُلّاس نے انکار کر دیا اور حضرت عامر رضؓ پر تہمت لگا دی کہ اُنھوں نے مجھ پر جھوٹ کہا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو حکم دیا کہ منبر نبوی کے قریب کھڑے ہو کر قسم کھائیں۔

جُلّاس نے بے دھڑک جھوٹی قسم کھالی کہ میں نے ایسا نہیں کہا ہے۔

حضرت عامر رضؓ نے بھی قسم کھائی کہ میں نے اپنے کانوں سے ایسے ہی سُنا ہے پھر دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور اس طرح فریاد کی اے اللہ اپنے رسول پر اس واقعہ کی حقیقت ظاہر فرما دے۔ اِن کی اس دُعا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے آمین کہی۔

ابھی یہ لوگ اس جگہ سے ہٹنے بھی نہ پائے تھے کہ جبرئیل امین آیت مذکورہ لیکر حاضر ہو گئے اور اُس کافرانہ بات کا اظہار کر دیا۔

(تفسیر بغوی)

تفسیر مظہری کے مؤلف نے مزید یہ بھی صراحت کی ہے کہ جُلاس اس واقعہ کے بعد تائب ہوگئے اور ان کے حالات درست بھی ہوگئے۔ واللہ اعلم

ایک اور روایت بھی نقل کی جاتی ہے کہ تبوک کے سفر میں ایک مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہوگئی تھی صحابہ تلاش کر رہے تھے اسپر منافقوں کی ایک جماعت نے اپنی مجلس میں اس واقعہ کا خوب مذاق اُڑایا اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو آسمانوں کی خبریں سناتے ہیں مگر اِن کو اپنی اونٹنی کی کچھ بھی خبر نہیں کہ وہ اس وقت کہاں ہے ؟ (تفصیل غزوۂ تبوک میں)

محدثین نے ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ تبوک سے واپسی پر بارہ منافقین کی ایک جماعت نے یہ سازش طے کرلی کہ جب آپ فلاں پہاڑ کی گھاٹی سے گزریں گے تو اچانک آپ پر حملہ کر کے کھائی میں ڈھکیل دیا جائے۔ چنانچہ یہ بارہ خبیث چوری سے آگے نکل گئے اور گھاٹی میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ جبرئیل امین نے آپ کو وقت سے پہلے اس سازش اور مقام کی نشان دہی کردی۔ آپ نے دوسرا راستہ اختیار کرلیا۔ اسطرح ان کی سازش خاک میں مل گئی۔

ایک اور سازش کا بھی ذکر ملتا ہے تبوک میں دراصل اہل روم کی ایک لاکھ فوج سے مقابلہ تھا۔ منافقین کو یہ ہرگز توقع نہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان خیریت سے مدینہ واپس لوٹیں گے اور انھوں نے یہ طے کرلیا تھا کہ جونہی تبوک سے ایسی کوئی خبر ملے تو مدینہ میں عبداللہ بن اُبیّ (رئیس المنافقین) کے سر پہ تاج شاہی رکھ دیا جائے اور اپنی حکومت کا اعلان کردیا جائے۔

دراصل یہ سب کافرانہ باتیں تھیں جو ان منافقین کی زبانوں سے بے تحاشہ نکلا کرتی تھیں اور جب اِن سے پوچھا جاتا تو صاف انکار کردیتے تھے۔ مزید برآں قسمیں بھی کھاجاتے۔ اور ان سب باتوں کو

کُلمۃُ الکفر" کا لقب دیا ہے۔ (توبہ آیت ۷۴)

(۸) عبرت ہی عبرت

صحیح مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ جب (رئیس المنافقین) عبد اللہ بن اُبی بن سلول مر گیا تو اسکے صاحبزادے حضرت عبد اللہؓ جو مخلص مسلمان صحابی رسول ہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باپ کے مرنے کی اطلاع دی اور یہ خواہش کی کہ اپنا قمیص مبارک عطا فرمائیں تاکہ باپ کے کفن میں اسکو شریک کیا جائے۔ آپؐ نے اپنا قمیص مبارک عنایت کر دیا۔ پھر صاحبزادے نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کی زبان سے آپ کی شان میں بڑی بڑی گستاخیاں ہوئیں ہیں کہیں اللہ کا عذاب اسے پکڑ نہ لے۔ یا رسول اللہ اپنا لعاب مبارک بھی اسکے منھ میں ڈال دیجئے (تاکہ اسکی برکت سے یہ عذاب الٰہی سے محفوظ ہو جائے) آپؐ نے یہ عمل بھی کر دیا۔ (مسند احمد و نسائی)

اسکے بعد جب نماز جنازہ پڑھنے کا وقت آیا تو عبد اللہؓ نے درخواست کی یا رسول اللہ نماز جنازہ بھی آپ پڑھا دیں۔ آپؐ نے یہ بھی قبول فرما لیا اور نماز جنازہ کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اس موقع پر حضرت عمر فاروقؓ نے آپ کا دامن پکڑ کر عرض کیا یا رسول اللہ یہ وہی خبیث تو ہے جس نے فلاں فلاں وقت ایسی ایسی حرکتیں کی تھیں! ہمیشہ کفر و نفاق کا علمبردار رہا ہے۔ اللہ نے آپ کو منافقوں کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع کیا ہے کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ الآیۃ (توبہ آیت ۸۰)

آپ نے ارشاد فرمایا اے عمرؓ مجھکو استغفار کرنے سے منع نہیں کیا گیا بلکہ اختیار دیا گیا ہے کہ استغفار کروں یا نہ کروں، یہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ اُن کو معاف نہ کرے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا اگر میں جانتا کہ ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرنے پر اسکی مغفرت ہوجاتی تو میں ایسا کردیتا۔

اس کلام سے معلوم ہوا کہ آپؐ بھی اُس منافق کے حق میں استغفار کو غیر مفید تصور کررہے ہیں۔ گویا حضرت عمرؓ کی نظر بغض فی اللہ پر منحصر تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نقطۂ نظر عام پیغمبرانہ شفقت اور لُطف و احسان تھا جو آپ کا خلق عظیم ہے۔ آخر کار آپ نے نماز جنازہ ادا کردی اور صحابہؓ نے بھی شرکت کی۔ (رواہ مسلم)

نماز کے کچھ ہی دیر بعد یہ آیت وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ الآیہ (توبہ آیت ۸۴)

اور اُن میں سے کوئی مرجائے تو اسکے جنازہ پر کبھی نماز نہ پڑھیے اور نہ اُسکی قبر پر کھڑے ہوں)

نازل ہوئی تو آپؐ نے منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے یا اُن کے کفن دفن میں کبھی بھی حصہ نہیں لیا۔ اور جب کوئی جنازہ آجاتا تو آپ دریافت فرماتے اگر اُسکی تعریف کی جاتی تو آپ نماز جنازہ ادا فرمادیتے ورنہ یہ فرماکر علیحدہ ہوجاتے کہ اپنے ساتھی کی نماز جنازہ ادا کردی جائے۔

(ابن کثیر سورہ توبہ آیت ۸۴)

تاریخ اور بعض تفسیر کی کتابوں میں ایک روایت یہ بھی نقل ہوتی آرہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا قمیص اُس کو اللہ کے عذاب سے بچا نہ سکا مگر میں نے یہ کام اس لئے کیا ہے کہ مجھے اُمید ہے اس عمل سے اُس کی قوم کے ہزار آدمی مسلمان ہوجائیں گے۔ چنانچہ اس واقعہ "خلق عظیم" کو دیکھ کر قبیلۂ خزرج کے ایک ہزار آدمی مسلمان ہوگئے۔

مُتفرّقات

(۱) **تبنّی (بیٹا بنا لینا)** زمانۂ جاہلیت میں ایک رسم رائج تھی کہ کسی کے بچّہ کو گود لے کر اپنا بیٹا بنا لیا جائے۔ یہ طریقہ مشرکین عرب وعجم دونوں میں جاری تھا۔ جب یہ بات طے ہو جاتی تو بچہ اپنے حقیقی ماں باپ سے کٹ کر ایک اجنبی آدمی کے نسب میں شامل کر دیا جاتا تھا پھر خاندان کے ساتھ اُس کا وہی رشتہ ہو جاتا جیسا کہ حقیقی اولاد کا ہوا کرتا ہے۔ نسبی رشتوں میں اسطرح کی دخل اندازی سے وہ بچّہ اپنے منھ بولے باپ کا وارث بھی قرار پاتا تھا اور حقیقی ورثاء محروم وراثت ہو جاتے تھے۔ اس خلافِ فطرت مصنوعی رشتوں کی وجہ سے نسبی انتساب اور معاشرتی نظام میں خلط ملط اور فساد و بگاڑ پیدا ہوا کرتا تھا۔ اسلام کے ابتدائی دور میں بھی یہ رسم رائج تھی جب اسلام کی بنیاد قائم و دائم ہوئی تو معاشرہ کا یہ ناسور بھی دور کر دیا گیا اور مسلمانوں میں ہمیشہ کے لئے اس رسم بد کا خاتمہ کر دیا گیا۔ انسداد تبنّی کیلئے اللہ عزّوجل نے جس واقعہ کو منتخب فرمایا اس کی روئداد حضرت زید بن حارثہ رضؓ کی زندگی سے وابستہ ہے۔

حضرت زید بن حارثہ رضؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور نہایت محبوب صحابی ہیں۔ یہ عرب کے معزز قبیلہ بنی کلب کے ایک فرد تھے مگر بچپن ہی میں ایک حادثہ کی وجہ سے غلام بنالئے گئے تھے واقعہ یہ پیش آیا کہ ان کی والدہ اِن کو اپنے ساتھ لے کر اپنے خاندان قبیلہ طے کی شاخ بنی مَعَن جا رہی تھیں کہ درمیان راہ ایک ڈاکو قبیلہ بنی قین نے اِن کو لوٹ لیا اور کم عمر زید رضؓ کو بھی چھین لے گئے اور طائف کے بازار عکاظ میں فروخت کر دیا۔ سیّدہ خدیجہ کے برادر زادہ حکیم بن حزام نے زید کو اپنی پھوپھی سیّدہ خدیجہؓ کی خدمت کے لئے خرید لیا۔ حضرت زید بن حارثہ ابھی آٹھ سال ہی کے تھے کہ سیّدہ خدیجہ رضؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقۂ حیات

ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔ نکاح کے بعد سیدہ خدیجہ رضؓ نے زید بن حارثہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زید بن حارثہ رضؓ کے عادات واطوار بہت پسند آئے اور آپ نے ان کو اپنا بیٹا بنا لیا۔

(حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کی روایت ہے کہ لوگ اُس دن سے زید کو زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنے لگے۔ اور اُس وقت تک کہتے رہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :-

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ الآیہ

(احزاب آیت ۵)

(تم اپنے منہ بولے بیٹوں کو اُن کے باپ دادا ہی کی نسبت سے پکارا کرو اللہ کے ہاں انصاف کی بات یہی ہے)

الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضؓ اور اپنے چچا حضرت حمزہ رضؓ کے درمیان بھائی چارہ کروادیا اور وہ دونوں حقیقی بھائیوں کی طرح رہنے لگے (یہ نبوت سے قبل کا واقعہ ہے)

حضرت زید رضؓ کی گمشدگی نے اُن کے والد حارثہ رضؓ کو بے چین وبیقرار کر دیا تھا اور وہ زید کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ حُسنِ اتفاق سے قبیلہ بنو کلب کے چند آدمی حج کرنے مکہ مکرمہ آئے اور وہاں حضرت زید رضؓ کو دیکھا اور پہچان گئے۔ حضرت زید رضؓ نے بھی اُن لوگوں کو پہچانا اور اپنی موجودگی کی اطلاع دی۔ حارثہ رضؓ اور ان کے بھائی کعب نے جب یہ سُنا تو تیزی سے مکہ مکرمہ آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا آپ زید کو ہمارے حوالہ کر دیجئے اور جو بھی زرِ فدیہ ہو لے لیجئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سے فرمایا کہ زید رضؓ جس صورت کو پسند کرتا ہے میں اسکو اختیار دیتا ہوں چاہے وہ تمہارے ساتھ چلا جائے یا میرے ساتھ رہنا پسند کرے۔ حارثہ اور ان کے بھائی

کعب نے اس رائے پر اتفاق کیا کیونکہ اُنھیں یقین تھا بیٹا بہرحال باپ ہی کو ترجیح دے گا. چنانچہ زیدؓ کو بلایا گیا آپؐ نے ارشاد فرمایا کیا اِن کو تم جانتے ہو ؟

زیدؓ نے کہا کیوں نہیں، یہ میرے باپ ہیں اور یہ چچا ہیں!

آپؐ نے ارشاد فرمایا تو پھر تم کو یہ لینے آئے ہیں اب تم کو اختیار ہے چاہے اِن کے ساتھ جاؤ یا میرے ہاں رہو!

حضرت زیدؓ نے فوری عرض کیا میں آپؐ پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا میرے باپ وچچا جو بھی ہوں وہ آپؐ ہی ہیں.

حارثہ کو یہ خلافِ توقع بات بہت ناگوار گزری کہا اے زید تجھ پر افسوس ہے تو نے غلامی کو آزادی پر، اور باپ دادا اور خاندان پر اجنبی کو ترجیح دے دی!

زیدؓ نے اپنے باپ کو جواب دیا اس ذاتِ اقدس کے ساتھ رہ کر میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ہے اسکے بعد دنیا و مافیہا کی کوئی قیمت میری نظروں میں موجود نہ رہی. میں نے اپنی بقیہ زندگی آپؐ ہی کے ساتھ گزارنے کا فیصلہ کر لیا ہے!

اس جواب پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حارثہ کو اور حاضرین کو بتایا کہ میں نے زیدؓ کو آزاد کر دیا ہے۔ اب وہ میرا غلام نہیں بلکہ بیٹا ہے۔ حارثہ نے جب یہ سُنا تو بہت خوشی کا اظہار کیا اور باپ اور چچا دونوں مطمئن واپس ہوگئے اور حضرت زیدؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زندگی گزارتے رہے اور حارثہ گاہے گاہے آکر دیکھ جاتے اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لیا کرتے تھے۔

(اُسد الغابہ ابن اثیر جزری)

جلد ۲ ص ۲۳۴

جامع ترمذی کی ایک مختصر روایت میں حارثہ کی جگہ اُن کے دوسرے بیٹے جبلہ کی آمد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

مذکورہ بالا گفتگو کا ذکر ملتا ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ واقعہ دورِ نبوت سے پہلے کا ہے۔ پھر جب آپ نبوت سے سرفراز ہوئے تو اُن چار سابقین اولین میں ایک زید بن حارثہ بھی ہیں جو سب سے پہلے آپؐ پر ایمان لائے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو جہاں اپنا بیٹا جیسا قرار دے لیا تھا۔ مزید یہ بھی عزت دی کہ ان کا نکاح اپنے بچپن کی خدمت ونگرانی کرنے والی (حاضِنَہ) اُمِّ ایمن کے ساتھ کر دیا۔ جن کے بطن سے حضرت اُسامہؓ پیدا ہوئے جو محبوبِ رسول اللہؐ کے لقب سے مشہور ہیں۔ (اُمِّ ایمن ابولہب کی باندی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ولادت کی اطلاع اسی خاتون نے ابولہب کو دی تھی۔ اس خوشخبری پر ابولہب نے اُم ایمن کو آزاد کر دیا تھا) پھر اس نکاح کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپی زاد بہن زینب بنت جحش کے ساتھ حضرت زیدؓ کا نکاح کرنا چاہا یہ ہاشمی خاندان کی چشم وچراغ اور آپؐ کی پھوپی اُمیمہ بنت عبد المطلب کی بیٹی تھیں۔ خاندانی شرافت اور ناموری بہرحال ایک خصوصی امتیاز تھا۔ حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی عبد اللہ بن جحشؓ اس نکاح پر راضی نہ تھے۔ کیونکہ زید بن حارثہ بظاہر داغ غلامی اُٹھا کر آزاد ہوئے تھے۔ یہ اُس زمانے کا عُرفی عار تھا کہ کوئی بلند خاندان کی لڑکی کسی ادنیٰ خاندان کے فرد سے نکاح کرلے۔ اس غیر ضروری امتیاز کی وجہ سے حضرت زینبؓ اس نکاح پر راضی نہ تھیں لیکن اس موقع پر قرآن نازل ہوا اور یہ حکم دیا کہ جس بات کا حکم اللہ اور اُس کا رسول دیدے پھر اسکی خلاف ورزی کسی مؤمن مرد اور کسی مومن عورت کے لئے جائز ہی نہیں ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ الخ (احزاب آیت ۳۶)

اور جب اللہ اور اُس کا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو پھر

کسی مرد مؤمن اور کسی عورت مؤمنہ کو ان کے اپنے معاملہ میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ اور جس شخص نے اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کی بلاشبہ وہ گمراہی میں پڑ گیا۔

وحی الٰہی کے نزول پر حضرت زینبؓ اور اُن کے بھائیوں نے آپؐ کا فیصلہ قبول کر لیا اور حضرت زید بن حارثہؓ سے حضرت زینبؓ بیاہی گئیں۔ اس طرح خاندانِ نبوت ہی سے فخر بالانساب کی جڑ کاٹ دی گئی اور تقویٰ و نیکی کو شرافت و بزرگی کا اصل معیار قرار دیا گیا۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ

حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت زینبؓ اگرچہ عقد نکاح میں منسلک تھے لیکن حضرت زینبؓ کا یہ خاندانی رجحان مٹ نہ سکا کہ وہ قریشی ہاشمی ہیں اور اِن کے شوہر بہرحال ایک آزاد شدہ غلام اور غیر قریشی ہیں۔ اگرچہ حضرت زید بن حارثہؓ نسلاً کوئی غلام خاندان سے نہ تھے اور نہ ان کے باپ دادا کسی کے غلام و زر خرید تھے۔ اس لئے حضرت زیدؓ کو اپنے کم درجہ ہونے کا احساس نہ تھا۔ علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منھ بولے بیٹے ہونے کا شرف بھی پایا تھا اور جب حضرت زینبؓ کے شوہر ہو گئے تو پھر کسی کمتری کا احساس کیوں آتا؟ بہرحال حضرت زینبؓ اور حضرت زیدؓ کی دو متضاد فکر نے آپس میں خلوص و محبت کا رشتہ قائم نہ ہونے دیا۔ بے لطفی کی زندگی کا دور دورہ شروع ہو گیا اور دونوں کے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔

ایک سال سے کچھ ہی زیادہ مدت گزری تھی کہ حضرت زیدؓ نے طلاق دینے کا فیصلہ کر لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر بار بار شکایت پیش کرتے تھے اور عرض کرتے یا رسول اللہؐ میں زینبؓ کو طلاق دینا چاہتا ہوں لیکن آپ ہر بار یہی فرماتے کہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ مطلب یہ تھا کہ تقویٰ اختیار کرو۔ کیونکہ تقویٰ کی زندگی اچھے نتائج پیدا کرتی ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے اے لوگو! عورتوں کے بارے میں
اللہ سے ڈرتے رہو، یہ اللہ کی امانتیں ہیں جو تم کو دی گئی ہیں۔ (الحدیث)

حضرت زینبؓ نے اگرچہ اللہ اور اُس کے رسول کا حکم مان کر حضرت زیدؓ سے نکاح کر لیا تھا لیکن وہ اپنے دل سے اُس احساس کو کبھی دور نہ کر سکیں کہ زیدؓ ایک آزاد کردہ غلام ہیں اور اُن کے اپنے خاندان کے پروردہ ہیں اور وہ عرب کے شریف ترین گھرانے کی بیٹی ہونے کے باوجود اس کمتر درجے کے آدمی سے بیاہی گئی ہیں۔ اس احساس نے ازدواجی زندگی میں حضرت زید کو کبھی اپنے برابر نہ سمجھا۔ اس نااتفاقی صورتِ حال نے وحی الٰہی کا وہ ابدی فیصلہ قریب کر دیا کہ اسلام جو دینِ فطرت ہے اسمیں تبنّی کی رسم جاہل کا خاتمہ کر دیا جائے۔ جس طرح رسول محترم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان ہی سے فخر بالانساب کا بُت ڈھا دیا گیا تھا اسی طرح تبنّی کی رسم جاہلی کا خاتمہ بھی اسی رسولِ اکرم کے عمل سے کیا گیا۔ چنانچہ وحی الٰہی نے آپ کو اس بات کی اطلاع دی کہ زیدؓ اپنی بیوی زینبؓ کو طلاق دیدیں گے اور اسکے بعد زینبؓ آپؐ کے نکاح میں آئیں گی۔ اور آپؐ کو زینبؓ سے نکاح کرنا ہوگا۔

چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ خوب جانتے تھے کہ عرب کے موجودہ ماحول میں منھ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لینا کوئی آسان کام نہیں ہے بلکہ سخت ترین آزمائش اور الزامات سے دوچار ہونا ہے۔ کیونکہ منافقین اور خاص طور پر مشرکین عرب کو یہ موقع ہاتھ آجائے گا کہ اب وہ نبیؐ پر اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنے اور اس پر منظر رکھنے کا الزام عائد کریں گے اور عام لوگوں کو گمراہ کرنے اور برگشتہ کرنے کا ایک نیا حربہ ہاتھ آئے گا۔ چنانچہ واقعات نے ایسا ہی ثبوت فراہم کیا۔ بہر حال آپؐ نے وحیِ الٰہی کے اس فیصلہ کو نہ حضرت زیدؓ سے ظاہر کیا اور نہ کسی اور صحابی سے بلکہ اسکو اپنے دل میں محفوظ رکھا۔ چونکہ اللہ کا یہ فیصلہ زیدؓ کے طلاق دینے کے بعد کا تھا اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار زیدؓ کو یہی مشورہ دیتے کہ زینبؓ کو طلاق نہ دو اور صبر وضبط سے کام لو۔ منشاء یہ تھا کہ جب طلاق ہی نہ ہوگی تو نکاح کرنے کا فی الحال سوال پیدا نہ ہوگا۔ اس طرح مشرکین اور مخالفین کے جھوٹ وبہتان اور طعن وتشنیع اور طوفان بدتمیزی سے نجات ملے گی اور انھیں سادہ دل انسانوں کو گمراہ کرنے کا موقع بھی فراہم نہ ہوگا۔

مگر جب ہر طرح کی مصالحت سے دونوں میں موافقت نہ ہو سکی تب حضرت زید بن حارثہؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔ اس طرح یہ ازدواجی رشتہ ختم ہو گیا۔

اب آپؐ نے منشاءِ الٰہی پورا کرنے کا قصد فرمایا اور عدت گزرنے کے بعد حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیا۔

یہ کام ہونا ہی تھا کہ آپؐ کے خلاف طعن و تشنیع کا ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوا اور الزامات واتہامات کا سیلاب بہ پڑا لیکن اللہ کو اپنے دین کی تکمیل مقصود تھی اور اسلام کے اُن اقدار کو غالب کرنا تھا کہ پھر اسکے بعد کوئی جاہلی رسم پروان نہ چڑھے اور اللہ کا قانون اُس کی زمین پر جاری و ساری ہو جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس راہ میں وہ سب کچھ برداشت کیا جو اُولو العزم رسول برداشت کیا کرتے ہیں۔ آخر اللہ کا دین غالب آیا اور جاہلیت کی یہ قدیم رسم آپ کے ہاتھوں پامال کر دی گئی کہ منھ بولا بیٹا کوئی حقیقت نہیں اور نہ اِس کا کوئی وزن ہے۔ منھ بولے رشتے میں خواہ کتنا ہی تقدس پیدا کر دیا جائے۔ بہرحال وہ مصنوعی رشتہ ہے اس کو اسلام میں کوئی اہمیت نہیں۔

قرآن حکیم نے تبنّی کی اس رسم جاہلی کا ذکر اور حضرت زید بن حارثہؓ کا واقعہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس واقعہ سے تعلقِ خاطر واضح طور پر آیاتِ ذیل میں بیان کیا ہے:-

قرآنی مضمون

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا الخ (سورہ احزاب آیت ۱ تا ۵)

اے نبیؐ اللہ سے ڈرتے رہیئے اور کفار و منافقین کا کہنا نہ مانیے۔ بلاشبہ اللہ علم والا حکمت والا ہے۔ اور پیروی کرو اُس بات کی جو آپؐ کے رب کی طرف سے آپؐ کی طرف وحی کی گئی ہے۔ بیشک اللہ جو کچھ تم لوگ کیا کرتے ہو خوب جانتا ہے۔ اور اللہ ہی پر توکل کرو اور اللہ ہی وکیل ہونے کے لئے کافی ہے۔

اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل پیدا نہیں کئے اور نہ اللہ نے تم لوگوں کی اُن بیویوں کو جن سے تم ظہار[1] کرتے ہو تمہاری ماں بنا دیا ہے۔

[1] ظہار کے معنی بیوی کو ماں جیسی قرار دینا۔

اور نہ تمہارے لئے منھ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا قرار دیا ہے۔ یہ صرف تمہارے منھ سے کہنے کی بات ہے (جو واقع کے مطابق نہیں) اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ بتلاتا ہے۔

تم اُن کو (متبنّٰی بنانے والوں کا بیٹا نہ کہو بلکہ) اُن کے حقیقی باپ کی طرف منسوب کیا کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک سچائی کی بات ہے۔ اور اگر تم (اُن مُنھ بولے بیٹوں کے) باپ کو نہ جانتے ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے دوست ہیں اور تم کو اسمیں جو بھول چوک ہوجائے تو اس سے تم پر کچھ گناہ نہ ہوگا لیکن جو دل سے ارادہ کرکے کرو (تو اس سے گناہ ہوگا) اللہ تعالےٰ غفور رحیم ہیں۔"

(تفسیر رُوح المعانی میں) ایک شخص کی حکایت درج ہے جو ذُو قلبین (دُو دل والا) ہونے کا مدعی تھا۔ جنگ بدر میں میدان سے اس حال میں بھاگا کہ ایک جوتا پیر میں تھا اور دوسرا ہاتھ میں۔ ابوسفیان نے جب اسکو اس حال میں دیکھ کر ٹوکا تو اُس نے بیان کیا کہ میں دونوں جوتے دونوں پیر میں سمجھا تھا۔ (کیا دُو دل والا بھی اسقدر بے خبر ہوا کرتا ہے)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ الخ (احزاب آیت ۳۶ تا ۴۰)

کسی ایمان دار مرد اور کسی ایمان دار عورت کو گنجائش نہیں جبکہ اللہ اور اُس کا رسول کسی کام کا حکم دیں کہ پھر اُن کو اُس کام میں کوئی اختیار باقی رہے (یعنی عمل کرنا واجب ہوتا ہے) اور جو شخص اللہ کا اور اُس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا (چنانچہ اس آیت کے سُننے کے بعد حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت زید بن حارثہ سے ہوگیا)

(آگے اس نکاح کے بعد کا قصہ ہے کہ اُس وقت کو یاد کیجئے جب آپؐ (اے نبی بطور مشورہ) اُس شخص (زید بن حارثہ) سے فرمارہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا (کہ اسلام کی توفیق دی اور غلامی سے آزادی بھی دی) اور آپؐ نے بھی انعام کیا (کہ اپنی پھوپی زاد بہن زینبؓ سے نکاح

کروادیا) کہ اپنی بیوی (زینبؓ) کو اپنی زوجیت میں رہنے دے (کہ اُس کی معمولی اور بے وزن باتوں سے درگزر کر) اور اللہ سے ڈر، اور اُس وقت آپؐ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسکو اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا (اللہ نے اس سے پہلے آپؐ کو اطلاع دے دی تھی کہ زیدؓ کے طلاق دینے کے بعد زینبؓ کا نکاح آپؐ سے ہوگا) اور آپؐ لوگوں (کے طعن) سے اندیشہ کر رہے تھے اور ڈرنا تو آپ کو اللہ ہی سے زیادہ سزاوار ہے۔ پھر جب زیدؓ کا اُس (زینبؓ) سے جی بھر گیا (یعنی طلاق دے دی اور عدّت بھی گزر گئی تو) ہم نے آپؐ سے اُس (زینبؓ) کا نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منھ بولے بیٹوں کی بیویوں کے نکاح کے بارے میں کچھ تنگی نہ رہے۔ جب وہ منھ بولے بیٹے اُن عورتوں سے اپنا جی بھر چکیں ہوں اور اللہ کا یہ حکم تو ہونے والا ہی تھا۔ نبیؐ پر کسی ایسے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے جو اللہ نے اُن کے لئے مقرر کر دی ہے۔ یہی اللہ کی سُنت اُن سب نبیوں میں جاری رہی ہے جو پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔ یہ سب (پیغمبرانِ گزشتہ) ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ کیا کرتے تھے اور اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے (پس آپؐ کو بھی منھ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی زینبؓ سے نکاح کرنے میں کوئی اندیشہ وفکر نہ کرنی چاہیئے) اور اللہ (اعمال کا حساب لینے کے لئے کافی ہے (لہٰذا آپؐ پر طعن وتشنیع کرنے والوں کو سزا دے گا)

(اے لوگو) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں۔

(یعنی رسول ہونے کی حیثیت سے اِن پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ جس حلال چیز کو تمہاری مروّجہ رسموں نے خواہ مخواہ حرام کر رکھا ہے اِس بارے میں اُس کا فیصلہ کر دیں اور عمل سے اُس کا باطل ہونا بھی ظاہر کر دیں یہی رسالت کا عین منصب بھی ہے)

اور (آپ) خاتم النبیّن ہیں۔ (چونکہ آپؐ کے بعد کوئی نبی و رسول

آنے والا نہیں ہے کہ معاشرہ کا کوئی قانون آپ کے زمانے میں نافذ ہونے سے رہ جائے تو بعد کا آنے والا رسول یا نبی یہ کمی پوری کر دے! لہٰذا یہ بات اور بھی ضروری تھی کہ اس جاہلی رسم کا خاتمہ آپؐ خود کر دیں اسکے بعد مزید تاکید کے لئے فرمایا گیا) اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے (یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اس رسم جاہلی کو ختم کرا دینا کیوں ضروری ہے اور ایسا نہ کرنے میں کیا حرج تھا۔ ولو بالفرض بعد آنے والے ائمہ یا مصلحین اس رسم کو توڑ بھی دیں گے تو اِن میں سے کسی کا عمل بھی تمام انسانیت کے لئے نہ "اسوۂ حسنہ" قرار پاتا اور نہ دائمی و ابدی قانون بنتا کہ ہر زمانے میں لوگ اس کا اتباع کریں۔ اس لئے مذکورہ بالا مسئلہ نبی کے لئے تجویز کیا گیا)

(۲) ایک نازک امتحان :- پہلا واقعہ

تفسیر بحرِ محیط میں امام ابوحیانؒ نے بیان کیا کہ غزوۂ احزاب کے بعد بنو نضیر اور بنو قریظہ کی فتوحات اور اموال غنیمت کی تقسیم نے عام مسلمانوں میں ایک گونہ خوشحالی پیدا کر دی تھی۔ ان دونوں فتوحات میں بکثرت مال ہاتھ آیا تھا۔ اسی زمانے میں ازواجِ مطہرات رضؓ کو بھی خیال آیا کہ نبی کا گھر بھی اس سے مستفید ہونا چاہیئے۔ خرچ کی تنگی جو عرصے سے چل رہی تھی دور ہو جانی چاہیئے۔ پھر آپس میں مشورہ کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ قیصر و کسریٰ (روم و فارس کے بادشاہ) کی بیگمات طرح طرح کے زیورات اور قیمتی لباس میں ملبوس ہیں اور ان کی خدمت کے لئے کنیزیں ہیں اور ہمارا حال فقر و فاقہ کا ہے کیا ہمارا درجہ اُن سے بھی کم تر ہے کہ ہمیں ضروری خرچہ بھی میسر نہیں ہے۔ یا رسول اللہ ہمیں سال بھر کا خرچہ دے دیا جائے تاکہ سکون و اطمینان سے ہماری ضرورتیں پوری ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اِن کے مطالبات پر خاموش تھے۔ حُسنِ اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ

نے اپنی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضؓ کو سخت سُست کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کرتی ہو اور وہ چیز طلب کرتی ہو جو آپؐ کے پاس موجود نہیں ہے۔ اسی صورت حال کے باعث آپ اپنی ازواج مطہرات سے ایک ماہ کے لئے علیحدہ بھی ہو گئے تھے۔ اس وقت حضور کے نکاح میں چار بیویاں تھیں۔ سیدہ سودہؓ، سیدہ عائشہؓ، سیدہ حفصہ رضؓ، سیدہ ام سلمہ رضؓ ابھی حضرت زینب رضؓ سے حضور کا نکاح نہیں ہوا تھا۔ (احکام القرآن ابن العربی ج ۳ ص ۱۳)

جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اے نبیؐ اپنی بیویوں سے کہدو کہ اگر تم دنیا اور اُسکی زیب و زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اُس کے رسول اور دار آخرت کو چاہتی ہو تو پھر جان لو کہ تم میں سے جو نیکوکار ہیں اللہ ان کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔ (احزاب آیت ۲۹)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ سے گفتگو کی اور فرمایا:-

اے عائشہ رضؓ! میں تم سے ایک بات کہتا ہوں لیکن تم جواب دینے میں عجلت نہ کرنا بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کر کے مجھے جواب دینا۔ اسکے بعد آپؐ نے انھیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آیا ہے اور تم سب کو اختیار دے دیا گیا ہے کہ چاہے موجودہ زندگی پر قناعت کر کے نبی کی زوجیت کو پسند کریں یا پھر اپنا اپنا حق لیکر نبی کے گھر سے رخصت ہو جائیں۔ اور آپؐ نے یہ آیت سنا دی۔

اسپر سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ نے فوری عرض کیا یا رسول اللہ بھلا یہ بات بھی مشورہ کرنے کی ہے اور میں اپنے والدین سے پوچھوں؟ میں نے تو اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کر لیا ہے۔ مجھکو مشورہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مسرت کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مجھکو تم سے یہی توقع تھی۔ اسکے بعد آپؐ نے باقی ازواج مطہرات سے بھی فرداً فرداً یہی بات فرمائی۔ سب نے

وہی جواب دیا جو سیّدہ عائشہ صدیقہ رضؓ نے دیا تھا۔

(مسند احمد، مسلم، نسائی، ترمذی)

قرآن حکیم نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے :۔

قرآنی مضمون

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا الخ۔ (احزاب آیت ۲۸ تا ۳۴)

اے نبیؐ آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے (کہ تم سے دو ٹوک بات کہی جاتی ہے تاکہ ہمیشہ کے لئے بات ختم ہو جائے وہ یہ کہ) تم اگر دنیوی زندگی کا عیش اور اُس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ مال ومتاع دے دوں اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کر دوں (یعنی سنت کے مطابق طلاق دے دوں تاکہ جہاں چاہو جا کر دنیا حاصل کر لینا) اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اُسکے رسول کو اور عالم آخرت (کے بلند درجات) کو تو تم میں سے نیک کرداروں کے لئے اللہ نے (آخرت میں) اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔

اے نبی کی بیویو جو کوئی تم میں کھلی ہوئی بیہودگی کرے گی (جسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنگ و پریشان ہوں) اُسکو (اسپر آخرت میں) دوہری سزا دی جائیگی اور یہ بات اللہ کو آسان ہے۔

اور جو کوئی تم میں سے اللہ کی اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گی اور نیک کام کرے گی تو ہم اُس کو اُس کا ثواب (بھی) دوہرا دیں گے اور ہم نے اس کے لئے ایک خاص عمدہ روزی تیار کر رکھی ہے (جو جنت میں نبی کی ازواج کے لئے خاص ہے)

اے نبی کی بیویو تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو۔ پس تم (ضرورت کے وقت نامحرم مردوں سے) دب کر بات نہ کرو کہ ایسے شخص کو خیال ہونے لگے جس کے دل میں خرابی و فساد ہے اور قاعدہ کے موافق بات کہو۔[۱]

[۱] عبد القادر صاحبؒ لکھتے ہیں کہ قرآن نے عورتوں کو یہ ادب سکھایا کہ کسی مرد سے بات کہو تو اسطرح کہو جیسے ماں کہے بیٹے کو اور بات کھلی اور معقول ہو۔

اور تم اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور دکھلاتی نہ پھرو جیسا کہ دستور
تھا زمانۂ جاہلیت میں آزاد پھرنے کا۔ اور تم نمازوں کی پابندی رکھو اور
زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ کا اور اُس کے رسول کا کہنا مانو (کیونکہ) اللہ کو یہی منظور
ہے (اے نبی کے گھروالو) تم سے معصیت و نا فرمانی کی آلودگی کو دور رکھے
اور تم کو (گناہوں سے) پاک صاف رکھے۔ اور تم اُن آیات الٰہیہ (قرآن)
کو اور اُسکے علم (احکام) کو یا د رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا
رہتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ رازداں ہے پورا خبردار ہے۔

دوسرا واقعہ :-

سیدہ عائشہ صدیقہ رض فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا
ہر روز معمول تھا کہ عصر کی نماز کے بعد تمام ازواج کے گھر تھوڑی دیر
کے لئے تشریف لے جاتے اور خیر خیریت دریافت فرماتے۔

ایک دن سیدہ زینب بنت جحش رض کے گھر کچھ زیادہ دیر بیٹھ گئے
اِن کے ہاں کہیں سے شہد آیا ہوا تھا اور حضور کو شہد پسند بھی تھا۔
سیدہ زینبؓ نے آپؐ کی خدمت میں شہد پیش کیا اور آپ نوش فرمائے۔
سیدہ عائشہ صدیقہ رض کا بیان ہے کہ اس طرح یہ سلسلہ جاری رہا۔ لیکن
مجھے حضرت زینبؓ پر رشک آیا میں نے سیدہ حفصہ رض اور سیدہ سودہ رض اور
صفیہ رض سے ملکر مشورہ کیا کہ اس تاخیر پر کس طرح بند لگانا چاہیئے۔ مشورہ
میں یہ طے ہوا کہ جب آپ زینبؓ کے پاس سے واپس آئیں تو آپؐ سے
یہ کہا جائے کہ یا رسول اللہ آپؐ کے دہن مبارک سے مغافیر کی بُو آرہی ہے
(یہ ایک قسم کا پھول ہوتا ہے جسمیں کچھ بساندسی بو آتی ہے۔ اور اگر شہد
کی مکھی اس سے شہد حاصل کرے تو شہد کے اندر اس کا بساندپن بھی
آجاتا ہے۔ اور یہ بات سب کو معلوم تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بُودار
چیزیں پسند نہیں تھیں)

بہرحال آپ کو سیدہ زینبؓ کے گھر زیادہ ٹھہرنے سے روکنے

کیلئے یہ تدبیر اختیار کی گئی کہ جب آپ دوسری بیوی کے گھر تشریف لائیں تو کہا جائے کہ آپؐ کے منھ سے آج بُو آرہی ہے۔ جب متعدد بیویوں نے ایسا کہا تو آپؐ نے عہد کر لیا کہ اب یہ شہد استعمال نہ کریں گے بلکہ قسم بھی کھالی۔ امام نسائیؒ کہتے ہیں کہ شہد کے معاملہ میں سیدہ عائشہؓ کی حدیث حدیثِ صحیح ہے۔ یہی رائے قاضی عیاضؒ، قاضی ابوبکر بن العربیؒ، امام نوویؒ، علامہ عینیؒ اور امام ابن کثیرؒ کی ہے۔

الغرض آپؐ نے حضرت زینبؓ کے گھر زیادہ ٹھیرنا ترک کر دیا اور جو وہ شہد سے آپ کی تواضع کرتی تھیں وہ بھی ترک ہوگیا۔ اس طرح حضرت عائشہؓ وحفصہؓ وحضرت سودہؓ نے اپنا منشاء پورا کر لیا۔ اِدھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور آپؐ پر احتساب کیا گیا کہ آپؐ نے محض اپنی بعض ازواج کی خاطر ایک حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ حالانکہ یہ ایسی کوئی ضرورت نہ تھی اب آپؐ اپنی قسم کو توڑ دیں اور کفارہ ادا کریں۔ چنانچہ آپؐ نے اس آیت کے بعد اپنی قسم کو توڑ دیا اور کفارہ میں ایک غلام آزاد فرمایا۔ (درّ منثور) از بیان القرآن۔

قرآنی مضمون

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ الخ

(تحریم آیت ۱، ۲)

اے نبیؐ جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے۔ آپ (قسم کھاکر) اُس کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہو (پھر وہ بھی) اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے (جو کوئی ضروری نہ تھا) اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے تمہاری قسموں کا کھولنا (یعنی قسم توڑنے کے بعد اُس کے کفارہ کا طریقہ) مقرر فرمادیا ہے اور اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہ بڑا جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

تیسرا ۳ واقعہ:-

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مدت سے اس فکر میں تھا حضرت عمر فاروق رضؓ سے پوچھوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں وہ دو بیویاں کون ہیں جن کے بارے میں قرآن حکیم نے یہ ارشاد فرمایا ہے:-

اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا الآیۃ

(تحریم آیت ۴)

(اے نبی کی دونوں بیویو) اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کرلو تو (بہتر ہے کیونکہ) تمہارے دل (اس طرف) مائل ہو رہے ہیں (کہ دوسری بیویوں سے ہٹا کر آپ کو اپنا ہی بنالیں)

لیکن حضرت عمر رضؓ کی ہیبت کی وجہ سے میری ہمت نہ پڑتی تھی. آخر وہ ایک مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے میں بھی آپ کے ساتھ ہولیا اور درمیان راہ یہ سوال کیا جبکہ مجھے وضو کرانے کا موقع ملا تھا. حضرت عمرؓ نے جواب دیا ابن عباسؓ تعجب ہے یہ تم کو معلوم نہیں؟ میں نے کہا جی نہیں۔ فرمایا یہ دونوں عائشہؓ اور حفصہؓ تھیں. پھر تفصیل بیان کرنی شروع کی کہ ہم قریش کے لوگ اپنی بیویوں پر حاوی رہا کرتے تھے مگر جب ہم ہجرت کر کے مدینہ آئے تو ہمیں ایسے لوگ ملے جن پر اُن کی بیویاں حاوی تھیں (یعنی انصار مدینہ) یہاں آکر ہماری بیویوں نے بھی انصاری عورتوں کا یہ طریقہ سیکھ لیا۔

ایک روز میں اپنی بیوی سے کسی بات پر ناراض ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ مجھ کو پلٹ کر جواب دے رہی ہے. یہ طرز مجھکو بہت ناگوار معلوم ہوا. اسپر میری بیوی نے کہا آپ اس بات پر کیوں ناراض ہوتے ہو کہ میں نے آپ کو جواب دیا ہے! اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بھی حضور کو دو بدو جواب دیا کرتی ہیں اور اِن میں کوئی دن بھر آپ سے روٹھی بھی رہتی ہیں (بخاری کی روایت میں کہ حضور اکرم اس سے

دن بھر ناراض بھی رہتے ہیں)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ سنکر میں گھر سے نکلا اور اُم المومنین حفصہؓ کے گھر گیا (جو حضرت عمرؓ کی بیٹی اور حضور اکرم کی بیوی ہیں) میں نے اُن سے پوچھا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو بدو جواب دیتی ہو؟ اُس نے کہا ہاں! میں نے پوچھا اور کیا تم میں سے کوئی دن دن بھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روٹھی رہتی ہو؟ اُس نے کہا ہاں! میں نے کہا پھر تو وہ نامراد ہوگئی اور خسارہ میں پڑگئی۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات سے بے خوف ہوگئی ہے کہ اپنے رسول کی ناراضی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اُس پر ناراض ہوجائے اور وہ ہلاکت میں پڑجائے! اے حفصہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ مطالبات کر اور نہ کسی بارے میں اصرار کیا کر اور نہ بات چیت بند کیا کر تجھ کو جو ضرورت پیش آئے آپؐ سے مانگ لیا کر، تو اس خیال میں نہ پڑ کہ تو اپنی سوکن (عائشہؓ) کے برابر ہوجائے اور اُس جیسا معاملہ کرے۔ کیونکہ عائشہؓ تجھ سے زیادہ خوبصورت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھ سے زیادہ محبوب ہے۔

اسکے بعد میں اُم سلمہؓ کے گھر پہنچا جو میری رشتہ دار تھیں اور میں نے اِن سے بھی وہی بات کی جو اپنی بیٹی حفصہؓ سے کی تھی۔ اُم سلمہؓ نے سنکر کہا ابن خطابؓ تم عجیب آدمی ہو ہر معاملے میں دخل دیتے ہو یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے بارے میں بھی دخل دینے لگے ہو؟

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اُم سلمہؓ کی اس بات نے میری ہمت پست کردی اور میں خاموش اپنے گھر چلا آیا۔ پھر ایسا ہوا کہ میرے ایک انصاری پڑوسی نے رات کے وقت میرا دروازہ کھٹکھٹایا۔ در اصل ہم دونوں باری باری سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے ایک دوسرے کو اُس دن کی بات بتادیا کرتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ اہل مدینہ کو بادشاہ غسان کے اچانک حملہ کا ہر وقت خطرہ لگا ہوا تھا

اُس انصاری کے میرے دروازے پر پکارنے پر میں باہر نکلا تو اُس نے کہا ایک بڑا حادثہ پیش آگیا ہے۔ میں نے کہا کیا غسّان کا حملہ ہوگیا ہے؟ اُس نے کہا نہیں بلکہ اس سے بھی بہت بڑا حادثہ ہوگیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ یہ سنتے ہی میری زبان سے نکلا حفصہؓ ناکام ہوگئی اور خسارہ میں پڑگئی۔ مجھے پہلے ہی یہ اندیشہ ہوگیا تھا کہ یہ بات ہونے والی ہے۔ پھر میں نے فجر کی نماز مسجد نبوی میں ادا کی۔ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چھوٹے سے حجرے میں چلے گئے جو مسجد کے ایک جانب بنایا گیا تھا۔ میں سیدھا حفصہؓ کے گھر آیا دیکھا تو وہ رُو رہی تھی۔ میں نے کہا تم کیوں رو رہی ہو؟ میں نے کہا نہ تھا کہ تمہارے اس رویہ سے کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں طلاق نہ دے دیں!

کہنے لگیں مجھے علم نہیں لیکن آپؐ نے علیحدگی اختیار کر لیا ہے۔ میں مسجد نبوی واپس آیا دیکھا کہ چند لوگ منبر مسجد کے اطراف بیٹھے رو رہے ہیں میں بھی کچھ دیر بیٹھ گیا لیکن مجھ سے رہا نہ گیا اُٹھا اور آپؐ کے حجرے پر آیا اور دربان سے کہا میرے لئے اجازت حاصل کر۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنا چاہتا ہوں اُس نے آپؐ سے عمرؓ کی حاضری طلب کی لیکن آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس اطلاع پر حضرت عمرؓ پھر مسجد میں آگئے اور اُن لوگوں کے ساتھ بیٹھ گئے لیکن کچھ دیر بعد پھر دربان سے کہا کہ اب اجازت حاصل کر! غلام نے آپؐ سے عمرؓ کی اجازت طلب کی۔ اس دفعہ بھی جواب نہ ملا۔ جب لوٹ رہے تھے تو دربان نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اے عمرؓ ابھی ابھی اجازت دی ہے تشریف لائیے!

حضرت عمرؓ جب حجرے میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ کھجور کی چٹائی پر آپؐ لیٹے ہوئے ہیں درخت کی چھال کا ایک تکیہ ہے پہلو پر ریت کے نشان پڑگئے ہیں میں نے سلام کیا۔ پھر عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا

آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے ؟ آپ نے ارشاد فرمایا نہیں!
پھر میں آپؐ سے اور قریب ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم قریشی لوگ
مکہ میں اپنی عورتوں پر حاوی تھے جب ہم مدینہ آئے تو ہم کو ایسی قوم سے
سابقہ پڑا جو اپنی بیویوں سے مغلوب ہوجاتے ہیں اور ان کی بیویاں اُن پر
حاوی ہیں۔ یہی رنگ ہماری عورتوں نے بھی اختیار کر لیا ہے۔ اب وہ ہم
پر حاوی ہو گئی ہیں۔ یہ سنکر آپؐ نے تبسم فرمایا۔ پھر میں نے کہا یا رسول اللہ
میں نے تو حفصہؓ سے کہدیا تھا کہ تم عائشہؓ کی نقل نہ کرنا وہ تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم پر ناز کرتی ہیں اور تجھ سے زیادہ محبوب بھی ہے۔ اس پر
آپؐ نے دوبارہ تبسم فرمایا۔ پھر میری نظر حجرے کے اطراف پر پڑی دیکھا تو
صرف دو تین چیزیں حجرہ کا کل اثاثہ ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ
اپنی امت کے لئے دُعا فرمائیے کہ اللہ اُنہیں کشادگی عطا کرے۔ یا
رسول اللہ ملک فارس اور روم کے لوگ جو اللہ کی عبادت نہیں کرتے اُنہیں
دُنیا کی فراخی اور کشادگی حاصل ہے۔ اسوقت آپ ٹیکہ لئے ہوئے تھے
اُٹھ بیٹھے اور فرمایا :-

اَوَ فِی شَکٍّ اَنْتَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ ۔

اے عمرؓ ابھی تم شک ہی میں پڑے ہوئے ہو؟

یہ وہ قومیں ہیں جن کی خوشحالی اُن کی حیاتِ دنیوی ہی میں دے دی گئی
ہے اور آخرت کا کوئی حصہ انمیں نہ ہوگا۔

میں نے کہا یا رسول اللہ مجھ سے خطا ہو گئی میرے لئے استغفار
فرمائیے۔ پھر میں واپس ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس بات
کی وجہ سے اپنی بیویوں سے علیحدہ ہی رہے جس کا اظہار حفصہؓ نے سیدہ
عائشہ رضؓ سے کیا تھا اس طرح یکماہ گزر گیا۔ انتیس۲۹ دن بعد آپ حجرۂ عائشہؓ
میں داخل ہوئے اور فرمایا کہ میں نے یکماہ جُدا رہنے کی قسم کھائی تھی اور
مہینہ پورا ہو گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ اس موقع پر آیت تخییر

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ الخ (احزاب آیت ۲۸)
نازل ہوئی جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں پہلا واقعہ کے ضمن آچکی ہے۔
(بخاری ج ۲ ص ۳۳۳، مسلم، ترمذی، نسائی، مسند احمد)
قرآن حکیم کی آیاتِ ذیل انہی تفصیلات پر مشتمل ہیں۔

قرآنی مضمون

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا الخ
(تحریم آیت ۳ تا ۵)

(اور یہ معاملہ بھی قابل توجہ ہے کہ) جب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی کسی بیوی سے ایک بات چپکے سے فرمائی (وہ بات یہ تھی کہ میں زینبؓ کے گھر شہد کبھی نہیں پیوں گا) پھر جب اُس بیوی نے وہ بات (دوسری بیوی کو) بتلادی اور نبیؐ کو اللہ تعالٰی نے (بذریعہ وحی) اُس بات کی خبر کردی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (اُس ظاہر کردینے والی بیوی کو تھوڑی بات تو جتلادی (کہ تو نے ہماری یہ بات دوسری بیوی سے کہدی) اور تھوڑی بات کو نبی ٹال گئے (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم اس درجے تک ہے کہ اپنے حکم کے خلاف کرنے پر جو شکایت کرنے بیٹھے تو شکایت کے وقت بھی پوری باتوں کا اعادہ نہیں کیا کہ تو نے میری یہ بات بھی کہدی وغیرہ۔ اگر آپ ایسا کرتے تو اُس بیوی کو یقیناً زیادہ شرمندگی ہوتی) سو جب نبیؐ نے اُس بیوی کو وہ بات جتلائی تو وہ کہنے لگی کہ آپؐ کو اسکی کس نے خبر کردی ہے؟ آپؐ نے فرمایا مجھکو اُس ذات نے خبر دی جو سب کچھ جانتا (اور) باخبر ہے۔

اے نبی کی دونوں بیویو اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کرلو تو (بہتر ہے) کیونکہ تمہارے دل اس طرف مائل ہو رہے ہیں کہ (دوسری بیویوں سے ہٹاکر آپ کو اپنا ہی بنالیں۔ لیکن چونکہ اسمیں دوسری بیویوں کے حقوق کا نقصان اور دل شکنی ہے اس لئے توبہ کرنی ضروری ہے) اور اگر (اسی طرح نبی کے مقابلہ میں تم دونوں کارروائیاں کرتی رہیں تو

(یاد رکھو کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق اللہ ہے جبرئیل ہیں اور نیک مسلمان ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے (بھی آپ کے) مددگار ہیں (مطلب یہ کہ تمہاری ان سازشوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نقصان نہیں ہے بلکہ تمہارا خود اپنا نقصان ہوگا۔ اور اے نبی کی بیویو تم یہ وسوسہ دل میں نہ لانا کہ آخر تو مرد کو بیویوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم سے بہتر عورتیں کہاں ہیں اس لئے چار و ناچار ہماری سب باتیں سہی جائیں گی۔ سو یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ) اگر پیغمبر تم عورتوں کو طلاق دے دیں تو اُن کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے اُن کو تم سے اچھی بیویاں دے دیگا جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، فرمانبرداری کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں، شوہر دیدہ بھی اور کنواریاں بھی ہوں گی (یعنی سیرت وصورت کے اعتبار سے ہر طرح کامل ومکمل فراہم کرنے پر قادر ہے)

زوجین کے خانگی معاملات بعض اوقات ابتداءً بہت معمولی اور حقیر نظر آتے ہیں لیکن اگر ذرا باگ ڈور ڈھیلی چھوڑ دی جائے تو آخر کار نہایت خطرناک اور تباہ کن صورت اختیار کر لیتے ہیں خصوصاً جب عورت کسی اونچے گھرانے کی ہو تو اس کو طبعاً اپنے باپ بھائی اور خاندان پر بھی گھمنڈ ہو سکتا ہے۔

قرآن حکیم نے ازدواجی زندگی کے اس مخفی گوشے پر متنبہ کر دیا کہ اے نبی کی بیویو اگر تم دونوں اس طرح کارروائیاں کرتی رہیں تو یاد رکھو ان حرکات سے اللہ کے نبی کو کچھ ضرر نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ اور فرشتے اور نیک بخت ایماندار درجہ بدرجہ جس کے رفیق و مددگار ہوں اُنکے سامنے کوئی انسانی تدبیر کامیاب نہیں ہوسکتی البتہ تم کو خود نقصان پہنچ جانے کا امکان ہے۔

حَدیثِ اِفک ۸ھ

(جھوٹی تہمت)

بُہتانِ عظیم سلسلۂ غزوات میں ایک غزوۂ بنی المُصطلِق جس کا دوسرا نام غزوہ مُریسیع بھی ہے۔ اس حیثیت سے مشہور و معروف ہے کہ اسمیں منافقین نے ایک خطرناک فتنہ برپا کیا تھا اور فتنہ بھی ایسا شدید کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانثار صحابہ کے کمال درجہ ضبط و تحمل کا نشان بن گیا۔ یہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضؓ پر تہمت و الزام کا فتنہ تھا جس کی تفصیل خود سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ اپنی زبان سے بیان فرماتی ہیں۔ حدیث کی مستند و معتبر کتابوں میں یہ واقعہ مذکور ہے:۔

"ماہِ شعبان ۵ھ یا ۶ھ میں قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی فتنہ سامانیوں کی وجہ سے یہ غزوہ پیش آیا۔ منافقینِ مدینہ کا یہ دستور بن گیا تھا کہ جس غزوہ میں فتح و نصرت کے آثار محسوس کرتے اس میں مالِ غنیمت کے لالچ سے ضرور شریک ہو جاتے۔ چنانچہ اس غزوہ بنی مصطلق میں یہ منافق اتنی کثرت سے شامل ہوگئے تھے کہ مؤرخ ابن سعد کا بیان ہے کہ اس سے پہلے اتنی بڑی تعداد کسی اور غزوہ میں شریک نہ تھی۔

قبیلہ بنو مصطلق (مشہور قبیلہ بنو خُزاعہ کی ایک شاخ تھی) جو ساحل بحر احمر پر جدّہ اور رابغ کے درمیان قُدید کے علاقے میں آباد تھے۔ اس قبیلہ کے چشمے کا نام مُریسیع تھا۔ اس مناسبت سے کتب احادیث میں اسپر فوج کشی کا نام غزوہ مُریسیع بھی بیان کیا گیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ماہ شعبان ۶ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنو مصطلق کے لوگ مدینہ منورہ پر حملہ کرنیکی تدبیر کر رہے ہیں اور اس مہم میں دوسرے قبائل کو بھی شریک کر رہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک لشکر لیکر اس جانب روانہ ہوگئے تاکہ اس فتنہ کو سر اُٹھانے سے پہلے ہی کچل دیا جائے۔ مسلمانوں کے ساتھ عبداللہ بن اُبَی بھی اپنے

منافق دوستوں کی ایک بڑی تعداد لے کر شامل ہوگیا، مُریسیع کے مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن پر اچانک حملہ کر دیا اور تھوڑی سی جدوجہد کے بعد پورے قبیلے کو مال و اسباب کے ساتھ گرفتار بھی کر لیا، ابھی اسلامی لشکر مُریسیع پر موجود تھا کہ منافقین نے پانی پر ایک مصنوعی جھگڑا پیدا کر دیا اور انصار مدینہ کو یہ کہہ کر بھڑکانا شروع کیا۔ یہ مہاجرین جنکو تم نے اپنے شہر مدینہ میں لاکر بسایا اور اپنے مال و جائیداد کا حصہ دار بنایا آج تم پر غلبہ رکھتے ہیں اور تم پر سر اٹھاتے ہیں اگر تم ان کا ہاتھ نہ پکڑتے تو آج یہ ہم پر کیوں بھاری ہوتے ؟ اس قسم کی بکواس کر کے مہاجرین اور انصار میں انتشار پیدا کرنا چاہا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی عقل و فراست نے اسکے مکر و فریب کو ناکام کر دیا اور پانی کا جھگڑا ختم ہوگیا۔ عبد اللہ بن اُبیّ (رئیس المنافقین) اس ناکامی سے آگ بگولہ ہوگیا اور اس موقع پر اسکی ناپاک زبان سے وہ کلمۂ کفر نکلا جس کی نقل قرآن حکیم نے ظاہر کی ہے :-

"قسم کھا کر کہنے لگا، مدینہ پہنچنے کے بعد جو ہم میں عزت والا ہے (یعنی منافقین) وہ ذلیل لوگوں (یعنی مسلمانوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو نکال باہر کر دے گا۔" (سورہ منافقون آیت ۸)

اُس کی اِن بیہودہ باتوں کی اطلاع جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو حضرت سیدنا عمر رضؓ نے مشورہ دیا کہ اس شخص کو قتل کروا دینا چاہیئے مگر آپؐ نے فرمایا اے عمر رضؓ کافر لوگ کہیں گے کہ محمدؐ خود اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔ پھر آپؐ نے اس مقام سے فوری کوچ کرنے کا حکم دیا۔

جب اس غزوہ سے واپس ہو رہے تھے تو درمیانِ راہ شب میں ایک مقام پر پڑاؤ کیا۔ روایت بخاری کے مطابق خود سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ اس "بہتانِ عظیم" کی تفصیل اس طرح بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب آپؐ سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ ڈال کر فیصلہ فرماتے جس کا نام آجاتا اس کو سفر میں ساتھ لیجاتے۔

غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر قرعہ میرے نام نکلا اور میں آپؐ کے ساتھ ہوگئی۔
یہ وہ زمانہ تھا کہ پردے کے احکام نازل ہوچکے تھے مجھکو ہودج پر سوار کردیا جاتا تھا اور منزل پر اُتار دیا جاتا تھا۔ اس طرح یہ سفر پورا ہوا۔ واپسی میں جب ہم مدینہ منورہ کے قریب تھے کہ ایک منزل پر رات کے وقت پڑاؤ کیا گیا اور ابھی رات کا کچھ حصّہ باقی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ کا اعلان کروایا۔ میں نیند سے اُٹھکر رفع حاجت کے لئے کچھ دور چلی گئی اور پھر واپس ہوئی تو مجھے محسوس ہوا کہ میرے گلے کا ہار گر گیا ہے۔ میں اسکی تلاش میں پھر لوٹ گئی اتنی دیر میں قافلہ روانہ ہوگیا۔ قاعدہ یہ تھا کہ کوچ کے وقت میں اپنے ہودج میں بیٹھ جاتی اور مقرر شدہ چار آدمی اُسکو اُٹھاکر اونٹ پر رکھ دیتے تھے۔ اُس زمانے کی عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں۔ ہودج اُٹھانے والوں کو احساس نہیں ہوا کہ میں ہودج میں موجود نہیں ہوں اُن لوگوں نے میرے ہودج کو اونٹ پر رکھ دیا اور قافلہ روانہ ہوگیا اور وہ لوگ یہ سمجھتے رہے کہ میں ہودج میں موجود ہوں ویسے بھی میں نوعمر لڑکی تھی جس کا کوئی خاص وزن نہ تھا، ادھر قافلہ روانہ ہوگیا اُدھر میں اپنا ہار ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے اپنی منزل پر پہنچی تو اپنا گم شدہ ہار اُسی جگہ پایا لیکن قافلہ روانہ ہوچکا تھا۔ میں نے ہمت مضبوط کی اور خیال کیا کہ آگے جاکر جب لوگوں کو معلوم ہوگا تو یقیناً وہ میری تلاش میں واپس آئیں گے۔ لہٰذا مجھکو اسی مقام پر ٹھیر جانا چاہیئے۔ چنانچہ میں چادر اوڑھکر بیٹھ گئی لیکن مجھ کو نیند آگئی اور میں اُسی جگہ سوگئی۔

صبح کے وقت صفوان بن معطل سُلَمی اس جگہ سے گزرے جہاں میں سو رہی تھی اور مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے کیونکہ پردے کا حکم آنے سے پہلے وہ مجھکو دیکھ چکے تھے اُنھوں نے اونچی آواز سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہا۔ ان کی آواز پر میں بیدار ہوگئی اور میں نے اپنے منہ پر چادر ڈال لی۔ اُنھوں نے مجھ سے کچھ بھی نہیں پوچھا اور اپنا اونٹ میرے سامنے

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن معطلؓ کو اس خدمت پر مقرر کیا تھا کہ وہ قافلہ کے پیچھے رہیں تاکہ کوچ کے وقت کوئی چیز چھوٹ گئی ہو تو اُسے لیتے آئیں۔

بٹھا دیا اور الگ ہٹ کر کھڑے ہو گئے میں اس اونٹ پر سوار ہو گئی اور وہ نکیل پکڑ کر چلنے لگے۔ دوپہر کے قریب ہم نے لشکر کو پالیا جبکہ وہ دھوپ کی وجہ سے درختوں کے نیچے آرام کر رہے تھے۔ بس یہی وہ واقعہ تھا کہ جس کے نصیب میں ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہوا اور اسپر تہمت و الزام کی تعمیر کی گئی اور اس کا معمار رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبیؔ تھا۔

مگر میں اُس وقت اس سے بے خبر تھی کہ میرے بارے میں کیا کیا افواہیں پھیل رہی ہیں۔ الغرض مدینہ منورہ پہنچکر میں بیمار ہو گئی اور تقریباً یکماہ بیمار رہی۔ اس عرصے شہر میں مختلف افواہیں گشت کر رہی تھیں اور میں اس سے بالکل بے خبر تھی نہ مجھکو کسی نے بتایا اور نہ مجھے کبھی خیال آیا۔ البتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ توجہ اور عنایت جو آپ مجھ سے فرمایا کرتے تھے اس علالت کے زمانے میں بہت کم محسوس کرتی تھی۔ آپؐ تشریف لاتے اور سلام کے بعد پوچھتے کہ اب کیا حال ہے؟ اس کے بعد آپؐ لوٹ جاتے۔ مجھکو اپنی بیماری اور کمزوری کے باعث آپؐ کے اس طرز عمل پر غور و فکر کرنے کا احساس بھی نہ ہوا۔ میں بیماری سے بہت کمزور ہو چکی تھی۔ اُس زمانے میں ہمارے گھروں کے اندر بیت الخلاء نہیں ہوا کرتے تھے۔ عورتیں رات کے وقت جنگل میں رفع حاجت کیا کرتی تھیں۔ انہی دنوں ایک رات میرے ساتھ مِسطَحؓ بن اُثاثہ کی ماں بھی تھیں جو میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی خالہ زاد بہن ہوتی تھیں (ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پورے خاندان کی کفالت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے ذمّے لے رکھی تھی مگر اس احسان کے باوجود مِسطَحؓ بھی اُن لوگوں میں شریک ہو گئے تھے جو سیّدہ عائشہ صدیقہ رضؓ کے خلاف بدترین تہمت کو پھیلا رہے تھے) چلتے چلتے مِسطَحؓ کی ماں کو ٹھوکر لگی اور بے ساختہ اُن کی زبان سے "تَعِسَ مِسْطَحٌ" نکلا (اللہ مسطح کو غارت کرے) سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ مجھکو اس بد دُعا پر تعجب ہوا اور میں نے کہا تم نے بُرا کہا اور وہ بھی ایسے شخص کو جو غزوۂ بدر میں حصہ لیا تھا! اسپر اُنھوں نے کہا بیٹی

تجھے اُسکی باتوں کی کچھ خبر بھی ہے ؟ میں نے کہا کیا بات ہے ؟ پھر اُنھوں نے سارا قصہ سُنایا کہ افترا پرداز لوگ اور منافقین میرے متعلق کیا کیا افواہیں اُڑا رہے ہیں (منافقین کے علاوہ مسلمانوں میں تو ایک تو یہی مسطحؓ بن اثاثہ رضؓ، حسّان بن ثابت رضؓ، حمنہ بنت جحش رضؓ (ام المؤمنین حضرت زینبؓ کی بہن) بھی اِن منافقوں کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے)

یہ داستان سُنکر میں دم بخود رہ گئی اور میرا مرض بڑھ گیا۔ میں گھر واپس ہوئی اور ساری رات رونے میں گزر گئی۔ دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے جیسا کہ آپ کا معمول تھا میری خیریت پوچھی میں نے کہا مجھکو آپ اجازت دیں کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر جاؤں۔ آپؐ نے اجازت دے دی۔ دراصل میں اپنے والدین سے حقیقتِ حال معلوم کرنا چاہتی تھی۔ گھر آکر میں نے اپنی والدہ اسماء بنت عُمیسؓ سے پوچھا امّاں جان لوگ میرے بارے میں کیا افواہ اُڑا رہے ہیں میں جاننا چاہتی ہوں ؟ میری ماں نے کہا بیٹی ! ایسی باتوں پر توجہ نہ دو اکثر ایسا ہوا ہے کہ کسی کی کئی ایک بیویاں ہوں اور اُن میں کوئی حسین و جمیل ہو تو اُس کے خلاف دوسری بیویاں مختلف شرارتیں کیا کرتی ہیں۔ بیٹی اس وقت تیرے ساتھ بھی یہی معاملہ ہو رہا ہے۔ میں نے کہا سبحان اللہ! یہ صرف معمولی سی بات ہے ؟ جبکہ شہر مدینہ ان افواہوں سے گونج رہا ہے۔ یہ کہہ کر میں الگ ہوگئی نہ میرا رونا بند ہوا نہ مجھے نیند آئی۔

میرے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسامہ بن زید رضؓ اور علی بن ابی طالبؓ سے مشورہ طلب کیا کہ عائشہ رضؓ کے بارے میں مجھے کیا فیصلہ کرنا چاہیئے ؟ کیونکہ وحی الٰہی اس بارے میں خاموش ہے۔

حضرت اُسامہ رضؓ نے تو میرے بارے میں حُسنِ ظن کا اظہار کیا اور کہا یا رسول اللہ آپ کی بیوی عائشہ رضؓ میں سوائے خیر کے اور کچھ تصور نہیں کیا جا سکتا (یقیناً یہ اُنپر جھوٹی تہمت ہے)

لیکن علی بن ابی طالبؓ نے کہا یا رسول اللہ عورتوں کی کمی نہیں ہے

اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر نکاح کے بارے میں کوئی تحدید مقرر نہیں کی ہے (آپؐ دوسرا نکاح کر لیں) اور اگر آپ تحقیق ہی کرنا چاہیں تو عائشہؓ کی خدمت گزار باندی سے حالات دریافت فرمائیں وہ آپ کو سچ سچ بیان کر دے گی۔ چنانچہ خادمہ کو طلب کیا گیا اور اُس سے پوچھا گیا اُس نے کہا اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث کیا ہے میں نے عائشہؓ میں کوئی بُرائی نہیں دیکھی جس سے اُن کی پاک دامنی پر حرف آئے۔ بس عیب اتنا ہے کہ میں آٹا گوندکر کسی کام سے باہر جاتی ہوں اور جاتے وقت عائشہؓ سے کہے جاتی ہوں کہ بی بی ذرا آٹے کا خیال رکھیں مگر وہ سو جاتی ہیں اور بکری آکر آٹا کھا جاتی ہے (اس بات کے سوا اور کوئی عیب میں نے اُن میں نہیں دیکھا)

اسی روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

"مسلمانو! کون ہے جو اُس شخص (منافق عبد اللہ بن اُبی) کے حملوں سے میری عزت بچائے جس نے میرے گھر والوں پر الزام لگا کر مجھکو اذیت دینے میں انتہا کر دی ہے! اللہ کی قسم میں نے نہ اپنی بیوی عائشہؓ میں کوئی بُرائی دیکھی ہے اور نہ اُس شخص (صفوان بن معطل) میں جس کے متعلق تہمت لگائی جاتی ہے۔ وہ تو کبھی کسی وقت میری غیر موجودگی میں میرے گھر بھی نہیں آیا۔"

اس خطبہ پر حضرت اُسید بن حُضیرؓ اور بعض روایات میں سعد بن معاذؓ نے اُٹھ کر کہا یا رسول اللہ! اگر وہ تہمت لگانے والا ہمارے قبیلے اوس کا آدمی ہے تو آپؐ اس کا نام ظاہر فرمائیں ہم اس کی گردن مار دیتے ہیں، اور اگر ہمارے پڑوسی قبیلہ خزرج کا آدمی ہے تو آپ جو حکم دیں ہم اس کی تعمیل کریں گے! یہ سنتے ہی قبیلہ خزرج کے رئیس سعد بن عبادہؓ اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے تم جھوٹ کہتے ہو تم ہرگز اسے نہیں مار سکتے تم اپنے قبیلے کی حمایت میں ہمارے قبیلے کا نام لیتے ہو۔ حضرت اُسید بن حُضیرؓ نے جواب دیا اے سعدؓ تم جھوٹ کہتے ہو ہم ایسے آدمی کو

ضرور قتل کر دیں گے۔ تم منافقت کرتے ہو۔ اس پر مسجد نبوی میں ہنگامہ جیسا ہو گیا۔ قبیلۂ اوس اور قبیلۂ خزرج کے لوگ آپس میں اُلجھ گئے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے۔ آپؐ نیچے اُتر آئے اور دونوں قبیلوں کو خاموش کیا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ اس بہتان کی افواہیں پھیلتی رہیں اور میرا وہی حال تھا نہ نیند تھی نہ چین تھا سارا دن اور ساری رات رونے میں گزری حتیٰ کہ خود مجھکو احساس ہونے لگا کہ میرا یہ رونا میرے جگر کو کھا جائے گا۔ میرے والدین میرے ساتھ رنج وغم میں مبتلا رہے۔ ایک انصاری عورت بھی میرے رونے میں شریک ہوگئی۔ آخرکار ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرے پاس بیٹھ گئے۔ اس پوری مدت میں آپؐ کبھی میرے پاس نہ بیٹھے تھے۔ اِن افواہوں کو ایک ماہ کا عرصہ ہو گیا تھا۔ اس پوری مُدّت میں وحی الٰہی نے بھی میرا کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ میرے ماں باپ (ابوبکر صدیق رضؓ اور اُمّ رومان رضؓ) بھی اس وقت میرے قریب بیٹھ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل اللہ کی حمد وثنا کہی پھر مجھ سے مخاطب ہوتے، فرمایا:-

"اے عائشہ رضؓ مجھکو تمہارے بارے میں ایسی اور ایسی خبریں پہنچی ہیں۔ اگر تم بے گناہ ہو تو اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری برأت ظاہر فرما دے گا۔ اور اگر واقعی تم سے کسی گناہ کا ارتکاب ہو گیا ہو تو اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ کرو اور معافی چاہو، بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کرکے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سنکر میرے آنسو خشک ہوگئے میں نے اپنے والد (ابوبکر صدیق رضؓ) سے عرض کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دیں!

اُنھوں نے کہا بیٹی میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں؟

میں نے اپنی والدہ سے کہا اماں جان! آپ ہی جواب دیں!

اُنھوں نے بھی یہی کہا کہ بیٹی میں حیران ہوں کیا جواب دوں ؟ بس اس پر میری جرأت بڑھ گئی اور میں نے کہنا شروع کر دیا حالانکہ میں ایک کم عمر لڑکی تھی قرآن بھی زیادہ نہ جانتی تھی میں نے کہا :-

"آپ لوگوں کے کان میں ایک بات پڑگئی اور دلوں میں بیٹھ چکی ہے اب اگر میں کہوں کہ میں بے گناہ ہوں۔ اور یقیناً اللہ گواہ ہے کہ میں بے گناہ ہوں تو آپ لوگ ہرگز یقین نہیں کریں گے۔

اور اگر میں ایک ایسی بات کا اعتراف کر لوں جو میں نے نہیں کی ہے۔ اور یقیناً اللہ جانتا ہے کہ میں نے نہیں کیا ہے تو آپ لوگ مان لیں گے۔ اس صورتِ حال میں میرے لئے اس کے سوا اور کیا چارہ ہے کہ وہی بات کہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے والد نے کہی تھی (فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ) (یوسف آیت ۱۸) (اس وقت مجھے حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام یاد نہیں آیا) یہ کہہ کر میں لیٹ گئی۔ پھر میرے دل میں شدت سے یہ احساس پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ بہت جلد میری پاک دامنی ظاہر کر دے گا۔ اگرچہ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ میرے بارے میں قرآن نازل ہوگا جو قیامت تک پڑھا جائے گا۔ میں اپنی ذات کو اس قابل بھی نہیں سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ خود میری طرف سے وکیل بن کر میری پاک دامنی بیان کرے گا۔ میرا زیادہ سے زیادہ یہ احساس تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی خواب دیکھیں گے جس میں اللہ تعالےٰ میری برارت ظاہر فرما دے گا۔ بس۔

اتنے میں یکایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ کیفیت طاری ہوگئی جو وحی نازل ہوتے وقت ہوا کرتی تھی۔ حتیٰ کہ سخت سردی کے زمانے میں آپ کی پیشانی سے موتی کی طرح پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے۔ ہم سب خاموش ہوگئے۔ میں تو بالکل مطمئن تھی لیکن میرے والدین کا یہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔ وہ ڈر رہے تھے کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا حقیقت کھولتا ہے۔

کچھ دیر بعد وہ کیفیت جاتی رہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے حد خوش تھے۔ آپؐ نے مسکراتے ہوئے جو پہلی بات کہی وہ یہ تھی:۔ اے عائشہ رضؓ مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے تمہاری پاک دامنی نازل کردی ہے۔"

پھر آپؐ نے نازل شدہ آیات تلاوت فرمائی۔ میری ماں نے کہا بیٹی اٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرو! میں نے کہا واللہ میں کسی کا شکریہ ادا نہیں کروں گی سوائے اپنے اللہ عزّ وجل کے جس نے میری پاک دامنی نازل فرمائی ہے آپ لوگوں نے تو اس بہتان کا انکار تک نہیں کیا تھا۔" (بخاری ج ۱ ص ۳۶۳)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ کی پاک دامنی میں دس آیات یہ ہیں جو اس وقت نازل ہوئی تھیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ (النور آیت ۱۱ تا ۲۱)

قرآنی مضمون جن لوگوں نے یہ طوفان (حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی نسبت) برپا کیا ہے (اے مسلمانو) وہ تم میں کا ایک چھوٹا گروہ ہے۔ تم اس طوفان کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھو بلکہ یہ (باعتبار انجام کے) تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے (کیونکہ اس غم سے تم کو اجرِ عظیم ملا) اُس گروہ میں سے ہر شخص کو جتنا کسی نے کچھ کیا تھا گناہ ہوا اور ان میں سے جس نے اس طوفان میں سب سے بڑا حصہ لیا (عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین) اُس کو سب سے بڑھکر سزا ہوگی (مراد عذاب جہنم ہے)

جب تم لوگوں نے یہ تہمت سُنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے نیک گمان کیوں نہ کیا اور کیوں نہ کہدیا کہ یہ کُھلا بہتان ہے۔

وہ لوگ اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ کیوں نہ لائے (جو بدکاری کے ثبوت کے لئے ضروری ہیں)

اب جبکہ وہ گواہ نہ لائے ہیں تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔

اگر تم لوگوں پر (اے مسلمانو) اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا دنیا اور آخرت میں تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے ان کی پاداش میں تم پر سخت عذاب واقع ہو جاتا (یعنی وہ چند سادہ دل مسلمان جو اس افواہ میں ملوث ہو گئے تھے [illegible] بیہ کی جارہی ہے۔ مردوں میں حسان بن ثابت رضہ اور مسطح بن اثاثہ رضہ عورتوں میں حمنہ بنت جحش رضہ غیر شعوری طور پر منافقوں کا ساتھ دے رہے تھے اور جنھوں نے بعد میں توبہ کر لی) (ذرا غور تو کرو اُس وقت تم کیسی سخت غلطی کر رہے تھے) جبکہ تمہاری زبان سے دوسری زبان اس جھوٹ کو لیتی چلی جارہی تھی اور تم اپنے منھ سے وہ سب کچھ کہے جارہے تھے جس کا تمہیں کوئی علم نہ تھا۔ تم اسے ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے۔ حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی بات تھی (یعنی گناہِ عظیم) اے مسلمانو تم نے اس افواہ کو سُنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا۔ سبحان اللہ یہ تو ایک بہتان عظیم ہے۔

اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم مومن ہو اللہ تمہیں صاف صاف ہدایت دیتا ہے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں فحش پھیلے وہ دنیا و آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اور اگر اللہ کا فضل اور اُس کا رحم و کرم تم پر نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا شفیق و رحیم ہے (تو پھر یہ چیز جو ابھی تمہارے اندر پھیلائی گئی تھی بدترین نتائج ظاہر کر دیتی)

اے ایمان والو! شیطان کے نقش قدم پہ نہ چلو اور جو کوئی اسکی پیروی کرے گا تو وہ اُسکو فحش و بدکاری ہی کا سبق دے گا اور اگر اللہ کا فضل اور اُس کا رحم و کرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی شخص پاک نہ ہوتا۔ مگر اللہ ہی جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

آیاتِ مذکورہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضہ کی کامل مکمل برأت اور انکی عِفت و پاکدامنی

کی وضاحت کے علاوہ منافقین خاص طور پر رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی شرارت اور منافقت کا تذکرہ ملتا ہے اور اُن چند نیک دل مسلمانوں کو تنبیہ اور نصیحت کا سبق دیا گیا جو سادہ لوحی کی وجہ سے منافقین کا ساتھ دے رہے تھے۔ نزول آیات کے بعد تہمت لگانے والوں کو شرعی قانون کے تحت حدِ قذف (تہمت کی سزا) جاری کی گئی ہر ایک کو اسّی اسّی کوڑے لگائے گئے۔

مسند بزار اور مسند ابن مردویہ میں حضرت ابوہریرہ رض کی روایت ملتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مسلمانوں پر حد قذف جاری کروائی۔ مسطح بن اثاثہ رض، حسّان بن ثابت رض، حمنہ بنت جحش رض، اور طبرانی نے حضرت عمر فاروق رض کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبی منافق پر جو اس تہمت کا بانی مبانی تھا دوہری حد جاری فرمائی، پھر مؤمنین نے توبہ کرلی اور منافقین اپنے حال پر قائم رہے۔ (بیان القرآن)

نتائج و عِبَر

مزاجِ مُسلم

حضرت سیدہ عائشہ صدّیقہ رض پر منافقین کے علاوہ جن سادہ لوح مسلمانوں نے تہمت میں حصہ لیا اُن میں حضرت مِسطح بن اثاثہ رض اور حضرت حسّان بن ثابت رض ہیں۔ یہ دونوں بدری صحابی ہیں مگر اِن سے ایک لغزش ہوگئی پھر اِن دونوں نے سچّی توبہ بھی کرلی تھی۔ حضرت مِسطح رض حضرت ابوبکر صدیق رض کے رشتہ دار تھے اور غریب و مفلس بھی۔ حضرت صدیق اکبر رض اُن کی اور اُن کے اہل خاندان کی مالی امداد کیا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ صدّیقہ رض فرماتی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے میری پاک دامنی نازل فرمائی تو میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رض نے قسم کھالی کہ وہ آئندہ سے مِسطح رض کی امداد نہ کریں گے کیونکہ اُنھوں نے نہ رشتہ داری کا پاس و لحاظ کیا نہ احسان و صلہ رحمی کا خیال کیا، اس طرح اُن کی مالی امداد بند کردی۔

اس واقعہ کے بعد قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی :-

وَلَا یَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسَاکِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ الخ (النور آیت ۲۲)

"تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور حیثیت والے ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ اپنے رشتہ دار اور مساکین اور مہاجر فی سبیل اللہ لوگوں کی مدد نہ کریں گے۔ انھیں معاف کر دینا چاہیئے اور درگزر کرنا چاہیئے! کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے ؟ اور اللہ مغفرت والا رحمت والا ہے۔"

اس آیت کو سنتے ہی سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ نے کہا بَلٰی وَاللّٰهِ اِنَّا نُحِبُّ اَنْ تَغْفِرَ لَنَا یَا رَبَّنَا (واللہ ہم ضرور چاہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہماری خطائیں معاف کی جائیں۔)

چنانچہ آپؓ نے مسطح رضؓ کی مالی مدد جاری کر دی اور پہلے سے زیادہ اُن پر احسان کرنے لگے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کی ایک روایت ہے کہ اس طرح کی قسم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے علاوہ بعض اور صحابہ نے بھی کھائی تھی کہ جن جن لوگوں نے اس بہتان میں حصہ لیا تھا اُن کی وہ کوئی مدد نہیں کریں گے۔ اس آیت کے نزول کے بعد سب نے اپنے عہد سے رجوع کر لیا۔

اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت میں اخلاق و کردار کی یہ بلندی عالمِ انسانیت کیلئے لازوال نمونہ ہے۔

عزتِ مُسلم

کسی پاک دامن مرد یا عورت کو بدکاری (زنا) کی تہمت لگانا قرآن حکیم نے بدترین گناہ قرار دیا ہے اور ایسی تہمت لگانے والے کو بدترین گناہگار کہا گیا ہے اور اس کے لئے قرآن حکیم نے اپنا "قانونِ قذف" جاری کیا ہے (قانونِ تہمت) یہ قانون اس طرح بیان کیا گیا ہے :-

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (النور آیت ۴)

جو لوگ تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو (زنا کی) اور پھر چار (چشم دید) گواہ پیش نہ کر سکیں تو (ایسی تہمت لگانے والوں کو) اسّی دُرّے لگاؤ اور (آئندہ) کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور ایسے ہی لوگ بدکار ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان مرد اور مسلمان عورت کی عزت کے تحفظ کا کس قدر اہتمام کیا گیا ہے کہ ایسے بدترین جرم کو منسوب کرنے کے لئے ایک دو نہیں پورے چار گواہ پیش کرنا ضروری ہیں اور چاروں کے چاروں چشم دید گواہ ہوں۔ اگر ان میں صرف ایک چشم دید گواہ نہیں ہے باقی چشم دید گواہ ہوں تو چاروں پر حدِ قذف تہمت کی سزا جاری کی جائیگی یعنی اسّی اسّی کوڑے اُن کی پُشت پر لگادیئے جائیں گے اور اسی پر بس نہ ہوگا بلکہ ایسے غیر محتاط اور فحش پھیلانے والوں کی اس سلسلے میں آئندہ کبھی گواہی بھی قبول نہ کی جائیگی۔ یہ ملتِ اسلامیہ کے قانونِ شہادت سے محروم انسان قرار پائیں گے۔ اور اللہ تعالےٰ کے ہاں ایسے لوگ بدکاروں کی فہرست میں شمار ہوں گے۔

مسلمان کی آبرو ریزی اور اُسکو ذلیل کرنا کتنا شدید جرم ہے قرآن حکیم کی مذکورہ آیت اس پر پوری روشنی ڈالتی ہے۔ زنا خود ایک شدید گناہ ہے تو اس کی تہمت بھی کسی کلمہ گو کے حق میں اس کی شدید توہین کے مرادف ہوئی اور سزا بھی اس کے لئے ایسی ہی سخت آئی۔

موجودہ معاشرے کا یہ کھُلا عیب ہے کہ کسی مسلمان عورت کی مشتبہ حالت کو فوری طور پر بُرائی کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے جو کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مسلمان کی عزت سارے عالم کے کافروں سے افضل ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضؓ نے خانہ کعبہ پر نہایت عزت و احترام سے نگاہ ڈالی اور پھر فرمایا: "اے عزت والے گھر میں تیری عزت کو خوب جانتا ہوں لیکن ایک مسلمان کی عزّت اللہ کے ہاں تجھ سے کہیں زیادہ ہے۔"

مسئلہ لعان

لِعان کے لغوی معنی ایک دوسرے پر لعنت کرنا اور غضبِ الٰہی کی بد دُعا کرنے کے ہیں۔ شریعت اسلامی میں میاں اور بیوی دونوں کو چند خاص قسمیں دینے کو لِعان کہا جاتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگایا یا اپنے بچّے کے بارے میں کہا کہ یہ میرا نہیں ہے۔ اور بیوی اپنے شوہر کو

جھوٹا قرار دے اور شوہر کو اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ پیش کرنے کا حکم دے گی۔ اگر شوہر نے چار چشم دید گواہ پیش کر دیئے تو بیوی پر زنا کی سزا جاری کر دی جائے گی اور شوہر بَری ہو جائے گا۔ (زنا کی سزا عورت سنگسار کر دی جائیگی)

اور اگر شوہر چار گواہ پیش نہ کر سکا تو میاں بیوی دونوں میں لِعان کروایا جائے گا۔ یعنی پہلے شوہر سے کہا جائے گا کہ وہ چار مرتبہ اُن الفاظ سے جو قرآن میں مذکور ہیں یہ شہادت دے کہ اللہ کی قسم میں بیوی پر الزام دینے میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ اس طرح شہادت دے کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔

اسکے بعد بیوی سے اُن الفاظ میں پانچ قسمیں لی جائینگی جو قرآن میں عورت کے لئے مذکور ہیں یعنی چار مرتبہ اس طرح قسم کھائے کہ اللہ کی قسم میرا شوہر مجھ پر الزام لگانے میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ اس طرح کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ٹوٹ پڑے اگر میرا شوہر اپنے الزام میں سچا ہے۔

میاں بیوی کی اِن دس قسموں کے بعد لِعان پورا ہو گیا جس کے نتیجے میں دنیا کی سزا (عدم ثبوت کی وجہ سے شوہر پر اسّی کوڑے اور ثبوت کی وجہ سے بیوی پر سنگساری کی سزا) سے دونوں محفوظ ہو جائیں گے۔ رہا آخرت کا معاملہ وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہی ہے کہ اُن دونوں میں کون جھوٹا ہے۔ جھوٹے کو وہاں سزا ملے گی۔ الغرض لِعان پورا ہو جانے کے بعد دونوں میاں بیوی ایک دوسرے پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائیں گے۔ اس موقع پر شوہر طلاق دے کر بیوی کو آزاد کر دے۔ اگر شوہر طلاق نہ دے گا تو عدالتِ اسلامی دونوں میں تفریق کا حکم نافذ کر دے گی۔ یہ تفریق طلاق شمار ہوگی۔ بہر حال اب دونوں کا آپس میں کبھی بھی نکاح نہیں ہو سکتا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جُدا ہو جائیں گے۔ اور بچّے کا نسب باپ سے کٹ جائے گا اور ماں کی جانب منسوب ہوگا۔ ایسے بچّے کو ولد الحرام نہ کہا جائے گا۔

اس سلسلے میں یہ تفصیل بھی آیاتِ لِعان کو سمجھنے میں مفید ثابت ہوگی۔

حضرت ابن عباس رضہ فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم میں جب حد قذف (تہمت کی سزا) کے احکام کی آیات نازل ہوئیں یعنی

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ

شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً ؕ (۲۴ نور آیت ۴)

(جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت زنا لگائیں پھر چار گواہ پیش نہ کریں اُن کو اسّی کوڑے مارو اور اُن کی شہادت کبھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں)

ان آیات میں کسی عورت پر زنا کا الزام لگانے والے مرد پر لازم کیا گیا ہے کہ اس الزام پر چار چشم دید گواہ پیش کرے تاکہ عورت پر سزا جاری کی جاسکے۔ اور اگر وہ گواہ پیش نہ کر سکے تو اسکو جھوٹا قرار دے کر اُس مرد پر اسّی کوڑوں کی سزا جاری کر دی جائیگی اور ہمیشہ کے لئے مردود الشہادت قرار دیا جائے گا۔ یعنی کسی معاملہ میں اُس کی گواہی معتبر نہ ہوگی۔

جب یہ آیات نازل ہوئیں تو عام لوگوں میں یہ سوال پیدا ہوگیا کہ اجنبی مرد اور اجنبی عورت کی بدچلنی دیکھ کر آدمی صبر تو کر سکتا ہے۔ گواہ موجود نہ ہوں تو سکوت اختیار کر سکتا ہے اور معاملہ کو رفع دفع کر سکتا ہے لیکن آدمی اگر خود اپنی بیوی کو اس بُری حالت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لے تو کیا کرے؛ اگر قتل کر دیا تو سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ گواہ ڈھونڈنے جائے تو واپس آنے تک مجرم اپنا کام کر کے بھاگ جائے گا۔ صبر کرے تو کیسے کرے؟ عورت کو طلاق دے دے تو نجات پا سکتا ہے لیکن نہ بدکار عورت کو مادّی یا اخلاقی سزا ملی نہ اُسکے بدکار آشنا کو۔ یہ وہ امکانات تھے جو اپنی بیوی کی بدکاری پر پیدا ہو رہے تھے، چنانچہ انصار مدینہ کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ آیات (حدِ قذف کی) اسی طرح نازل ہوئی ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سعد بن عبادہ رضؓ کی زبان سے ایسی بات سُنکر بڑا تعجب ہوا آپ نے انصار سے فرمایا اے لوگو سُن رہے ہو آپ کے سردار کیا بات کہہ رہے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ان پر ناراض نہ ہوں یہ اپنی شدتِ غیرت کی وجہ سے ایسا کہہ رہے ہیں۔ پھر خود حضرت سعد بن عبادہ رضؓ نے ایک امکانی سوال کی حیثیت سے اس طرح عرض کیا یا رسول اللہ اگر خدانخواستہ میں اپنے گھر میں یہ معاملہ دیکھوں تو میں گواہوں کی تلاش میں باہر نہیں جاؤں گا بلکہ تلوار سے اُسی وقت دونوں کا سر اُڑا دوں گا۔ (بخاری و مسلم)

آیاتِ قذف نازل ہونے اور حضرت سعد بن عبادہ رضؓ کے اس کلام پر تھوڑی مدت بھی نہیں گزری تھی کہ انصارِ مدینہ میں ایک شخص (حضرت عُوَیمر عجلانی رضؓ) نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ اگر ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو پائے اور مُنہ سے بات نکالے تو آپؐ اُسپر حدِ قذف (اسّی کوڑوں کی سزا) جاری کر دیں گے، اگر بیوی کو قتل کر دے تو آپؐ اُسکو قصاص میں قتل کر دیں گے۔ اگر خاموش ہو جائے تو غیظ و غضب میں مبتلا رہے گا۔ آخر وہ کیا کرے؟

اسپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی الٰہی! اس مسئلے کا فیصلہ نازل فرما (ابوداؤد، نسائی)

کچھ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ حضرت ہلال بن اُمیہ رضؓ کو یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ عشاء کے بعد اپنے باغ سے گھر واپس ہوئے تو ایک اجنبی مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ ملوّث ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اُن کی فحش باتیں اپنے کانوں سے سُنیں مگر کوئی اقدام نہیں کیا یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا آپ یہ واقعہ سُن کر غمزدہ ہوگئے لیکن قرآنی فیصلہ کے مطابق آپؐ نے ہلال بن اُمیہ رضؓ سے فرمایا ثبوت پیش کرو (یعنی چار چشم دید گواہ لاؤ) ورنہ تم پر حدِ قذف (اسّی کوڑوں کی سزا) جاری ہوگی۔

صحابہ کرام میں اس صورتِ حال سے عام بے چینی کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ لیکن ہلال بن اُمیہ رضؓ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا یا رسول اللہ اُس اللہ کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے میں بالکل صحیح واقعہ بیان کر رہا ہوں جیسے میری آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا ہے۔ یا رسول اللہ مجھکو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے معاملے میں ایسا حکم نازل فرمادے گا جو میری پیٹھ کو سزا سے بچادے۔ یہ گفتگو جاری ہی تھی کہ جبرئیل امین وہ آیات جن میں لِعان کا قانون ہے لیکر نازل ہوئے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّا

اَنۡفُسُهُمۡ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمۡ اَرۡبَعُ شَهٰدٰتٍ ۢبِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيۡنَ الخ

(النور آیت ۶ تا ۱۰)

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود اِن کے اپنے سوا دوسرے کوئی گواہ نہ ہوں (جن کا تعداد میں چار گواہ ہونا ضروری ہے) تو اُن کی شہادت یہی ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہدے کہ (اللہ کی قسم میں اپنے الزام دینے میں) سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں (اپنے الزام دینے میں) اور اس کے بعد اُس عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار قسم کھا کر کہے کہ اللہ کی قسم بیشک یہ میرا شوہر جھوٹا ہے (الزام لگانے میں) اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو جائے اگر میرا شوہر (اپنے الزام لگانے میں) سچا ہو۔ (اس طریقے کی حلف برداری کے بعد میاں، بیوی دونوں دنیا کی سزا سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ البتہ وہ عورت اُس مرد پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے اور موجودہ نکاح ختم ہو جاتا ہے) اور اے مسلمانو اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل اور اُس کا کرم ہے (کہ ایسے ایسے احکام مقرر کئے) اور یہ کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا حکمت والا ہے (تو تم بڑی مشقتوں میں پڑ جاتے)

ان آیات کے نزول کے بعد ہلال بن اُمیہ رضؓ اور اُن کی بیوی دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کئے گئے۔ آپؐ نے پہلے تو قانونِ الٰہی سنایا۔ پھر ارشاد فرمایا:-

اچھی طرح سمجھ لو کہ آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے سخت تر ہے۔ ہلال بن اُمیہ نے کہا یا رسول اللہ میں نے اسپر بالکل صحیح الزام لگایا ہے۔ بیوی نے کہا یا رسول اللہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔

آپؐ نے فرمایا اللہ تعالےٰ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے ایک جھوٹا ہے۔ کیا تم میں کوئی ہے جو اللہ کے عذاب سے ڈر کر توبہ کرلے اور سچی بات ظاہر کردے؟

اسپر ہلال بن اُمیہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپؐ پر

قربان ہوں میں نے بالکل سچی بات کہی ہے اور جو کچھ کہا ہے حق کہا ہے۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ نازل شدہ آیاتِ قرآنی کے مطابق دونوں میاں بیوی میں لعان کرا دیا جائے۔

پہلے حضرت ہلال بن اُمیہ سے کہا گیا کہ تم چار مرتبہ اِن الفاظ سے شہادت دو جو قرآن حکیم میں مذکور ہیں۔

"یعنی میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں اپنے الزام دینے میں سچا ہوں۔"

ہلال رضہ نے چار مرتبہ اِن کلمات کو دُھرایا۔ جب پانچویں شہادت کا نمبر آیا جسکے الفاظ قرآنی یہ ہیں :-

"اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔"

اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید و تنبیہ کے طور پر ہلال بن اُمیہ سے فرمایا ہلال اللہ سے ڈرو کیونکہ دنیا کی سزا آخرت کے عذاب سے ہلکی ہے اور اللہ کا عذاب انسانوں کی دی ہوئی سزا سے کہیں زیادہ سخت ہے اور یہ پانچویں شہادت آخری شہادت ہے اسی پر فیصلہ ہونا ہے۔

مگر ہلال بن اُمیہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ اللہ تعٰ مجھکو اس شہادت پر آخرت میں عذاب نہیں دیں گے (کیونکہ میری بالکل سچی شہادت ہے) اسکے بعد حضرت ہلال رضہ نے پانچویں شہادت کے الفاظ ادا کر دیئے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن اُمیہ رضہ کی بیوی سے اسطرح کی چار قسمیں لیں۔ اس نے بھی ہر دفعہ قرآنی الفاظ کے مطابق یہ شہادت دی کہ "میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر شہادت دیتی ہوں کہ میرا شوہر اپنے الزام میں جھوٹا ہے۔"

جب پانچویں شہادت کا نمبر آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذرا ٹھیرو۔ پھر اُس عورت سے ارشاد فرمایا اللہ سے ڈر کہ یہ پانچویں شہادت آخری بات ہے اور اللہ کا عذاب انسانوں کے عذاب سے یعنی (زنا کی حدِ شرعی) سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ یہ سنکر عورت قسم کھانے میں جھجکنے لگی اور چند

لمحات تردّد میں پڑ گئی. لوگوں نے سمجھا کہ اعترافِ گناہ کرنا چاہتی ہے مگر کہنے لگی میں ہمیشہ کے لئے اپنے قبیلے کو رُسوا نہیں کرنا چاہتی اور پانچویں قسم بھی کھا گئی کہ "اگر میرا شوہر اپنے الزام میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو"

جب لعان کی یہ کارروائی مکمل ہوگئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میں تفریق کرا دی اور فیصلہ فرمایا کہ اس حمل سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ اس عورت کا بچہ کہلائے گا باپ کی طرف منسوب نہ ہوگا. کسی کو اس عورت پر یا اس کے بچے پر الزام لگانے کا حق نہ ہوگا اور اس عورت کے زمانۂ عدت کا نان ونفقہ ہلال بن اُمیہ کے ذمہ نہ ہوگا (کیونکہ بیوی طلاق یا وفات کے بغیر شوہر سے جدا کی جا رہی ہے) اب بیوی کو اختیار ہے چاہے کسی دوسرے سے نکاح کرلے یا ویسے ہی زندگی گزارے۔ (تفسیر مظہری بحوالہ مسند احمد)

اس طرح تاریخ عالم کا یہ پہلا حادثہ تھا جس میں اللہ تعالیٰ کا قانون "لعان" روئے زمین پر پہلی مرتبہ نافذ کیا گیا اور قیامت تک کے لئے ازدواجی زندگی کے اس ناسور کا علاج قرار پایا۔

اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا وَلِلْمُسْلِمِيْنَ مِنْهُ.

بَنُو نَضِیر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد جب مدینہ طیبہ قیام فرمایا تو وہاں یہودیوں کے مختلف قبائل بھی آباد تھے۔ اُن میں ایک بڑا قبیلہ بنو نضیر نامی بھی تھا جو اپنی دولت و ثروت قوت و طاقت میں مشہور و معروف تھا۔ بنو نضیر دراصل حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد ہیں جو ملکِ شام سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں آباد ہو گئے تھے کیونکہ اِن کی آسمانی کتاب توراۃ میں خاتم الانبیاء کی نشان وہی موجود تھی اور اُن کا مقام ہجرت مدینہ طیبہ بتایا گیا تھا۔ بنو نضیر اسی کی جستجو میں مدینہ طیبہ آ گئے تھے۔

الغرض جب آپؐ مدینہ طیبہ مقیم ہو گئے تو حکیمانہ سیاست کے تحت شہر کے اطراف جو یہودی قبائل آباد تھے اُن سے معاہدۂ صلح کر لیا کہ کوئی ایک دوسرے پر حملہ نہ کریں گے اور نہ کسی جنگ کرنے والے کی اعانت کریں گے اور اگر اِن پر کوئی حملہ آور ہوا تو مسلمان اِن یہود کی امداد کریں گے وغیرہ۔

اس طرح معاہدہ صلح میں بنو نضیر بھی شریک تھے جن کے قلعے اور باغات مدینہ طیبہ سے ۲ یا ۳ میل کے فاصلہ پر واقع تھے۔

غزوہ اُحد ۳ھ تک تو یہ لوگ بظاہر صلح نامہ کے پابند رہے مگر غزوۂ اُحد کے بعد اُنھوں نے غداری کی اور خفیہ سازشیں شروع کر دی۔ اس غداری اور خیانت کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ بنو نضیر کا ایک سردار کعب بن اشرف اپنے چالیس یہودی ساتھیوں کے ایک قافلہ کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچا اور کفار قریش کے ساتھ ایک معاہدہ کیا کہ مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی جنگ کی جائے۔ معاہدہ کی تکمیل کے بعد کعب بن اشرف یہودی نے اپنے چالیس ساتھیوں کے ساتھ دوسری جانب قریش کے سردار ابوسفیان اپنے چالیس آدمیوں کو لے کر خانہ کعبہ میں آئے اور بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر دونوں جماعتوں نے

معاہدہ کی پابندی کا اقرار کیا کہ ہم ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں گے۔

جب کعب بن اشرف مدینہ طیبہ واپس آیا تو جبرئیل امین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سارا واقعہ اور معاہدہ کی تفصیل بتلادی۔ آپؐ نے کعب بن اشرف کے قتل کا حکم جاری فرمایا چنانچہ حضرت محمد بن مسلمہ رضؓ نے اسکو قتل کر دیا۔ (قتل کا یہ واقعہ کتب حدیث میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

(بخاری ج ۲ ص ۵۷۶، ابوداؤد ج ۲ ص ۶۱)

اسکے بعد بنو نضیر کی مختلف خیانتیں اور سازشیں ظاہر ہوتی رہیں جن میں مشہور واقعہ یہ تھا:-

حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری رضؓ کے ہاتھ دو کافر قتل ہو گئے تھے جس کا خون بہا سب مسلمانوں کو ادا کرنا ضروری تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے چندہ حاصل کیا پھر از روئے معاہدہ چونکہ بنو نضیر بھی صلحنامہ میں مسلمانوں کے ساتھ تھے اِن کو بھی اس رقم میں شریک کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ آپ قبیلۂ بنو نضیر کے ہاں تشریف لے گئے لیکن بنو نضیر نے اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر آپ کو شہید کر دینے کا منصوبہ تیار کیا وہ اس طرح کے آپؐ کو ایک مخصوص جگہ بٹھلادیا اور کہا کہ ہم فدیہ کی رقم جمع کرنے کا انتظام کرتے ہیں اور خفیہ طور پر ایک شخص عمر بن جحاش کو دیوار کے اوپر ایک بڑا پتھر دے کر بٹھا دیا کہ مناسب موقع پر پتھر آپؐ کے سر پہ گرادے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی اور جبرئیل امین نے عین موقع پر آپؐ کو وہاں سے اُٹھ جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ آپؐ فوری اُٹھ کر واپس تشریف لائے اور اُن کو کہلا بھیجا کہ تم لوگوں نے عہد شکنی کر کے معاہدہ توڑ دیا۔ اب تمہیں صرف دس دن کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس مدت میں تم جہاں چاہو چلے جاؤ۔ اسکے بعد جو کوئی بھی نظر آئے گا اُس کو قتل کر دیا جائے گا۔

اس فیصلہ پر بنو نضیر نے جلا وطنی کا ارادہ کر لیا لیکن عبد اللہ بن اُبی منافق نے انھیں روکا اور کہا تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ ہرگز ہرگز قبول نہ کرنا میرے ہاں دو ہزار آدمیوں کی جمعیت ہے جو تمہاری تائید میں اپنی جان کی بازی لگا دیں گے۔

بنو نضیر اسکی باتوں میں آگئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں پیام بھیجا کہ ہم اپنے شہر سے کہیں بھی نہیں جائیں گے آپؐ کو جو کرنا ہو کر لیجئے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کرام کے ساتھ اس قبیلہ پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ فرمایا۔ حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضؓ کو مدینہ طیبہ کا امیر مقرر فرمایا اور آپ بنفسِ نفیس صحابہ کرام کے ساتھ بنو نضیر پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے حضرت علی رضؓ کو اسلامی پرچم دیا۔ بنو نضیر نے جب یہ دیکھا تو قلعہ بند ہو گئے اور یقین کر لیا کہ اب مسلمان ہمارا کچھ بھی بگاڑ نہ سکیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ دن تک اُن کے قلعہ کا محاصرہ کیا لیکن بنو نضیر نے اطاعت قبول نہ کی۔ پھر آپؐ نے صحابہ کو حکم فرمایا کہ اُن کے باغات کو ویران کر دیا جائے، درختوں کو کاٹ دیا جائے جو ان کے لئے پھل مہیا کرتے ہیں۔ بنو نضیر کو یقین تھا کہ عبد اللہ بن اُبی اپنی جمعیت روانہ کرے گا لیکن انھیں سخت ناکامی ہوئی۔ آخر تنگ آ کر انھوں نے جلا وطنی منظور کر لی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی رعایت بخشی اور حکم دے دیا کہ جسقدر بھی سامان اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو لیجاؤ البتہ ہتھیار اور سامانِ حرب ہمارا ہوگا۔ چنانچہ ان لوگوں نے قلعہ سے اتر کر اپنا ساز و سامان جمع کر لیا اور بغض و عناد میں اپنے گھروں کی کڑیاں، تختے، کواڑ تک اُکھاڑ لے گئے اور اپنے مکانات کو اپنے ہاتھوں ویران کر دیا۔ کچھ لوگ ملک شام چلے گئے اور کچھ خیبر میں آباد ہو گئے۔

یہ واقعہ غزوۂ اُحد کے بعد ماہ ربیع الاوّل ۴ھ میں پیش آیا۔ پھر سیدنا عمر فاروق رضؓ نے اپنے دورِ خلافت میں خیبر کے یہودیوں کو ملک شام کی طرف نکال دیا۔

خیبر کے یہودیوں کی یہ دونوں جلاوطنی قرآنی الفاظ میں حشرِ اوّل اور حشرِ ثانی کہلاتی ہے۔ (زاد المعاد)

اسی واقعہ کے سلسلے میں قرآن حکیم کی سورہ حشر نازل ہوئی۔ اسمیں بنو نضیر کی غدّاری، منافقینِ مدینہ کی فتنہ پردازی، مسلمانوں پر اللہ کا احسان و کرم اور جنگ کے موقع پر سبز درختوں کے کاٹے جانے کا حکم، اور ایسی صورت میں جبکہ باضابطہ جنگ پیش نہ آئی ہو مالِ غنیمت کا حصول ان تمام امور کا تفصیل کے ساتھ اس سورت میں تذکرہ موجود ہے۔

قرآنی مضمون

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ الخ (سورہ حشر پارہ ۲۸)

اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں اور وہ اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ وہ اللہ وہی ہے جس نے ان کفار اہل کتاب (بنی نضیر) کو اُن کے گھروں سے پہلی ہی بار اکٹھا کر کے نکال دیا (بقول امام زہری رح اس سے پہلے اُن پر یہ مصیبت کبھی واقع نہ ہوئی تھی)

(اے مسلمانو بنو نضیر کا سامان اور شان و شوکت دیکھ کر) تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ (کبھی اپنے گھروں سے) نکلیں گے اور خود اُنھوں نے گمان کر رکھا تھا کہ اُن کے قلعے اُن کو اللہ کے انتقام سے بچالیں گے سو اُن پر اللہ کا عذاب ایسی جگہ سے پہنچا کہ اُن کو خیال و گمان بھی نہ تھا اور اُن کے دلوں میں (اللہ نے مسلمانوں کا) رعب ڈالدیا (اور اُس وقت اُن کی یہ حالت تھی کہ) اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے بھی اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی اُجاڑ رہے تھے سوائے دانشمندو اس حالت کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو (کہ اللہ و رسول کی مخالفت کا انجام بعض اوقات دنیا میں بھی بُرا ہوتا ہے) اور اگر اللہ اُن کی قسمت میں جلاوطنی کا فیصلہ نہ کیا ہوتا تو اُن کو دنیا ہی میں قتل کی سزا دیتا (جس طرح کہ اُن کے بعد یہود بنو قریظہ کے ساتھ معاملہ کیا گیا) اور (اگرچہ بنو نضیر دنیا میں عذاب قتل سے بچ گئے

لیکن) اُن کے لئے آخرت میں جہنم کا عذاب تیار ہے اور یہ (سزائے جلا وطنی دنیا میں اور سزائے جہنم آخرت میں) اس سبب سے ہے کہ اِن لوگوں نے اللہ کی اور اُس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ سخت سزا دینے والا ہے (اور اے مسلمانو) جو کھجور کے درخت تم نے کاٹ ڈالے (اسی طرح جو جلا دیئے) یا اُن کو اُن کی جڑوں پر (جُوں کا توں) کھڑا رہنے دیا سو (دونوں باتیں) اللہ ہی کے حکم (اور رضا) کے موافق ہیں (تاکہ اللہ مسلمانوں کو عزت دے) اور تاکہ کافروں کو ذلیل کرے (یعنی دونوں عمل میں مصلحت ہے) (الغرض یہ جو ہوا وہ تو بنونضیر کی جانوں کے بارے میں تھا اور اُن کے اموال کے ساتھ جو معاملہ ہوا اس کا بیان یہ ہے) اور یہ جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو اُن سے دلوا دیا سو (اُس میں تم کو کوئی مشقت نہیں پڑی چنانچہ) تم نے اُس پر (یعنی اس کے حاصل کرنے کو) نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ (نہ سفر کی مشقت ہوئی کیونکہ یہ بستی مدینہ سے صرف ڈھائی میل پر تھی اور نہ جنگ و جدال کی ضرورت پیش آئی)

لیکن اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ اپنے رسولوں کو (اپنے دشمنوں میں سے) جس پر چاہے مسلط کر دیتا ہے (یعنی محض رعب داب سے مغلوب کر دیتا ہے) اور اللہ کو ہر چیز پہ قدرت ہے (اسی طرح) جو کچھ بھی اللہ اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے کافر لوگوں سے دلوا دے (جیسا کہ فدک اور خیبر کا مال اسی طرح ہاتھ آیا) سو وہ بھی اللہ کا حق ہے اور رسول کا حق ہے اور آپؐ کے قرابت داروں کا حق ہے اور یتیموں کا حق ہے اور غریبوں کا حق ہے اور مسافروں کا حق ہے (اور اللہ نے یہ حکم مذکور اس لئے مقرر کر دیا) تاکہ وہ مال تمہارے تونگروں (اہل دولت) کے قبضہ میں نہ آجائے (جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں مال غنیمت صرف ذی اختیار لوگ ہی کھا جاتے تھے)

لہٰذا اے مسلمانو! جب رسول تم کو جو کچھ دیا کریں وہ لے لیا کرو

اور جس چیز کے لینے سے تم کو روک دیں تم رک جایا کرو (یہی حکم افعال واحکام میں بھی ہے) اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ تعالیٰ (مخالفت کرنے والوں) کو سخت سزا دینے والا ہے (نوٹ:۔ یہاں تک آیت نمبر ۱۰ تک کا ترجمہ و مطلب تھا آگے آیت نمبر ۱۱ تا ۱۷ کا ترجمہ و مطلب لکھا جاتا ہے)

کیا آپؐ نے اے نبی اُن منافقین (یعنی عبداللہ بن اُبی وغیرہ) کی حالت نہیں دیکھی کہ اپنے بھائیوں سے جو کفار اہل کتاب ہیں (یعنی بنونضیر سے) کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم اگر تم اپنے وطن سے جبراً نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے معاملہ میں ہم کسی کا کہنا نہ مانیں گے اگر تم سے کسی کی لڑائی ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔

(اور اللہ فرماتا ہے) اگر اہل کتاب (یعنی بنونضیر) نکالے گئے تو یہ منافقین اُن کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر اُن سے لڑائی ہوئی تو یہ اُنکی مدد نہ کریں گے اور اگر بالفرض اُن کی مدد بھی کی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر اُن کے بھاگ جانے کے بعد اُن اہل کتاب کی کوئی مدد نہ ہوگی۔

(اے مسلمانو) بیشک تم لوگوں کا خوف اُن منافقین کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے۔ یہ اس سبب سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں (جو اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کو) سمجھتے نہیں۔

یہ لوگ تو سب ملکر بھی تم سے نہ لڑیں گے مگر حفاظت والی بستیوں یا دیوار کی آڑ میں (یعنی قلعہ اور شہر پناہ کی دیواریں) سو خود اُن کی آپس ہی کی لڑائی بڑی تیز ہے۔ تم اُن کو (ظاہری طور پر) متفق الخیال تصور کرتے ہو حالانکہ اُن کے قلوب غیر متفق ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو صحیح عقل نہیں رکھتے (پس بنونضیر کی مثال تو) اُن لوگوں جیسی ہے جو اُن سے کچھ ہی پہلے ہوئے ہیں جو دنیا میں بھی اپنے کردار کا مزہ چکھ چکے ہیں اور آخرت میں بھی اُن کے لئے دردناک عذاب ہے (مراد اِن سے یہود بنوقینقاع جنکو شہر بدر کر دیا گیا تھا) (اِن منافقین کی مثال) شیطان کی سی ہے (اوّل تو)

انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہو جا۔ پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں ہے میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں (کہیں دنیا ہی میں کسی فرشتے سے میری خبر نہ لے لے) سو آخری انجام دونوں کا یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں گئے جہاں ہمیشہ رہیں گے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔"

نَبَأ فاسِق
(بے بنیاد خبر)

۵ھ میں غزوہ بنی المصطلق پیش آیا اور اللہ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے مشورہ پر سردار قبیلہ حارث بن ضرار کی بیٹی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا۔ اس رشتے کی وجہ سے صحابہ کرام نے اُن تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا جو جنگ کے بعد مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے تھے۔ مسلمانوں کا یہ فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتہ کے احترام میں تھا۔ اس حسن سلوک اور اخلاق کریمانہ سے متاثر ہو کر پورا قبیلہ بنی مصطلق مسلمان ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو زکوٰۃ کے احکام دے کر بنو مصطلق کے ہاں روانہ کیا کہ وہ قبیلہ کے اہل دولت سے زکوٰۃ وصول کر کے اُن ہی کے فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیں۔

اہل قبیلہ کو جب ولید بن عقبہ کی اس آمد کا علم ہوا تو وہ اُن کے استقبال کے لئے اپنے شہر سے باہر آئے۔ زمانۂ جاہلیت میں اس قبیلہ کے اور ولید بن عقبہ کے درمیان کچھ نااتفاقی رہ چکی تھی اور پُرانی عداوت کا رشتہ چلا آ رہا تھا۔ قبیلہ کے اس استقبال کو، ولید بن عقبہ نے شک و شبہ کی نگاہوں سے دیکھا اور بدگمانی میں مبتلا ہو گئے اور پھر از خود اپنی غلط فکر سے متاثر ہو کر یہ رائے قائم کر لی کہ اہل قبیلہ اپنی قدیم دشمنی کے باعث مجھ کو قتل نہ کر دیں اور یہ کہ اہل قبیلہ کا استقبال کسی گہری سازش کا نتیجہ ضرور ہے۔ اس غلط

فکر ورائے نے اِن کو اہل قبیلہ سے بات چیت کئے بغیر ہی واپس کر دیا اور وہ مدینہ طیبہ واپس آ گئے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا :-

"یا رسول اللہ اُن لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور مجھکو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا میں اپنی جان بچا کر لوٹ آیا ہوں - یا رسول اللہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بغاوت و سرکشی پر آمادہ ہو گئے ہیں"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ حالات سن کر غمگین ہو گئے اور مسلمانوں میں انتقامی جذبات پیدا ہو گئے اور جہاد کی تیاری شروع ہو گئی -

اُدھر بنی المصطلق کو جب یہ معلوم ہوا کہ ولید بن عُقبہ نے غلط بیانی کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو متأثر کر دیا ہے اور مسلمان فوج کشی کی تیاری کر رہے ہیں تو قبیلہ کے سردار حارث بن ضرار (ام المؤمنین حضرت جویریہ رضہ کے والد محترم) نے اس دوران ایک وفد کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا :-

"یا رسول اللہ! اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو اپنا رسول بنا کر مبعوث کیا ہے میں نے ولید بن عُقبہ کو دیکھا تک نہیں اور نہ وہ ہمارے پاس آئے"

اس بیان پر آپ نے سکوت اختیار فرمایا اور وحیٔ الٰہی کا انتظار کیا، کچھ ہی دیر بعد قرآن نازل ہوا اور نہ صرف معاملہ کی حقیقت ہی کو واضح کیا بلکہ ایسے معاملات میں مستقل قانون معیار تحقیق مقرر کر دیا -

(ابن کثیر بحوالہ مسند احمد)

قرآنی مضمون

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ - الخ (حجرات آیت ۶ تا ۸)

اے ایمان والو اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے (جس میں کسی کی شکایت ہو) تو خوب تحقیق کر لیا کرو کہیں کسی قوم کو نادانی

سے کوئی نقصان نہ پہنچا دو پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔

اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف فرما ہیں (جو اللہ کی بڑی نعمت ہیں پس اس نعمت کا شکریہ ہے کہ تم کسی بات میں آپ کے خلاف نہ کرو کیونکہ) بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر اُس میں وہ تمہارا کہنا مانا کریں تو تم بڑی مضرت میں پڑ جاؤ گے لیکن اللہ نے (تم کو مصیبت سے بچالیا اس طرح کہ) تم کو ایمان کی محبت دی اور اُسکو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر اور فسق (یعنی گناہِ کبیرہ) اور عصیان (یعنی گناہِ صغیرہ) سے تم کو نفرت دے دی۔ ایسے ہی لوگ اللہ کے فضل و انعام کی بدولت راہِ راست پر ہیں اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔"

مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص کسی کے بارے میں کوئی اطلاع دے یا کوئی خبر پھیلا دینا چاہے تو اُسکو پہلے اس بات کی تحقیق کر لینی چاہیئے آیا یہ اطلاع یا خبر صحیح بھی ہے یا نہیں بغیر تحقیق ویسے ہی سُنی سُنائی بات کو نقل کر دینا جیسا کہ موجودہ معاشرہ کا عام رواج ہے قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے۔ حدیث شریف میں تو ایسے شخص کو جھوٹا کہا گیا ہے۔

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ۔ (مسلم)

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ ثبوت کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو نقل کر دے۔

تحقیق کی ایک کسوٹی

مفسرین کرام نے آیتِ مذکورہ سے تحقیق کا ایک معیار اخذ کیا ہے۔

۱۔ **تحقیقِ واجب:** مثلاً خلیفہ یا حاکم جب یہ سنے کہ فلاں شخص بے دین ہو رہا ہے یا فلاں شخص قتل و غارت کا اقدام کر رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایسے موقع پر تحقیق کرنا یعنی بات کی اصلیت معلوم کرنا واجب ہے تاکہ فتنہ و فساد کا انسداد ہو اور دوسرے لوگ محفوظ ہو جائیں۔

۲۔ **تحقیقِ جائز:** مثلاً کسی نے یہ سُنا کہ فلاں شخص مجھکو مالی یا جانی نقصان پہنچانا چاہتا ہے

یا اُس کے بُرے ارادے ہیں تو ایسی صورت میں واقعہ کی تحقیق کرنا جائز ہے گناہ نہیں۔ کیونکہ اپنا تحفظ کرنا جائز ہے۔

(۳) **تحقیقِ حرام**: مثلاً کسی شخص کے بارے میں یہ سُنا گیا کہ وہ شراب پیتا ہے یا جوا کھیلتا ہے یا اور کوئی حرام کام خُفیہ طور پر کرلیتا ہے تو ایسی تحقیق میں پڑنا حرام ہے کیونکہ ایسے موقع پر تحقیق نہ کرنے سے اپنا کوئی نقصان نہیں اور نہ کوئی جائز فائدہ بلکہ تحقیق و تجسّس کرنے میں اُس شخص کی ذلت اور رسوائی ہے اس لئے انجان ہو جانا چاہیئے اللہ علیم وخبیر کافی ہیں۔

قرآن حکیم نے تجسُّس کرنے اور غیبت کرنے سے منع کیا ہے۔
(الحجرات آیت ۱۲)

خَاتَمُ التَّذکِرَہ

(اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ)

۹ھ میں حج بیت اللہ کی فرضیت نازل ہوئی اسی سال آپؐ نے صدیق اکبرؓ کو امیر الحجاج بنا کر مکہ مکرمہ روانہ فرمایا۔ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے صدیق اکبرؓ کی زیر امارت اسلام کا پہلا حج ادا کیا۔

دوسرے سال ماہ ذوالقعدہ ۱۰ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ کرام کے ساتھ حج بیت اللہ کے لئے مدینہ طیبہ سے کوچ فرمایا۔ ازواج مطہرات میں نو بیبیاں اور سیدہ فاطمہ الزہراءؓ ساتھ تھیں۔ ۴ ذوالحجہ ۱۰ھ اتوار کے دن آپؐ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور مناسک حج ادا فرمائے۔

۹ ذوالحجہ ۱۰ھ جمعہ کے دن میدانِ عرفات میں وہ عظیم الشان خطبہ دیا جو پیغامات نبوت میں "خاتم الخطبات" کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسی بلیغ و جامع خطبہ میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

"اے لوگو جو میں کہتا ہوں وہ سنو، مجھ سے حج کے مناسک حاصل کر لو۔ غالباً آئندہ سال میں تم سے نہ مل سکوں گا،

میں تم میں ایسی محکم چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم نے اسکو مضبوطی سے پکڑ لیا تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔

اللہ کی کتاب اور میری زندگی (سنتی)

اسی میدان عرفات میں تکمیلِ دین اور اتمام نعمت کی بشارت نازل ہوئی:۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (مائدہ آیت ۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی

نعمت تم پر پوری کردی اور ہمیشہ کے لئے دینِ اسلام کو تمہارے لئے پسند کرلیا۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پہلے اور آخری حج سے فارغ ہوکر ذوالحجہ کے آخری دنوں مدینہ طیبہ پہنچے۔ چند ہی روز گزرے تھے کہ ۱۰ھ ختم ہوکر ۱۱ھ کا آغاز ہوا اور یہی وہ سن ہے جسمیں رُشد و ہدایت کے چراغوں کا آخری چراغ گُل ہوگیا۔ حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد آپؐ نے سفر آخرت کی تیاری شروع فرمادی اور تسبیح وتحمید، توبہ و استغفار کی کثرت فرمانے لگے۔ انہی ایام میں آپؐ ایک دن مدینہ منورہ کے قبرستان جنّت البقیع تشریف لے گئے آٹھ سال کے بعد شہداء اُحد کی قبور پر نمازِ جنازہ پڑھی اور اُن کے لئے دُعائے خیر فرمائی جیسا کہ کوئی کسی سے رُخصت ہوتا ہو۔ بقیع سے واپس ہوکر مسجد نبوی کے منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا:۔

اے لوگو! میں تم سے پہلے جارہا ہوں تاکہ حوضِ کوثر پر تمہارا انتظار کروں اور میں اپنے اس مقام سے حوضِ کوثر کو دیکھ رہا ہوں، مجھکو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں، مجھکو اپنے بعد اِس کا اندیشہ نہیں کہ تم سب کے سب شرک میں مبتلا ہوجاؤ گے۔ البتہ خوف یہ ہے کہ تم پر دنیا کی فراوانی ہوگی اور تم اُس میں مبتلا ہوجاؤ گے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۵۱)

آغازِ مرض :۔

ماہِ صفر ۱۱ھ کے اخیر عشرہ میں آپؐ ایک بار شب کو اُٹھے اور اپنے غلام کو جگایا اور فرمایا کہ مجھکو یہ حکم ہوا ہے کہ اہلِ بقیع (مدینہ منورہ کا قبرستان) کے لئے استغفار کروں، قبرستان سے جب آپؐ تشریف لائے تو دفعتًہ مزاج ناساز ہوگیا سر میں درد اور بخار کی شدت پیدا ہوگئی، یہی تکلیف آپ کے لئے مرض الوفات ثابت ہوئی۔ یہ بدھ کا دن تھا جب مرض میں شدت ہوئی تو ازواج مطہرات سے اجازت لے کر دوشنبہ کے دن حجرۂ عائشہ میں منتقل ہوگئے اور آئندہ دوشنبہ (پیر کے دن) کو حجرۂ عائشہؓ ہی میں رحلت فرمائی۔

تیرہ یا چودہ دن آپ علیل رہے۔ اثناءِ علالت آپ کو اسود عنبی، مُسیلمہ کذّاب، طلیحہ اسدی (جنھوں نے انہی ایام میں اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا) کے دعوئے نبوت کی اطلاع دی گئی۔ آپؐ نے اِن سے جہاد کرنے اور مقابلہ کرنے کی وصیّت و تاکید فرمائی اور اسود عنبی کی سرکوبی کے لئے انصار کی ایک جماعت کو روانہ فرمایا۔ آپؐ کی وفات سے ایک دن پہلے اسود عنبی قتل کیا گیا۔

اسی علالت کے زمانے میں آپ نے ایک مرتبہ فاطمہ الزہرار رضؓ کو بلایا اور سرگوشی کی حضرت فاطمہ رضؓ رو پڑیں اسکے بعد دوبارہ سرگوشی فرمائی تو ہنس پڑیں۔ سیّد عائشہ صدیقہ رضؓ نے آپؐ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ رضؓ سے اِس ہنسنے اور رونے کا سبب پوچھا تو کہا کہ پہلے آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ جبرئیل امین مجھ سے ہر سال رمضان میں قرآن کا ایک مرتبہ دور کیا کرتے تھے لیکن اس سال ۲ دو مرتبہ دور کیا۔ میرا خیال ہے کہ اسی بیماری میں میری وفات ہوگی۔ یہ سُنکر میں رو پڑی۔ پھر دوبارہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے گھر والوں میں تُو سب سے پہلے مجھ سے آملے گی۔ یہ سُن کر میں خوشی سے ہنس پڑی۔ (چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ۶ چھ ماہ بعد سیّدہ فاطمۃ الزہرا کا انتقال ہوگیا۔) (فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۳)

وفات سے چار یوم پہلے جمعرات کے دن مرض میں شدّت ہوگئی تھی کچھ لوگ حجرۂ نبوی میں موجود تھے اِن سے فرمایا کاغذ قلم لے آؤ تاکہ تمہارے لئے ایک وصیّت لکھوا دوں اسکے بعد تم گمراہ نہ ہوگے!

یہ سنکر حاضرین میں اختلاف ہوا کسی نے کہا کہ تعمیل کی جائے کوئی کہتا تھا کہ ایسی حالت میں آپؐ کو تکلیف نہ دینا چاہیئے۔ سیّدنا عمر فاروق رضؓ نے کہا آپؐ بیمار ہیں درد کی شدّت ہے ایسی حالت میں آپ کو تکلیف نہ دینا چاہیئے۔

کتابُ اللہ ہمارے پاس ہے (جو ہم کو گمراہی سے بچانے کے لئے) کافی ہے۔ بعض حضرات نے کہا آپ نے

کوئی مبہم بات کہی ہے خود آپ ہی سے دریافت کرلو وغیرہ۔
مجلس میں جب اختلاف زیادہ ہوا اور کچھ شور سا پیدا ہوا تو آپؐ نے فرمایا میرے پاس سے اُٹھ جاؤ مجھکو میرے حال پر چھوڑ دو میں جس حالت میں ہوں وہ بہتر ہے۔ پھر مجلس برخاست ہوگئی۔ اُسی دن یا دوسرے دن آپؐ نے تین باتوں کی زبانی وصیت فرمائی:۔
(۱) مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو (یعنی جزیرۂ عرب میں کوئی مشرک رہنے نہ پائے)
(۲) کسی وفد کو رُخصت کرتے وقت ہدیہ و تحفہ دیا کرو جیسا کہ میں دیا کرتا تھا۔
(۳) تیسری بات سے آپؐ نے سکوت فرمایا (یا راوی بھول گیا)
(بخاری و مُسلم)

بخاری و مسلم میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دورانِ علالت یہ فرمایا کہ میرا ارادہ ہو رہا تھا کہ ابوبکر رضؓ اور اُن کے بیٹے عبدالرحمٰن رضؓ کو بُلانے کے لئے کسی کو بھیج دوں اور اُن کو وصیّت کر دوں اور اُن کو اپنا نائب بنا دوں تاکہ کہنے والے کچھ کہہ نہ سکیں اور تمنّا کرنے والے کچھ تمنّا نہ کرسکیں لیکن پھر میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور کہا کہ وصیّت کی ضرورت نہیں اللہ بھی انکار کریگا اور اہل ایمان بھی انکار کریں گے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ملتے ہیں:۔
مَعَاذَ اللّٰہِ اَنْ یَّخْتَلِفَ النَّاسُ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ رضؓ
اللہ کی پناہ کہ لوگ ابوبکر کی خلافت میں اختلاف کریں۔

(فتح الباری ج ۸ صـ ۱۰۳)

زرقانی صـ ۲۵۷

وفات سے پانچ دن قبل آپؐ کو کچھ افاقہ ہوا۔ حضرت عباس رضؓ اور حضرت علی رضؓ کے سہارے مسجد تشریف لائے۔ ظہر کی نماز پڑھائی،

بعد ازاں خطبہ دیا۔ یہ آپ کا آخری خطبہ تھا۔ درمیانِ خطبہ ارشاد فرمایا:-

"اے لوگو! اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ خواہ وہ دنیا کی زندگی اختیار کرے یا آخرت کو اختیار کرے لیکن اُس بندے نے آخرت کو اختیار کر لیا۔"

حضرت ابوبکرؓ یہ سنتے ہی رو پڑے۔ کہنے لگے یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔

لوگوں کو تعجب ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بندے کی حکایت نقل فرما رہے ہیں اور ابوبکرؓ اس پر رو رہے ہیں۔

وفاتِ رسول کے بعد لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ بندہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ابوبکرؓ ہم سب میں زیادہ علم و فہم والے تھے۔

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس جس نے مجھ پر احسان کیا ہے میں نے اُس کا بدلہ ادا کر دیا ہے سوائے ابوبکرؓ کے۔ اُن کے احسانات کا بدلہ اور صلہ اللہ ہی قیامت کے دن اُنہیں دے گا۔ اِس کے علاوہ اور بہت سی خوبیاں حضرت ابوبکرؓ کی بیان فرمائی۔

جیش اُسامہؓ کو جلد روانہ کرنے کی تاکید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا، "اے اللہ میری قبر کو صنم کدہ نہ بنا کہ لوگ عبادت کریں!" جب تک طاقت رہی اُس وقت تک آپؐ مسجد میں تشریف لاتے رہے اور نماز پڑھاتے رہے۔ سب سے آخری نماز جو آپؐ نے پڑھائی وہ جمعرات کی مغرب کی نماز تھی جس کے چار یوم بعد پیر کے دن آپؐ کا انتقال ہو گیا۔ (بخاری)

جب عشاء کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟ عرض کیا گیا یا رسول اللہ لوگ آپؐ کے منتظر ہیں۔ آپؐ نے کئی بار اُٹھنے کا ارادہ فرمایا مگر مرض کی شدت کی وجہ سے بے ہوش ہو ہو جاتے تھے۔ آخیر میں فرمایا کہ ابوبکرؓ کو میری طرف سے حکم دو کہ وہ نماز پڑھائیں۔

سیدہ عائشہ رضہ نے فرمایا یا رسول اللہ ابوبکر بہت ہی رقیق القلب ہیں لہذا آپ عمر رضہ کو نماز پڑھانے کے لئے حکم دیں۔

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے کے بعد سیدہ عائشہ صدیقہ رضہ نے تین بار یہی جملہ دُھرایا مگر آپ نے ہر بار تاکید اور اصرار کے ساتھ فرمایا کہ ابوبکر رضہ کو حکم دو کہ وہی نماز پڑھائیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضہ نماز پڑھانے لگے۔

اسطرح صدیق اکبر رضہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک میں جملہ سترہ نمازیں پڑھائیں۔ دوشنبہ (پیر) کے دن جو آپ کی حیات دنیاوی کا آخری دن تھا۔ فجر کی نماز کے وقت اپنے حجرے کا پردہ اُٹھایا دیکھا کہ لوگ صف باندھے اپنی نماز میں مشغول ہیں۔ اس منظر کو دیکھ کر خوشی و مسرت سے آپ کا چہرۂ مبارک چمک اُٹھا۔ صدیق اکبر نماز پڑھا رہے تھے ارادہ کیا کہ پیچھے ہٹیں۔ آپ نے اشارہ سے فرمایا کہ نماز پوری کرو ضعف و ناتوانی کی وجہ سے آپ زیادہ کھڑے نہ ہوسکے حجرہ کا پردہ ڈال دیا اور اندر واپس تشریف لے گئے (بخاری)

صدیق اکبر رضہ نماز سے فارغ ہوکر حجرۂ مبارک میں تشریف لے گئے اپنی صاحبزادی سیدہ عائشہ رضہ سے کہا میرا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اب سکون و آرام ہے پہلی جیسی تکلیف و بے چینی نہیں ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضہ نے فرمایا ہاں کچھ ایسا ہی ہے۔

پھر آپ سے اجازت لیکر اپنی خانگی ضرورت کے لئے مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلہ پر جہاں صدیق اکبر رضہ کی دوسری بیوی رہا کرتی تھیں چلے گئے۔

دوسرے لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اب آرام ہوگیا ہے تو مسجد سے سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے۔

اسکے بعد سیدنا علی رضہ حجرۂ مبارک سے باہر آئے۔ بعض لوگوں

نے آپ کا مزاج دریافت کیا۔ سیدنا علیؓ نے کہا الحمد للہ آپؐ اچھے ہیں۔
لوگ مطمئن ہوکر منتشر ہوگئے۔ سیدنا عباس رضؓ نے حضرت علی رضؓ کا ہاتھ پکڑ کر
کہا: اے علی رضؓ تین دن بعد تم کسی کے ماتحت ہوجاؤ گے! اللہ کی قسم
میرا خیال ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بیماری میں وفات پائیں گے۔
میں بنی ہاشم کے سرداروں کی موت سے خوب واقف ہوں۔ وفات سے
پہلے اُن پر صحت وسکون کے آثار پیدا ہوا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا بھی یہی حال نظر آرہا ہے بہتر ہے ہم آپؐ سے دریافت کریں
کہ آپؐ کے بعد کون خلیفہ ہوگا؟ اگر ہم اہل بیت سے ہوگا تو واضح ہوجائیگا
ورنہ آپؐ اس بارے میں کوئی وصیت فرمادیں گے۔

حضرت علی رضؓ نے کہا اس سوال کی مجھ میں ہمت نہیں ہے ممکن
ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے متعلق انکار فرمادیں تو پھر ہم ہمیشہ
کے لئے اس سے محروم ہوجائیں گے اور اگر ہم میں سے کسی کو نامزد کردیں
تو وہ ہر صورت میں نامزد ہوجائے گا۔ اللہ کی قسم میں آپؐ سے اس بارے
میں ایک حرف بھی نہ کہوں گا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۲۷)

عالمِ نزع

عام صحابہ یہ سمجھ کر کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اب سکون و آرام ہو گیا ہے اپنے اپنے گھر چلے گئے کچھ دیر نہ گزری تھی کہ آپؐ پر نزع کی کیفیت طاری ہو گئی اس وقت آپؐ حجرۂ عائشہ میں تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ کے آغوش میں سر رکھ کر لیٹ گئے۔ اتنے میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضہ کے بھائی عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضہ حجرۂ مبارک میں داخل ہوئے ہاتھ میں مسواک تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی طرف دیکھنے لگے، سیدہ عائشہ صدیقہ رضہ نے سمجھا کہ آپؐ مسواک چاہتے ہیں۔ مسواک کو اپنے دانتوں سے نرم کر کے آپؐ کو دی گئی آپؐ نے مسواک فرمائی۔ آپؐ کے قریب پانی کا ایک پیالہ بھی تھا درد کی شدت سے بیقرار ہو کر بار بار پیالہ میں ہاتھ ڈالتے اور اپنے چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے اور یہ فرماتے تھے:۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٌ۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں بے شک موت کی بڑی سختیاں ہیں۔

رفیقِ اعلیٰ:۔

پھر آپؐ نے چھت کی طرف نظر فرمائی اور ہاتھ اُٹھا کر فرمایا:۔

اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى۔

اے اللہ میں تیری رفاقت چاہتا ہوں۔

(سیدہ صدیقہ رضہ فرماتی ہیں کہ میں نے آپؐ سے بارہا سنا تھا کہ کسی پیغمبر کی روح اُس وقت تک قبض نہیں کی جاتی جب تک کہ اُس کا مقام جنت میں اسکو دکھایا نہ جاتا ہو۔ اسی طرح موت کے وقت اُسکو دُنیا و آخرت کا اختیار نہ دیا جاتا ہو کہ جو چاہے زندگی اختیار کرلے)

جب یہ کلمات میں نے سُنے تو اُسی وقت سمجھ گئی کہ اب آپ ہم میں نہیں رہیں گے۔ آپؐ نے عالم آخرت کو اختیار فرمالیا ہے۔ الغرض آپؐ کی زبانِ مبارک سے یہ کلمات نکلے اور روح مبارک عالم بالا کو پرواز کر گئی اور دست مبارک نیچے گر گیا۔ (بخاری)

یہ عظیم سانحہ اور روح فرسا واقعہ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ دوشنبہ (پیر کے دن) دوپہر کے وقت پیش آیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ انتقال کے وقت آپؐ کی عمر شریف تریسٹھ (۶۳) سال کی تھی۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۴)

اس خبر کا منتشر ہونا تھا کہ مدینہ طیبہ کی زمین پر قیامت ٹوٹ پڑی صحابہ کے ہوش اُڑ گئے جس نے سُنا اُسی جگہ ششدر و حیران رہ گیا۔ سیّدنا عثمان غنی رضؓ پر ایک عالم سکتہ طاری تھا خاموش دیوار سے پُشت لگائے بیٹھے تھے شدّتِ غم سے بات تک نہیں کر رہے تھے، سیّدنا علی رضؓ زار و قطار روتے روتے بے ہوش ہوگئے، سیّدنا عباس رضؓ بھی حیرانی و پریشانی کا مجسّم تھے، سیّدنا عمر فاروق رضؓ کی حیرانی عجیب و غریب صورت اختیار کر گئی تلوار سُونت کر کھڑے ہوگئے اور بآواز بلند کہنے لگے کہ منافقین کا گمان ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے ہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ آپ اپنے پروردگار سے ملاقات کرنے تشریف لے گئے ہیں جسطرح سیدنا موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر ملاقات کے لئے گئے تھے اور پھر واپس آگئے۔ اللہ کی قسم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح واپس تشریف لائیں گے اور منافقین کا قلع قمع کریں گے۔ اس وقت کسی کی مجال نہ تھی کہ یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا ہے اور تمام صحابہ سیّدنا عمر فاروق رضؓ کے اس اعلان پر دم بخود تھے کہ اچانک سیّدنا ابوبکر صدیق رضؓ مسجد نبوی کے دروازے پر پہنچے گھوڑے سے اتر کر غم و الم کی حالت میں حجرۂ مبارک کی طرف بڑھے۔ سیّدنا عائشہ صدیقہ رضؓ سے اجازت لیکر اندر داخل ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر مبارک پر تھے۔ آپ کی تمام ازواج

آپ کے گرد بیٹھی ہوئی تھیں سب نے پردہ کر لیا۔ صدیق اکبرؓ نے چہرۂ مبارک سے چادر ہٹائی پیشانی پر بوسہ دیا اور رو پڑے۔ (مسند احمد) اور کہا میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں آپ موت وحیات دونوں حالت میں پاکیزہ رہے۔ اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپؐ کو دو مرتبہ موت کا مزہ نہیں چکھائے گا جو موت آپؐ کے لئے مقدر تھی وہ پوری ہو چکی۔ یہ کہکر چہرۂ مبارک سے باہر آئے دیکھا کہ سیدنا عمر فاروق رضؓ کا وہی حال ہے۔ صدیق اکبرؓ نے انھیں ٹوکا اور فرمایا اے عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے ہیں کیا تم نے اللہ کا یہ قول نہیں سُنا:۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ (زمر آیت ۳۰)

اے نبی آپؐ کو بھی مرنا ہے اور یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ۔ (انبیاء آیت ۳۴)

اور ہم نے آپؐ سے پہلے کسی بھی بشر کو ابدی حیات نہیں دی ہے۔

پھر آپؐ منبر نبوی کی جانب بڑھے اور لوگوں کو جمع کیا اور حمد وثنا کے بعد یہ خُطبہ دیا:۔

اُے لوگو! جو کوئی تم میں سے اللہ کی عبادت کیا کرتا تھا اُسکو معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ زندہ ہے دائم و قائم ہے اس پر موت نہیں آتی۔ اور اگر بالفرض کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو اُس کو جان لینا چاہیئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں۔ اور محمد تو اللہ کے رسول ہی ہیں اُن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ لہذا اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہو جائیں تو کیا تم دین اسلام سے پھر جاؤ گے؟

اور جو شخص دین اسلام سے پھر گیا تو وہ اللہ کو ذرّہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو بھرپور بدلہ دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مخاطب بنا کر یہ فرمایا ہے:۔

"اے نبی بیشک آپ وفات پانے والے ہیں اور یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں اور ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ صرف اللہ ذُوالجلال کی ذات باقی رہنے والی ہے۔"

• اللہ نے اپنے نبی کی عمر دراز کی یہاں تک کہ آپؐ نے اللہ کے دین کو قائم کر دیا اور اُس کے حکم کو غالب کر دیا اور اللہ کا پورا پیغام پہنچا دیا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ پھر اللہ نے آپؐ کو اپنے پاس بُلا لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو ایک سیدھے اور واضح راستے پر چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۸۰)

صدیق اکبرؓ کا یہ خطبہ اور آیات الٰہی کے اس بیان نے یکلخت حیرت وسکوت کے عالم کو دور کر دیا۔ سب کو یقین ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔ صحابہ کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس سے پہلے نہ یہ آیات پڑھی گئیں اور نہ سُنی گئیں تھیں۔ اب ہر شخص انہی آیات کی تلاوت کر رہا تھا۔ سیدنا عمر فاروق رضؓ فرماتے ہیں کہ میری حالت بھی یہی ہوئی گویا میں نے اِن آیات کو آج ہی پڑھا ہے۔ پھر میں نے اپنے خیال سے رجوع کر لیا۔ (تفسیر قرطبی ج ۴ ص ۲۲۳)

غُسل اور تجہیز و تکفین :۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب غسل دینے کا ارادہ کیا گیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ آپؐ کے کپڑے اُتارے جائیں یا اُنہی کپڑوں میں غسل دیا جائے؟ ابھی کوئی تصفیہ ہونے نہ پایا تھا کہ موجود صحابہ پر اچانک ایک غنودگی کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور غیبی طور پر ایک گوشے سے آواز آئی کہ اللہ کے رسول کو برہنہ نہ کرو کپڑوں ہی میں غسل دو، چنانچہ پیراہن مبارک ہی میں غسل دیا گیا اور بعد میں اُتار دیا گیا۔ سیدنا علی رضؓ نے آپ کو غسل دینے کا فریضہ انجام دیا۔ سیدنا عباس رضؓ اور آپ کے دونوں

صاجزادے فضل بن عباس رضؓ، قثم بن عباس رضؓ آپؐ کو کروٹیں بدلتے تھے۔ حضرت اسامہ بن زید رضؓ اور حضرت شقران رضؓ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام) نے پانی ڈالنے کا فریضہ انجام دیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۶۰)
غسل کے بعد آپ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا جس میں نہ قمیص تھی نہ عمامہ تھا۔

شمائل ترمذی میں روایت ہے کہ لوگوں نے صدیق اکبر رضؓ سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی جائے؟ آپ نے کہا ہاں صلوٰۃ جنازہ پڑھو! لوگوں نے پوچھا کس طرح؟ صدیق اکبر رضؓ نے کہا لوگوں کا ایک گروہ حجرہ میں داخل ہو اور تکبیر کہے پھر درود و دُعا پڑھکر واپس آجائے اس طرح سب لوگ صلوٰۃ جنازہ ادا کریں۔

ابن ماجہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ منگل کے دن جب آپ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے آپ کا جنازہ آپکی قبر شریف کے کنارے رکھ دیا گیا ایک ایک جماعت حجرۂ شریف میں داخل ہوتی اور نماز پڑھکر باہر آجاتی۔ کوئی کسی کی امامت نہیں کرتا تھا سب لوگ بغیر امام کے علیحدہ علیحدہ نماز پڑھکر حجرہ سے واپس لوٹتے تھے۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ آپؐ پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔ امام شافعی رحؒ نے "کتابُ الاُمّ" میں نہایت صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ آپؐ پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔

مرض الوفات میں آپؐ نے ایک مرتبہ اپنے اہلِ خانہ سے فرمایا تھا کہ جب میری تجہیز و تکفین ہو جائے تو تھوڑی دیر کے لئے سب لوگ حجرہ سے باہر ہو جانا۔ سب سے پہلے مجھ پر جبرئیل امین نماز پڑھیں گے پھر میکائیل پھر اسرافیل اسکے بعد ملک الموت اور بعد میں دیگر فرشتے نماز پڑھیں گے۔ اس کے بعد تم میں کی ایک ایک جماعت حجرے میں داخل ہو اور مجھ پر صلوٰۃ و سلام پڑھے۔

(مسند بزار، مستدرک حاکم)

تدفینِ نبیؐ :-

تجہیز و تکفین کے بعد پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ آپؐ کو کہاں سپردِ خاک کیا جائے ؟ کیونکہ یہ ایسے مسائل تھے کہ کسی کو دریافت کرنے کا خیال تک نہیں آیا تھا۔ لیکن صدیق اکبرؓ کے ہاں اِن باتوں کا علم موجود تھا۔ آپؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ پیغمبر اُسی جگہ سپردِ خاک ہوتے ہیں جہاں اُن کی روح قبض کی جاتی ہے۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

چنانچہ اُسی جگہ آپ کا بستر اُٹھوا کر قبر تیار کرنا تجویز کیا گیا لیکن پھر ایک مسئلہ اور پیش آیا کہ کس قسم کی قبر تیار کرنی چاہیئے ؟ کیونکہ مدینہ طیبہ میں عام طور پر "لحد" (بغلی قبر) کا رواج تھا اور مکہ مکرمہ میں "شق" (صندوقی قبر) کا رواج تھا۔ مہاجرین نے شق والی قبر کا مشورہ دیا اور انصار مدینہ نے لحد کا مشورہ دیا۔ صحابہ کرام میں حضرت ابو عبیدہ رضؓ شق والی قبر کھودنے کے ماہر تھے اور حضرت ابو طلحہ رضؓ لحد کھودنے کے ماہر تھے۔ آخر طے یہ پایا کہ دونوں کے پاس آدمی روانہ کیا جائے۔ دونوں میں جو بھی پہلے آجائے وہی اپنا کام کرے گا۔ چنانچہ حضرت ابو طلحہ رضؓ پہلے آپہنچے اور اُنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لحد تیار کی۔

(زرقانی ج ۸ ص ۲۸۹ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۵۹)

اور قبر شریف کو کوہان کی شکل پر بنا دیا گیا۔ (بخاری)

جب قبر شریف تیار ہوگئی تو ایک صحابی رضؓ نے شہادت دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا تھا

اَللَّحَدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا (الحدیث)

(لحد ہم اہل مدینہ کا دستور ہے اور شق دوسروں کا طریقہ ہے)

دو شنبہ (پیر کا دن) دوپہر کے وقت آپ کی وفات ہوئی تھی۔ سہ شنبہ (منگل کے دن) آپؐ کی تجہیز و تکفین سے فراغت ہوئی۔ چہار شنبہ (بدھ کے دن) شب میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ یہی جمہور علماء کا قول ہے۔ بعض علماء

کہتے ہیں کہ سہ شنبہ (منگل کے دن) ہی تدفین ہوئی۔ واللہ اعلم۔

سیدنا عباس رضؓ اور سیدنا علی رضؓ اور حضرت فضل بن عباس رضؓ اور حضرت قثم بن عباس رضؓ نے جسدِ اطہر کو قبر شریف میں اُتارا، سُپرد خاک کرنے کے بعد پائینتی سے مٹی بھرنا شروع کیا گیا جب قبر شریف پُر ہوگئی تو اُسکو کوہان کی شکل دی گئی اور تُربتِ پاک پر پانی چھڑکا گیا۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفینِ مبارک سے فارغ ہوکر ایک روایت کے مطابق تیس ۳۰ ہزار سے زائد صحابہ کرام آنسو بہاتے اپنے اپنے گھر واپس ہوئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ أَعْظُمُهُ
فَطَابَ مِنْ طِيبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْأَكَمُ
نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ أَنْتَ سَاكِنُهُ
فِيهِ الْعَفَافُ وَفِيهِ الْجُودُ وَالْكَرَمُ

وصلى الله تعالى على خاتم النبيين ورحمة للعالمين وآله وصحبه اجمعين۔

ليلة القدر،
۲۹ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
قریب مقام ابراہیم
مسجد الحرام، مکۃ المکرمہ۔

رحمتِ دو عالم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پر

معروف و مستند کتاب کا اردو ترجمہ

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (کامل)

ابنِ ہشام

تالیف

محمد بن اسحاق بن یسار — ابو محمد عبدالملک بن ہشام

م ۱۵۱ھ — م ۲۱۳ھ

اردو ترجمہ

سید یٰسین علی حسنی نظامی دہلوی

تہذیبِ جدید

سعود اشرف عثمانی

ناشر: ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور ۲

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا

سیرتِ ائمۂ اربعہ

اسلامی فقہ کی ابتدائی تاریخ و ترویج کی تفصیل، ائمہ اربعہ، امام ابُوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد حنبل رحمہم اللہ کے حالاتِ زندگی اور ان کے دینی کاموں کا مُستند تذکرہ

از: حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پُوری

ناشر: ادارۂ اسلامیات ۱۹۰- انارکلی لاہور (پاکستان)

ترجمان السنّۃ

مکمل

عربی - اردو

دورِ حاضر کی ضرورتوں کے مطابق جدید عنوانات اور قدیم مباحث کے ہمراہ
احادیثِ طیبہ کا جامع و مستند عظیم الشان مجموعہ

تالیف
زبدۃ المحدثین حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہٗ
استاذ الحدیث دار العلوم دیوبند و رفیق ندوۃ المصنفین دہلی

ادارہ اسلامیات
انارکلی ۰ لاہور ۲

مسائل السلوك
من
كلام ملك الملوك
يعنى
مسائل تصوّف قرآن کی روشنی میں

تحریر دلپذیر
جامع شریعت و طریقت
حکیم الامّۃ، مجدد الملّۃ حضرۃ مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

عنوانات: جناب محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہم

★

ناشر
ادارۂ اسلامیات ۱۹۰- انارکلی لاہور ۲